SPOTTER
مشہور ناول
"سنائپر" کا دوسرا حصہ
سپاٹر
ریاض عاقب کوہلر

دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دینے والے نشانہ باز کے ہنگامہ خیز شب و روز

راوی: راجا ذیشان حیدر

ریاض عاقب کوہلر

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-37652546, 37668958

www.alquraish.com email: info@alquraish.com

''ٹھ ٹھ ٹھ   تڑتڑتڑ......   ''ایک دم تیز فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔میری آنکھ پہلی گولی ہی سے کھل گئی تھی۔اور بلا شک وشبہ وہ روزمرہ کا تلاشی فائر نہیں تھا۔(تلاشی فائر سے مراد وفاع لی ہوئی فوج کا وہ فائر ہوتا ہے جو دشمن کی موجودگی کے خطرے کو مدنظر رکھ کر سنتری دشمن کو تاڑے بغیر اندازے سے کرتا ہے ایسا فائر فقط شک دور کرنے کو کیا جاتا ہے)

ساتھ والے بستر پر لیٹا سردار خان بھی اٹھ بیٹھا تھا۔گولیاں رہائشی مورچے کی غربی دیوار سے ٹکرائیں۔یوں لگ رہا تھا جیسے بہت قریب سے گولیاں چلائی گئی ہوں۔کلاشن کوف اٹھاتے ہوئے وہ اطمینان سے بولا۔

''راجے!بہتر ہو گا کہ کلمہ شہادت دہرا لے۔''

میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔''تم جیسے خان ہی پٹھانوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں کہ گولیوں کی آواز پر تمھیں کلمہ شہادت ہی بھول گیا ہے۔''

فوجی جوانوں نے جوابی فائرنگ شروع کردی تھی۔نمایاں آواز''رانی'' کی تھی۔پاک آرمی کے جوان''ایل ایم جی''کو پیار سے رانی کہتے ہیں۔اور بلاشبہ یہ میدان جنگ کی رانی ہے۔ایک منٹ میں گیارہ سو سے تیرہ سو گولیاں فائر کرنے والی ایسی گن جس کی آواز سن کر ہی دشمن پر لرزہ طاری ہو جائے۔یہ تیز ترین ریٹ آف فائر والی گن ہے اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ دو بیرل استعمال کی جاتی ہیں۔جونھی ایک بیرل گرم ہوتی ہے فی الفور دوسری بیرل ڈال دی جاتی ہے۔بیرل تبدیل کرنے کا طریقہ کار نہایت سادہ اور آسان ہے اور اس پر سیکنڈ بھر سے زیادہ وقت بھی خرچ نہیں ہوتا۔

وہ جھکے جھکے دروازے کے قریب ہوا۔''کلمہ شہادت کی تلقین تمھاری آخرت سنوارنے کو کی ہے،ورنہ تمھارے کالے کرتوتوں سے بعید ہے کہ تمھیں کلمہ پڑھنا یاد رہے۔''

وہ وقت لفظوں کی گولہ باری کے بجائے عملی اقدام کا تھا میں خاموشی سے اس کی تقلید کرتے ہوئے دروازے کے قریب ہو گیا تھا۔ایل ایم جی کے ساتھ کلاشن کوفوں کی تڑتڑاہٹ بھی جاری تھی۔سردار دروازہ کھولنے سے پہلے چھاتی کے بل لیٹ گیا تھا۔میں نے روشنی بجھا دی۔رات کے وقت سب سے اچھا ہدف روشنی ہی بنتی ہے۔اور پھر لکڑی کا دروازہ بھی گولی کے خلاف کوئی آزمیا نہیں کرتا۔

عموماً ایکشن فلموں میں ہیرو صاحب کسی میز وغیرہ کی آڑ لے کر گولیوں کی بوچھاڑ سے یوں بچ جاتا ہے جیسے بکتر بند

میں پناہ لے رکھی ہو۔اور میز کی موٹائی بھی ایک ادھ انچ سے کم ہوتی ہے۔یادرکھیں تو دس انچ تک موٹی لکڑی بھی فائر کے خلاف آزمایا نہیں کرتی،تو ایک ادھ انچ موٹی لکڑی کیسے گولی کو روک سکتی ہے۔

رہائشی بنکر کے سامنے فائری خندقیں بنی تھی۔میدانی علاقے میں ایسی خندقیں زمین کو کھود کر بنائی جاتی ہیں اور کھدائی سے جو مٹی نکلتی ہے وہ خندق کے سامنے بند کی صورت ڈھیر کر دی جاتی ہے۔لیکن پہاڑی علاقے میں کھدائی نہیں کی جاسکتی اور پتھروں کی دیوار بنا کر فائری خندق بنائی جاتی ہے۔تاکہ نقل و حرکت کو دشمن کے فائر اور نگرانی سے محفوظ رکھا جاسکے۔

فائری خندق رہائشی بنکر سے ذرا نشیب میں بنی تھی ،ہم وہاں تک کھڑے ہو کر نہیں جاسکتے تھے۔پہاڑوں پر مورچے اور رہائش بنانے میں سب سے بڑا مسئلہ یہی ہوتا ہے کہ جہاں جگہ اجازت دیتی ہے وہاں دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔رہائشی بنکر کی دیواریں بنانے کو تو جگہ مل جاتی ہے لیکن فائری خندقوں کی مسلسل دیوار بنانے کو کافی احتیاطوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔وہ دیوار بھی کمروں سے ذرا نشیب میں تھی اور لیٹ ہی کر گولیوں کی بوچھاڑ سے بچا جاسکتا تھا۔

ہم کرالنگ کرتے ہوئے نیچے پہنچے۔کلاشن کوفوں کے دہانے بارش کے قطروں کی طرح گولیاں اگل رہے تھے۔دہشت گردوں کی بڑی تعداد حملہ آور ہوئی تھی،دہشت گردوں کی فائرنگ کا عمومی طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ،آڑ میں رہتے ہوئے کلاشن کوف کی نال(بیرل)کو ہدف کی جانب سیدھا کر کے حفاظتی لیور(سیفٹی)کو خودکار(آٹومیٹک)حالت پر رکھ کر لبلبی(ٹریگر)دبا دیتے ہیں۔اور جب تک میگزین خالی نہیں ہوجاتی لبلبی سے انگلی نہیں اٹھاتے۔پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ کلاشن کوف کے ساتھ مختلف قسم کی میگزینیں استعمال ہوتی ہیں جن میں تیس،چالیس اور پچھتر گولیوں کی میگزینوں کا استعمال عام ہے۔کلاشن کوفوں کے گرجنے کے ساتھ ایل ایم جی اور جی تھری کا دھاڑنا بھی شروع تھا۔

ہم اس وقت''کیو بے ٹاپ''پر موجود تھے۔شوال وادی عبور کرنے کے بعد ایک مسلسل پہاڑی سلسلہ ہے جو شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔اس کے سامنے وسیع اور چوڑا نالہ ہے جس کی چوڑائی تقریباً ساڑھے چار پانچ کلومیٹر کے بہ قدر ہوگی۔نالے کا زیادہ تر حصہ خشک ہے اور درمیان میں بہت کم مقدار میں پانی بہہ رہا ہے جس کا بہاؤ جنوب سے شمال کی جانب ہے۔اسے افغان نالہ کہا جاتا ہے۔یہ صرف کہنے کی حد تک نالہ ہے ورنہ اس کی وسعت کسی بھی طرح چوڑی وادی سے کم نہیں ہے۔نالے میں چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں اور پتھر کی چٹانیں بکثرت پھیلی ہیں۔جتنی کثرت سے چٹانیں اور ٹیکریاں پھیلی ہیں اس سے زیادہ تعداد میں دہشت گردوں کی ٹولیاں اکٹھی ہوئی ہیں۔جو آرمی کے خلاف تو کارروائیاں کرتے ہی ہیں معصوم مقامی لوگوں کو تنگ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

نالہ عبور کر کے ایک اور پہاڑی ہے۔جو کیو بے ٹاپ کے متوازی شمال سے جنوب کی طرف پھیلی ہے۔اس کے بلند مقام کا نام بامک ٹاپ ہے۔بامک ٹاپ کی بلندی قریباً گیارہ بارہ ہزار فٹ ہے۔اور شمالاً جنوباً اس کی بلندی بتدریج کم ہوتی ہوئی زمین سے مل جاتی ہے۔اس سے ملحق جنوب کی جانب افغانستان کے شہر لمن کی حدود شروع ہوجاتی ہے۔اور شمال کی جانب ایک بڑا گاؤں گرش خیل کلے ہے۔گرش خیل کلے میں امریکی فوج کی ایک چھاؤنی بھی موجود ہے،جبکہ لمن شہر کے شمالی جانب انڈیا کی ایک پوسٹ ہے۔اور حقیقت تو یہ ہے کہ دہشت گردوں کے اصل ماخذ امریکی چھاؤنی اور انڈین پوسٹ ہی ہیں۔بامک ٹاپ پر بھی دہشت گردوں کے ٹھکانے موجود ہیں۔انڈیا ہماری سرحد کو کسی صورت محفوظ نہیں دیکھ سکتا اور باڑ کو مکمل ہونے سے روکنے کو مسلسل دہشت گردانہ کارروائیاں کروا رہا ہے۔بلکہ دہشت گردوں کے ساتھ عموماً انڈیا کے سنائپر بھی پاکستان آرمی کے خلاف مصروف کار نظر آتے ہیں۔سنائپنگ کے علاوہ گاہے گاہے جسمانی حملے بھی ہوتے رہتے ہیں جن کا منہ توڑ جواب دیا جاتا ہے۔

پہلے سردار اور میں انگور اڈے سے جنوب کی جانب لکوا ڑا سیکٹر میں تعینات ہوئے مگر وہاں سنائپر حملے قلیل تعداد میں

ہوتے تھے، تبھی ہماری ضرورت کیو بے تاب پر محسوس کی جانے لگی اور ہم یہاں پہنچ گئے تھے۔ دو ہفتے ہونے کو تھے، دن بھر مورچے میں لیٹ کر دشمن کے سنائپروں کو تاڑتے اور شام کو رہائشی بنکر میں گھس کر آرام کرتے۔ ہماری آمد کے بعد یہ دہشت گردوں کا پہلا جسمانی حملہ تھا۔

فائری خندق میں اترتے ہی سردار دوڑ کر قریبی مورچے میں پہنچا۔ خندق میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مورچے بنے ہوئے تھے۔ ایک مورچے کے موکھے (Loop Holes) پر کلاشن کوف کی نال ٹیک کر سردار جوابی فائر کرنے لگا۔ میں نے بھی اس کے دائیں جانب پوزیشن سنبھالی۔ حملہ آور کافی قریب پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے چھپ کر قریب پہنچنے میں سنتریوں کی غفلت کے بجائے علاقائی خدوخال کا ہاتھ تھا۔ ورنہ اس علاقے میں پہرے دار سستی یا غفلت کا شکار نہیں ہو سکتے۔ درختوں کے جھنڈ، ابھری ہوئی ڈھلانیں اور اوجھل زمین چھپ کر حرکت کرنے کو نہایت معاون و مددگار ہوتی ہیں۔ خاص کر اندھیرا تو دشمن کے لیے قریبی دوست کی حیثیت رکھتا ہے۔

سردار کے فائر کے ساتھ ہی گولیوں کی بوچھاڑ خندق کی دیوار سے ٹکرائی، سر نیچے کرتے ہوئے وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

''تمھاری کلاشن کوف کو گی ہے۔''

''کوئی نظر بھی آئے یا گولی ضائع کردوں۔'' میں نے منہ بنایا۔

''نشانہ بازی کا مقابلہ نہیں ہے حضور! ایسے موقع پہ اندھادھند فائرنگ کی جاتی ہے۔''

میں ہنسا۔ ''اندھادھند فائر، اندھے کرتے ہیں۔''

وہ فلسفیانہ لہجے میں بولا۔ ''اندھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اندھا بننا پڑتا ہے۔''

''بغیر ہدف دیکھے جب بھی ٹریگر دبانے لگوں تصور صاحب کا تنبیہ بھرا دمتا ساعتوں میں گونجنے لگتا ہے۔''

سردار نے موکھے سے بیرل نکال کر ایک چھنا (برسٹ) گولیوں کا نکالا۔ ''وہ خود تو صوبیدار میجری کے مزے لوٹ رہے ہیں اور تم ان کے نصائح کی خاطر اپنا نقصان کرانے پر تیار بیٹھے ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''استاد کی نصیحتوں پر عمل کرنے سے کم از کم نقصان نہیں ہو سکتا۔'' ایک دم فائرنگ میں تیزی آئی، ہمیں موکھے کے سامنے سے ہٹنا پڑا۔ ہمارے دائیں جانب مورچے میں بھی دو جوان موجود تھے۔ ان کے پاس ایل ایم جی تھی۔ اور وہ درمیانے چھٹے فائر کر رہے تھے۔ (ایک تربیت یافتہ فائرر ایل ایم جی استعمال کرتے وقت چار اقسام کا فائر کرتا ہے۔ آہستہ، درمیانہ، تیز اور لگاتار۔ ایک بار ٹریگر دبانے سے گن کے دہانے سے نکلنے والی گولیوں کی تعداد کو فائری چھنا یا برسٹ آف فائر کہتے ہیں۔ اور فائری چھٹے میں گولیوں کی تعداد کا انحصار ٹریگر دبانے کی مدت پر منحصر ہے۔ ایل ایم جی کا ریٹ آف فائر اتنا تیز ہے کہ ایک منٹ ٹریگر کو دبا کر رکھیں تو 1100 سے 1300 گولیاں فائر کر دیتی ہے اس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چھ سات گولیوں کا چھنا نکالنے کو ٹریگر کو کتنا دبانا پڑے گا)

وہ دونوں ہم سے چند گز ہی دور تھے۔ اچانک تیز کراہ سنائی دی۔ سردار فوراً بولا۔ ''کام ہو گیا۔''

کراہ میں نے بھی سن لی تھی اور اسی جانب متوجہ تھا۔ ایک جوان کندھے کو تھامے نیچے بیٹھ گیا تھا جبکہ دوسرا ٹارچ روشن کر کے زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں تیزی سے ان کی طرف بڑھا، سردار اپنی جگہ ڈٹا رہا۔

زخمی ہونے والے نے گن کی بیرل تبدیل کرنے کو بیرل کیچ کھولا تھا تبھی بھولی بھٹکی گولی نے موکھے سے گزر کر اسے وقتی طور پر ناکارہ کر دیا تھا۔ قسمت اچھی تھی ورنہ تین چار انچ کے فرق کے ساتھ گولی اس کی گردن میں بھی پیوست ہو سکتی تھی۔۔۔ اور ایسا ہونے پر ایک ماں کا بیٹا، بہن کا بھائی، کسی بیوی کا شوہر، ننھے منے بچوں کا ابو، بوڑھے باپ کا سہارا منوں مٹی

متعلق استفسار کرنے پر جوان بیوہ اور بوڑھی وادی کے آنسوان معصوموں کی

تک پہنچ جاتا۔ اور ننھے بچوں کے اپنے باپ کے

سمجھ سے باہر ہوتے۔

اس کا نام ولدار تھا اور وہ بچ گیا تھا۔ لیکن ایسے کئی ولدار میں نے ارض پاک پر قربان ہوتے دیکھے ہیں۔ لاش گھر آتی ہے تو کسی کا سر نہیں ہوتا اور کسی کا دھڑ نہیں ملتا۔ لکڑی کے ایک تابوت میں خاکی وردی کی چند دھجیاں لپیٹ کر والدین کے بہلانے اور ان کی محبت کو مرکز مہیا کرنے کا حیلہ کر دیا جاتا ہے اور وطن کی خاطر جان دینے والے کے گوشت کے لوتھڑے اور وفادار خون اپنی مٹی میں ایسے خلط ہو جاتا ہے کہ سرخ اور خاکی کی پہچان مٹ جاتی ہے۔

میں نے ولدار کا زخمی کندھا تھامتے ہوئے اس کے ساتھی اسلم کو کہا۔ ''کیوسی بی لے آؤ۔'' (Quick Combat Bandage آرمی میں ہر جوان کو مہیا کی جاتی ہے۔ یہ حادثاتی چوٹ اور گولی وغیرہ لگنے سے بہتے خون کو روکنے کو ابتدائی طبی امداد کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسے سادہ زبان میں فیلڈ پٹی بھی کہتے ہیں)

''میرے پاس موجود ہے۔'' اس نے اپنے بنڈوریل (ہتھیار کی اضافی میگزینیں رکھنے اور چھاتی و پیٹھ کو گولی سے بچانے کو بلٹ پروف پلیٹیں ڈالنے کا جیکٹ نما پہناوا۔ اسے عموماً بلٹ پروف جیکٹ کہتے ہیں) کی جیب سے ''کیوسی بی'' نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ اس اثناء میں میں نے ولدار کا بنڈوریل اتار دیا تھا۔ حفاظتی پلاسٹک ہٹا کر میں نے نرم پٹی زخم کے منہ پر دبا کر رکھی اور پٹی کو مہارت سے لپیٹ دیا۔

ولدار ہوش میں تھا۔ میں نے اسلم کو کہا۔ ''اسے سہارا دے کر رہائشی بنکر میں لے جاؤ۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی جی تھری کندھے سے لٹکائی اور ولدار کے ساتھ فائری خندق میں آگے بڑھ گیا۔ اس حالت میں بھی جوان نے اپنا ہتھیار پیچھے چھوڑنا گوارا نہیں کیا تھا۔

میں نے ایل ایم جی میں بیرل ڈال کر بیرل کیچ بند کیا اور فیڈ ٹرے میں گولیوں کا بیلٹ چڑھا دیا۔ ایل ایم جی میں گولیوں کا بیلٹ چڑھتا ہے اور ایک بیلٹ میں اڑھائی سو گولیاں آتی ہیں۔

سردار قریب آیا۔ ''راجے! میں تمھیں ایل ایم جی کی بے حرمتی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم وہ نمونے ہو جو بارہ بور سے بھی ایک ایک چھرہ فائر کرنے کی کوشش کرو گے۔''

''خان صاحب آپ ہی شوق پورا کرلیں۔'' میں نے پیچھے ہو کر کلاشن کوف اٹھالی۔

سردار نے اپنی کلاشن کوف دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور ایل ایم جی کا بٹ کندھے میں پھنسا لیا۔ لبلبی دبا کر اس نے ایک لمبا چھٹا نکالا۔ اسی وقت دو تین اور ایل ایم جی بھی گرجیں، سامنے سے آنے والا فائر لمحہ بھر کو رک گیا تھا۔

اسلم ولدار کو پہنچا کر واپس لوٹا۔

میں نے کہا۔ ''تمھیں ولدار کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''نرسنگ حوالدار واجد کے حوالے کر آیا ہوں۔''

آرمی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہر پیشے کے صیغے اس میں موجود ہیں۔ علاج معالجے کو میڈیکل کے نمائندے، ہتھیاروں کی دیکھ بھال کو آرموررر، گاڑیوں کی مرمت کو مکینک، سڑکیں، پل وغیرہ بنانے کو انجینئرز وغیرہ۔

میں نے پوچھا۔ ''شب دیدینک (نائیٹ ویژن سائیٹ) مل جائے گی؟''

اسلم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اے این، پی وی ایس۔ فور اے (AN/PVS-4A) موجود ہے۔''

خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میں مسرت سے بولا۔ ''لے آؤ۔'' اس کا بیولہ دوبارہ اندھیرے کا حصہ بن گیا تھا۔ اس کی واپسی تک میں سردار کی فائرنگ سے محظوظ ہوتا رہا۔ ایک بیلٹ ختم کر کے اس نے دوسرا چڑھا لیا تھا۔ اسلم کے آنے تک

دوسرا بلٹ بھی ختم ہونے کے قریب تھا۔ اسلم سے شب دید عینک لے کر میں نے بیٹریاں ڈال کر آن کیا۔ اور ساتھ ہی ایل ایم جی پر لگا دی۔ "اسے این، وی، ڈی، ایس فور کہتے ہیں۔ تھرڈ جنریشن سے تعلق رکھتی ہے۔ (شب دید آلات کی اقسام کے متعلق میں سنائپر میں وضاحت کر چکا ہوں کسی کو جاننے کا شوق ہو تو وہاں پڑھ سکتا ہے۔)

مورچے کا مو کھا اتنا چوڑا نہیں تھا کہ شب دید آلہ لگانے کے بعد بھی دکھاؤ کی سہولت مہیا کرتا۔ سردار نے کہا۔ "گن کسی اور جگہ لگانا پڑے گی۔"

فائری خندق میں بغیر چھت کے مورچے بنے ہوئے تھے۔ یوں کہ خندق کی دیوار میں جگہ جگہ موکھے بنا کر انھی سے مورچوں کا کام لیا جاتا۔ البتہ پوسٹ کے چاروں کونوں میں ایک ایک بڑا مورچہ بنا ہوا تھا۔ وزیرستان میں پاک آرمی کو ایک مسئلہ یہ بھی درپیش ہے کہ دشمن کی سمت متعین نہیں ہے۔ بظاہر تو دشمن مغربی جانب تصور کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہرے داروں کو چاروں اطراف کی نگرانی کرنا پڑتی ہے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دفاع میں چور رستے موجود ہیں کہ دشمن کو سرحد پار کرنے کو اتنا جوکھم نہیں اٹھانا پڑتا۔ پھر آستین کے سانپ بھی موجود ہیں اور انھیں چھپنے کو کئی ٹھکانے میسر ہیں۔

گن اٹھا کر ہم نے مزید دائیں جانب حرکت کی اور شمال مغربی مورچے کی چھت پر چڑھ گئے۔ اسلم کو ہم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ مورچے کی چھت پر گولی لگنے کا زیادہ خطرہ تھا۔ مورچے کے اندر نائب صوبیدار اختر صاحب موجود تھا۔ اس نے ہمیں روکنے کی کوشش کی مگر ہم باصرار چھت پر چڑھ گئے تھے۔ فوج میں جونیئر سینئر کی تمیز اور نظم وضبط کا اعلیٰ معیار مقرر ہے۔ سینئر کے منع کرنے پر بھی اپنی مرضی پر چلنے کا تصور کسی اور محکمے میں تو ہو سکتا ہے فوج میں نہیں۔ لیکن وہاں ہماری الگ حیثیت تھی۔ ہم براہ راست میجر نعیم کے زیر کمان تھے۔ (میجر نعیم، میجر اورنگ زیب کی جگہ تعینات ہوئے تھے، جواب لیفٹیننٹ کرنل بن چکے تھے)

اختر صاحب ہمیں نصیحت تو کر سکتا تھا حکم دینے کا مجاز نہیں تھا۔ پوسٹ کمانڈر کے لیے ہماری حیثیت مہمان کی سی تھی، تبھی اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ وہ فرنٹیئر فورس ؒ کی ایک مایہ ناز یونٹ تھی۔ میجر نعیم سے ہمیں وائرلیس سیٹ پر احکامات موصول ہوتے تھے۔ یا یونٹ کے نمبر پر کال آجاتی تھی۔ افغانستان کی موبائل فون سروس جیسے AWCC (افغانستان وائرلیس کمیونی کیشن) ADIA اور روشن وغیرہ کے سگنل وہاں آتے تھے، مگر ہم نے ان کے کنکشن خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ ان کے بغیر بھی کام چل رہا تھا۔

مورچے کی چھت پر حفاظتی نقطہ نظر سے خطرہ تھا لیکن دکھاؤ کے حالات پہلے سے بہتر ہو گئے تھے۔ دہشت گرد یقیناً کوئی خاص مقصد لے کر آئے تھے تبھی تو مقابلے پر ڈٹے تھے۔ ورنہ عموماً ان کا حملہ لحاتی ہوتا تھا۔ پہلے ہلے میں جتنا نقصان کر سکتے تھے، کرتے اور پھر بھاگ جاتے۔ پہاڑی بناوٹ کسی بھی آدمی کو فرار ہونے کے بہترین مواقع مہیا کرتی ہیں۔ درختوں کے جھنڈ، پتھریلی چٹانیں، گڑھے، نالوں کے کھڑے کنارے اور کٹی پھٹی زمین فائری اور نظری ہر قسم کی آڑ مہیا کرتی ہے۔

سردار نے بڑی مشکل سے مجھے ایل ایم جی کے پیچھے لیٹنے کی اجازت دی تھی۔ ربڑ آئی شیڈ پر دائیں آنکھ ٹکتے ہوئے میں نے جونھی دباؤ ڈالا، آئی لینز کو ڈھانپنے والا والا کور خود کار طریقے سے دائیں بائیں ہو گیا۔ سائیٹ کا اندرونی نظارہ روشن تھا۔ ہر طرف سبز سبز نظر آرہا تھا۔ مجھے چودھویں کے چاند کی روشنی سے بھی تھوڑا واضح علاقے کے خدوخال دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں ایک اور بات کی وضاحت کرتا جاؤں کہ گن اور رائفل کے فائر میں فرق ہوتا ہے۔ گن ہمیشہ علاقہ ہدف کو استعمال ہوتی ہے، مطلب گن کا فائر ہدف پر بکھر کر پڑتا ہے۔ اور گن کے اہداف آدمیوں کے جتھے، مورچے اور

گاڑیاں ہوتی ہیں،اس کے برعکس رائفل کا فائر نقطہ ہدف پر ہوتا ہے۔خصوصاً سنائپر رائفل کا فائر عام رائفلوں سے کئی گنا زیادہ درست اور کارگر ہوتا ہے۔وہاں ہمارے پاس سنائپر رائفلیں موجود تھیں لیکن ان کے شب دید آلات ہم نہیں منگوا سکے تھے۔اور مجبوراً ایل جی استعمال کرنا پڑ رہی تھی کہ"اے این،پی وی ایس فور الفا" ایل ایم جی ہی پر استعمال ہوسکتی ہے۔جی تھری،کلاشن کوف یا سنائپر رائفل پر اسے نہیں لگایا جاسکتا۔(اب تو ایل ایم جی کی نئی سائیٹ بھی آگئی ہے،جو اسے این پی وی ایس سے کارکردگی میں کافی بہتر ہے)گو میرے بہت سے قارئین ایسے ہیں جن کا تعلق پاک آرمی سے ہے اور یقیناً انھیں میری وضاحتیں بچکانہ لگتی ہوں گی،لیکن جن کا تعلق فوج سے نہیں ہے اور ان میں بڑی تعداد خواتین کی ہے انھیں سمجھانے کو مجھے بہت سی باتوں کی وضاحت کرنا پڑتی ہے تاکہ وہ بھی کہانی سے لطف اندوز ہوسکیں۔کیوں کہ بعض باتیں پڑھنے والے کو الجھا دیتی ہیں،اگر ان کی اچھے سے وضاحت کردی جائے تو قاری کی الجھنیں دور ہوجاتی ہیں۔اور ایک مصنف کسی مخصوص طبقے کے لیے نہیں سب کے لیے لکھتا ہے،اس لیے جن حضرات کی بصارتوں پر یہ وضاحتیں گراں گزرتی ہوں وہ پیشگی معذرت قبول فرمالیں۔اور ان سطور کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جایا کریں)

دہشت گرد حملہ کرتے ہوئے کافی قریب آچکے تھے۔ان کی تعداد میری توقع سے بھی زیادہ تھی۔دونوں جانب سے گولیاں موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھیں۔اگر آپ میں سے کسی کو فائر کا تجربہ ہوا ہو تو پتا ہوگا کہ رات کو فائر کے وقت مزل سے ہلکا سا شعلہ لپکتا نظر آتا ہے اور دن کے وقت مزل کے سامنے سے گرد اٹھتی ہے۔اور یہ ہتھیاروں کی ایک بڑی خامی ہے۔پہاڑی علاقوں میں فائر کی آواز سے ہتھیار کی جگہ کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ فائر کی بازگشت چاروں اطراف میں گونج رہی ہوتی ہے۔لیکن شعلے اور گرد سے ماہر افراد ہتھیار کی جگہ معلوم کر لیتے ہیں۔ایک سنائپر کا تو کام ہی یہی ہوتا ہے۔چھت پر لیٹتے ہی سردار نے دو تین جگہوں کی نشان دہی کردی تھی۔خود مجھے بھی مختلف چٹانوں کے عقب سے شعلے لپکتے محسوس ہو رہے تھے۔ایل ایم جی کے بیلٹ میں ہر پانچویں گولی ٹریسر ہوتی ہے۔جو ہدف تک روشنی کی لکیر بناتی ہوئی جاتی ہے اور یوں فائرر کو اندھیرے میں بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کا فائر ہدف پر لگ رہا ہے یا یہاں دائیں بائیں نکل رہا ہے۔

دشمن پوسٹ سے قریباً ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر پہنچ کر پتھریلی چٹانوں کے عقب میں مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔میرے مشاہدے میں کائنات کی بزدل مخلوق دہشت گرد ہیں۔دولت وغیرہ کے لالچ میں فتنہ فساد تو برپا کیے رکھتے ہیں لیکن وار ہمیشہ چھپ کر کرتے ہیں۔

پاک آرمی کا جوان مخصوص لباس میں متعین جگہ ہی پر پایا جاتا ہے۔اس کی پہچان واضح ہوتی ہے۔ایسے ہدف پر چھپ کر دور سے چند گولیاں چلا دینا یا رات کے اندھیرے میں راستے پر IED وغیرہ لگا دینے کو اگر کوئی بہادری سمجھتا ہے تو یقیناً اس کے دماغ کو علاج کی ضرورت ہے۔

عوام کی اکثریت مجاہدین اور دہشت گردوں میں فرق بھی نہیں کر سکتے۔حالاں کہ ان بھیڑیوں اور آستین کے سانپوں کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔انڈیا،اسرائیل،افغانستان،امریکہ وغیرہ کی شہہ پر پاک آرمی اور نہتی عوام کو نشانہ بنانے والے یہ درندے کسی صورت مجاہد نہیں ہوسکتے۔افغانستان کے اندر مجاہدوں کا ایک بڑا گروہ کفر سے برسر پیکار ہے۔انھیں بدنام کرنے کو ملک دشمن ایجنسیوں نے انسان نما حیوانوں کا ایک گروہ پیدا کیا ہے جو پیسے کی خاطر ملک کیا اپنے رشتہ داروں کو بھی ذبح کرنے سے پیچھے نہ ہٹیں۔یہ ضمیر فروش بھیڑیے،بھیڑوں کے روپ میں ہدف کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔اور جونھی موقع ملتا ہے بچھو کی طرح ڈنک مار کر چھپ جاتے ہیں۔لیکن الحمدللہ پاک آرمی کی مسلسل کوششوں اور قربانیوں سے ان کی تعداد پہلے سے کئی گنا کم ہوگئی ہے۔اب یہ اپنی بقا کی آخری جنگ لڑ رہے ہیں۔جیسے ڈوبنے والا بچنے کو

بے بسی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے یہی حالت ان کی ہوگئی ہے۔شمالی اور جنوبی وزیرستان میں پاک آرمی نے مجاہدوں نے کفر مار مار کر انھیں پاکستان کی حدود سے افغانستان کی طرف دھکیل دیا ہے۔اور جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ ان کی مثال آستین کے سانپ کی سی ہے اور ان میں بڑی تعداد پاکستان کے باسیوں پر بھی مشتمل ہے۔

کافی خواتین وحضرات یہ سمجھتے ہیں کہ وزیرستان کے لوگ دہشت گرد ہیں۔ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔وزیرستان کے لوگ بہت امن پسند اور سچے پاکستانی ہیں۔سادہ دل،محبت کرنے والے،اسلام کے شیدائی،مہمان نواز،نماز روزے کے پابند،شرعی پردے پر کاربند اور اس کے علاوہ بھی بہت سی خصوصیات کے حامل۔اگر ان کا دہشت گردی میں ملوث ہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ دوسری قوموں کے افراد دہشت گرد و تخریب کار ہیں۔اس میں پٹھان،پنجابی،سندھی،بلوچی وغیرہ کی تخصیص نہیں ہے۔یوں بھی ایک دہشت گرد کا نہ تو مذہب ہوتا ہے اور نہ قوم۔البتہ دہشت گردوں کے پاس پاکستانی شناخت موجود ہے اور اسی وجہ سے یہ اکثر خود کو چھپانے میں کامیاب رہتے ہیں۔بہر حال میں اندھیری رات کے طلسم کا ذکر کر رہا تھا

"اے این پی وی ایس فور اے" کی عام آنکھ کی نسبت دیکھنے کی طاقت ساڑھے تین گنا ہے اور چاند ستاروں کی روشنی میں یہ انسانوں کے خلاف ساڑھے چار سو سے سات سو میٹر تک دکھاؤ مہیا کرتی ہے۔اور اس وقت دشمن ڈیڑھ دو سو کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔البتہ شب دید آلہ لگا کر فائر کرنے اور دن کی روشنی میں فائر کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔اور سنائپر کو مخصوص رائفل کے بجائے گن استعمال کرنا پڑے تو فائر کی درستی مزید مشکوک ہو جاتی ہے۔کیوں کہ ایک سنائپر کو بھی فائر کرتے وقت اچھے ہتھیار اور دکھاؤ کے بہتر حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہماری پوسٹ سے بھی مسلسل فائر ہو رہا تھا اس وجہ سے دشمن آڑ کے پیچھے ہی چھپا تھا۔اگر دن کی روشنی میں میرے پاس سنائپر رائفل ہوتی تو میں اس فاصلے پر دشمن کے کسی بھی عضو کی جھلک پر اسے کامیابی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔لیکن اس وقت میرے لیے کامیاب فائر کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔سب سے قریب ظاہر ہونے والے فائر کے شعلے پر نشانہ سادھ کر میں نے سانس روکا اور لبلبی دبا دی۔وہاں ایک درمیانے حجم کے پتھر کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ایل ایم جی کی گرج دوسرے ہتھیاروں کے شور کا حصہ بن گئی تھی۔فوراً ہی وہاں سے فائر آنا رک گیا تھا۔پہلے چھلے کے بعد میں اسی جانب متوجہ ہو کر لیٹا رہا۔

سردار کی طنزیہ آواز گونجی۔"راجے صاحب!خود کو گولی تو نہیں مار دی کہ دو گولیاں نکال کر دم سادھے لیٹے ہو۔"

میں جھلاتے ہوئے بولا۔"تمھیں نہیں معلوم سنائپر کو کیا انتظار ہوتا ہے۔"

"تمھارے ہاتھ میں ایل ایم جی ہے بادشاہو!اور پہلے بھی عرض کی تھی کہ ایل ایم جی کی بے حرمتی نہ کرنا۔"

میں اس کی بکواس پر کان دھرے بغیر ہدف کی جانب متوجہ رہا۔جلد ہی پتھر کی اوٹ سے مجھے ایک ہیولہ نظر آیا،شاید وہ ساتھی کی مرہم پٹی کر رہا تھا یا اسے گھسیٹ کر پیچھے لے جانے کی کوشش میں تھا۔میں نے اس کی چھاتی پر شست لیتے ہوئے دوبارہ لبلبی دبا دی۔ہیولہ اچھل کر گرا۔میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

ایل ایم جی کے فائر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جتنا لمبا چھٹا (برسٹ) فائر کرو،گولیاں اتنی زیادہ ہدف پر پھیل کر گرتی ہیں۔کیوں کہ لبلبی (ٹریگر) دبانے سے گن مسلسل جھٹکے لیتی ہے جس سے گولیاں بکھر جاتی ہیں۔اس میں کچھ اور وجوہات بھی شامل ہوتی ہیں جن کی تفصیل کسی اور موقع پر اٹھا رکھتے ہیں۔

میں نے شست دوسرے پتھر کی جانب موڑ دی،کوشش تھی کہ جہاں شعلے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دے وہیں نشانہ سادھوں۔فائر ہتھیار کو استعمال کرتے وقت اپنا دایاں گال بٹ پر ٹیکتا ہے،بایاں ہاتھ آگے کو پھیلا کر رائفل کا "فرنٹ ہینڈ

گارڈ" پکڑتا ہے، دائیں ہاتھ سے "پسٹل گرپ" کو گرفت میں لے کر شہادت کی انگلی لبلبی پر ہوتی ہے اور بائیں آنکھ بند کر کے وہ شست لیتا ہے (کھبا، یعنی بائیں ہاتھ سے فائر کرنے والے کا ہر عمل اس کے برعکس ہوتا ہے) یوں فائرر کا سر بیرل کی سیدھ میں رہتا ہے۔ جبکہ فائر ہوتے وقت مزل سے نکلنے والا شعلہ بیرل کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور ایک تجربہ کار سنائپر، ہتھیار اور فائرر کی اس خامی کا اچھی طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ البتہ یہ فائر کرنا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ کوئی تجربہ کار سنائپر ہی ایسا کر سکتا ہے۔ سردار بھی بہت اچھا فائرر تھا۔ اگر سنجیدہ ہو کر فائر کرتا تو مقابلہ کرتے ہوئے مجھے بھی دانتوں پسینہ آ جاتا، مگر اس میں ایک بڑی خامی تھی۔ وہ لاابالی اور بے صبرا تھا۔ اور یہ دونوں عادات اچھے سنائپر کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہیں۔ میرے اور اساتذہ کے گاہے گاہے ٹوکنے پر وہ وقتی طور پر تو سنبھل جاتا، مگر فطرت کے خلاف چلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ امریکہ میں سنائپر کورس کے دوران بھی اس کی جلد بازی نے ہمیں ہار کے دھانے پر لا کھڑا کیا تھا۔

تین چار لمبے شست سادھنے کے بعد میں نے تیسری بار لبلبی دبائی۔ مگر وہاں سے آنے والا فائر نہیں رکا تھا۔ یقیناً وہ بھی شست لیے بغیر اندھا دھند فائر کر رہے تھے۔ تاکہ جوابی فائر پر وہ بہادر گولی لگنے سے بچ جائیں۔ اور خود ان کا مقصد دہشت ہی پھیلانا ہوتا ہے، کوئی بھولی بھٹکی گولی ہدف ڈھونڈ لے تو سونے پر سہاگا نہیں تو گولیوں کی دو تین میگزینیں ختم کر کے یہ سورما بھاگنے میں دیر نہیں لگاتے۔

لمحہ بھر ٹھہر کر میں نے ایک اور چھٹا فائر کیا، مگر نتیجہ پہلے والا ہی نکلا تھا۔

"رانے بہتر ہوگا ایل ایم جی کے حال پر رحم کرو۔" سردار نے سہ بارہ ٹوکا۔

"لو مرو۔۔۔" ایک جانب ہو کر میں نے ایل ایم جی سردار کے حوالے کر دی۔ ایل ایم جی پر ہمیشہ دو آدمی مل کر فائر کرتے ہیں۔ فائر کرنے والے کو ایل ایم جی نمبر ایک اور دوسرے کو ایل ایم جی نمبر دو کہتے ہیں۔ نمبر دو کا کام گن کی نال تبدیل کرنا اور گن لوڈ کرنا ہوتا ہے۔ نمبر دو گن کے دائیں جانب لیٹتا ہے۔ سردار کے جگہ سنبھالتے ہی میں رینگ کر دائیں ہاتھ ہو گیا تھا۔ سردار نے بھی انھی جگہوں پر فائر کرنا شروع کر دیا جہاں سے مزل کا شعلہ جھلک رہا تھا، البتہ میرے برعکس اس نے لمبے لمبے چھٹے فائر کیے تھے۔ اور اصولی طور پر اس وقت سردار کا طریقہ کار مجھ سے بہتر تھا۔

میں نے پیچھے کھسک کر مورچے کی چھت سے نیچے جھانکا اور اختر صاحب کو آواز دی۔ "سر! شب دید عینک مل جائے گی۔"

"یہ لو۔۔۔۔" اس نے ہاتھ اونچا کر کے شب دید عینک "سیون ڈی" مجھے پکڑا دی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ کچھ شب دید آلات دوربین کی طرح صرف دکھاؤ کے کام آتے ہیں اور کچھ ٹیلی اسکوپ سائیٹوں کی طرح ہتھیار پر لگا کر فائر کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ موخر الذکر آلات ہتھیار کے علاوہ خالی دیکھ بھال کو بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

"شکریہ سر!" کہہ کر میں واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ سردار ایک بیلٹ ایمونیشن اڑا چکا تھا۔ نیا بیلٹ لگا کر میں اس کے پہلو میں لیٹ گیا۔

"کم از کم تین لعنتی نشانہ بن چکے ہیں۔" نئے ہدف کی جانب بیرل موڑتے ہوئے سردار نے فخریہ لہجے میں اعلان کیا۔ مجھے فوراً ہی یقین آ گیا تھا کیوں کہ ہماری سیدھ میں موجود دشمن کے تینوں مورچے خاموش ہو چکے تھے۔

سامنے اور بائیں جانب ایک آڑ سے گولیوں کی بوچھاڑ کا رخ مورچے کی چھت کی جانب ہو گیا تھا۔ یقیناً بلندی سے ہونے والا فائر دشمن کو بھی دکھائی دے گیا تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ ٹریسر گولیاں تھیں۔ ٹریسر گولی نال سے نکل کر جلتے ہوئے انگارے کی طرح ہدف تک جاتی ہے اور دور سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ایل ایم جی بیلٹ میں ہر پانچویں گولی ٹریسر ہوتی ہے۔ جو رات کے وقت فائرر کو گولیاں ہدف پر لگنے کی تصدیق کرتی ہیں تو مخالف کو بھی ہتھیار کی پوزیشن سے آگاہ کرتی ہیں۔

ہم نیچے دبک گئے تھے۔ جونہی دشمن کا فائر رکا سردار نے فوراً بٹ کو کندھے میں دبایا اور اسی جانب شست سادھ لی۔ لمحہ بھر بعد دشمن کی جانب سے ایک اور بوچھاڑ فائر ہوئی، مگر خان صاحب جوش میں آ چکے تھے اور خان جب جوش میں آ جائے تو جان لیتا ہے یا دیتا ہے، تیسری کوئی صورت نہیں ہوتی۔

"سردار نیچے ہو جاؤ۔۔۔" میں چیخا، مگر کان دھرے بغیر اس نے لبلبی دبائی اور انگلی تب ہٹائی جب اڑھائی سو گولیاں ہدف کے علاقے میں بکھر چکی تھیں۔ دشمن کا وہ مورچہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔ میرے پاس گن کی بیرل تبدیل کرنے کا مخصوص دستانہ تو موجود نہیں تھا لیکن بیرل کو تبدیل کرنا ضروری تھا کیوں کہ اتنے لمبے چھٹے کے بعد بیرل انگارے کی طرح ہو گئی تھی۔

میں نے قمیص کے دامن سے "بیرل کیچ" کو دبا کر کھولا اور بیرل کو کھینچ کر مورچے کی چھت پر رکھ دیا۔ نئی بیرل چونکہ ٹھنڈی تھی اس لیے پکڑتے ہوئے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

بیرل تبدیل کر کے میں نے نیا بیلٹ چڑھا دیا، اس اثناء میں فائرنگ ہلکی ہو گئی تھی۔

"اب یہ بھاگیں گے۔" میں نے سردار کو ہوشیار کیا۔

"پٹھان سے پنگا لیا ہے، بھاگنا تو پڑے گا۔" فخریہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ ہدف ڈھونڈنے لگا۔ میں نے بھی شب دید عینک آنکھوں سے لگائی تھی۔ ایک دو ہیولے بھاگ کر ڈھلان اترتے نظر آئے، مگر ان کی خوش قسمتی میرے پاس صرف دیکھنے کی سہولت موجود تھی، ہتھیار سردار خان کے پاس تھا۔ اور اس کی کوشش تھی کہ دشمن اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکیں اس لیے وہ انھی مخصوص اہداف کے اطراف میں گن گھما کر چھوٹے چھوٹے چھٹے فائر کرتا رہا جہاں ہمارے اندازے میں دشمن کی لاشیں پڑی تھیں۔ دہشت گرد ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی پہچان پوشیدہ رہے۔

جلد ہی ہماری فائرنگ یک طرفہ رہ گئی، دشمن کی طرف سے مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ نائب صوبیدار اختر نے چند جوانوں کے ساتھ اگلے علاقے کی تلاشی کو جانا چاہا مگر پوسٹ کمانڈر کیپٹن حفیظ اللہ نیازی نے "روشنی ہونے کا انتظار کرو۔" کہہ کر منع کر دیا تھا۔ صبح صادق نمودار ہو گئی تھی۔ جلد ہی ملگجا اجالا ہو جانا تھا۔ فائرنگ رکنے کے بعد سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ پہلے لڑائی کے جوش میں ہمیں کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

سردار کو وہیں رکنے کا کہہ کر میں کمرے سے گرم چادریں اٹھا لایا، باقی جوان بھی مورچوں میں ڈٹے ہوئے تھے۔ سرحدوں پر تعینات فوجیوں کی زندگی میں گولیوں کی "تڑتڑ" اور توپوں کی گھن گرج روزمرہ کا معمول ہے۔ تربیت یافتہ فوجی اور عام انسان میں بنیادی فرق یہی ہوتا ہے کہ تربیت یافتہ جوان کے اعصاب بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ مسلسل مخصوص حالات میں رہ کر زندگی گزارنے سے مرنے کا ڈر اور خوف اس کے دل میں اتنا نہیں ہوتا جتنا عام آدمی کے دل میں ہوتا ہے۔ اگر عام آدمی بہت زیادہ دلیر، نڈر اور مضبوط اعصاب کا ہو تب بھی ایسے حالات میں حوصلہ چھوڑ دیتا ہے کیوں کہ ایسے ماحول میں زندگی گزارنا کہ راستے پر چلتے ہوئے IED پھٹنے کا خطرہ ہو، بیت الخلا اور غسل خانے میں جاتے وقت دشمن کے سنائپر کا اندیشہ ہو، کھانا کھاتے ہوئے دشمن کے راکٹوں کی فکر ہو اور سوتے ہوئے دشمن کے حملے کا ڈر ہو۔ یہ تربیت یافتہ سپاہی ہی برداشت کر سکتا ہے۔

دوران لڑائی سردار کا مزاق کرنا بعض قارئین کو ہضم نہیں ہوتا ہوگا۔ جب جان پر بنی ہو تو ہنسی مذاق کرنا عجیب لگتا ہے لیکن یقین مانیں اس سے ناگفتہ بہ صورت حال میں بھی میں نے اپنے ساتھیوں کو قہقہے لگاتے اور ایک دوسرے کو چھیڑتے دیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک انسان مختصر عرصے تک تو اپنی فطرت سے لڑ سکتا ہے لیکن جب مسلسل

حملہ کرنا چاہا۔"

میں نے حیرانی ظاہر کی۔"جھوٹ مت بولو۔اس مقصد کو چھوٹا سا حملہ ہی کافی تھا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے سردار کو ورد کش ٹیکہ بنانے کا اشارہ کیا۔

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سردار نے ٹیکہ تیار کیا اور اس کے بازو میں لگا دیا۔

میری بات کا جواب اس نے نہیں دیا تھا۔میں نے اسے ڈرانے کی کامیاب کوشش کی۔

"اگر چاہتے ہو کہ تمھاری جان بچائی جائے تو تعاون کرو، ورنہ کسی دشمن پر دوائیاں اور وقت ضائع کرنے کا ہمیں کوئی شوق نہیں ہے۔"

وہ بہ مشکل زبان ہلانے لگا۔اس کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ ملک گل بدین خان، سردار فیروز خان، کمانڈر عدیل جان اور کمانڈر رنگین خان کی گزشتہ ہفتے بابک ٹاپ پر بیٹھک ہوئی۔یوں تو ان کی آپس میں نہیں بنتی تھی، لیکن انھیں انڈین ایجنسی را کے ایک میجر نے اکٹھا ہونے پر مجبور کیا۔اس نے کیو بے ٹاپ سلسلے کی تین پوسٹوں 9,8,7 پر قبضے کا منصوبہ پیش کیا تھا۔یہ تینوں پوسٹیں قریب قریب واقع تھیں۔سات اور آٹھ سامنے اور نو ان دونوں کے درمیان اور پیچھے کو ہٹ کر تھی۔(ویسے تو کیو بے ٹاپ کی پوری دس پوسٹیں ہیں جو ایک قطار میں موجود ہیں۔ان کے ساتھ شمال کی جانب متصل چیتا پوسٹوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا یعنی چیتا ون، چیتا ٹو وغیرہ) میجر نے انھیں باور کرایا کہ ان پوسٹوں پر قبضہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ چاروں کمانڈروں کے لشکر ساتھ مل کر کام کریں۔اس مقصد کو"را" کے میجر نے بڑی رقم کی پیش کش کی تھی۔اور آج منصوبے پر عمل کرنے کی شروعات ہو گئی تھی۔اس کارروائی کا مقصد واقعی اپنے ساتھیوں کو سرحد عبور کرانا تھا، تاکہ کیو بے ٹاپ کی تین پوسٹوں پر دونوں اطراف سے حملہ کیا جا سکے۔

"سردار یہ کمزوری محسوس کر رہا ہے، ڈرپ بھی تیار کرو۔"میں سردار کو مخاطب ہوا۔جان بچانے کے لالچ میں وہ بڑی اہم معلومات اگل رہا تھا۔کیپٹن حفیظ اللہ نیازی بھی ہمارے ساتھ ہی موجود تھا۔زخمی کی باتوں نے اس کے کان بھی کھڑے کر دیے تھے۔

سردار اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈرپ تیار کرنے لگا۔سنائپر کورس کے بعد عملی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ہمیں چند ہفتوں کا ابتدائی طبی امداد کا کورس لازماً کرایا جاتا ہے۔اور ایک سنائپر کو ابتدائی طبی امداد کے بارے جاننا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ ہر کوئی کر سکتا ہے۔

اس کی آنکھیں نقاہت سے بند ہو رہی تھیں۔میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر آہستہ سے ہلایا۔"تمھارا نام کیا ہے؟"

وہ اٹک اٹک کر بولا۔"گک کمانڈر شیر گل، میں کمانڈر عدیل کا دست راست ہوں۔"

میں نے اگلا سوال کیا۔"تینوں پوسٹوں پر ایک ساتھ حملہ کیا جائے گا یا علیحدہ علیحدہ؟"

وہ بہ مشکل بولا۔"اکٹھے "

میں نے بے صبری سے پوچھا۔"کب؟"اس کی حالت کھلی ہوا میں رکھے چراغ جیسی تھی۔وہ چند ہی لمحوں کا مہمان نظر آ رہا تھا اور اس کے ہلاک ہونے سے پہلے جتنی معلومات اگلوا لیتا غنیمت تھا۔

کیپٹن صاحب نے دھیرے سے کہا۔"اسے سنبھلنے کا موقع دو۔"

میں نے کیپٹن صاحب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔اس کے چہرے پر حیرت نمودار ہوئی مگر وہ خاموش رہا تھا۔

میں باآواز بلند بولا۔"سردار ڈرپ میں"اسپیشل سیونگ لیکوئڈ انجکشن" ملاؤ تاکہ اس کی جان یقینی طور پر بچائی جا

گے"

سردار نے فوراً کہا۔ "آپ کے کہنے سے پہلے ملا دیا ہے، لیکن اسے جگا کر رکھو، اگر بے ہوش ہو گیا تو شاید انجکشن بے کار جائے۔" اس نے سٹینڈ قریب کر کے اس میں ڈرپ لٹکائی اور زخمی کے تندرست ہاتھ میں سوئی لگا دی۔

میں نے اسے ہلایا۔ "شیر دل ہوش میں رہو، ہم تمھاری جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اس نے آنکھیں کھولیں، عجیب ویرانی اور خالی پن نظر آ رہا تھا۔ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے میں نے پوچھا۔ "تم نے کیا بتایا حملہ کب ہو گا؟"

"م میں ہوں " اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئی تھیں۔

"شیر دل خان ہوش میں آؤ۔" میں نے اسے جھنجوڑا۔

"ہوں ہاں " اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے پر اذیت جیسے ثبت ہو گئی تھی۔

"مجھ سے باتیں کرو تا کہ تمھاری جان بچائی جا سکے۔"

وہ ہکلایا۔ "ٹک کر رہا ہوں "

"بتاؤ حملہ کب ہو گا ؟" میں نے سوال دہرایا۔

"ج جم جم آ آ " دو تین ہچکیاں لے کر اس کی گردن ڈھلک گئی تھی۔

کیپٹن حفیظ اللہ نیازی نے منہ بنایا۔ "تمھارا 'اسپیشل سیرم لیکوئڈ انجکشن' تو کسی کام نہ آیا۔"

میں ہنسا۔ "سر! ہم اسے تسلی دے کر کچھ اگلوانے کی کوشش میں تھے ورنہ ہم ڈاکٹر ہیں اور نہ ایسا کوئی انجکشن ہے۔"

کیپٹن حفیظ خوش دلی سے ہنسا۔ "مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "سر! ہم نے یہ معلومات میجر نعیم تک پہنچانا ہے، آپ بھی بٹالین کمانڈر کو مطلع کر دیں۔"

وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

—●—

سہ پہر ڈھلے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے کیو آر ایف کی گاڑیاں دہشت گردوں کی لاشیں لینے پہنچ گئی تھیں۔ بٹالین کمانڈر اور سیکنڈ ان کمانڈ بھی ساتھ تھے۔ کیو آر ایف کی گاڑیاں تو واپس چلی گئیں البتہ بٹالین کمانڈر عارف عالم اور سیکنڈ ان کمانڈ میجر فیصل وہیں رہ گئے تھے۔ چائے وغیرہ پی کر انھوں نے ہمیں بلا لیا۔ کیپٹن صاحب کے بینکر میں کمانڈنگ آفیسر ان کی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ہم نے پلاسٹک کی کرسیاں سنبھال لی تھیں۔ اس علاقے میں رہائشی بینکر ہی کو دفتر کے طور پر استعمال کیا جاتا اور وہیں پر خصوصی نشست (اسپیشل کانفرنس) بھی ہوتی۔

عارف عالم صاحب مجھے مخاطب ہوئے۔ "جوان! حفیظ صاحب مجھے تفصیل بتا چکا ہے، کیا تمھارے پاس کچھ اور بتانے کو ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "سب کچھ کیپٹن صاحب کے سامنے ہی پیش آیا تھا۔"

انھوں نے اگلا سوال پوچھا۔ "کیا خیال ہے مرنے والا دہشت گرد، جمعہ کہنا چاہتا تھا یا جمعرات؟"

سردار بولا۔ "سر! یقینی تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ دہشت گردوں کی نفسیات کو مدنظر رکھیں تو ان کی زیادہ تر کارروائیاں جمعہ ہی کو ہوتی ہیں۔"

وہ تحسین آمیز نظروں سے سردار کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "صحیح کہا، جوابی کارروائی کے بارے تمھاری کیا رائے ہے۔" (یہاں ایک بات مدنظر رہے کہ لیفٹیننٹ کرنل بہت بڑا عہدہ ہے۔ اور اس رینک کا کوئی آفیسر ایک سپاہی یا حوالدار

سے مشاورت میں وقت ضائع نہیں کرتا لیکن وہاں ہماری نیت مختلف تھی۔ ہم کافی عرصہ سے ایلاد میں تھے، میجر نعیم کی زبانی ان کے کانوں تک ہمارے کارناموں کا تذکرہ پہنچ گیا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیں اہمیت دینے پر مجبور تھے)

میں انکساری سے بولا۔ "یہ سوچنا تو آپ کا کام ہے سر! البتہ ہم ہر طرح ان کو تیار ہیں۔"

"بریگیڈ کمانڈر سے میری تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے اس سیکٹر میں چند تجاویز بھی زیر غور آئی ہیں، طے ہوا ہے کہ بریگیڈ کی دوسری یونٹوں سے کچھ نفری منگوا کر پہلی فرصت میں ان تینوں پوسٹوں کے دفاع کو مضبوط کیا جائے۔"

میں نے کہا۔ "سر! دشمن اپنی کچھ نفری سرحد پار لا چکا ہے، یقیناً پوسٹوں پر اضافی نفری کی آمد پر وہ چوکنا ہو جائیں گے اور منصوبے پر عمل درآمد روک دیں گے۔"

عارف عالم صاحب مسکرائے۔ "میجر فیصل نے بھی یہی مشورہ دیا تھا۔ لیکن ہمارا مقصد دشمن کا منصوبہ ناکام کرنا ہے چاہے لڑ کر ہو یا بغیر لڑے۔"

"سر! آپ بہتر سمجھتے ہیں، لیکن اساتذہ سے سنا ہے کہ دشمن کے منصوبے کا علم ہو جانا آدھی فتح ہوتی ہے اور میرا نہیں خیال اپنی برتری میں دشمن کو آدھے کا حصہ دار بنانا عقل مندی ہو گی۔"

"برخوردار! دشمن کا منصوبہ ناکام کرنا تمھاری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"سر! دشمن کا منصوبہ ناکام نہیں موخر ہو گا۔ ہم اضافی نفری مستقل پاس نہیں رکھ سکتے۔ جونہی امدادی جوان لوٹے دشمن دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کرے گا اور جب ہمیں دشمن کے منصوبے کی کوئی سن گن نہیں ہو گی۔"

عارف عالم صاحب مسکرائے۔ "شاباش برخوردار! اورنگ زیب صاحب تمھاری کافی تعریف کر رہے تھے۔ اور تب مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "تو پھر کیا سوچا ہے سر؟"

وہ اطمینان سے بولے۔ "بتا تو دیا ہے۔"

میں نے مایوس لہجے میں پوچھا۔ "یعنی پوسٹوں پر اضافی نفری منگوانا ناگزیر ہے۔"

"ہاں۔" انھوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جونہی دشمن کو معلوم ہو گا کہ ہم تیار ہیں وہ حملہ موخر کر دے گا۔ اور یقیناً وہ اضافی نفری کی واپسی کا انتظار کرے گا، اس اثناء میں ہمارے چھاپہ مار دستے افغان نالہ میں ان کا شکار کھیلنے نکلیں گے۔ امید ہے ان کے اجتماع کو ہم بھرپور ضرب لگا کر اپنے فائدے میں استعمال کر سکیں گے۔"

ان کا جامع منصوبہ سن کر مجھے اپنے اندیشوں پر شرمندگی ہوئی تھی۔ "معذرت خواہ ہوں سر! آپ کی سوچ میرے گمان سے بہت آگے ہے۔"

وہ خوش دلی سے بولے۔ "تمھارا اختلاف کرنا اچھا لگا۔ حکمت کسی کی میراث نہیں ہوتی، تمھارا بغیر تکرار کے متفق ہونا برا لگتا۔ اب میں یقین کر سکتا ہوں کہ اس سے بہتر منصوبہ فی الحال ہم میں سے کسی کے دماغ میں نہیں ہے۔"

"شکریہ سر!"

انھوں نے پوچھا۔ "تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

سردار نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ "ہمیں آپ شانہ بشانہ پائیں گے۔"

عارف عالم صاحب نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ "یقین تھا یہی سننے کو ملے گا۔"

میں خفیف لہجے میں بولا۔ "لیکن ہمیں نعیم صاحب کی اجازت کی ضرورت پڑے گی سر۔" ہم چونکہ براہ راست میجر نعیم کے ماتحت تھے اور وہاں ہماری موجودگی کا مقصد کچھ اور تھا اس لیے مجھے صاف گوئی سے کام لینا پڑا تھا۔

مجھے گھورتے ہوئے عارف عالم صاحب مسکرائے۔"کرنل اورنگ زیب تمھاری بہادری کے قصے سنا تے نہیں تھکتے۔"

میں انکساری سے بولا۔"وقت آنے پر ان شاء اللہ آپ کو مایوس نہیں کریں گے سر! البتہ قانونی تقاضوں کو آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔"

عارف عالم صاحب نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔"اگر میجر نعیم نہ مانا۔"

میں اطمینان سے بولا۔"پھر آپ کو احسان مند کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔"

ان کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔"اب لگا کہ ایس ایس سے بات کر رہا ہوں۔"

میجر فیصل اور کیپٹن حفیظ بھی مسکرا دیے تھے۔

عارف عالم صاحب خوشگوار لہجے میں بولے۔"یہ ہر حال میجر نعیم کی طرف سے تمھیں باقاعدہ حکم مل جائے گا کیوں کہ میرے ناتواں کندھے اتنے بھاری احسان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

میں لطف سے مسکرا دیا۔

عارف عالم صاحب سنجیدہ ہوئے۔"تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دشمن کے منصوبے کے بارے آئی ایس آئی کی رپورٹ ہمارے پاس ہفتہ بھر پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ ان کا تعین کیے بغیر انھوں نے خطرے کی نشان دہی کر دی تھی۔ اور اب الحمداللہ بات مزید کھل گئی ہے۔" (پاکستان آئی ایس آئی کی جڑیں دشمنوں کے بہت اندر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے خطرات کی نشان دہی یہ خاموش مجاہد پہلے سے کر دیتے ہیں اور انھی معلومات کی بدولت ایسے ہزاروں حادثات سے بروقت بچا گیا ہے جو بڑی تباہی کا سبب بن سکتے تھے۔ البتہ ان کی خبر عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ اور ایسے کئی مجاہد گمنامی کی موت کو گلے لگا کر دھرتی اوڑھ چکے ہیں جن کے بارے ان کے گھر والے بھی نہیں جانتے کہ وطن خاطر وہ کیا قربانی دے چکے ہیں)

میں نے پوچھا۔"سر! کارروائی کی ترتیب کیا ہوگی؟"

"آج سوموار ہے، پرسوں تک اضافی نفری ہمارے پاس پہنچ جائے گی کل بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں بریگیڈ کی یونٹوں کے کمانڈنگ آفیسرز جمع ہو رہے ہیں تب حتمی منصوبہ بنایا جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے نشست چھوڑی، باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ عارف عالم صاحب اور میجر فیصل کو گاڑیوں میں بٹھا کر ہم نے الوداعی سیلوٹ کیا اور کمرے میں لوٹ آئے۔

جمعرات و جمعہ کی شب ہم نہایت چوکس رہے، لیکن دشمن کو اضافی نفری کی خبر پہنچ چکی تھی تبھی انھوں نے حملے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ ہفتے کی شب میں اور سردار آگے جانے کو تیار تھے۔ موسم کے تیور ستمبر ہی سے بدلے بدلے تھے اور ایسا موسم چھپ کر سفر کرنے کو نہایت موزوں ہوتا ہے۔ ہم باقی جوانوں سے پہلے روانہ ہو رہے تھے کیوں کہ ہمیں افغان نالے میں کسی مناسب مقام پر کمین گاہ بنا کر چھپنا تھا۔ (سنائپر جگہ کی مناسبت سے مختلف اقسام کی کمین گاہیں بناتے ہیں۔ ان میں زمین کھود کر کھوہ بنانے سے مضبوط مورچہ اور درخت کے اوپر مچان بنانا شامل ہیں۔ ہر کمین گاہ کی علیحدہ خصوصیات اور بنانے کا طریقہ جدا ہے۔ اگر ان پر تفصیل سے روشنی ڈالوں تو یہ ناول سے زیادہ درسی کتاب بن جائے گی۔ البتہ تھوڑی بہت وضاحت اس لیے کر دیتا ہوں کہ قارئین کو سمجھنے میں آسانی رہے)

اگلے دن چھاپہ مار دستوں نے آنا تھا۔ ہمارا کام سنائپنگ ہی تھا۔ ہمارے علاوہ بھی سنائپرز کی دو ٹولیوں نے روانہ ہونا تھا۔ ایک جوڑی تو الیاس اور شہزاد کی تھی جس نے "کے۔ جے فائیو" سے آنا تھا۔ ایک جوڑی دوسری یونٹ کے سنائپرز کی

تھی ان سے میں ناواقف تھا۔البتہ یہ معلوم تھا کہ وہ "کیو بے جیمن" پہ موجود تھے۔باقی سنائپرز کا ہم سے رابطہ نہیں تھا۔انھیں اپنی پوسٹوں ہی سے احکام ملتے تھے۔

میں نے رینج ماسٹر کو پلاسٹک کے مضبوط بیگ میں ڈال کر کپڑے کے تھیلے میں ڈال لیا تھا۔سردار کے پاس ڈریگنوو سنائپر رائفل اور ترکی کا ایجاد کردہ نائین ایم ایم پستول جبکہ میرے پاس سائلنسر لگا بریٹا ایم نائینٹی ٹو(Beretta M 92) موجود تھا۔اٹلی کا ایجاد کردہ نیم خودکار(سیمی آٹومیٹک)خوب صورت پستول۔اس کی میگزین میں پندرہ گولیوں کی گنجائش ہوتی ہے۔کارکردگی میں یہ کسی بھی طرح گلاک سے کم نہیں ہے۔البتہ وزن میں گلاک سے پاؤ بھر اور لمبائی میں انچ بھر زیادہ ہے۔گولی دونوں میں نائین ایم ایم ہی پڑتی ہے۔پاکستان آرمی میں عام طور پر گلاک اور بریٹا استعمال نہیں ہوتے۔لیکن میرے پاس گلاک سیون ٹین،گلاک ٹوئنٹی اور گلاک نائنٹین کے علاوہ بریٹا ایم نائینٹی ٹو اور بریٹا نائینٹی تھری موجود تھے۔یہ تمام مختلف معرکوں میں میرے ہاتھ لگے تھے۔سنائپر رائفلوں میں ہیرٹ ایم107 جو اعلیٰ معیار کی سنائپر رائفل ہے وہ یونٹ کے کوت (وہ کمرہ جہاں یونٹ کے ہتھیار رکھے جاتے ہیں) میں میرے نام سے پڑی تھی۔اور بغیر میری اجازت وہ کوئی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔البتہ وہ میں گھر نہیں لے جا سکتا تھا کہ پاکستان آرمی کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔شاید اس کا لائسنس بنتا ہو لیکن اس بارے مجھے معلومات نہیں اور نہ کبھی پوچھنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔دوران آپریشن دہشت گردوں کے جو ہتھیار پاک فوج کے ہتھے چڑھتے ہیں وہ براہ راست فوج کی تحویل میں جاتے ہیں۔ان کا باقاعدہ اندراج ہوتا ہے۔جی ایچ کیو تک اس کی رپورٹ جاتی ہے۔اس کے بعد ہائی کمانڈ ہی ان ہتھیاروں کے بارے فیصلہ کرتی ہے۔لیکن میرا مسئلہ جدا تھا۔میں نے یہ ہتھیار آرمی کے کسی عام آپریشن میں حاصل نہیں کیے تھے۔یہ بیرون ملک کے معرکوں میں میرے ہاتھ آئے تھے اور ان کے بارے میں نے زبانی طور پر تو اپنے سینئرز کو آگاہ کیا تھا،باقاعدہ تحریری رپورٹ میں ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔اور گلاک نائنٹین کے علاوہ تمام ہتھیار یونٹ کے کوت ہی میں رکھے تھے۔گلاک نائنٹین مع عمدہ سائلنسر البتہ پلوشے نے ضد کر کے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔اور وہ ایسی لاڈلی ہے کہ ضد منوا جانتی ہے۔

شام سے پہلے ہی اچھا خاصا اندھیرا چھا گیا تھا۔جولائی میں بھی یہاں موسم خاصا خوشگوار ہوتا ہے کہ رات کو کمبل لپیٹنا پڑتا ہے۔بارش بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور بارش کی زیادتی کی وجہ ہی سے موسم خوشگوار رہتا ہے۔

عشاء کی نماز پوسٹ پر پڑھ کر ہم محتاط انداز میں نکلے۔براہ راست غربی جانب اترنے کے بجائے ہم نے فرلانگ بھر شمال کی جانب سفر کیا اور پھر ترچھا نشیب میں اترنے لگے۔ہمارا رخ شمال مغرب کو تھا۔ہوا چل رہی تھی،گاہے گاہے بوندا باندی بھی ہونے لگتی۔ہم سادہ کپڑوں میں تھے،کیوں کہ وردی کی وجہ سے دوری سے ہماری شناخت ہو جاتی۔افغان نالہ غیر مذکورہ علاقہ تھا۔

(غیر مذکورہ علاقے سے مراد دو ملکوں کے درمیان وہ خالی جگہ جس پر کسی ملک کا قبضہ نہ ہو اسے انگریزی میں "نو مین لینڈ" کہتے ہیں اسی وجہ سے دہشت گردوں کے خلاف پاکستان آرمی وہاں بیلی کاپٹر وغیرہ بھی استعمال نہیں کر سکتی تھی کہ پھر افغان حکومت کے ہاتھ احتجاج کرنے کا بہانہ آ جاتا)

رینج ماسٹر میرے پاس تھی جبکہ سردار کے جھولے میں سنائپر ٹیم کا دوسرا ضروری ساز و سامان تھا۔غالباً پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ سنائپر ٹیم کے پاس: نقشہ،قطب نما(کمپاس)،دوربین،ٹارچ،رسی،ریڈیو(وائرلیس سیٹ)،ہوا پیما(یعنی ونڈ میٹر جس سے ہوا کی رفتار ناپی جاتی ہے)اضافی ایمونیشن،لیزر رینج فائینڈر(فاصلہ ناپنے کا آلہ)،شب دید عینک،جی پی ایس(گلوبل پوزیشننگ سسٹم)،ماچس یا لائیٹر،چاقو،چھوٹے دستے کی کلہاڑی،سپاٹرا سکوپ (اس سے بھی دوربین کا کام

لیا جاتا ہے)، گھڑی، خشک راشن، دستی بم وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔ سنائپر ہمیشہ جوڑیوں میں کام کرتے ہیں، ایک کو سپاٹر اور دوسرے کو شوٹر کہتے ہیں۔" سپاٹر" ٹیم لیڈر ہوتا ہے جبکہ "شوٹر" فائرر۔

بہ مشکل نصف اترائی تک پہنچے تھے کہ ایک دم بارش کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔ مجبوراً ہمیں پانی پلے (رین کوٹ) پہننا پڑے۔ سردار نے ڈریگنو وکی نال کا رخ زمین کی طرف کر دیا تھا تاکہ نال میں پانی نہ چلا جائے۔ ایسا ہونے کی صورت میں فائر کی درستی میں فرق آسکتا تھا اور گیلا ہونے سے نال کے زنگ پکڑنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

(کوئی بھی ہتھیار یا اس کا ایمونیشن گیلا ہونے سے ناکارہ نہیں ہوتا۔ ہر دو کو سکھا کر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ گیلا ہتھیار بھی فائر کر سکتا ہے، بس فائر کی درستی میں فرق پڑتا ہے۔ مطلب ایمونیشن اگر گیلا ہو تو گولیاں ہدف پر اونچی اور بکھری ہوئی لگیں گی۔ یاد رہے ہتھیار کوئی الیکٹرک مشین نہیں ہے کہ پانی سے ناکارہ ہو جائے)

بارش کی رفتار رفتہ رفتہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ہم نشیب میں اتر رہے تھے، تیز بارش کی وجہ سے پھسلن بڑھ گئی تھی۔ آسمانی بجلی بھی مسلسل چمک رہی تھی۔ ان علاقوں میں یہ بھی بلائے ناگہانی ہے۔ اس سے بچنے کی احتیاطوں میں پانی کے ذخائر سے دور رہنا، درختوں کے نیچے پناہ نہ لینا خاص کر زیادہ بلند درختوں سے بچنا اور دھاتی اشیاء کے اتصال سے بچنا شامل ہے۔

بہتر یہی ہوتا ہے کہ انسان کوئی چھت ڈھونڈے، مگر اس وقت کوئی جائے پناہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہتھیار کو بھی خود سے دور کرنا ممکن نہ تھا۔ بس اللہ پاک کے بھروسے پر تھے۔ عملی زندگی میں بہت سی احتیاطوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ لکھائی پڑھائی کچھ اور کہتی ہے تجربات دوسری راہ دکھاتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تجربے اور عمل سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عملی زندگی میں عموماً کتابی علم کے الٹ دیکھنے کو ملتا ہے۔ خاص کر عملی سنائپر کی زندگی تو نئے وانوکھے واقعات کی تجربہ گاہ ہے۔ ایک سنائپر، جتنے امکان اس کے علم میں ہوں گے ان کا سدباب کر کے دشمن کی راہ میں گھات لگائے بیٹھا ہوگا اور دشمن کے قریب پہنچنے پر کسی نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا نا کامی کہلاتا ہے اور کچھ کرنے کا مطلب موت کو گلے لگانا ہوتا ہے۔

سردار نے مشورہ دیا۔ "لڑھکنے سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ فی الحال رک جائیں۔"

مجھے متفق ہونا پڑا۔ کیوں کہ عام حالات میں بھی ڈھلان اترتے ہوئے گرنے کا بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اس وقت تو بارش ہو رہی تھی۔ اور پھر گہری تاریکی سونے پہ سہاگہ تھی۔ ہم تاریخ جانے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔

پانی پلے ایک حد تک بارش سے بچاؤ مہیا کرتے ہیں، مسلسل تیز بارش کے سامنے پانی پلے بھی عاجز آ جاتے ہیں۔

وہاں شاہ بلوط کے درختوں کی بہتات تھی۔ اس سدا بہار درخت کے پتے کافی گھنے ہوتے ہیں۔ آسمانی بجلی سے رہنمائی لے کر ہم ایک گھنے درخت کے نیچے ہو گئے۔ رینج ماسٹر کا جھولا میں نے درخت کے تنے پر رکھ دیا تھا کہ اتنی وزنی رائفل کو کندھوں پر اٹھا کر رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ رینج ماسٹر، عام رائفل کی نسبت کافی وزنی ہوتی ہے۔ ایک کلاشن کا وزن قریباً چار کلوگرام ہوتا ہے جبکہ رینج ماسٹر کا وزن سترہ کلوگرام ہوتا ہے۔ غیر فوجی حضرات کو سترہ کلوگرام حقیر وزن لگے گا کہ دس سال کا بچہ بھی اتنا وزن اٹھا سکتا ہے۔ لیکن پتا تب چلتا ہے جب اتنا بوجھ کندھوں پر ہو اور مسلسل چلنا پڑے۔ سنائپر ہونے کے ناتے میرے نزدیک رینج ماسٹر کی سب سے بڑی خامی اس کا وزنی ہونا ہے۔ گو کارکردگی کے مقابلے یہ وزن کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن، سنائپر کو لمبی مسافت طے کر کے دشمن کے علاقے میں جانا ہوتا ہے، مختلف حالات میں اسے اپنی رفتار کم زیادہ رکھنا پڑتی ہے ایسی صورت میں آدھا من وزن بہت معنی رکھتا ہے۔

بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ سردار خان نے بھی جھولا تنے پر رکھا اور درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"یار! ایسی بارش میں مریم (لی زونا) کی یاد اور زور پکڑ لیتی ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی در آئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی نشست سنبھالتے ہوئے میں اطمینان سے بولا۔ "مجھے تو ہر موسم، ہر حالت، ہر وقت یکساں یاد آتی ہے۔"

اس نے منہ بنایا۔ "براہ مہربانی یہ جھوٹ صرف میری بہن کے سامنے بولا کرو۔"

میں لا پرواہی سے بولا۔ "پلوشے کے سامنے تو میں نے کبھی اظہار نہیں کیا۔"

"جتنا تم ڈرتے ہوئے بیوی سے شاید ہی کوئی ڈرتا ہوگا۔"

میں ترکی بہ ترکی بولا۔ "ڈرتے تم ہو، میں ڈرتا تو دوسری شادی نہ کرتا۔"

وہ استہزائی انداز میں بولا۔ "جیسے مجھے معلوم ہی نہیں کہ تم نے دوسری شادی کن حالات میں کی تھی۔"

"جیسے بھی کی ہو، اگر ڈرتا تو پلوشے کی واپسی پر اسے طلاق دے دیتا۔ تم میں اگر جرأت ہے تو دوسری شادی کر کے دکھاؤ۔"

وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "میری بھی دوسری ہی شادی ہے جناب۔"

میں نے اکسایا۔ "پہلی بیوی کے ہوتے دوسری شادی کرو۔"

وہ معصومیت سے بولا۔ "یار! اپنے امیری موت کے خواہاں ہو تو خود ہی گولی مار دو، مریم کے ہاتھوں مروا کر کیوں بے عزت کرانا چاہتے ہو۔"

میں نے چھاتی چوڑی کی۔ "میں تو تیسری شادی کرنے والا ہوں۔"

اس نے منہ بنایا۔ "یہ سپنے نیند میں اچھے لگتے ہیں۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔

سردار نے ٹوکا۔ "ہی ہی نہ کرو تم بیٹھک میں نہیں بیٹھے۔"

ہنسی ایک دم میرے ہونٹوں سے غائب ہو گئی تھی۔ طوفانی بارش میں بھی ہم دشمن کے خطرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے۔ فوجیوں کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے، آگ و خون کے دریا میں تیرتے ہوئے پھول و شبنم کا موضوع چھیڑے رکھتے ہیں۔ گولیوں و بارود کے دھماکوں میں ساز و باجے کی آواز سنتے ہیں۔ موت کے سفر میں زندگی کی باتیں کرتے ہیں، ہجر و جدائی کی ترشی کو وصال کے میٹھے سپنوں سے سہارتے ہیں۔ ہم نے اپنے پیاروں کا ذکر چھیڑ کر آنے والے جاں گسل لمحات کو عارضی طور پر بھلانے کی کوشش میں تھے۔ استاد محترم تصور صاحب فرمایا کرتے: "سنائپر کا ہر مشن آخری مشن ہوتا ہے اور سنائپر کی بقا موت سے منسلک ہے، مارے گا تو بچے گا نہ مار سکا تو مرے گا۔"

اور ہمارا حالیہ مشن اس لیے بھی مشکل تھا کہ ہدف کوئی مخصوص شخصیت نہیں انسان، مذہب اور وطن دشمن عناصر کا ٹولہ تھا۔ اور الغنان نالہ میں ان لوگوں کی ٹولیاں مردار پر اکٹھا ہونے والے گدھوں کی طرح جمع تھیں۔ شاید ہی کوئی اہم ٹیکری ہمیں خالی ملتی۔

سردار نے اندیشہ ظاہر کیا۔ "ممکن ہے کہ دشمن بھی موسم کا فائدہ اٹھا کر حملے کا قصد کرے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "فلرٹ کر دکمانڈنگ آفیسر نے نصف نفری کو جاگتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ جوان چوکس ہیں، دہشت گردوں نے ایسی جرأت کی بھی تو منہ کی کھائیں گے۔"

"بارش رکتی نظر نہیں آتی یہیں بیٹھے رہے تو طلوع آفتاب کے بعد ہی حرکت کر سکیں گے اور ہمیں آج کی رات ہی مناسب ٹھکانہ ڈھونڈنا ہے۔"

میں چڑ کر بولا۔ "تم نے خود ہی رکنے کو کہا تھا۔"

"ایک سپاہی کو حوالدار سے زبان لڑانے کی جرأت نہیں ہونا چاہیے۔ اور یوں بھی تمھاری ناقص عقل میرے فیصلے نہیں آ سکتے۔"

میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "قیامت کی نشانیوں میں پٹھانوں کی عقل مندی کا دعویٰ بھی شامل ہے۔"

"تمھیں کیا پتا خان کیا کیا کر سکتے ہیں۔"

میں برجستہ بولا۔ "بات کرنے کی نہیں سوچنے کی ہو رہی ہے۔"

وہ بگڑ کر بولا۔ "تمھارا خیال ہے پٹھانوں کے پاس دماغ نہیں ہوتا۔"

میں ہنسا۔ "ہوتا ہوگا، استعمال دل ہی کو کرتے ہیں۔"

"مذاق کا وقت نہیں ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "مسلسل بیٹھے رہے تو سردی سے جم جائیں گے۔"

سردی تو مجھے بھی لگ رہی تھی۔ اور میں متفق بھی تھا، پانی پلہ جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بارش کا پانی پرشور آواز میں نشیب کی طرف بہہ رہا تھا۔ جھولے اٹھا کر ہم نے قدم بڑھا دیے۔ ڈھلان اترنے تک ہمیں نہایت احتیاط کرنا تھی۔ ہمیں آڑا ترچھا (زگ زیگ) چل کر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ جنھیں پہاڑوں میں سفر کرنے کا تجربہ ہو چکا ہو وہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ بلند ہونے یا نشیب میں اترنے کا آسان اور محتاط طریقہ یہی ہے۔ اور اس وقت بارش کی وجہ سے ہمیں زیادہ احتیاط کرنا پڑ رہی تھی۔ گہری تاریکی چھائی تھی، ٹارچ بھی نہیں جلا سکتے تھے کہ روشنی بہت دور سے نظر آ جاتی ہے۔

تھوڑا فاصلہ طے کرتے ہی جھاڑیوں اور کم بلند درختوں کا ایک اور سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بجلی کی چمک میں جھاڑیاں نشیب تک پھیلی نظر آئیں۔ جھاڑیاں ہمیں نیچے اترنے میں سہولت دے سکتی تھیں، بغیر کسی مشورے کے ہم جھاڑیوں کا سہارا لے کر تیزی سے نشیب میں اترنے لگے۔ ٹہنیوں کو پکڑ کر چلنے سے پھسلنے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔

نیچے پہنچنے سے چند گز پہلے جھاڑیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہم رینگنے کی رفتار سے تہہ تک پہنچے۔ پانی کا بہاؤ نالے کے درمیان میں تھا۔ تیز بارش کے وقت نالوں میں پانی کی مقدار غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں نالوں کو عبور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ الغان نالے کی شکل دریا جیسی نہیں تھی کہ تمام پہاڑوں کا پانی اکٹھا بہتا۔ وہاں کئی چھوٹے چھوٹے نالے تھے جن کے بہاؤ کا رخ جنوب سے شمال کی جانب تھا۔ اور چھوٹے نالوں میں بھی اس وقت اچھا خاصا پانی بہہ رہا تھا۔ ہم نے کالے رنگ کے سپورٹس شوز پہنے تھے جو پہاڑی علاقے میں کافی کارآمد ہوتے ہیں۔ دونوں کے بوٹ اس وقت پانی سے شرابور تھے۔ ڈھلوان ختم ہوتے ہی پھسلنے کا خطرہ پہلے کی طرح نہیں رہا تھا۔ البتہ چھوٹے بڑے پتھروں سے الجھ کر گرنے یا پاؤں میں موچ آنے کا خطرہ باقی تھا۔ چاندنی رات یا ٹارچ کی روشنی میں حرکت کرنے میں صرف تھکن ہی رکاوٹ ڈالتی ہے اور اندھیرے میں اس کے علاوہ بھی کئی مسائل درپیش ہوتے ہیں۔

سردار نے کپکپاتے ہوئے دہائی دی "راجے صاحب! دشمن کا تو پتا نہیں لیکن آج سردی سے نہیں بچنے والے۔"

"اچھا ہے ایک پٹھان تو کم ہوگا پاکستان سے۔"

وہ ہنسا۔ "پنجابی بھی بچے گا نہیں، تو حساب برابر ہوا۔"

میں نے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔ "پھر تو کوئی پناہ ڈھونڈنا پڑے گی۔"

ہم نالے میں آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑا سا چلتے ہی میرے کانوں میں باتوں کی ہلکی سی آواز آئی۔ ایک دم سردار کا ہاتھ پکڑ کر میں نے ہلکے سے دبا دیا۔ قدم روک کر ہم نے آواز کی سمت کان لگا لیے۔ اسی وقت ٹارچ کی ہلکی سی روشنی بھی دکھائی دی تھی۔ وہ ایک ٹیکری کے عقب سے نمودار ہو رہے تھے۔

بجلی تیزی سے چمکی اور ہم نے سرعت سے قریبی جھاڑی کی آڑ پکڑ لی۔ لمحہ بھر بعد بادل گرجا۔ "گڑ... گڑ... گڑڑ" کی آواز ختم ہوتے ہی نالے کا شور اور بوندوں کی "ٹپ ٹپ" سنائی دینے لگی۔ اسی اثنا میں دوبارہ آواز ابھری۔ جو اس بار پہلے سے واضح تھی۔ لیکن الفاظ کی سمجھ کچھ نہیں آ رہی تھی۔ چند لفظ جو میرے کانوں میں پڑے ان سے اندازہ ہوا وہ پشتو بول رہے تھے۔ ان کا رخ ہماری ہی طرف تھا کیونکہ آواز رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی۔ دو ٹارچوں کی روشنی سے اندازہ ہوا کہ دو ہی آدمی ہیں۔

ان کے مزید قریب آنے پر الفاظ کی سمجھ آنے لگی تھی۔ "اتنا تیز نہ چلو، میں تھک گیا ہوں۔"

دوسری آواز نے تسلی دی۔ "تھوڑا فاصلہ ہی رہ گیا ہے۔" وہ رفتہ رفتہ ہم سے قریب آ رہے تھے۔

پہلا شخص بولا۔ "عجیب بات ہے اتنا بڑا کمانڈر ہے اور اس کے پاس اپنے آدمی کے علاج کو ڈاکٹر موجود نہیں ہے۔"

"اس کے زیادہ تر لشکری پار چلے گئے ہیں۔ تبھی اسے کمانڈر بدیل کی مدد لینا پڑی۔"

پہلے نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "کمانڈر خود تو گرم بستر میں لیٹا ہے، بدبختی تو ہماری ہے جو اس موسم میں خوار ہوتے پھر رہے ہیں۔"

دوسرا کھلکھلا کر ہنسا۔ "تمھارا جانا تو لازمی تھا، میں مفت میں خوار ہو رہا ہوں۔" وہ سامنے سے گزر کر پہاڑ کی بنیاد میں چلتے ہوئے شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں نے سبز رنگ کے پانچو پہنے ہوئے تھے۔

سردار نے وضاحت چاہتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کیوں نہ ان سے شروعات کر دینا چاہیے۔" وہ دہشت گردوں کو ہمیشہ اسی لقب سے یاد کرتا تھا۔ اور حقیقت تو یہی تھی کہ وہ اس سے بھی غلیظ اور گھٹیا خطاب کے حق دار تھے۔

"چلو۔" میں ہیوی ماسٹر کا تھیلا کندھوں سے اتار کر کھڑا ہو گیا۔ سردار نے بھی اپنا تھیلا وہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہمارے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئے تھے اور اب ان کی ہماری جانب پیٹھ تھی۔ ٹارچ کی روشنی ہماری بہترین رہنمائی کر رہی تھی۔

سردار نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو۔" اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ مجھے ہی فائر کرنا پڑے گا۔ یوں بھی جب درست نشانے اور کامیاب فائر کرنے کی ضرورت ہوتی سردار مجھے ہی سونپ دیتا تھا۔

میں نے سائلنسر لگا ریوالور ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ البتہ پستول میں نے پانی سے بچنے کے لیے رکھا تھا تاکہ گیلا ہو کر پستول کی کارکردگی میں فرق نہ پڑ جائے۔ ہم نے ان کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ اچانک بجلی زور سے چمکی اور مختصر لمحات کا فائدہ اٹھا کر میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا۔ چمک ختم ہونے تک بریٹا کی نال سے چند گرام سیسہ نکل کر ایک ناپاک وجود سے دھرتی کی جان چھڑا چکا تھا۔ سر میں لگنے والی گولی نے اسے چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ نہ بارش اور نالے کے شور نے اس کے ساتھی کے کانوں تک "ٹھک" کی آواز پہنچنے دی تھی۔ البتہ اس کے لاوارث ہو کر گرنے پر ساتھی نے "سنبھل کر چلو۔" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ٹارچ کا رخ اس کی جانب موڑا مگر وہ نصیحتوں سے بہت دور جا چکا تھا۔ جب تک اسے ساتھی کی کھوپڑی میں کھلا روشن دان نظر آتا سردار ٹارچ جلا کر اسے روشنی کے حلقے میں لے چکا تھا۔

"اپنی کھوپڑی بچانے کو تمھیں ہاتھ گردن کے پیچھے باندھنے ہوں گے۔"

"ک... کون ہو تم" وہ ہکلا گیا تھا۔

"تمھارا [illegible] ہے۔"

سردار کی بات ختم ہونے تک ایک اور "ٹھک" ہوئی اور وہ چیخ مار کر نیچے گر گیا تھا۔ میں نے اس کی دائیں پنڈلی کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے کندھے سے کلاشن کوف لٹکائی ہوئی تھی۔ گرتے ساتھ اس کے ہاتھ کلاشن کوف کی طرف بڑھے مگر وہ فائر

سردار نے دونوں کی تلاشی لی۔ جیبوں سے انڈین رقم، آئی کام (وائرلیس سیٹ) اور ہتھیاروں کے علاوہ کوئی کام کی چیز برآمد نہ ہوئی۔ البتہ یاسین خان کے تھیلے میں ابتدائی طبی امداد کا ضروری سامان، دو تین قسم کے فورسپ (جسم سے گولی نکالنے کا چمٹی نما مخصوص آلہ)، درد کش گولیاں، ٹیکے اور پٹیاں وغیرہ رکھی تھیں۔

لاشوں کو گھسیٹ کر ہم نے جھاڑیوں کے جھنڈ میں پھینکا۔ اور کلاشن کوفوں کو پتھروں میں دبا دیا۔ ابتدائی طبی امداد کا تھیلا اور آئی کام سیٹ بھی ہم نے پاس رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ ہمارے پاس اپنی پوسٹ سے ملاپ کو کینوڈ (وائرلیس سیٹ) موجود تھا۔ موبائل فون کی طرح وائرلیس سیٹ بھی مختلف کمپنیاں بنا رہی ہیں۔ جن میں کینوڈ، آئی کام، مٹرولا، بیرس وغیرہ شامل ہیں۔ ان سیٹوں میں کنکشن کارڈ یا اس قسم کا کوئی بکھیڑا نہیں ہوتا۔ ہر کمپنی کے سیٹ مخصوص فریکوئنسی پر کام کرتے ہیں۔ اس لیے دوسری کمپنی کے وائرلیس سیٹ کے ساتھ ملاپ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پہلے آرمی میں بڑے ریڈیو سیٹوں کا رواج تھا جو کافی وزنی ہوتے تھے۔ البتہ ان کا ملاپ بھی لمبے فاصلوں تک ہو سکتا تھا۔ اب چھوٹے وائرلیس سیٹ آ گئے ہیں جنھیں ساتھ پھرانا نہایت آسان ہے۔ لیکن ان کا ملاپ محدود فاصلے تک ممکن ہے۔ اب تو وزیرستان میں موبائل فون سروس کام کر رہی، اس سے پہلے عام لوگ بھی رشتہ داروں وغیرہ سے رابطے کو وائرلیس سیٹ خرید لیتے تھے۔

ضروری کارروائی کے بعد ہم جانے کو تیار تھے۔ ملک گل دین کے لشکریوں کا ٹھکانہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یاسین خان سے اس متعلق ہمیں کافی کچھ معلوم ہوا تھا۔ پہاڑی کی بنیاد میں پہنچتے ہوئے آگے انٹرینٹ (انٹرینٹ نقشہ بینی کی اصطلاح میں ایسی جگہ جو پہاڑ کے اندر کی طرف دبی ہوئی ہو۔ ایسی جگہ پہاڑ کے دو بازوؤں کے درمیان ہوتی ہے۔ جبکہ پہاڑ کے بازو سے مراد وہ ڈھلوان ہے جو بتدریج نیچے ہوتے ہوئے زمین سے مل جائے) آ[illegible] تھا۔ اور وہیں ان کا ٹھکانہ تھا۔

اب ہم نے تاریں بجھا دی تھیں، کیوں کہ دشمن ہمارے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھا۔

ان کے ٹھکانے تک ہمیں ایک ادھ کلومیٹر فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ جلد ہی ہم انٹرینٹ تک پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہاڑی اندر کی طرف دبی ہوئی تھی۔ سو، ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ بجلی چمکنے پر دو خیمے دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے جھولے کے تسمے کندھے سے نکالتے ہوئے کہا۔ ”اسے جھولے یہیں چھوڑنا مناسب رہے گا۔“

سردار نے میری تقلید میں سستی نہیں کی تھی۔ جھولے جھاڑی کے نیچے رکھ کر ہم آگے بڑھ گئے۔ بارش اسی تسلسل سے جاری تھی۔ ہماری ٹارچیں روشن تھیں سامنے سے بھی ایک، دو بار ٹارچ کا اشارہ دیا گیا۔ میں نے برین گن کے دستے پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ ”کوشش کروں گا کہ تمھیں فائر نہ کرنا پڑے۔ لیکن تیار رہنا۔“

وہ بے فکری سے بولا۔ ”خان ہر وقت تیار ہوتا ہے۔“

میں نے کارروائی کی ترتیب بتائی۔ ”تم ساتھ والے خیمے کا رخ کرنا۔“

”ٹھیک ہے۔“ سردار نے کلاشن کوف تیاری حالت میں تھام لی تھی۔

چونکہ یہ لوگ کلاشن کوف کندھے پر لٹکانے کے بجائے ہاتھ میں اٹھانے کے عادی ہوتے ہیں اس لیے کسی کو سردار کی حرکت پر شک نہیں ہو سکتا تھا۔

دونوں خیموں کے درمیان دو گھوڑے یا خچر بھی بندھے نظر آ رہے تھے۔ یقیناً وہ مویشی باربرداری کو استعمال ہوتے تھے۔ عام استعمال کی اشیاء وہ کندھوں پر اٹھا کر وہاں تک نہیں لا سکتے تھے۔ جبکہ گاڑیوں کی حرکت بھی سڑکوں تک محدود تھی۔

دو آدمی برساتیاں پہنے خیموں کے باہر ہی ہمارے منتظر تھے۔ انھوں نے خیمے سے چند قدم آگے آ کر ”

بھی گھور کر مجھے گھورنے لگی۔ کبھی اصل دین کو اور کبھی اس کی نظر بیٹری سے چلنے والے بلب پر جا ٹکتیں جو خیمے کو روشن کیے ہوئے تھا۔ بیٹری کے قریب ایک سولر پلیٹ بھی پڑی تھی۔ یقیناً سولر پلیٹ نے پسماندہ علاقوں کے باسیوں کو اندھیروں سے نکالنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ شہری آبادی سے دور دراز علاقوں میں بھی جہاں بجلی نہیں پہنچی روشنی نظر آجاتی ہے۔

"تمھارا نام؟" میں لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ ہچکچائی تھی۔ ہکلاتے ہوئے بولی۔ "گک... کشمالہ۔"

اس کا ڈر دور کرنے کو میں متبسم ہوا۔ "ان وحشیوں کے ہاتھ کیسے چڑھی ہو؟"

"مم... میں بکریاں چرا رہی تھی، یہ زبردستی پکڑ کر لے آئے۔" خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے اس نے باری باری ایک بھاری جثے والے شخص اور ایک چھریرے بدن والے کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھی۔ اچھی خاصی پرکشش و جاذب نظر تھی، تبھی تو خبیث اسے اٹھا لائے تھے۔ گہری نیلی آنکھیں دیکھ کر مجھے گلنگارے یاد آگئی تھی۔ البتہ باقی چہرہ گل سے مختلف تھا۔

یہاں وضاحت کر دوں کہ لڑکی جس پشتو میں بات کر رہی تھی وہ بہ مشکل ہی میرے پلے پڑ رہی تھی۔ وزیرستان کی پشتو کافی کرخت ہے، بولنے والوں کا لہجہ کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔ الفاظ کو یوں توڑ مروڑ دیتے ہیں کہ ٹھیک ٹھاک پشتو جاننے والے مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ میں تو خیر پٹھان نہیں ہوں، سردار خان جیسا خالص پٹھان بھی ان سے گفتگو کرتے ہوئے سر پکڑ لیتا تھا۔ البتہ میری جانِ حیات پلوشے ہر قسم کی پشتو روانی سے بولتی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے میں بھی اس قابل ہوا کہ وزیرستانی لب و لہجے کو کم از کم سمجھ لیتا ہوں اس انداز کی پشتو بول اب بھی نہیں سکتا۔

"تمھارا گھر کہاں ہے؟" میرے سوال جاری رہے۔ اس دوران سردار اندر آ کر خاموشی سے ہماری گفتگو سننے لگا۔

"گرش خیل کے مضافات میں ہے، آج دوپہر کو..." وہ تفصیل بتانے لگی۔

پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ باک تاپ کے شمال میں ایک جا گموں گرش خیل کلے ہے جہاں امریکن فوج کی چھاؤنی بھی موجود ہے۔ گرش خیل کے مضافات میں چند گھرانوں پر مشتمل کافی آبادیاں ہیں اور وہ بے چاری بھی ایسی آبادی ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ خبیث لوگ اس طرح کی معصوم لڑکیوں کو اکیلا دیکھ کر اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے ہیں۔ بعض اوقات تو ایسی لڑکیاں مہینوں ان کے پاس پوری ٹولی کی اجتماعی بیوی بنی رہتی ہیں۔ کبھی کبھار یہ معصوم لڑکیوں کو ایک ہی بار قرآن پر کر کے ان کا نکاح کرو فرض کر دیتے اور ایسا بھی ہوتا کہ ہفتہ ڈیڑھ پاس رکھ کر آزاد کر دیتے۔ اس کا انحصار اغوا کرنے والے کی مرضی اور طبیعت پر تھا۔ کشمالہ کو اٹھانے والے دو تھے۔ دونوں گرش خیل ضروری سامان کی خریداری کو گئے تھے کہ واپسی پر جنگلی پھول پر نظر پڑ گئی۔ انھوں نے [illegible] سے بے ہوش کیا اور اطمینان سے رنگ رلیاں منانے کی نیت سے ساتھ اٹھا لائے۔ لیکن پہلی باری کے حصول میں جھگڑا ہو گیا۔ اصل دین نے انھیں چھڑانے کی کوشش کی اور ناکامی پر گولی کھا بیٹھا۔ بات ان کے کمانڈر قلات خان تک جا پہنچی۔ جس کی وجہ سے وہ معصوم لڑکی عارضی طور پر ان وحشیوں کی دست برد سے محفوظ رہی تھی۔ البتہ اس کی قسمت عروج پر تھی کہ میں اور سردار بلائے ناگہانی کی طرح وہاں پہنچ گئے تھے۔

سردار شرارتی انداز میں بولا۔ "اتنی جلدی کیا ہے گی ہے شادی کے بعد تفصیل جان لینے۔" کشمالہ کو بے خبر رکھنے کی غرض سے اس نے اردو میں بات کی تھی۔

میں سنجیدگی سے بولا۔ "اسے دوسرے خیمے میں لے جاؤ، مجھے اصل دین سے کوئی خاص بات کرنا ہے۔"

سردار سمجھ گیا کہ میں اصل دین کو کشمالہ کے سامنے قتل نہیں کرنا چاہتا۔

"چلو۔" سردار نے اسے خیمے سے نکلنے کا اشارہ کیا۔

دو مسلح افراد اندر داخل ہوئے نیچے میں گھسے۔ کلاشن کوف کا منہ ہماری طرف تنی تھی۔ آگے والا ادھیڑ عمر کا گرانڈیل شخص تھا۔

”تو یہ کا بچہ! ہاتھ اوپر اٹھاؤ ..... تمھارا کیا خیال تھا قانون خان سے بچ جاؤ گے؟“

کلاشن کوف کے خوف ناک دہانے کو اپنی جانب اٹھا دیکھ کر بہادری کا مظاہرہ سلطان راہی مرحوم یا بدر منیر ہی کر سکتا تھا۔ برے پھنس گئے تھے۔ امید ہی نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی ہمیں آ لیں گے۔

میری پراگندہ سوچوں میں کشمالہ کی چیخ نے خلل ڈالا تھا۔ وہ ”ماما جان!“ کہتے ہوئے قانون خان کی طرف بھاگی۔ ”انھیں کچھ نہ کہو، انھوں نے مجھے ڈاکوؤں سے بچایا ہے اور مجھے بہن بنا لیا ہے۔ اب مجھے گھر پہنچانے جا رہے تھے۔ یہ بہت اچھے ہیں۔ یہ میرے فوجی بھائی ہیں۔ انھوں نے سارے ڈاکوؤں کو قتل کر دیا ہے ..... “ ماموں سے لپٹتے ہوئے وہ پرجوش لہجے میں تفصیل بتانے لگی۔

قانون خان کی درشتی خوشگوار حیرت میں تبدیل ہوئی۔ کشمالہ کا ماتھا چوم کر اس نے کلاشن کوف کندھے پر لٹکائی اور ہماری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”شاباش! تم جیسے اعلیٰ خاندان کے جوان ہی ہمارا فخر ہیں۔“ اس نے باری باری سردار اور مجھے گلے لگا کر پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے ہماری پیشانیاں چوم لی تھیں۔ دوسرے جوان نے بھی کلاشن کوف کی نال نیچے کر لی تھی۔ وہ کشمالہ کا بڑا بھائی تھا۔

قانون خان اسے مخاطب ہوا۔ ”ترنگ خان! باقیوں کو بھی اندر بلاؤ۔“

تھوڑی دیر بعد پانچ مسلح افراد خیمے کے اندر آ گئے تھے۔ قانون خان کے کہنے پر تمام ہمیں پرتپاک انداز میں ملے۔ تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ کشمالہ کو اغوا کرنے والوں کو قانون خان کی بیٹی گلالئی نے دیکھ لیا تھا۔ انھوں نے کشمالہ کو گھوڑے پر لادا تھا۔ وہ ایک پہاڑی پر چڑھ کر دور تک ان کی حرکت کو دیکھتی رہی۔ جیسے ہی وہ نظر سے اوجھل ہوئے وہ بھاگتے ہوئے گھر پہنچی اور باپ کو ساری تفصیل بتا دی۔ قانون خان تند مزاج کا جگر دار شخص تھا۔ نڈر دلیر اور کسی سے نہ ڈرنے والا قبائلی۔ وہ فوراً چند احباب کو اکٹھا کر کے بھانجی کو اغوا کرنے والوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ دہشت گردوں کی کارروائیاں ان کے لیے نئی بات نہیں تھی۔ چونکہ انھیں کشمالہ کو اغوا کرنے والوں کی جگہ کے بارے معلوم نہیں تھا اس لیے وہاں تک پہنچنے میں انھیں کئی گھنٹے لگے تھے۔ اتنی دیر میں انھوں نے علاقے میں کئی خیمے کھنگالے تھے۔ جن میں کچھ گمروال (بکریاں چرانے والے) کچھ مقامی لوگ اور کچھ دہشت گرد تھے۔ جماکہ نے انھیں کشمالہ کو اغوا کرنے والوں کی جانے کی سمت بتا دی تھی۔ اندازے سے چلتے ہوئے آخر وہ صحیح مقام پر پہنچ گئے تھے۔ ان کی آمد نے ہمیں تقویت دی تھی۔ کم از کم کشمالہ کا معاملہ بااحسن خوبی نمٹ گیا تھا۔

مشورے کے بعد انھوں نے دہشت گردوں کی کسی چیز کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیوں کہ یہ سامان یکجا کر دہشت گردوں کے خلاف ہمارا آسانی پر اتر آتے تو وہ مقابلہ نہ کر پاتے۔ البتہ ہم نے ان کا اسلحہ اور ایمونیشن ایک مخصوص جگہ چھپا دیا تھا کہ موقع ملنے پر نکال لیں گے یا کم از کم دہشت گردوں کے ہاتھ واپس تو نہیں لگے گا۔ دو عدد آئی کام بھی ملے تھے جو واسے کا بڑو کہتے ہیں۔ عام طور پر دہشت گرد کے پاس میں نے آئی کام سیٹ ہی دیکھے ہیں۔ (کا بڑو فقط وائرلیس سیٹ کا بہترین نعم البدل ہے اور اردو زبان میں اسے وائرلیس کی جگہ ایک مستقل لفظ کے طور پر شامل کیا جا سکتا ہے جو ویسے پہلے اردو میں وائرلیس کے لیے لفظ ”لاسلکی“ استعمال ہوتا ہے)

عموماً دہشت گردوں کے پاس آئی ای ڈیز اور بارود وغیرہ مل جاتا ہے۔ مگر یہاں وہ ہم سب پر حملے کی غرض سے آئے ہوئے تھے اس لیے بارود وغیرہ پاس نہیں رکھا تھا۔ میرا ارادہ ان کے آنے والے ساتھیوں کے لیے بارودی پھندا تیار کرنے کا تھا۔ کیوں کہ ان کی آمد سو فیصد یقینی تھی۔ تھوڑا سوچ کر میں نے سردار سے دو تین ہینڈ گرنیڈ مانگے۔ اس کے

آنے والوں کے لیے ٹائم (وقتی بم) چھوڑ آئے ہیں۔ کنٹرول کے نئی جگہ کے بارے استفسار پر بتا دیا کہ ہم فی الحال راستے پر ہیں۔ کنٹرول سے یہ بھی پتا چلا کہ دوسرے سنائپرز کی جوڑیاں ہم سے پہلے اپنی جگہ پر پہنچ چکی تھیں۔ ہمیں بھی اپنی پوزیشن اور اس کا ساتھی نہ ملتے تو کسی کمین گاہ میں ہوتے۔

قانون خاص سے ہمیں دہشت گردوں کے دو ٹھکانوں کی جگہ معلوم ہوئی تھی مگر دونوں قریباً نصف ملا سے میں تھے، سردار حملہ کرنے پر بضد تھا۔

میں نے انکار میں سر ہلایا۔ "تین بج چکے ہیں۔ اور ہمارا پہلا ہدف کمین گاہ کی تیاری ہے۔ روشنی پھیلنے سے پہلے مناسب جگہ کا نظر آنا ضروری ہوگا۔ ہمارے ساتھی کمین گاہ میں پہنچ کر آرام فرما رہے ہیں۔"

اس نے کہا "مجھے نقشے کی مدد لینے دیں۔"

میرے متفق ہونے پر اس نے جھولے سے نقشہ نکال لیا۔ (آرمی کے نقشوں میں علاقائی حدود خاصی بڑی وضاحت سے بیان کیے ہوتے ہیں۔ عام آدمی کے لیے نقشہ بینی کی خصوصی کلاسیں ہوتی ہیں، لیکن عام آدمی ان نقشوں کو نہیں سمجھ سکتے)

چادر اوڑھ کر ہم نے ٹارچ جلائی تاکہ دور سے روشنی نظر نہ آسکے۔ نقشہ زمین پر بچھا کر ہم نے شمال کی سمت سیدھا کیا۔ جی پی ایس کی مدد سے نقشے پر اپنی جگہ معلوم کر کے نزدیک کوئی اونچی جگہ تلاش کرنے لگے۔ کلومیٹر بھر کے فاصلے پر ایک پہاڑی نظر آگئی۔ وہ بائیں ہاتھ کے کیمپ سے تھوڑا آگے کی طرف تھی۔ دونوں نے اتفاق سے اسی جگہ کا چناؤ کیا۔ ہماری جگہ سے وہ سو ساٹھ ڈگری بن رہی تھی۔ قطب نما کے ذریعے ہم اس سمت کو بڑھ گئے۔ ٹارچ ایک بار پھر بجھا دی تھی۔

پہاڑی علاقے میں ہموار زمین مشکل سے ملتی ہے۔ یہ بظاہر ہموار نظر آنے والے میدان بھی قریب پہنچنے پر اونچ نیچ نظر آتے ہیں۔ ہمارا رخ قریباً مغرب کی طرف تھا۔ قریباً اس لیے کہا کہ مغرب کی سمت دو سو ستر ڈگری بنتی ہے اور ہمارا رخ دو سو ساٹھ ڈگری کی طرف تھا۔ مجھے ابھی خاصی تھکن محسوس ہو رہی تھی اور اس کی وجہ رینج ماسٹر بھی تھی۔ اس لیے دور دراز کے مشن پر سنائپر ہمیشہ ڈریگونوو سنائپر رائفل، ایم 40 سے چھوٹی جیسی نسبتاً ہلکی سنائپر رائفلیں ساتھ لے جانا پسند کرتے ہیں۔ گو رینج ماسٹر سے ان کی رینج نصف ہے مگر وزن چار کلو کم ہے۔ تبھی دور دراز کے سفر میں ان کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

سنائپر کا کام مخصوص افراد کو نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ لیکن پاک آرمی کے بڑے بڑے آپریشن: حملہ، دفاع، پیش قدمی، پسپائی وغیرہ ہوں، چھوٹے آپریشن: چھاپہ، گھات، گشت، تخریب وغیرہ، عمارتی لڑائی، دہشت گردوں کے خلاف کوئی مخصوص کارروائی، کلیدی افراد (اہم شخصیات) کو نشانہ بنانا، یہاں تک کہ کسی جاسوسی کے مشن میں بھی سنائپر کو بھیجا جا سکتا ہے۔ اور ہر کارروائی میں سنائپر کو مخصوص کام بانٹے جاتے ہیں البتہ مخصوص کام نشانہ بازی سے متعلق ہی ہوتا ہے۔ اور سنائپر صرف ہدف کو ختم نہیں کرتا ہدف کے خاتمے کے بعد اسے جان بچا کر نکلنا بھی ہوتا ہے۔ وہ بھاگتے وقت وہ جتنا ہلکا ہوگا اتنی تیزی سے حرکت کر سکے گا۔ یہ بات بھی مدنظر رہے کہ سنائپر حتی الوسع اپنا ہتھیار پیچھے نہیں چھوڑتا۔ اس وقت سردار کے پاس ڈریگونوو رائفل تھی۔ وہ بھی تجربہ کار سنائپر تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہمیں علیحدہ علیحدہ ہونا پڑ جاتا تو اسے سنائپر رائفل کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

ہمارے سامنے ایک برساتی نالا آیا۔ ہمیں پھر جوتے اتارنا پڑے تھے۔ نالے کے ٹھنڈے پانی سے گزر کر ہم دوسری جانب پہنچے۔ جرابوں کے بالائی حصے سے پاؤں خشک کر کے ہم نے جرابیں پہنیں اور بوٹوں کے تسمے مضبوطی سے باندھ کر آگے بڑھ گئے۔ جلد ہی ہم درمیانی بلندی کی پہاڑی کی بنیاد تک پہنچ گئے تھے۔ شمال کی جانب کچھ فاصلے پر کتوں کی بھونکنے کی آواز تسلسل سے آرہی تھی۔ "مکروہ لوگوں" کے کتے تھے۔ یہ اطمینان ہمیں حاصل تھا کہ دہشت گردوں کے پاس کتے

نہیں ہوتے لیکن کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتے۔ شمالی علاقہ جات ہوں، کشمیر ہو یا ہندوستان، چیتے کی پہاڑی علاقوں میں کمی نہیں ہے۔ مشاہدہ کیا ہے کہ پاک آرمی کی پوسٹوں پر کتوں کا گھیرا رہتا ہے۔ کتوں کو باقاعدگی سے خوراک مل جاتی ہے اور چیتے وغیرہ کو ایسے دوست مل جاتے ہیں جو دشمن کو دور سے تاڑ کر بروقت چوکس کر دیں۔ ایک عجیب بات یہ بھی مشاہدہ کی ہے کہ پاک آرمی کی پوسٹوں پر رہنے والے کتے سول کپڑوں والوں کو پوسٹ کے قریب نہیں آنے دیتے جبکہ فوجی وردی میں کوئی نووارد بھی آ جائے تو اس سے تعرض نہیں کرتے۔

"خان صاحب! ٹیلی سکوپ سے بلندی کا جائزہ لے لو۔"

سردار نے "سپین نوڈی" آن کر کے آنکھوں سے لگائی۔ لمحہ بھر جائزہ لینے کے بعد بولا۔ "بلندی پر ایک مکان نظر آ رہا ہے۔"

چیک لے کر میں نے بھی جائزہ لیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک عمارت کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

سردار نے خیال ظاہر کیا۔ "ہو سکتا ہے کسی سول شخص کا گھر ہو۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پریشانی ظاہر کی۔ "اس کے برعکس ہوا تو دہشت گردوں کا مضبوط ٹھکانہ ہوگا۔ اور ایسا ہونے کی صورت میں نہ صرف یہاں پہرے دار موجود ہوں گے بلکہ ان ہتھیاروں کافی تعداد نے ڈیرے ڈالے ہوں گے۔"

سردار متفق ہوا۔ "کوئی اور جگہ ڈھونڈیں؟"

میں نے کہا۔ "قریب سے جائزہ لیے بغیر فیصلہ کرنا بے وقوفی ہوگی۔"

"چلو پھر ..." شیر دل پٹھان خطروں کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ میں نے بارہا جانچا تھا کہ سردار خان بے وقوفی کی حد تک دلیر تھا۔ خطرات اور مہمات کو وہ ہمیشہ ہنسی مذاق میں اڑا دیا کرتا تھا۔ مداہنت اس کی فطرت میں شامل نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ مجھے اس شعر کے مصداق لگا تھا

مداہنت نہ کبھی اختیار ہو اسے گی
میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

حالانکہ خوف کا مادہ انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ ہر شخص ڈرتا ہے۔ دلیر اور بزدل آدمی میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ دلیر شخص اپنے خوف پر قابو پا لیتا ہے۔ اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا اور دل ہی دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ جبکہ بزدل آدمی اپنے اعصاب پر قابو نہیں پا سکتا اور خوف کو ظاہر کر دیتا ہے۔ میں اپنی بات کروں تو عملی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں جب میرا دل خوف سے لرز اٹھا۔ موت آنکھوں کے سامنے دکھائی دینے لگی اور ایسے حالات میں "کل نفس ذائقۃ الموت" کا یقین ہی تھا جس نے مجھے بھاگنے سے روکا۔

اس وقت بھی بلندی کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے میرے چہرے پر تفکرات کا جال پھیلا تھا۔ اور ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔ ہر ایسے وقت میں جب موت کچھ زیادہ ہی قریب دکھائی دینے لگے انسان کے احساسات ایسے ہو جاتے ہیں۔ میں اسے کتنا ہی احتیاط پسندی کا نام دوں، فہم و فراست گردانوں، ہوشیاری سے تعبیر کروں، دور اندیشی کہوں یا تجربہ کاری کہوں، حقیقت میں اسے خوف اور بزدلی سمجھا جائے گا۔ صرف پلوشہ کے غائب ہونے کے عرصے میں جب میں اسے مردہ سمجھے ہوئے تھا تب موت کا ڈر میرے دل سے نکل گیا تھا۔ اور اس کی واپسی کے ساتھ زندگی کی سہانی دلچسپیاں اور رعنائیاں لوٹ آئی تھیں۔ اس کی محبت کو میں نے ہر رشتے پر مقدم سمجھا تھا۔ وہ مجھے اتنی ہی عزیز اور پیاری تھی۔ اگر کبھی ایسا موقع آیا کہ مجھے اپنی جان اور اس کی زندگی میں ایک کا چناؤ کرنا پڑا تو یقیناً میری ترجیح اس کی سلامتی ہوگی۔ لیکن اب

جب وطن عزیز کی خدمت و حفاظت کی آ جاتی تو اپنی عزیز از جان ہستی کے وادا بیٹی کو بھی میں نے پس پشت ڈال دیا تھا۔

اس کی شروع دن سے کوشش تھی کہ میں فوج کی نوکری کو خیر باد کہہ دوں۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنی اولین ترجیح جاننے کے باوجود میں نے اس کی اس درخواست کو درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔ بلکہ ایک بار تو اس کے اصرار کرنے پر اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی تھی۔ دو دن وہ اتنی خفا رہی کہ روبا کے کمرے میں ڈیرہ لگا لیا تھا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹتا تو روبا کا کمرہ بند ملا۔ تیسرے دن روبا کے منت سماجت کرنے پر وہ بہت مشکل سے راضی ہوئی تھی۔ البتہ اسے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ نوکری چھوڑ دینے کا مشورہ یا درخواست میں کبھی نہیں مانوں گا۔ اور یہ حال صرف میرا نہیں ہر فوجی کا ہوتا ہے۔ ہم بھی عام انسان ہوتے ہیں ہماری بھی خواہشات، ارمان، آرزوئیں اور تمنائیں ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں وطن کی ہواؤں کا مقابلہ اور گھر کے ماحول کا نعم البدل خدا پاک کی اصل جنت کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ بقول شاعر

کوئی جنت کا پوچھے تو کہہ سکوں ہنس کر
کہ وہ بھی خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

میرا بھی دل چاہتا ہے کہ دن بھر کام کے بعد شام کو گھر لوٹ کر اپنے بیٹے عبداللہ کی کلکاریاں سنوں، رچو ملے پر ٹھی روبا کو ان آنکھوں سے خود کو تازہ دیکھوں اور جب چوری پکڑوں تو اس کی حیا آلود مسکراہٹ سے مستفید ہوں نیز اس کے سرخ و سفید چہرے کو گلابی کر دیتی ہے۔ بیٹی کی شکلیوں سے گفتگو کروں، اماں جان، ابو جان اور پھوپھی جان کی شفقتیں سمیٹوں۔ جنگلوں، ویرانوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں دشمن کا تعاقب کرنا، کبھی ان سے چھپنا، کبھی گولی چلا کر دشمن کو سر سے محروم کرنا، کبھی اپنے جان پر گولی کھانا، یہ کھیل پڑھنے والوں کو بے شک دلچسپ لگے۔ پڑھ کر لطف اندوز ہوں، اپنے قارئین ارادتاً میں ان واقعات سے جی بہلا لیں مگر جس پر گزرتی ہے صرف وہی اس تکلیف اور درد کو محسوس کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی مرے واقعات سے

بلندی طے کرتے ہوئے نظریں تسلسل سے دائیں بائیں کا جائزہ لے رہی تھیں اور دماغ اپنے سیدھے خیالات کی جگالی میں مصروف تھا۔ عجیب و غریب خیال تھے جو ساون کی گھٹا کی طرح امڈے چلے آ رہے تھے۔ سر جھٹک کر میں نے ان خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا تھا۔ ہم خاموشی اور احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اندھیرے میں پہاڑی علاقے میں ڈھلان چڑھتے یا اترتے وقت احتیاط کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی دوشیزہ پائل پہن کر چھن چھن کی آواز پیدا کیے حرکت کرے۔ بقول شاعر

پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے
تو لاکھ چلے رے گوری تھم تھم کے

یہ خیال کافی شرمندہ کرنے والا تھا اور سردار کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے دینا کہاں کی عقل مندی تھی۔ ایک کنکر اس کی حرکت سے لڑھکتا ہوا نشیب کے سفر پر روانہ ہوا، وہ فوراً دبک کے بیٹھ گیا تھا۔ پاس پہنچتے ہوئے میں نے سرگوشی کی۔

"خان صاحب! اس وقت تمہاری حالت پازیب پہن کر گھر والوں سے چوری چھپے محبوب کی ملاقات کو جانے والی دوشیزہ کی سی ہے۔"

وہ بھڑک کر گویا ہوا "کسی کی تمیں ان سالوں کی۔"

اس وقت بھی ہمیں سب سے بہتر وہی درخت لگے تھے۔ البتہ ہماری خوش قسمتی کہ وہ بالکل ہی سوکھے ہوئے اور زیادہ ہرے
تھے، گھنے بھی تھے۔ وزیرستان میں شاہ بلوط کے درختوں کی بہتات ہے اور ہم نے شاہ بلوط ہی کے درختوں کا چناؤ کیا
تھا۔ مقامی زبان میں اسے "سیرانے" کہتے ہیں۔ اس کی دو تین اقسام ہیں جن میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس درخت
کو کانٹے تو نہیں ہوتے لیکن پتوں کے کنارے نوکیلے ہوتے ہیں جو ننگی جلد پر چبھ سکتے ہیں۔ البتہ لکڑی انتہائی مضبوط ہوتی
ہے۔ مقامی لوگ اس کی لکڑی کو کوئلہ بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ پکی مٹی سے اگلو (igloo) نما تقریباً آدم جثہ اونچائی بنا کر اس میں
درخت کی لکڑیاں چھت تک بھر دیتے ہیں۔ پھر اسے دھیمی آنچ پر سلگنے کو چھوڑ دیتے ہیں، چند دنوں میں عمدہ کوئلہ تیار ہو جاتا
ہے۔ وزیرستان میں کافی لوگ اسی کاروبار سے وابستہ ہیں۔

درخت پر چڑھنے سے پہلے ہم نے تھوڑی تھوڑی چائے پی اور پھر کلہاڑی نیفے میں اڑس کر میں درخت پر چڑھ گیا۔
صبح کا اجالا ہر طرف پھیل گیا تھا۔ اب ٹارچ روشن کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ مناسب بلندی پر پہنچ
کر میں نے سردار کو شاخیں پکڑانے کا اشارہ کیا۔ وہ شاخیں دیتا گیا اور میں ترتیب سے رکھتا گیا۔ پہلے مرحلے میں میں نے
مچان کا فرش بنایا تھا۔ سردار نے رسی کو ادھیڑ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے تھے۔ میں شاخوں کو مہارت سے
باندھنے لگا۔ طلوع آفتاب تک ہم نے مچان تیار کر لیا تھا۔ مزید تھوڑا وقت لگا کر ہم نے مچان کے چھپاؤ کیمو فلاج کی ضروریات
کو پورا کیا اور سارا سامان مچان پر منتقل کر دیا۔ فارغ ہو کر میں کنٹرول سے رابطہ کرنے لگا۔ کیپٹن حلیمہ کو اپنی جگہ کے بارے
بتا کر آگے کا لائحہ عمل پوچھا۔

"ہم صبح تین بجے پانڈو جائیں گے۔ تب ملاقات ہوگی۔ تم سے بات چیت کو 13 دوست آ رہے ہیں۔ لسٹ گ پر
دیتا آؤٹ۔" (مطلب یہی تھا کہ وہ آنے والی صبح تین بجے نکلیں گے اور میں چینل 13 پر مزید احکامات کا منتظر رہوں)

"ہم منتظر ہیں۔" کہہ کر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"یار! بھوک لگی ہے۔" سردار نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"بسکٹ ہی پر گزارا کرنا پڑے گا۔" میں نے چنوں سے بنے ہوئے مخصوص بسکٹ جھولے سے نکال کر درمیان
میں رکھ لیے۔

سردار منہ بنا کر بسکٹ چبانے لگا۔ ان بسکٹوں سے بھوک تو مٹ جاتی ہے مگر گندم کی روٹی اور سالن کا بدل یہ کیسے
ہو سکتے۔ اور بدقسمتی سے سنائپر کا مقصد کی خاطر اٹھنے والا پہلا قدم اس کے پیٹ پر پڑتا ہے۔

اسے بے دلی سے بسکٹ چباتے دیکھ کر میں نے چوٹ کی۔ "یہ خوراک ہے، دوائی نہیں۔"

سردار نے کہا۔ "میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ فقرہ ہی غلط ہے، پٹھان سوچا نہیں کرتے۔"

وہ چیخا۔ "سنو تو سہی۔"

میں نے منہ بنایا۔ "نہیں بابا! پٹھان بننا مجھے قبول نہیں ہے۔"

وہ مصر ہوا۔ "کھانے کے پیسے دے دیں گے۔"

"گھر میں صرف عورتیں ہیں۔ جو اتنی آسانی سے ہم پر اعتبار نہیں کریں گی۔"

"دروازے پر دستک دیں گے، کوئی رد عمل ملا تو بہتر ورنہ چنوں کے بسکٹ تو کہیں گئے نہیں۔"

میں نے فلسفہ جھاڑا۔ "جو بسکٹ بے عزت ہو کر کھانے ہیں انھیں عزت سے چبا لو۔"

اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ "بے عزتی عزت والوں کی ہوتی ہے۔"

میری آنکھ باتوں کی آواز سے کھلی۔ دونوں بچیاں دوپہر کا کھانا لائی تھیں۔ سردار بچیوں سے پیچھے جا کر ان سے گپ شپ کر رہا تھا۔ صبح کی نسبت بچیاں زیادہ پر اعتماد نظر آ رہی تھیں۔ اور چہک چہک کر سردار کی باتوں کا جواب دے رہی تھیں۔ دونوں بہنیں تھیں۔ ایک کا نام تنزیلہ اور دوسری کا طیبہ تھا۔ تنزیلہ سال بھر بڑی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تنزیلہ کی امی بیمار تھیں اور ان کا باپ اور چچا کل سہ پہر کو اسے کسی شہر کی طرف لے گئے تھے۔ گھر میں ان کی چھوٹی پھوپھو، دادی اور طیبہ کی ماں موجود تھیں۔ وہاں بہت سے لوگوں نے ایسی جگہ بھی گھر بنائے ہوئے ہیں جہاں آمد و رفت نہایت مشکل ہے۔ اور ان لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ کسی مریض کو ڈاکٹر تک لے جانے کا ہوتا ہے۔ چھوٹی موٹی بیماریوں کو تو یہ لوگ خاطر میں نہیں لاتے تھے البتہ بڑی بیماری یا حاملہ عورت کا کیس بگڑ جانے کی صورت میں بے چاروں کو بہت پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔

بچیوں کو رخصت کرتے وقت سردار نے چند روپے پاکستانی بلیٹ کے نوٹ انھیں پکڑا دیے تھے۔ گل بدین کے لشکریوں کی جیبوں سے ہمیں کافی رقم ہاتھ آئی تھی۔

سردار کھانے کے برتنوں کے ساتھ اوپر آ گیا۔ کدو کا سالن جس میں خشک گوشت کے ٹکڑے شامل تھے۔ بھرپور Ok کرنے کے بعد خاص بھوک تو نہیں لگی تھی پھر بھی ہم دو دو روٹیاں ڈکار گئے تھے۔

کھانے کے دوران سردار نے روسی بموں کے دھماکوں کا بھی بتا دیا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "دھماکے کس وقت ہوئے۔"

"سالا مجھے کیا پتا۔"

"تمھیں "آئی کام" پر دشمن کی بات چیت سننے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔"

اس نے منہ بنایا۔ "سنی تھی حضور! صرف ایک بم ہی چلا ہے دوسرے لیے میں وہ ایک جانب کا کچا اجاڑ کر داخل ہوئے تھے اور روسی بم کو دور پھینک کر ناکارہ کر دیا۔ تلاشی میں خان بچ گیا ہے وہ ایک آدمی شدید زخمی اور ایک قتل ہو چکا ہے۔ اور Z ونڈ گرینیڈ کی وجہ سے انھیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ کارروائی پاک آرمی نے کی ہے۔ اب انہوں نے تمام لشکریوں کو خبردار کر دیا ہے۔ کمانڈر عزیل جان کے لشکری بھی اپنے دونوں آدمیوں کو بار بار پکار رہے تھے۔ لیکن ان کی اور گل بدین کے آدمیوں کی گفتگو میں نہیں سن سکا۔"

سردار نے کافی کارآمد معلومات حاصل کی تھیں۔

کھانا کھا کر سردار آرام کرنے لگا۔ رینج ماسٹر کو اب تک ہم نے نہیں کھولا تھا۔ میں دوربین سے علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ ہمیں کوئی مناسب جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہاں بائیں جانب کی طرف سے خطرہ موجود تھا کہ وہ ہماری پشت پر تھی۔ علاوہ فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ البتہ سامنے کی وجہ سے ہماری کمین گاہ کو پہچاننا اتنا آسان نہیں تھا۔ کوئی مسئلہ سائیڈ کی اندازہ کر سکتا تھا کہ گولی کس طرف سے آ رہی ہے۔ ہمیں وہاں خطرہ صرف قریبی گھر والوں کی طرف سے تھا کہ ان کے ذریعے واصل وہاں

موجودگی کی خبر پھیل چکی تھی۔ میں نے اس بارے پہلی فرصت میں کیپٹنوں کو ہدایت کر دی ہوتی کہ گھر گھر میں کوئی نہ کوئی موجود رہے۔ تھا جس سے میں بات کر سکتا۔ میں اس لیے بھی مطمئن تھا کہ نزدیک کوئی دوسرا گھر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر یکری کے علاوہ نالے میں کوئی گھر موجود تھے تو ہماری نظر سے اوجھل تھے۔ بچیاں برتن لینے واپس آئیں، میں نے نیچے اتر کر طلیبہ کو اور اقبالیہ اور حتیٰ سے دوسرے گھروں کی بابت دریافت کرنے لگا۔ دونوں جوش و خروش سے تنگی نالے میں چند گھروں کی خبر دینے لگیں۔ کبھی کبھی وہ ادھر کھیلنے بھی نکل جاتی تھیں۔ مگر آج صبح سے وہ ادھر نہیں جا سکی تھیں۔

میں ان کے ساتھ گھر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے پرے رک کر میں نے عزیز کو کہا۔ "پہلی اماں کو بتاؤ کہ ان کا بیٹا نے کچھ پوچھنا ہے۔"

وہ بھاگ کر گھر میں گھس گئی تھوڑی دیر بعد ہی ایک بوڑھی عورت نمودار ہوئی۔ اس کے ہمراہ ایک جوان سال لڑکی بھی تھی جس نے دوپٹے کا پلو یوں چہرے پر لپیٹا تھا کہ صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ دونوں نے گہری نظر سے مجھے دیکھا تھا۔

"السلام علیکم اماں جی!" میں نے گفتگو میں پہل کی تھی۔

اس نے نحیف آواز میں دعا دی۔ "جیتے رہو بیٹا۔"

"اماں جی، معافی چاہتا ہوں آپ کو تکلیف دی۔ ہم دشمنوں سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ کل کا دن یہاں گزار کر کسی اور طرف کا رخ کریں گے۔ عرض یہ تھی کہ بچوں کو آج اور کل گھر میں روکے رکھیں۔ کیونکہ یہ معصوم ہیں، ہمارے چھپنے کی بابت کسی کو بھی خبر دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارے جانے کے بعد بھی کوشش کرنا کہ اس بارے کسی سے بات چیت نہ کریں تاکہ ہمارے دشمن آپ کے خلاف نہ ہو جائیں۔"

بوڑھی عورت کے پلے تو میری گفتگو نہیں پڑی تھی، لیکن جوان سال لڑکی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے سمجھانے لگی۔ اس کے منہ کھولنے پر معلوم ہوا کہ وہ بوڑھی خاتون کی بیٹی اور دونوں بچیوں کی پھوپھو تھی۔ یہ اندازہ میں نے فوراً لگا لیا تھا کہ رات کو ہمارا استقبال اسی نے کیا تھا۔

بیٹی کے سمجھانے پر اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمانوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔"

"اللہ آپ کو اچھی صحت والی لمبی عمر دے اماں جی! ہمیں فقط رازداری کا اطمینان دلا دیں، باقی ہم سنبھال لیں گے۔"

بیٹی نے ماں کو میرا مطلب واضح کیا۔ اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے عورتوں کے ازلی تجسس کا مظاہرہ کیا۔ "آپ کے دشمن کون ہیں بیٹا۔"

"ہمارے دشمن، آپ کے بھی دشمن ہیں اماں جی! اگر آپ انہیں پہچانتی نہیں ہیں۔ بہرحال ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

بیٹی کی وضاحت پر وہ ہمیں دعائیں دینے لگی۔ میں نے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی بیٹی کی طرف بڑھا دیے۔ گہری سیاہ آنکھیں میری جانب اٹھیں۔ ان میں گھبراہٹ چھپی تھی۔ نفی میں سر ہلا کر وہ گھر میں گھس گئی تھی۔ بوڑھی عورت بھی خفیف انداز میں مجھے پیسے دینے سے منع کرنے لگی۔ یقیناً وہ پیسے کے لالچی نہیں تھے مگر انہیں پیسے کی ضرورت تھی۔

میں نے عزیز کو پیسے پکڑاتے ہوئے کہا۔ "بیٹا یہ اپنی پھوپھو کو دے دو۔"

میں سنائپر کورس کے بعد میری موجودگی میں وہ ہمیشہ سپاٹر کی ذمہ داریاں نبھاتا تھا۔

تیار ہو کر میں نے پوچھا۔ ''کوئی حرکت نظر آ رہی ہے؟''

''سامنے بڑے پتھر کا دایاں کنارا، دو بجے کی لائن، پہاڑ کی دیوار میں اپنی ڈبل ٹولی بیٹھی ہے۔'' اس نے پیشہ ورانہ انداز میں سمت دکھائی۔ (دو بجے کا مطلب یہی تھا کہ سامنے بڑے پتھر کے دائیں کنارے پر اگر سوئیوں والی گھڑی رکھ دی جائے تو گھنٹے والی سوئی دو پر پہنچ کر جس جانب اشارہ کرے وہ سمت)

میں نے لیوپولڈ سائیٹ میں اس جانب دیکھا، پاک آرمی کی وردی میں چند افراد محتاط انداز میں ایک جانب بڑھتے نظر آئے۔

''مدد کا نشان بڑا پتھر، دس بجے کی لائن، دوسری ٹولی بھی نمودار ہو گئی ہے۔''

ادھر شست پھیرنے پر مجھے دس بارہ فوجی نظر آئے۔ دونوں ٹولیاں علیحدہ علیحدہ ہدف کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ ان کی حرکت سے ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس ہدف پر حملے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ دشمن کے ٹھکانے ہمارے بائیں رخ تھے۔ دشمن کے چار ٹھکانے ہمیں نظر آ رہے تھے، اگر ایک ترتیب سے بتانا شروع کروں تو پہلا ٹھکانہ شمال کی جانب تھا۔ اسے ہدف اول کہوں تو اس کے ساتھ جنوب کی جانب ہدف دوم اور اسی رخ آگے بڑھتے ہوئے ہدف سوم اور ہدف چہارم۔ پانچواں ہدف ہماری حد سے باہر تھا اور ہماری جگہ سے نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ ہم نے جن دو جتھوں کی مدد اور رہنمائی کرنی تھی ان میں ایک چیتا ذیل اور دوسرا طوفان ذیل تھا۔ پہلے مرحلے میں چیتا ذیل ہدف سوم پر حملہ کر رہا تھا اور طوفان ذیل نے ہدف اول پر ہلہ بولنا تھا۔

''ایس ایس فار چیتا ذیل اوور۔'' میں وکی ٹاکی سے مخاطب کرنے لگا۔

فوراً ہی جواب آ گیا تھا۔ ''چیتا ذیل ریڈ یور میسج اوور۔''

''چیتا ذیل، دشمن کے دو پہرے دار نظر آ رہے ہیں، جیسے ہی آپ گھیرا مکمل کر لیتے ہیں میں انھیں ناکارہ کر دوں گا اوور۔''

''ایس ایس، کیا ہم انھیں دور سے نظر آ سکتے ہیں اوور۔''

''چیتا ذیل، بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا رینگ کر جانا پڑے گا۔ شمالی جانب چند جھاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ باقی صاف۔'' میں نے تصدیق چاہی۔

''یس اوور۔'' چیتا ذیل نے سمجھ جانے کا عندیہ دے کر مزید پیغام کا تقاضا کیا۔

''تمھاری ٹولی اس جانب آڑ لے کر ہدف کے قریب پہنچ سکتی ہے۔ اپنے تمام افراد کو وہاں اکٹھا کرو جونہی تمام پہنچ جائیں مجھے مطلع کر دو اوور۔''

چیتا ذیل کے ''راجر'' کہنے پر میری بات جاری رہی۔

''تمھارے اکٹھے ہوتے ہی میں پہرے داروں کو ناکارہ کر دوں گا، میرا اشارہ ملتے ہی تم ہدف پر ہلہ بول سکتے ہو اوور۔''

چیتا ذیل نے ''راجر'' کہا اور میں نے ''آؤٹ'' کہہ کر بات ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

سرمد بات چیت ختم ہونے کا منتظر تھا۔ ''فاصلہ تیرہ سو پچاس میٹر، ہوا چند کلومیٹر فی گھنٹہ۔'' اس نے فاصلہ اور ہوا کی رفتار بتائی۔ (سنائپر کو فائر کرنے سے پہلے ہوا کی رفتار معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ہوا فائر پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر ہوا کی اقسام کی بات کی جائے تو سات کلومیٹر فی گھنٹہ چلنے والی ہوا کو ہلکی ہوا کہتے ہیں جو فائر پر خفیف

اثر انداز نہیں ہوتی۔ البتہ سنائپر اس کا بھی حساب رکھتے ہیں۔ اس کے بعد درمیانی ہوا جس کی رفتار دس سے سولہ کلومیٹر فی گھنٹہ، پھر بیس سے تیس اور اس سے چوبیس کلومیٹر فی گھنٹہ تیز ہوا چوبیس سے تیس کلومیٹر فی گھنٹہ اور بہت زیادہ تیز ہوا جو تیس کلومیٹر فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے)

میں ہوا کا فرق کا لمحہ کوڈ ناب گھمانے لگا۔ اس اثناء میں سردار نے ہدف کی ڈگری معلوم کی۔ (ڈگری سے مراد بلندی سے نشیب کی ڈگری سے ہے۔ چونکہ ہدف ہم سے گہرائی میں تھا اس لیے میں براہ راست رینج نہیں لگا سکتا تھا۔ (اس بارے میں سنائپر ناول میں تفصیل سے بحث کر چکا ہوں جسے شوق ہو وہاں دیکھ لے) ڈگری کا فرق نکال کر میں نے رینج بتا دی۔ میں نے ایلی ویشن ناب پر مطلوبہ کلک لگانے ہوئے مکمل لاک کی اور بٹ کندھے میں پھنسا لیا۔

''چیتا زل'' کے افراد ٹیلے کے اوپر کنارے کی آڑ لے کر جھاڑیوں کے شمالی جھنڈ میں اکٹھا ہو رہے تھے۔ میں نے وائرلیس سیٹ سردار کی طرف بڑھایا۔

''طوفان ول، کی رہنمائی کرو، انہیں کہو ہدف کا گھیراؤ کر کے تین سو میٹر کے دائرے تک جمیں اور اس کے بعد منتظر رہیں، جونہی چیتا زل کارروائی کرے گا فائرنگ کی آواز سن کر دشمن ضرور آڑ سے باہر آئیں گے تب وہ انہیں نشانہ بنا لیں گے۔''

سردار دوربین کے ذریعے ہدف اول کا جائزہ لے کر ''طوفان ذل'' کی رہنمائی کرنے لگا۔ وہ ہدف لگ بھگ ساڑھے نو سو میٹر کی دوری پر تھا۔

اسی اثناء میں چیتا زل ٹیم تک جگہ پر پہنچ جانے کی اطلاع دے چکا۔

میں سردار کو مخاطب ہوا۔ ''چیتا زل کو کہو کہ تیس سیکنڈ میں پیش قدمی کو تیار رہے۔''

طوفان ول کو انتظار کرا کر وہ چیتا زل کو میرا پیغام پہنچانے لگا۔ جبکہ میری توجہ پہرے پر موجود آدمیوں پر تھی۔ اس علاقے میں عام لوگوں کے مکانوں پر بھی مورچے بنے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مکان شاید نیا تعمیر تھا کہ اس کی چھت پر اب تک مورچے نہیں بنے تھے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کسی دوسرے کا مکان تھا یا وہ خود ہی تعمیر کر رہے تھے۔ غالب گمان یہی تھا کہ کسی غریب کے مکان پر وہ زبردستی قابض ہوئے تھے۔

مکان کے دروازے پر ایک پہرے دار کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ دوسرا ساتھی اس کی جانب پیٹھ موڑے چند قدم دور کھڑا تھا۔ گو کھڑا ہوا فرد آسان ہدف تھا کہ اس کا مکمل جسم نظر آ رہا تھا جبکہ بیٹھے ہوئے آدمی کا صرف سر نظر آ رہا تھا باقی جسم کرسی نے چھپا لیا تھا۔ بلاشبہ کرسی سونے ماسٹر کی گولی کے خلاف آڑ نہیں بن سکتی تھی لیکن کرسی میں لوہے کی چادر لگی ہوتی تو گولی کی رفتار کو کم کر کے ہدف کے بچاؤ میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ لڑائی کا بنیادی اصول یہی ہے کہ پہلے آسان ہدف کو نشانہ بنایا جائے تاکہ یقینی کامیابی حاصل ہو۔ لیکن میں آسان ہدف کو پہلے نشانہ بناتا تو کرسی پر بیٹھا ہوا شخص چوکنا ہو جاتا کیوں کہ اس کا رخ اپنے ساتھی کی طرف تھا۔ اس کے برعکس، کھڑے ہوئے آدمی کی ساتھی کی جانب پیٹھ تھی۔ اس کے چوکنا ہونے تک میں اسے بھی شکار کر سکتا تھا۔

میں نے فیصلہ کرنے میں جو دیر کی تھی کہ سنائپر فیصلہ سیکنڈ کے دسویں حصے میں کر چکا ہوتا ہے۔ کرسی پر بیٹھے دشمن کے سر پر نشانہ سادھ کر میں نے سانس روکا اور لبلبی دبا دی۔

تھرو سائلنسر کی بدولت صرف ''ٹھک'' کی آواز ابھری...... اور گولی نے اس کے سر کا بالائی حصہ اڑا دیا تھا۔ وہ دھڑ سے نیچے گرا۔ میں نتیجہ دیکھنے کو نہیں رکا تھا۔ رائفل کو دوبارہ کاک کر کے میں نے کھڑے ہوئے شخص پر نشست لی۔ ساتھی کے گرنے پر اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر گویا وہ سن ہو گیا تھا۔ اور اتنا وقت مجھے کافی تھا۔ دوسری ''ٹھک'' نے اسے

بھی دہرا رہا تھا۔ بیشک نکلی گولی جاتے ہوئے سیدھی حرکت کرتا ہے، پکی گولی کے نشانے پر لگنے کی باقی گولیاں ہدف پر زیادہ آسان ہوتا ہے۔ کیوں کہ یوں اس کا فاصلہ بڑھنے کے ساتھ اپنے حساب کتاب کی درستی کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ حساب کتاب سے میری مراد ہوا کی رفتار، ہدف کا فاصلہ جانچ کر درست رینج لگانے سے ہے۔

طوفان زل کی رہنمائی کرتے سردار اس جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ میرے ارادوں کے بھانپتے ہی اس نے چیاذل کو اطلاع پہنچا دی تھی۔

تربیت یافتہ سپاہیوں نے پیشہ ورانہ مہارت سے حرکت شروع کر دی۔ اچانک ایک شخص چھت پر نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ میں موبائل فون پکڑا ہوا تھا۔ شاید موبائل فون کے سگنل کی تلاش اسے چھت پر لے آئی تھی۔ وہ چیاذل کے افراد کو دیکھ لیتا تو شور مچا کر اپنے ساتھیوں کو چوکنا کر سکتا تھا۔

"خطرہ۔" سردار نے اسے دیکھتے ہی نعرہ بلند کیا، لیکن اس سے پہلے ہی میں رینج ماسٹر کے ٹریگر کو دبانے کو اس جانب موڑ چکا تھا۔ اس کی نگاہیں موبائل سکرین پر جمی تھیں، یوں بھی وہ چھت کے درمیان میں پہنچا میری انگلی نے لیلیٰ کو پیچھے کھینچ لیا۔ اس کا رخ میری جانب تھا بھی طاقت ور گولی نے اسے پیٹھ کے بل نیچے گرا دیا تھا۔

چیاذل کے "دو دھڑا" یعنی چار چار آدمیوں کی دو ٹولیاں داخلی دروازے پر پہنچ گئی تھیں، جبکہ باقی نے مکان کو باہر سے گھیر لیا تھا۔ دروازے پر لمحہ بھر ٹھہر کر وہ مخصوص انداز میں مکان میں گھس کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، لیکن اس دوران فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ میرے خیال میں چیاذل کے حالات قابو میں تھے۔

"فاصلہ بتاؤ۔" طوفان زل کی جانب رخ موڑتے ہوئے میں سردار کو مخاطب ہوا۔

میرے کہنے سے پہلے ہی اس نے لیزر رینج فائنڈر کو آنکھوں سے لگا لیا تھا۔ فاصلہ ناپ کر اس نے اونچائی کا فرق نکالا۔ "ساڑھے اٹھارہ سو میٹر، ہوا کی رفتار وہی ہے۔"

میں نے ایلی ویشن ناب کو مطلوبہ مقدار میں گھمایا اور بیلسٹک ناب کو چھیڑے بغیر ہدف کی جانب متوجہ ہو گیا۔ کافی دور سے بھی فائرنگ کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ یقیناً باقی ٹولیوں نے بھی کارروائی شروع کر دی تھی۔

طوفان زل کا ہدف زیادہ مشکل نظر آ رہا تھا کیوں کہ مکان کے دو کونوں پر مضبوط مورچے بنے تھے۔ ایک مورچے کا دروازہ ہماری نظر سے اوجھل تھا۔ اس کا صرف گول سوراخ نظر آ رہا تھا جہاں سے نگرانی یا فائرنگ کی جا سکتی تھی۔ البتہ دوسرے مورچے کا دروازہ ہمارے سامنے تھا۔ مورچوں سے باہر ایک آدمی دوربین تھامے فائرنگ کی جانب دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرا عقب میں کھڑا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ وزیرستان میں گھر کچھ ایسے بنائے جاتے ہیں کہ مکان کی دیواریں کمروں سے کافی بلند ہوتی ہیں۔ کمروں کی زیادہ سے زیادہ اونچائی دس فٹ ہوتی ہے جبکہ بیرونی دیواریں بیس بیس فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ اور ساری تعمیر کچی مٹی سے کی جاتی ہے۔ دیواروں کی موٹائی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ چھوٹے ہتھیار تو کجا، راکٹ لانچر کا گولہ بھی دیوار سے نہیں گزر سکتا۔ مگر وہ عمارت اس کے برعکس تھی کیوں کہ چھت پر کھڑے دونوں افراد مکمل نظر آ رہے تھے۔ اس کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ عمارت میں یا تو دو منزلہ کمرے بنے تھے یا پھر کمروں اور عمارت کی دیواروں کی بلندی یکساں تھی۔

گولی کا فائر یہاں کی روزمرہ ہے اور کوئی اس کی سن گن بھی نہیں لیتا، لیکن بارش کی طرح موسلا دھار فائرنگ ہر کسی کو متوجہ کر سکتی تھی۔ وہ دونوں بھی تیز فائرنگ کا جائزہ لینے کو چھت پر چڑھے تھے۔ قضا بھی انسان کو ورغلا کر اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں اس نے روح کی امانت سیدنا عزرائیل کو واپس کرنا ہوتی ہے۔

میں نے پہلے تنومند شخص پر نشست سادھی۔ لیلیٰ دباتے ہی وہ پہلو کے بل گرا۔ آواز سن کر دوربین والے نے مڑ کر

دیکھ رہا تھا۔ رائفل کی نال سرعت سے مڑ کر گرگٹ کی جانب دیکھنے لگا۔ اگر میں دو پہلو پر نہ ہوتا تو اس کی تدبیر کارگر ہو سکتی تھی لیکن اس کی بدقسمتی کہ لیٹنے کے بعد بھی وہ میری نظر سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ انگلی کے دباؤ نے لبلبی کو پیچھے دھکیلا اور اس کے آگے بڑھنے کی حرکت کو بجز کئے بھی تیز تر کر دیا۔

سردار نے مجھے مطلع کیا۔ "سطری سوار، پیچ میں کوئی موجود ہے اور فائر کر رہا ہے۔"

رینج ماسٹر کی میگزین میں پانچ گولیوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایک میگزین میں خالی کر چکا تھا۔ نئی میگزین لگا کر میں نے سوکھے پر شست سادھی ہی تھی کہ فائرنگ کی آواز تو اور گرا ہونے والی آواز میں گم ہو گئی تھی لیکن مسلسل گولیوں کے چلنے سے مٹی دیوار سے نکلی تھی گرد اٹھ رہی تھی جس نے سردار کے مشاہدے کی تصدیق کر دی تھی۔ سوکھے سے اس کا جیا نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ فائر کرتے ہوئے فائرر نے ماتھا بٹ پر ٹکایا ہوتا ہے۔ اور رائفل کی نال سے بٹ تک ایسے ہی پہچانا جا سکتا ہے جیسے ہاتھ پکڑنے والا باقی جسم تک رسائی پا لیتا ہے۔

رائفل کی نال بھی میری نگاہ سے اوجھل تھی لیکن ظاہر تھا فائرر جب سوکھے سے فائر کر رہا ہو تو اس نے بیرل کو دیوار پر ٹکایا ہوتا ہے، گویا سوکھے کا نچلا کنارا استعمال میں لا رہا ہوتا ہے۔ میں نے سوکھے کے نچلے کنارے سے چار انچ اوپر شست لی اور لبلبی دبا دی۔

اسی وقت دو آدمی آگے پیچھے چھت پر چڑھے۔ دونوں نے ہاتھ میں ہتھیار تھامے ہوئے تھے۔ وہ بھاگ کر مشرقی مورچے کی طرف بڑھے۔ سردار نے چیخ کر مجھے مطلع کیا لیکن میں اس سے پہلے ہی آگے والے پر نشانہ سادھ چکا تھا۔ ہمیشہ حرکی ہدف پر فائر کرتے ہوئے لیڈ لینا پڑتی ہے یعنی حرکی ہدف پر براہ راست نشانہ سادھنے کے بجائے اس کے جانے کی سمت مخصوص فاصلے پر شست لینا پڑتی ہے۔ ہمارے یہ لیڈ بھی باقاعدہ حساب کتاب سے لی جاتی ہے۔ لیکن اس کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب ہدف دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں جا رہا ہو۔ اگر ہدف سامنے سے ہماری طرف آ رہا ہو یا پیچھے جا رہا ہو تو لیڈ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ بہت زیادہ تیزی سے حرکت کرنے والے ہدف کا فاصلہ کم یا زیادہ ہو سکتا ہے اور ایسا صرف اس وقت ہوگا جب ہدف بکتر بند یا ہوائی جہاز ہو۔ کوئی انسان اتنا تیز رفتاری سے حرکت نہیں کر سکتا کہ اس کی وجہ سے رینج میں تبدیلی کرنا پڑے۔

میرا ہدف بھی مخالف سمت کو بھاگ رہا تھا، گویا فاصلہ بڑھ رہا تھا لیکن لیڈ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے آگے والے کے سر کے بجائے کندھوں کے درمیان نشانہ سادھا کہ حرکی ہدف کو نشانہ بناتے وقت احتیاط لازمی تھی۔ لبلبی دباتے ہی وہ اوندھے منہ نیچے گر گیا تھا۔ اس کا ساتھی ٹھٹک کر رکا اور بدحواسی میں مڑ کر واپس بھاگا لیکن وہ دو سے زیادہ قدم اٹھانے کی مہلت سے رینج ماسٹر کی گولی نے نہیں دی تھی۔

سردار تحسین آمیز انداز میں بولا۔ "تمھارا فائر دیکھ کر لگتا ہے تمھیں مزید تربیت کی ضرورت ہے۔"

میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لالہ زونا سے فرصت ملے گی تو تربیت پر توجہ دو گے نا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اس کا نام مریم ہے۔"

میں اطمینان سے بولا۔ "نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا، صرف اس کا تمھیں کام سے لگانا ہے۔"

وہ دوبارہ نہیں سیٹ پر طوفان زلی کو بہت کے بارے اطمینان دلانے لگا۔ میں نے رائفل کا رخ پہلے ٹھکانے کی جانب موڑا، جہاں چیا زل کے "دوالفا" ہدف کے علاقے میں گھسے تھے۔ (ہمارے علاقے کی لڑائی میں چار آدمیوں کی ٹولی کو "ایک الفا" پکارتے ہیں۔ ہر گروپ کی صفائی کو ایک الفا مقرر کیا جاتا ہے اور انھیں ون الفا، ٹو الفا، تھری الفا وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے) لیکن اس سے پہلے ہی میری نظر ہدف دوم پر پڑی جو ہدف اول اور ہدف سوم کے تقریباً درمیان میں واقع

تھا۔ بائیں سے اب بھی دو افراد تیزی سے طوفان ذل کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ یقیناً ساتھیوں نے للکارنے پر ہی پیچھے بھاگے
کی اطلاع دی تھی اور اب وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کو جا رہے تھے۔

''سردار! یقیناً ان کی مدد کو چوٹی کی طرف سے بھی افراد روانہ ہیں۔ فاصلہ ناپ کر طوفان ذل کو باخبر کرو۔''

وہ دوربین پر شروع تھا۔ طوفان ذل کو شمالی جانب سے دہشت گردوں کی مداخلت سے مطلع کر کے اس نے لیزر
رینج فائنڈر اٹھا لیا۔ فاصلہ ناپ کر اس نے حساب لگایا اور بولا۔

''ستر و سو پچیس، ہوا کی رفتار تین کلو میٹر فی گھنٹہ۔''

ہوا کا رکنا مجھے بھی محسوس ہو گیا تھا۔ میں نے ونڈیج ناب کو صفر پر گھمایا اور ایلیویشن کے مطلوبہ کلک
دیے۔ دہشت گرد ہمارے متوازی چل رہے تھے اس لیے لیڈ لینا ضروری تھا۔ لیڈ لینے کو ہدف کی رفتار، ہتھیار سے
فاصلہ اور سمت جاننا ضروری ہوتا ہے اور یہ فارمولا گاڑیوں، پیدل کافروں یا جہازوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انسانی
ہدف کی کوئی مقرر رفتار نہیں ہوتی۔ اور لیڈ لینے کو سنائپر کا اندازہ ہی حتمی ہوتا ہے۔ میں نے سب سے پیچھے والے شخص پر نشانہ
سادھا۔ اس کا بایاں بازو میری جانب تھا۔ اگر وہ میری طرف یا میرے مخالف جا رہا ہوتا تو چھاتی درمیان کی وجہ سے مجھے زیادہ
ہدف ملتا۔ ترچھا ہونے کی وجہ سے ہدف بھی سکڑ گیا تھا اور وہ مسلسل حرکت میں بھی تھا۔ لیکن یہ سوراخ میرے لیے تنگ
تھی نہ انوکھی۔ اس کے سر پر شست لے کر میں نے رائفل کی نال کو اس کی حرکت کی سمت مخصوص لیڈ دی اور ٹریگر دبا دیا۔ گولی
کا دو سیکنڈ کا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچنا اور ہدف کا قدم آگے بڑھ لینا ایک ساتھ ہوا تھا۔ رینج ماسٹر کی طاقت ور گولی نے اسے
مخالف سمت میں اچھال دیا تھا۔ اس سے دو قدم آگے دوڑنے والے کو یقیناً اس کے گرنے نے متوجہ کیا تھا۔ ایک لمحہ رک کر
پیچھے مڑا اس کی بدقسمتی کہ چونکا ہدف مہیا کرنے کے ساتھ وہ ایک لمحے کو ساکن بھی ہوا تھا۔ میں پہلے سے رائفل کاک کر کے
فائر کو تیار تھا۔ جب تک اس کی سمجھ میں ساتھی کا گرنا آتا رینج ماسٹر کی گولی نے اسے ساتھی کے پاس پہنچا دیا تھا۔

دوسری میگزین بھی خالی ہو گئی تھی۔ سرعت سے میگزین اتار کر میں نے نئی میگزین چڑھائی جو سردار نے تیاری کی حالت
میں میرے قریب رکھ چھوڑی تھی۔ اور اگلے فرار پر نشانہ سادھ لیا۔ مسلسل تین بار ٹریگر دبا کر میں نے مزید تین کو جہنم کا راستہ
دکھایا۔ پانچویں شخص کے گرتے ہی بھاگنے والوں کو خطرے کا پتا چلا۔ ایک شخص نے چیخ کر سب کو مطلع کیا۔ اس کا مطلع
کرنا تھا کہ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ یہ میرا موقع تھا میگزین کی آخری دو گولیاں چلا کر میں نے سوچا ضائع
نہیں جانے دیا تھا۔ نئی میگزین لگانے تک وہ سراسیمہ ہو کر آڑ کی تلاش میں بکھر گئے تھے۔ چار افراد خوش قسمت تھے کہ
انھیں بڑے پتھروں کی آڑ مل گئی تھی اور آدمیوں کو مناسب آڑ نہیں ملی تھی۔ ایک ذرا سی ابھری ہوئی زمین کے پیچھے لیٹ گیا
اور دوسرا تیز رفتاری سے سو قدم دور بڑی چٹان کی طرف بھاگ پڑا۔ میں نے پہلے بھاگنے والے کو مارنا تھا کہ چٹان کی آڑ
لے کر وہ محفوظ ہو جاتا۔ اس کی پیٹھ میری جانب تھی تیز رفتاری سے بھاگتے ہوئے چونکہ اس کا فاصلہ مسلسل بڑھ رہا تھا اس
لیے میں نے رائفل کی نال کو ذرا سا بلند کر دیا تھا۔

وہ زندگی بچانے کی دوڑ تھی تبھی اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ لیکن جب سانس پورے ہو جائیں موت کا فرشتہ ملک
الموت رب سے روح قبض کرنے کا حکم وصول کر لے تب ساری تیزی طراری، چستی چالاکی اور کوشش دھری کی دھری رہ
جاتی ہے۔ وہ بھی پتھر سے چند قدم دور تھا جب رینج ماسٹر کی گولی اس کی پشت میں گھس کر چھاتی پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ
منہ کے بل گرا تھا۔ میں نے فوراً نال کو اس آدمی کی جانب موڑا جسے آڑ نہیں ملی تھی۔ اپنے بھاگتے ساتھی کو نشانہ بنتے دیکھ کر
یقیناً دل ہی دل میں خود کو داد دے رہا ہوگا کہ اس نے لیٹ کر عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن لیٹ کر اس نے میرا کام
آسان کر دیا تھا۔ اس کی غلطی تھی تو آگے ... ہوا ہو گئی تھی مگر بے چارے کو بچانے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ مسلسل

میں قلعلی کی سدھار نے کے قائل رہا تھا۔

اب چھروں کے تعاقب میں چار آدمی پیچھے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو نشانہ بنتے دیکھ کر وہ بالکل ہی رک گئے تھے۔ البتہ ان کے ہتھیاروں نے آگ اگلنا شروع کر دی تھی۔ ہتھیاروں کا رخ اس ٹیکری کی طرف تھا جہاں ہم چھپے تھے مگر ہم کلاشن کوف کی رینج سے باہر تھے۔ وہ بس ہمیں "ٹخ ٹخ" ہی سنا سکتے تھے۔ ان کی فائرنگ بھونکنے والے کتے کی طرح تھی جو کاٹ نہ سکتا ہو۔

سردار نے مجھے مطلع کیا۔ "چھیا ذل اور طوفان ذل نے اپنے اہداف پر قبضہ جما لیا ہے۔" اسے چھر لیے پہلے ہی "سب اچھا" کی رپورٹ مل گئی تھی لیکن مجھے یکسوئی مہیا کرنے کو وہ خاموش رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "طوفان ذل کو ان چار افراد کے بارے بتا دو۔"

وہ طوفان ذل کو باخبر کرنے لگا۔ میں دہشت گردوں کے چوتھے ٹھکانے یعنی ہدف چہارم کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بھی نسبتاً ہموار جگہ پر ایک قلعہ نما عمارت تھی۔ دیواریں اتنی بلند تھیں کہ اونچائی سے بھی صحن نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمارت کے شمال مغربی اور جنوب مشرقی کونے میں مورچے بنے تھے۔ مکان کی چھتیں مقامی رواج کے مطابق دیواروں سے اتنی نیچی تھیں کہ چھت پر کھڑا کوئی آدمی نظر نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن چھت پر چڑھ کر وہ کھڑے ہوتے تو یہ نقصان بھی تھا کہ وہاں سے وہ علاقے کا جائزہ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ اس مقصد کو وہ مورچے استعمال کر سکتے تھے۔ مورچوں کے سوکھے مکان کی دیوار سے فٹ بھر اونچے بنے تھے۔ باقی مورچہ دیوار سے نیچے تھا۔ ہر مورچہ دو جانب کی نگرانی کو بنایا گیا تھا اس لیے جنوب مشرقی مورچے کی جنوبی اور شرقی دیوار میں دیکھنے اور فائرنگ کو سوکھا بنا تھا جبکہ شمال مغربی مورچے کی شمالی اور غربی دیوار میں سوکھا بنا تھا۔ جنوبی مغربی مورچے کا دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مورچوں میں داخلی رستہ نیچے سے بنا تھا۔ چھ سو میٹر پر ہونے والی مسلسل دھواں دھار فائرنگ سننے کے بعد بعید تھا کہ وہ جائزہ لینے کی کوشش نہ کرتے۔

شمال مغربی مورچے کا شمالی سوکھا تو میری نظر سے اوجھل تھا لیکن دہانی دیوار سے آگے بڑھا ہوا ایک شخص کا سر نظر آ رہا تھا۔ یقیناً وہ سر باہر نکال کر اچھی طرح جائزہ لینے کی کوشش میں تھا۔ میرے جیسے سنائپر کو ایسا موقع گنوانا گناہ کرنے کے مترادف تھا۔ سردار بھی دوربین سے ادھر ہی متوجہ تھا۔ سر دیکھتے ہی "لیزر رینج فائنڈر" اٹھایا اور فاصلہ وغیرہ ناپ کر اعلان کیا۔ "سترہ سو پندرہ، ہوا ساکن۔"

ایلیویشن ڈرم کو سرعت سے گھما کر میں نے مطلوبہ سیٹنگ لگائی۔ اگلے ہی لمحے مورچے سے باہر نکلا ہوا سر غائب ہو گیا مگر بے چارہ سلامت سر واپس نہیں لے جا سکا تھا۔ رینج ماسٹر کی سنگل سے نکلی گولی آدھا سر تو ساتھ لے جاتی ہے۔

سردار نے پوچھا۔ "اس ٹھکانے والے اپنے ساتھیوں کی مدد کو نہیں نکلے۔ کیا انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ ٹھکانہ چھوڑنا انھیں ابدی نیند سلا دے گا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "بھول گئے، مغربی جانب کمانڈر رعدیل جان اور سردار فیروز خان کا لشکر موجود ہے۔ پہلے تینوں ٹھکانے کسی ایک کمانڈر کے تھے اور لازماً ان کا آپس میں رابطہ ہو گا۔ اس عمارت میں دوسرے کمانڈر کے لشکری ہیں انھیں ابھی صورت حال معلوم نہیں ہے۔ امید ہے پانچواں ٹھکانہ جو ہماری ذمہ داری میں ولیکن رینج سے باہر ہے وہاں بھی دوسرے کمانڈر کے لشکری ہوں گے۔"

سردار نے تجزیہ کیا۔ "میرا خیال ہے مغرب کی جانب موجود دہشت گردوں میں سب سے شمال میں گل بدین کے لشکری تھے جنھیں ہم پہلے ہی کافی نقصان پہنچا چکے ہیں۔ درمیان میں کمانڈر رعدیل جان کے لشکری ہیں اور ان سے مزید دائیں یعنی جنوب کی سمت کمانڈر فیروز خان کے آدمی ہوں گے۔ فیروز خان کا پہلا آدمی بھی راہی کا [illegible] ہو چکا ہے امید

سے ملنے میں آ کر وہ مزید وضاحت دیں گے۔"

میں نے عرض کیا: "گل بدین کے آدمیوں سے تو واسطہ پڑ چکا ہے۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے متصل کمانڈر مدلیل جان کے بندے ہیں۔"

وہ تیقن سے بولا: "کیوں اپنے آدمی کے زخمی ہونے پر گل بدین کے آدمیوں نے کمانڈر مدلیل جان ہی سے مدد مانگی تھی اور ایسی حالت میں قریب کے آدمیوں ہی کو آواز دی جاتی ہے۔"

میں نے اعتراض اٹھایا: "ہو سکتا ہے ان سے متصل تو کمانڈر فیروز کے لشکری ہوں لیکن گل بدین کے دست راست قلات خان کے کمانڈر مدلیل جان سے اچھے تعلقات ہوں جب اس سے مدد مانگی ہو۔"

اس نے منہ بنایا: "یہ تو مانتے ہو ناں پہلے والے تینوں ہدف کسی ایک کمانڈر کے اور آخری دو دوسرے کمانڈر کے تھے۔"

میں نے استہزائیہ انداز میں کہا: "خان صاحب! یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔"

وہ چڑ کر بولا: "اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون سے ٹھکانے کس کمانڈر کے ہیں۔ ہماری نظر میں تمام یکساں طور پر وطن دشمن اور واجب القتل ہیں۔"

"مرحوم مشتاق احمد یوسفی نے کہا تھا کہ [بندہ جب ایک بار پروفیسر بن جائے تو ساری زندگی پروفیسر ہی رہتا ہے، چاہے بعد میں ہوش مندی کی باتیں کیوں نہ کرنے لگے] تم بھی خان ہو تو خان ہی رہو، عقل مندی کی باتیں کرتے ہوئے تمھیں بھی لگ جاتا ہے تو تمھارے پٹھان ہونے پر شک ہونے لگتا ہے۔"

وہ فخریہ لہجے میں بولا: "پٹھانوں کی بہادری، دلیری اور جواں مردی کے کارناموں سے تاریخ کے ہزاروں صفحات روشن ہیں۔"

میں نے قہقہہ لگایا: "گر روی تاں پٹھانوں والی بات تو یہ بحث موضوع سمجھداری و عقل مندی ہے اور تم دلیل دے رہے ہو بہادری و دلیری کی۔"

سردار نے کہا: "سورج کے مغرب میں ڈوبنے سے فائر ہو رہا ہے آواز سے لگ رہا ہے چائنا ایل ایم جی ہے۔" سنائپر کو فائر کی آواز سے ہتھیار کی قسم پہچاننا اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔ ہر ہتھیار کے فائر کی آواز مختلف ہوتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کار، موٹر سائیکل، ٹرک وغیرہ کو دیکھے بغیر ایک ڈرائیور اندازہ کر سکتا ہے کہ کون سی گاڑی کے انجن کی آواز ہے۔

چائنا ایل جی کی رینج کلاشن کوف سے زیادہ سہی لیکن ہم اس کی کارگر رینج سے باہر تھے۔ البتہ سورج کا چھوڑا ہوا کمانڈر اس کے لیے واصل جان ضرور تھا۔ اندازے سے فائر کی جگہ کا تعین کرتے ہوئے میں نے لیلیٰ و یائی فورمائی تو ترتیب رکھی تھی۔ ایک بات قارئین اچھے سے جان لیں کہ جب میں فائر کے بارے اپنے اندازے کی بات کرتا ہوں تو اس کا مطلب ایک سنائپر کا اندازہ ہوتا ہے جسے تکا یا اتفاق نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ اندازہ مجھے کڑی تربیت اور عملی زندگی میں فائر کے مسلسل تجربے سے حاصل ہوا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کے ماہر کا اپنے فن کے بارے اندازہ لگانا اس کے تجربات کا نچوڑ اور مہارت کا حاصل ہوتا ہے۔ اسے عام آدمی کے اندازے کے مماثل کرنا اہل فن کے ساتھ زیادتی ہی کہلائی جا سکتی ہے۔

سردار طوفان دل کی رہنمائی کر رہا تھا۔ جن کی آدھی ٹولی اپنا ہدف کے علاقے میں مصروف تھی اور جیسا اندازہ تھا وہ ہوتے جاندار گروہوں کی سرکوبی کو آ رہے تھے۔ ایک سنائپر آسانی سے اپنے ہدف کا چناؤ نہیں چھوڑتا۔ بگران کی خوش قسمتی کہ مجھے بہت سے ہدف کا سامنا تھا اور مسلسل ایک ہدف کی تاک میں بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، ہماری وجہ سے تمھیں نقصان ہو سکتا ہے۔"
اس نے معصومیت سے پوچھا۔ "کیا باقی فوجی آپ کی مدد کو نہیں آئیں گے؟"
"ان کیمپوں کا وقت نہیں ہے نذر بیتہ! تم پھرتی کرو۔" دونوں کمبل اٹھا کر میں نے مچان سے نیچے پھینکے۔ سردار جیہ سامان اپنے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ میں اپنا جھولا اٹھا کر نیچے اترنے لگا۔ نذر بیتہ پانی کا گھڑا خالی کر کے کمبل بغل میں دبائے کھڑی تھی۔

"سنائپر کو رکھو بھاگو۔" میں نے نیچے اترتے ہی اسے جھڑکا۔

ڈانٹ کھا کر وہ سہم گئی تھی۔ ناراضی بھری نگاہ میرے چہرے پر ڈال کر گھر کو مڑ گئی۔ سردار اپنا جھولا پیٹھ پر لادے پیچھے پہنچا۔ ڈریگنوو اس نے ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔ عام سنائپر رائفلوں کے برعکس ڈریگنوو نیم خودکار (سیمی آٹومیٹک) ہے۔ یعنی اسے بار بار کاک نہیں کرنا پڑتا۔ اس کی میگزین میں دس گولیوں کی گنجائش ہے۔ ہیرٹ ایم 107 بھی اس لحاظ سے ڈریگنوو جیسی ہے کہ اس کی میگزین میں بھی دس گولیاں پڑتی ہیں اور وہ نیم خودکار بھی ہے۔ البتہ اس کا وزن اور رینج ڈریگنوو سے زیادہ ہے۔

اپنا وائرلیس سیٹ بند کر کے وہ آئی کام پر دشمن کی بات چیت سن رہا تھا۔
میں نے مشورہ دیا۔ "فرار کو جنوب مشرقی سمت بہتر رہے گی۔"
"چلو۔" متفق ہو کر اس نے قدم بڑھا دیئے۔ بہ مشکل سو قدم جا سکے ہوں گے کہ مجبوراً ہمیں رکنا پڑا۔ دشمن کا کمانڈر لوٹ آنے والے افراد کو بتا رہا تھا کہ جنوب اور مشرق کی طرف کمانڈر رحیم خان کے آدمیوں نے گھیرا ڈال لیا ہے۔"
"طوفان ڈل اور چیتا ڈل سے رابطہ کرنا پڑے گا۔" سردار نے کیوڈا آن کر لیا۔ نشیب میں تیز فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ایس ایس فار چیتا ڈل، اوور۔"
فوراً جواب آیا۔ "ایس ایس، دشمن کی بڑی تعداد کا سامنا ہو چکا ہے۔ تمھاری مدد کی ضرورت ہے، اوور۔"
سردار نے دہائی دی۔ "ہم نے مدد مانگنے کو رابطہ کیا تھا، اوور۔" چیتا ڈل سے مایوس ہو کر وہ طوفان ڈل سے رابطہ کرنے لگا۔

"ایس ایس فار طوفان ڈل، اوور۔"
"ایس ایس، ہماری طرف دوم میں بھی دشمن کی کافی تعداد موجود ہے۔ انھیں چھوڑ کر آپ کی مدد کو نہیں آ سکتے، اوور۔" چونکہ طوفان ڈل اور چیتا ڈل سے ایک ہی چینل پر رابطہ تھا اس لیے بغیر سوال کیے انھوں نے معذرت کر لی تھی۔ دشمن کے چند ایک افراد تو رینج ماسٹر کا شکار بن چکے تھے، چیتا ڈل اور طوفان ڈل نے بھی کافی تعداد کو جہنم واصل کیا تھا، لیکن پھر بھی ان کی بڑی تعداد موجود تھی۔ جنوب مشرق کی جانب پیش قدمی کرنے والے دشمن تو کمانڈر رحیم کے لشکری تھے، مغربی جانب سے حملہ کرنے والے جانے کہاں سے آ پہنچے تھے۔ مگر اس وقت کسی اور موضوع پر سوچنے کے بجائے جان بچانے کا مرحلہ درپیش تھا۔

اب گیند دشمن کے پاس تھی۔ ہمارے چھاپہ مار دستوں میں طوفان ڈل اور چیتا ڈل کے علاوہ سیلاب ڈل اور شہاب ڈل بھی شامل تھے۔ ان دستوں کے پاس پیش قدمی کی سہولت موجود تھی۔ مشرقی جانب پاک وطن کی چوکیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کا عقب محفوظ تھا۔ لیکن ہم دونوں چاروں طرف سے گھر گئے تھے۔
سردار نے کہا۔ "شمال کی جانب گھنی جھاڑیاں ہیں، وہاں سے کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"بھاگو!" تشویش زدہ ہوتے ہوئے میں واپس مڑ گیا۔ ہم دونوں کے پاس وزن زیادہ تھا جسے اٹھا کر بھاگنا بہت مشکل تھا۔ البتہ ایک سہولت حاصل تھی کہ ہم نشیب اتر رہے تھے۔ آدھی اترائی کے بعد گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

سردار پھولے ہوئے سانسوں سے بولا۔ "جھولوں سے پیچھا چھڑانا پڑے گا۔"

میں ہچکچایا۔ "اپنا اسلحہ کیسے پھینک سکتے ہیں۔"

سردار مصر ہوا۔ "جھاڑیوں میں چھپا دیتے ہیں امید ہے ہمارے بھاگنے پر وہ جھاڑیوں کی تلاش سے باز رہیں گے۔"

میں نے قدم آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی گھنی جھاڑی دیکھو جو کہ سامان دور سے نظر نہ آئے۔"

مگر ہماری خوش قسمتی کہ گھنی جھاڑی سے پہلے ہی ہماری نظر پانی کی تنگ گزرگاہ پر پڑ گئی۔ بارش کے پانی نے اس جگہ کو کافی گہرا کر دیا تھا۔ پہاڑی علاقے میں بارش کے بعد پانی نشیب کی طرف تیز رفتاری سے بہتا ہے جس کی وجہ سے چھوٹے بڑے نالے وجود میں آتے ہیں۔ کوہستان کے باسی اور وہ لوگ جنھیں پہاڑوں پر رہنے کا تجربہ ہو اچھی طرح جانتے ہیں کہ پہاڑ مختلف طور طریقوں سے وجود میں آتے ہیں۔ کچھ ٹیلے خالص پتھریلی چٹانوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ کہیں پتھر، ریت اور مٹی کا ملغوبہ ہوتا ہے۔ کچھ جگہوں پر چکنی مٹی ہوتی۔ کچھ پر بھربھری مٹی ہوتی ہے۔ پانی جس جگہ کی زمین پر رستہ بناتا ہے، لیکن جہاں بھربھری مٹی کی چکنی مٹی ہو وہاں بننے والے نالے نسبتاً گہرے اور تنگ ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک ایسا ہی نالہ تھا۔ ہمارے جھولے "واٹر پروف" تھے۔ پانی اسلحہ یا ساز و سامان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ پانی کی گزرگاہ دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ دونوں جھولے اندر رکھ کر ہم نے کناروں کی مٹی چند زور دار پاؤں مار کر جھولوں پر گرا دی۔ بالکل معمولی وقت ضائع کر کے ہم نے دونوں جھولوں کو دفن کر دیا تھا۔ اب مستقل طور پر تو نہیں البتہ عارضی طور پر جھولے محفوظ ہو چکے تھے۔ کیوں کہ زیادہ بارش جھولوں پر سے مٹی بہا کر لے جاتی۔ لیکن ہمارا مقصد عارضی طور جھولوں سے چھٹکارا پانا تھا طویل عرصے تک سامان کو وہاں چھوڑنے کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔

ایک آئی کام سیٹ اور ایک کیمرہ ہم نے پاس رکھے تھے تاکہ دشمن کی بات چیت بھی سن سکیں اور اپنوں سے رابطہ بھی بحال رہے۔ جھاڑیوں کا سلسلہ نشیب تک چلا گیا تھا۔ لیکن جھاڑیاں زیادہ گھنی نہیں تھیں۔ چوڑائی میں ایک پٹی کی طرح تھیں۔ جھاڑیوں میں بھاگنے کا فائدہ تو یہ تھا کہ ہم دور سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے اور نقصان یہ تھا کہ ہماری نظریں بھی دور دور تک دیکھ بھال کے قابل نہیں رہی تھیں۔

سورج آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اور مسلسل حرکت میں ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی گرمی محسوس ہونے لگی تھی۔ ڈھلان اترتے ہوئے زور تو نہیں لگتا لیکن پھسلنے، پاؤں رپٹنے اور موچ آنے کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پختہ سڑک یا ہموار پگڈنڈی تو تھی نہیں کہ بس جسم ڈھیلا چھوڑ کر بھاگتا جائے۔ یہاں تو ہر قدم پر گڑھوں، پتھروں اور ناہموار زمین سے واسطہ تھا۔ نیچے دیکھے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہی نہیں تھا۔

ہم خاموشی، احتیاط اور تیز رفتاری سے نشیب کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ہر وقت ٹک ٹک کرنے والے سردار کی زبان پر بھی تالے لگ گئے تھے۔ کیوں کہ پیشہ ور سپاہی ہونے کے ناتے وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ بولنے سے جہاں پکڑے جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے وہیں سماعتوں کی کارکردگی بھی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے۔ خاموش ہونے کی صورت میں انسان کانوں سے بھی آنکھوں کا کام لے سکتا ہے۔ دور سے ہونے والی بات چیت اور پاؤں کی آہٹ تک کانوں کی رسائی آنکھوں کے نظارے سے پہلے ہو جاتی ہے۔ دشمن کی آہٹ سننے کو ہم نے واکی ٹاکی سیٹ بھی بند کر دیے تھے۔
سائلنسر لگا پستول میں نے تیاری کی حالت میں پکڑا ہوا تھا۔ سردار نے بھی کلاشنکوف ریڈی کی ہوئی تھی۔ سردار دو تین قدم

آگے تھا۔ اچانک سہکتے ہوئے وہ ساکن ہوا اور اتنا پایا۔ ہاتھ اٹھا کر مٹھی بند کر لی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے کوئی آہٹ سنائی دے گئی تھی یا اس نے کوئی حرکت دیکھ لی تھی۔ میں بھی اپنی جگہ پر تھم گیا تھا۔ وہ گھٹنا ٹیک کر آہستہ سے بیٹھ گیا۔ میں آواز پیدا کیے بغیر اس کے قریب پہنچا۔ اب مجھے بھی باتوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ ان کی بے احتیاطی دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہمیں زرین کے لوگوں کے گھیرے میں محصور سمجھ رہے تھے۔ ان کی یہ غلط فہمی جب تک برقرار رہتی ہمیں فائدہ تھا۔

سردار کے کندھے پر دباؤ ڈال کر میں نے لیٹنے کا اشارہ کیا اور خود زمین پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے آگے سرکنے لگا۔ مگر اس حالت میں بھی میں نے یہ دھیان ضرور رکھا تھا کہ میرا جسم سردار کے دفاع میں رکاوٹ نہ بنے۔

وہ جلد ہی دکھائی دے گئے تھے۔ دو قدم کے فاصلے سے آگے پیچھے رواں تھے۔ ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے میں نے مسلسل دو مرتبہ لبلبی دبائی۔ "ٹھک... ٹھک..." کی آواز کے ساتھ وہ فوراً ہی جھاڑی میں گرے اور اذیت سے اینٹھنے لگے۔ ہم بھاگ کر قریب پہنچے۔ دونوں کے پاس لکڑی کے بٹ والی کلاشن کوفیں تھیں۔ قلم کی طرح ترشی ہوئی داڑھی ان کے مولوی ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ دونوں نے جیکٹ نما بنڈوریل پہنے تھے جن کے سامنے سے زنجیر لگی ہوئی تھی۔ زنجیر کھول کر ہم نے ان کے بنڈوریل اتار کر خود پہن لیے کیوں کہ بنڈوریل کی جیبوں میں کلاشن کوف کے اضافی میگزین ڈالے جا سکتے تھے۔ ورنہ قمیص کی جیبیں تو اتنے وزنی میگزین نہیں سنبھال سکتیں۔

سردار نے اریکوود کی بیلٹی لگا کر کندھے سے لٹکائی تھی۔ اب ہمیں جس لڑائی کا سامنا تھا اس میں کلاشن کوف کی اہمیت سنائپر رائفل سے بڑھ جاتی ہے۔

کلاشن کوفوں کے محفوظ ہونے کی یقین دہانی کر کے ہم آگے بڑھ گئے۔ چند قدم لینے کے بعد جھاڑیوں کا پھیلاؤ ختم ہو رہا تھا البتہ نشیب کی طرف مزید بیس پچیس گز تک جھاڑیاں چلی گئی تھیں۔ آخری جھاڑی کے پاس ہم لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔ دو دو کی ٹولیوں میں چھ افراد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اوپر رواں تھے۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے سردار کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ دلیری سے بولا۔ "جان بچانے کی کوشش کرنا بزدلی کہلائے گا۔ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ چیتا، ژنی اور طوفان وال کے جیالے زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔ اب تو یہ لوگ بھی ان کے گھیرے سے نکل آئے ہیں۔"

میں نے منہ بنایا۔ "ایک خان سے اس کے علاوہ امید ہی کیا کی جا سکتی ہے۔"

میرے جواب کو اس نے اجازت پر محمول کیا تھا۔ دو دو والی ٹولی جس کا فاصلہ دو سو گز کے قریب تھا پر نشانہ سادھ کر اس نے مسلسل دو دفعہ لبلبی دبائی۔ سینہ میں گولی لگنے سے دونوں اوندھے منہ گرے تھے۔ اور اذیت سے ہاتھ پاؤں جھٹکنے کی وجہ سے نیچے لڑھکنے لگے۔ اس دوران جھاڑیوں کے ساتھ سے اوپر کی جانب حرکت کرنے والوں پر میں نشست لے چکا تھا۔ کیوں کہ دوسروں کو مہلت ملنے پر وہ جھاڑیوں میں گھس کر ہمارے لیے مشکل کھڑی کر سکتے تھے۔

"ٹرچ... ٹرچ..." کی آواز پر وہ چونکتے ہوئے رکے لیکن ان کے سمجھنے سے پہلے میری شہادت والی انگلی لبلبی کو کھینچ چکی تھی۔ ان کا انجام دیکھنے کے بجائے میں درمیان والی جوڑی کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب کوئی آڑ نہ پا کر دونوں چند قدم اوپر بڑے پتھر کی طرف بھاگے تھے۔ میری اور سردار کی کلاشن کوفیں ایک ساتھ گرجی تھیں۔ پتھر تک پہنچنے کی حسرت دل میں لیے وہ تڑپتے ہوئے نشیب میں لڑھکنے لگے۔

دشمنوں سے بے نیاز ہوتے ہی سردار نے واکی ٹاکی سیٹ آن کر دیا تھا۔ دشمن کا کمانڈر بار بار فائرنگ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مگر جواب دینے والوں میں کوئی باقی نہیں بچا تھا کہ جواب دے پاتا۔ مشرقی جانب سے دو افراد [illegible] کر سامنے آئے۔ دونوں نے کلاشن کوفیں تیاری حالت میں تھامی ہوئی تھیں جن کے سر چند دم کی طرح حرکت میں [illegible]

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "کب کا تمہارے ہاتھوں کی بنی ہوئی روٹی کو ترس رہا ہوں۔"

وہ فوراً بولی۔ "ابھی میں آپ کو گرم گرم روٹی بناتی ہوں۔"

"چلو۔" اسے ساتھ لیے میں باہر نکل آیا۔ کھانا تیار ہونے تک ہم اکٹھے بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ ردا نے تازہ روٹیاں پکا کر لے آئی تھی۔ والدہ نے کدو گوشت بنایا تھا جو میرا پسندیدہ کھانا ہے۔ اور پھر محبت کرنے والی بیوی کے ہاتھ کی بنی ہوئی گرم گرم روٹیاں، میں ضرورت سے چند نوالے زیادہ ہی کھا گیا تھا۔

کھانا کھا کر میں ابو جان کی ٹانگیں دبانے لگا۔ دو تین منٹ بعد وہ شفقت سے بولے۔ "بیٹا مجھے نیند آ رہی ہے تم بھی آرام کرو۔"

"جی ابو جان۔" کہہ کر میں اٹھ گیا۔

ردا عبداللہ کو چھاتی سے لگائے بیٹھی تھی۔ میں خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ عبداللہ کو سپرد کر کے اس نے بلوشہ کے حوالے کیا اور میرے پیچھے خواب گاہ میں آ گئی۔ عبداللہ کو بلوشہ نے سنبھالنا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ پہلی رات زبردستی ردا کو میرے پاس بھیجا کرتی تھی۔ گو میری پہلی بیوی ہونے کی خصوصیت اسے حاصل تھی مگر وہ ردا کو مقدم رکھتی تھی۔ البتہ ردا کی باری ہو یا اس کی، گھر میں آخری رات وہی میرے ساتھ ہوتی تھی۔ ویسے بھی ردا اس کا چھوٹی بہنوں کی طرح خیال رکھتی تھی۔ وہ کشمیری چہرا اپنی بہت باظرف اور کشادہ دل کی مالک تھی۔ نرم گفتار، خوش اخلاق، خدمتی اور گلے شکوؤں سے عاری مزاج کی مالک بلوشہ پاک کی طرف سے میرے لیے بہت بڑا انعام تھی۔ میں بھی اس کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ وہ مجھے بہت زیادہ پیاری بھی تھی۔ لیکن بلوشہ کی بات اور تھی۔ اس کے بغیر تو میں زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ردا کافی دیر گھر کے متعلق باتیں، جدائی کے دنوں کی کٹھنائیاں جو کبھی کال پر نہیں بتا سکی تھی، دوسروں کو تسلی اور دلاسے دے کر خود کو مضبوط و حوصلہ مند ثابت کرنے والی ذاتی بھی حقیقت جان نہیں تھی کہ اکیلے میں خود روتی۔ بے کیف دنوں اور جاگتی مسلسل راتوں کی کہانی سناتے ہوئے وہ سسک پڑی تھی۔ بلا شک و شبہ وہ مجھے بہت زیادہ چاہتی تھی اور یہی وجہ تو تھی کہ ماں باپ، بھائی، رشتہ دار اور گھر بار چھوڑ کر تنہا میرے ساتھ چلی آئی تھی۔ گزشتہ شب بلوشہ اور ردا کے دیدار کی خوشی نے مجھے سونے نہیں دیا تھا تو آج ردا کی دلداری اور چاہت آنکھیں بند کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ اسے بہت کچھ کہنا، بہت کچھ سننا، بہت کچھ پوچھنا، بہت کچھ بتانا اور بہت کچھ منوانا تھا۔ اسے اپنے بھولے پن سے پیار تھا۔ اس کی ضرورت و حاجت تھی اتنی طویل جدائی کے بعد وہ مجھے سونے کی اجازت کیسے دے سکتی تھی۔ صبح کی اذان کے ساتھ یاقوتی ہونٹوں پر دلفریب تبسم اور کالی سیاہ آنکھوں میں آسودگی و خمار کی فراوانی لیے وہ میری پیشانی پر جھکی۔ "آپ کے شہزادے کے اٹھنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔"

میں نے منہ بنایا۔ "بیٹے کا تو بڑا خیال ہے کہ ساری رات جگائے رکھا اور شوہر غریب کا کیا جو گزشتہ رات بھی سو نہیں سکا اور آج بھی تم نے پلک جھپکنے کی اجازت نہ دی۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات کو سو جانا۔"

میں مظلومانہ انداز میں بولا۔ "ٹھیک ہے... جیسی مرضی۔"

میرے گال پر چٹکی بھر کر وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔

نماز پڑھ کر میں سو گیا تھا لیکن نیند کی عیاشی میری قسمت میں نہیں تھی۔ دو تین گھنٹوں بعد ہی بلوشہ نے دیر تک کا کر تیار ہونے کو کہا کہ اسے شاپنگ کرنے جانا تھا۔

"ایک آپ کے نوکری چھوڑنے سے فوج کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ کی جگہ فوج کو کئی جوان مل جائیں گے۔" وہ پہلو بدل کر اٹھ گئی۔

میں نے کہا: "اگر ہر ایک نے یہی سوچنا شروع کر دیا تو؟"

وہ چلائی: "فلسفوں سے نہ بہلائیں۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہیں، باتوں کے چکر تو وہاں کیوں ختم کر لی ہو۔" چائے کی خالی پیالی میز پر رکھ کر میں اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی: "میں کچھ نہیں جانتی آپ ابھی چھٹی کر کے ایک ہفتے کی چھٹی مانگیں۔"

"چلو ٹھیک! پاگل نہیں بنتے"

وہ مصر ہوگئی: "ہاں یا ناں"

"تحسین"

"ہاں یا ناں" وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔

"بہت بری اور گندی ہو۔" زبردستی سے کہہ کر میں قصور صاحب کا نمبر ملانے لگا۔ اس لاڈلی کا اتنی جلدی بات ختم کر دینا آسان نہیں تھا، لیکن مجھے کال کرتے دیکھ کر احتجاج کے بغیر مجھے تکتی رہی۔

"شکر ہے اللہ پاک نے تمہیں بھی توفیق دے دی۔" سلام کا جواب دیتے ہی قصور صاحب نے چٹکی کسی۔

خفیف ہنسی کے ساتھ میں نے تکلف کیا: "جی دل کی یاد ہمیشہ بڑے صاحب کے بعد ہی آتی ہے۔"

وہ بولے: "کمانڈنگ آفیسر کافی بے چینی سے تمہارے منتظر ہیں۔"

میرے دل میں بدگمانی کی لہر اٹھی کہ شاید میرے مسئلے کا سن کر وہ جان چھڑانا چاہتے ہیں، لیکن فوراً ہی سر جھٹک کر اس خیال کو دور پھینکا کہ قصور صاحب ایسے کمزور کردار کے بالکل بھی نہیں تھے۔

میں مطلب پر آیا: "ان کے انتظار میں ہفتے بھر کا اضافہ کرنے کے بارے کیا خیال ہے؟"

وہ حیرانی سے مستفسر ہوئے: "کیا ہوا؟"

میں صاف گوئی سے بولا: "منہ بولی بہن کی شادی ہے۔ شامل نہ ہوا تو رشتے میں دراڑیں پڑنے کا خدشہ ہے۔"

"جوابی کال کرتا ہوں۔" انھوں نے انتظار کا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

"کیا ہوا؟" کال ختم ہوتے ہی وہ بے تابی سے مستفسر ہوئی۔

"آپ نے میجر کو بتا دیا ہے وہ کمانڈنگ آفیسر سے معلوم کر کے تھوڑی دیر تک بتا دیں گے۔"

"میں صلوٰۃ الحاجت پڑھ لوں۔" وہ سرعت سے مصلے کی طرف بڑھ گئی۔ بلاشک و شبہ حاجت روا اور مشکل کشا وہ پاک مالک ہے۔ اور بلاشبہ اسی کی بارگاہ میں مانگنے جا رہی تھی۔ میری چند دن کی چھٹی کی خاطر بھولی بھالی نے وہاں نہ جانے میری سلامتی کے لیے کتنی مناجات کرتی ہوگی۔

بہت سے ایسے مواقع جب میری سماعتیں موت کے قدموں کی چاپ واضح انداز میں سن رہی تھیں تب اس صورت حال سے میں اتنے عجیب انداز میں بچا جو کسی چاہنے والے کی مناجاتوں ہی کے مرہون منت ہو سکتا تھا۔ چچا، امی جان، ابو جان، پھوپھو جان بھی میرے لیے دعا گو رہتے تھے، لیکن اس ضمن میں میری شریک حیات بھی کسی سے پیچھے نہیں تھی۔

اسے بھابی، بچی، ناتجربوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔

"دس دن رہ گئی ہے۔"

"سچ!" خوشی سے کھلتے ہوئے وہ مجھ سے لپٹ رہی تھی کہ ابو جان پر نظر پڑی۔ مجھ سے لپٹنے والی بانہیں ایک دم عبداللہ کو گرفت لینے کو بڑھ گئیں۔ حیا کی لالی نے اس کے چہرے کو سرخ گلاب کر دیا تھا۔

—♥—

رضا کی شادی میں شرکت کا موقع مجھے آسانی سے مل گیا تھا۔ رات کو میں نے چند بار گل کا نمبر ملایا مگر اس نے شاید موبائل فون کو پاور ہی بند کر دیا تھا۔ سخت ناراض لگ رہی تھی۔ لیکن جیسی تمہاری آمد پر اس کی ناراضی ختم ہونے لگی دیر نہ تھی۔ دوسرے دن میں نے رومانہ اور بلوشہ کے ساتھ جا کر شہر چھانا اور اس کے بچوں کے لیے تحائف خریدے۔ اسی رات کو ہم جانے کو تیار تھے۔ میں نے روز کو آنے کی دعوت دی مگر عبداللہ کی وجہ سے اس نے انکار میں سر ہلا دیا تھا۔ امی جان بھی اپنے بھائی اور اس کے بچوں کو ملنا چاہتی تھیں۔ اور ان کی وجہ سے عدیل بھی چل اٹھا تھا۔ بلوشہ کے اصرار پر ہم اپنی کار ہی میں روانہ ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ بھی اسی نے سنبھالی تھی۔ ماں جی اور عدیل تو جلد ہی سو گئے مگر معصومہ نے مجھے ایک منٹ بھی سونے کی اجازت نہ دی۔

صبح کا ناشتہ ہم نے ڈیرہ اسماعیل خان میں جا کر کیا۔ آگے ڈرائیونگ سیٹ مجھے سنبھالنا پڑی، وہ سیٹ سے ٹیک لگا کر اطمینان سے سو گئی تھی۔

گرداوی چیک پوسٹ تک سڑک ہموار ہے، اس کے بعد پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ وانا پہنچ کر ہم انگور اڈے کی سڑک پر مڑ گئے۔ دن کے گیارہ بجے ہم انگور اڈے پہنچ گئے تھے۔ عدیل اور امی جان کو ماموں کے گھر چھوڑ کر ہم کمانڈر غرمت خان خیل کو ملنے چل دیے۔ کافی دیر گپ شپ کی، پرانے دوستوں اور واقف کاروں کا ذکر چلا۔ میری کلاشن کوف اب تک ان کے پاس محفوظ پڑی تھی۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے لے لی کہ آگے اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

وہ رات ہم نے بلوشہ کے ماموں کے ہاں گزاری تھی۔ اگلے دن صبح سویرے روانہ ہوئے۔ انگور اڈے چیک پوسٹ پر اپنا سروس کارڈ دکھا کر ہمیں آسانی سے آگے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ راستہ مجھے معلوم تھا۔ [illegible] تک سڑک یا گاڑی کا راستہ موجود نہیں تھا مجبوراً ہمیں کار بلوشہ کے ماموں کے گھر چھوڑنا پڑی تھی۔

بلوشہ گلاک پستول لانا نہیں بھولی تھی۔ چیک پوسٹ سے تھوڑا ہی آگے آتے ہی اس نے برقع اتار دیا تھا۔

"یہ مجھے دے دو۔" اس نے بیگ لینے کو ہاتھ بڑھایا۔

میں ہنسا۔ "کیا یہ گن ہے۔"

وہ چاہت سے بولی۔ "راجہ! مجھے اتنا نازک بھی نہ سمجھا کریں۔"

"میرے لیے تو پھول ہے نازک، کلی سے کومل اور کونپل سے ملائم ہے میری بلوشہ۔"

وہ ناز سے بولی۔ "پٹائی کرتے ہوئے تو یہ پھول بھول جاتا ہے۔"

میں وارفتگی سے بولا۔ "ہاتھ نہ ٹوٹ جائیں جو تمہاری پٹائی کروں۔"

"بھول گیا ہے، کتنی پٹائی کی تھی۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے مطعون کیا۔ اور یہ طعنہ وہ کئی بار دے رہی تھی۔ ہر ایسے موقع پر یاددہانی کروا کر خوش ہوا کرتی تھی۔

میں ہنستے ہنستے بولا۔ "شادی کے بعد تو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

وہ ناز سے بولی۔ "کوشش تو کرتے۔"

"اتنی جرأت کہاں۔"

"رزتا لوگوں کو اپنی آمد سے آگاہ کر دیا ہے۔" اس نے موضوع تبدیل کیا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تو ان سے ملنا چاہیے۔"

وہ شکی لہجے میں بولی۔ "کافی لاابالی سی ہے۔"

میرے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "اس کا گلہ بجا ہے۔ میں وعدہ کر کے بھی نہ جا سکا۔ سچ میں پچھلے دنوں تو تمھارے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے میرے پیٹ میں انگلی چبھوئی۔ "جھوٹے، میں نے تو آپ کے ساتھ ہی آنا تھا۔"

میں نے بات بنائی۔ "جب تمھارے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے تو وعدہ کیسے یاد رہتا۔"

میرا بازو کھینچتے ہوئے وہ سامنے آئی اور میری چھاتی پر ہاتھ رکھتے ہوئے گلوگیر ہوئی۔ "راجو! بار بار اقرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتی ہوں آپ کے لیے کیا ہوں۔"

میں نے چھیڑا۔ "ستمگر! خود ہی تو پوچھتی رہتی ہو، بتاؤ کتنی پیاری ہوں، کیسی لگتی ہوں، کتنا یاد آتی ہوں۔ اور اب اقرار کی ضرورت نہیں۔"

ہونٹوں پر خفیف ہنسی لیے اس نے علیحدہ ہو کر آگے قدم بڑھائے۔ "رزتا کی شادی کہاں ہو رہی ہے؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "پتا نہیں۔"

وہ کرید کرید کر چچا شیر خان کے کنبے کے متعلق تفصیل پوچھتی رہی۔ گلگارے کے بارے میں اسے پہلے بھی تفصیل بتا چکا تھا اب دوبارہ سب کچھ دہرانے لگا۔ دوپہر کو ایک چشمے کے کنارے رک کر کھانا کھایا اور پھر چل پڑے۔ رات ہم نے ایک غار میں گزاری۔ جنگ کی گرمی سے جھلسے اجسام کو وزیرستان کی سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ لحاف، کمبل وغیرہ تو تھا نہیں سردی سے بچنے کو آگ جلانا پڑی۔ پلوشہ تو آرام سے میری گود میں سر رکھ کر صبح تک لیٹی رہی تھی۔ میں غار کی دیوار سے ٹیک لگائے اونگھتا رہا۔ اگلے روز طلوع آفتاب سے پہلے ہی ہم روانہ ہوئے۔ سہ پہر ہی ساعت تھی جس پر کبھی برف باری اور سرد ہواؤں سے ٹھٹھرتا ہوا میں گلگارے کے دروازے پر جا گرا تھا۔ آج موسم صاف تھا۔ سہ پہر ڈھلے ہم آخری ڈھلان پر چڑھ رہے تھے۔ ڈھلان کے خاتمے پر چچا شیر خان کے گھر کا دروازہ تھا۔

قریب جا کر میں نے دستک دی۔ دروازہ قمر خان نے کھولا تھا۔

"لالا جان!" مجھے دیکھتے ہی وہ چیخ کر لپٹ گیا تھا۔

"پلوشہ باجی کیا حال ہے۔" مجھ سے علیحدہ ہو کر اس نے پلوشہ کے سامنے سر جھکایا۔

"ارے، تم مجھے جانتے ہو۔" وہ حیران رہ گئی تھی۔

وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "اگر آپ لالا جان کے ساتھ نہ آئی ہوتیں تب بھی پہچان لیتا۔"

ہم اندر داخل ہوئے، رزتا باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ شاید قمر کے چلانے کی آواز نے اسے باہر جھانکنے پر مجبور کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ "لالا جان!" کہتے ہوئے بھاگی، لیکن قریب آتے ہی جھجک کر رکی اور میرا ہاتھ تھامتے ہوئے سر جھکا دیا۔ پہلے وہ لپٹ جایا کرتی تھی۔ لیکن تب اس کا بچپنا تھا۔ اور اب وہ بھرپور جوان نظر آ رہی تھی۔

اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے میں نے شفقت سے پوچھا۔ "کیسی ہے میری بہادر بہن۔"

"بالکل ٹھیک۔" میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ پلوشہ سے لپٹ کر بولی۔ "شکر ہے لالا نے آپ کی تو یاد دلا دی۔ ورنہ اب تو ہمیں لگنے لگا تھا کہ پلوشہ باجی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔"

میں نے اسے چڑایا۔ "تمہارے لیے نہیں آیا، میری گڑیا بہن کی شادی ہے۔"
"آپ نے تو کہا تھا بھل ختم ہو گئی ہے۔"
میں صاف گوئی سے بولا۔ "رنزا کی شادی کو اور بھل باقی ہے۔"
وہ شاکی ہوئی۔ "اور میرے اصرار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔"
میری نظر پلوشے کی جانب اٹھی وہ مجھے گھور رہی تھی۔ یقیناً گلگارے کے گلے شکوے اسے پسند نہیں آئے تھے۔ کھنکارتے ہوئے میں نے موضوع تبدیل کیا۔ "ننھی پلوشہ کدھر ہے؟" گلگارے نے بیٹی کا نام پلوشہ رکھا تھا۔
"یہ لیں لالا جان!" رنزا نے بچی میری جانب بڑھائی۔
میں اس کے گال چومتا ہوا بولا۔ "ارے واہ، یہ تو میری پلوشہ سے بھی زیادہ پیاری اور خوب صورت ہے۔"
گلگارے طنزیہ لہجے میں بولی۔ "یہ کیا، آپ کی پلوشہ سے اس کی ماں بھی خوب صورت نہیں ہے۔"
میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ گپ شپ کرو، میں شمریز چچا سے چند ضروری باتیں کر لوں۔" پلوشے کی تیز نظریں مجھے ہراساں کر رہی تھیں۔
گلگارے برہمی سے بولی۔ "تھوڑی دیر میرے پاس بھی بیٹھ جائیں اتنی رات کو جھک مارنے نہیں آئی۔"
"صبح سے کونین کی گولیاں چبا رہی ہو۔ آ تو گیا ہوں، پھر ناراض ہونے کا مطلب۔"
اس نے آنکھیں نکالیں۔ "اپنی بہن کی شادی پر آئے ہیں میرے لیے نہیں۔"
میں چڑ کر بولا۔ "اچھا اگلی چھٹی پر تمہارے لیے آ جاؤں گا، اب خوش۔"
"احسان نہیں کریں گے۔" وہ منہ بناتے ہوئے پلوشہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اور میری پیاری بہن کو لانا بھولا" پلوشہ کے ہونٹ مسکرانے کے انداز میں کھلے مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔
گل شاید توجہ نہیں دے پائی تھی یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی تھی۔ وہ پلوشے کا ہاتھ تھام کر سہلانے لگی۔ "آپ کو ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اور راجا اتنے کٹھور ہیں کہ ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"
پلوشہ ناگواری چھپاتے ہوئے بولی۔ "آ تو گئی ہوں۔"
وہ شوخی سے بولی۔ "آپ نہیں جانتیں کتنے عرصے سے راجو ترسا رہے ہیں۔ پہلی ملاقات میں درخواست کی۔ نجانے ڈرتے تھے کہ ان کی پلوشہ کو چھین لوں گی۔"
"گل! میں چچا شمریز سے تھوڑی گپ شپ کر لوں۔" لجاجت سے کہتے ہوئے میں نے ایک بار پھر بھاگنے کی

وہ بادل نخواستہ بولی۔ "ٹھیک ہے جائیں۔"
میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ اس نے آواز دی۔ "اور ہاں، میں نے بہت سارا کچھ ... ہے، وعدہ یاد ہے ناں۔" آخری ملاقات میں میں نے کہا تھا: "اگر پلوشہ کی فکر نہ ہوتی تو کم از کم شہد ختم ہونے تک ٹھہرتا۔" یقیناً اس نے کچھ نہیں بھلایا تھا۔
"جو بچ گیا ساتھ لے جائیں گے۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے ہوئے میں دوسرے کمرے میں گھس گیا۔ گلگارے جانے ان جانے میں اتنی بے تکلفی سے پیش آ رہی تھی جو میری بیوی کو کسی بھی صورت برداشت نہ ... مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ اتنی اپنائیت کا اظہار کرے گی تو شاید پلوشہ کو ساتھ ہی نہ لاتا۔ چچا شمریز ... ئے تھے۔ میں ان سے گپ شپ کرنے لگا۔ دوران گفتگو پوچھا۔ "گل کے بعد رنزا بھی اپنے گھر کی ...

میں نے اسے چڑایا۔ "تمہارے لیے نہیں آیا، میری گڑیا بہن کی شادی ہے۔"
"آپ نے تو کہا تھا پھل ختم ہو گئی ہے۔"
میں صاف گوئی سے بولا۔ "رزنا کی شادی کو وہ پھل ہی بچی ہے۔"
وہ شاکی ہوئی۔ "اور میرے اصرار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔"
میری نظر پلوشے کی جانب اٹھی وہ مجھے گھور رہی تھی۔ یقیناً گلگارے کے گلے شکوے اسے پسند نہیں آئے تھے۔ گلگارے کو
نظارتے ہوئے میں نے موضوع تبدیل کیا۔ "ننھی پلوشہ کدھر ہے؟" گلگارے نے بچی کا نام پلوشہ رکھا تھا۔
"پلیس لالا جان" رزنا نے بچی میرے جانب بڑھائی۔
میں اس کے گال چومتا ہوا بولا۔ "ارے واہ، یہ تو میری پلوشہ سے بھی زیادہ پیاری اور خوب صورت ہے۔"
گلگارے طنزیہ لہجے میں بولی۔ "یہ کیا، آپ کی پلوشہ سے اس کی ماں بھی خوب صورت نہیں ہے۔"
میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ گپ شپ کرو، میں شمریز چچا سے چند ضروری باتیں کر لوں۔" پلوشے کی تیز نظریں
مجھے ہراساں کر رہی تھیں۔
گلگارے برہمی سے بولی۔ "تھوڑی دیر میرے پاس بھی بیٹھ جائیں اتنی رات کو جھک مارنے نہیں آئی۔"
"صبح سے کونین کی گولیاں چبا رہی ہو۔ آ تو گیا ہوں، پھر ناراض ہونے کا مطلب۔"
اس نے آنکھیں نکالیں۔ "اپنی بہن کی شادی پر آئے ہیں میرے لیے نہیں۔"
میں چڑ کر بولا۔ "اچھا اگلی چھٹی پر تمہارے لیے آ جاؤں گا، اب خوش۔"
"احسان نہیں کریں گے۔" وہ منہ بناتے ہوئے پلوشہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اور میری پیاری بہن کو لالا نے بتایا؟"
پلوشہ کے ہونٹ مسکرانے کے انداز میں کھلے مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔
گل شاید توجہ نہیں دے پائی تھی یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی تھی۔ وہ پلوشے کا ہاتھ تھام کر سہلانے لگی۔ "مجھے
آپ کو ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اور راجو اتنے کٹھور ہیں کہ ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"
پلوشہ ناگواری چھپاتے ہوئے بولی۔ "آ تو گئی ہوں۔"
وہ شوخی سے بولی۔ "آپ نہیں جانتیں کتنے عرصے سے راجو ترسا رہے ہیں۔ پہلی ملاقات میں دعوت دی
تھی۔ نجانے ڈرتے تھے کہ ان کی پلوشہ کو چھین لوں گی۔"
"گل! میں چچا شمریز سے تھوڑی گپ شپ کر لوں۔" لجاجت سے کہتے ہوئے میں نے ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کی
ا۔

وہ بادل نخواستہ بولی۔ "ٹھیک ہے جائیں۔"
میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ اس نے آواز دی۔ "اور ہاں، میں نے بہت سنبھال کر رکھا
ہے، وعدہ یاد ہے ناں۔" آخری ملاقات میں میں نے کہا تھا: "اگر پلوشہ کی فکر نہ ہوتی تو کم از کم تم ہو سکتی
ٹھہرتا۔" یقیناً اس نے کچھ نہیں بھلایا تھا۔
"جو بچ گیا ساتھ لے جائیں گے۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے ہوئے میں دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔
گلگارے جانے ان جانے میں اتنی بے تکلفی سے پیش آ رہی تھی جو میری بیوی کو کسی بھی صورت برداشت نہ
۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ اتنی اپنائیت کا اظہار کرے گی تو شاید پلوشہ کو ساتھ ہی نہ لاتا۔ چچا شمریز
ئے تھے۔ میں ان سے گپ شپ کرنے لگا۔ دوران گفتگو پوچھا۔ "گل کے بعد رزنا بھی اپنے گھر کی ہو

کوشش کروں گی، مگر راجو میں شرکت گوارا نہیں ہے۔"

میں نے صفائی دی۔"وہ شادی شدہ ہے یار!"

"تو شوہر کی وفادار رہے۔"

"پلوشے! یاد رکھنا وہ اعلیٰ کردار کی مالک ہے۔"

وہ ترکی بہ ترکی بولی۔"اس کے کردار پر شک نہیں، انداز سے چڑ ہے۔"

میں بے بسی سے بولا۔"تم ناقابلِ علاج ہو۔"

"تو......"اس نے طنزیہ نظروں سے گھورا۔"گولی ماردیں نشانہ آپ کا یوں بھی خطا نہیں جاتا۔"

میں جھلاتے ہوئے بولا۔"پلوشے پٹو گی۔"

"ہاتھ تو لگاؤ، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔"

"یار! مجھے نیند آرہی ہے۔"میں نے تنگ آکر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"پہلے کبھی خفا ہو کر سونے کی اجازت دی ہے۔"اس کے ہونٹوں پر دل آویز تبسم ابھرا اور وہ میرے چہرے پر جھک ئی۔

اس کی پیش قدمی کا جواب دیتے ہوئے میں نے وارفتگی سے پوچھا۔"کیا کوئی تمھاری جگہ لے سکتا ہے؟"

اس نے منہ بنایا۔"خوف جگہ چھننے کا نہیں ہے، آپ کی بے راہ روی سے تنگ ہوں۔"

میں بے بسی سے مسکرا دیا تھا۔ مجھے سیدھے اور کرارے جواب دینا اسے اچھی طرح آتا تھا۔ بیوی بن کر بھی وہ محبو رجے پر فائز تھی۔ اور ایسی بیوی کو جو محبوبہ بھی ہو، شوہر کو تگنی کا ناچ نچانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔

"بس یہ افسوس ہے کہ تم مجھے اتنی پیاری کیوں ہو۔"

"یہ فقط جھوٹا دعوا ہے۔"وہ کروٹ لے کر نزدیک سمٹی۔ مجھے گردن پر حلاوت آمیز اور گرم لمس محسوس ہوا جو اعلان کر لہ اسے میری بات پر سو فیصد یقین تھا۔ بس غصے میں ہونے کی وجہ سے اقرار نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

"جانتی ہو تمھارے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟"

ہ ناز سے بولی۔"یہی کہ میرے بن رہنا مشکل لگتا ہے۔"

نہیں بلکہ تم چوہوں سے بھی نہیں ڈرتی ہو۔"

نے وارفتگی سے اعتراف کیا۔"آپ کی جدائی سے ڈرتی ہوں۔"

بے ساختہ بولا۔"میں بھی۔"

دن شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ شادی ہو اور ہلا گلا نہ ہو ایسا وزیرستان میں نہیں ہو سکتا۔ گو وہ علاقہ حدود میں داخل تھا، لیکن وہاں رواج وزیرستان والے ہی تھے۔ پلوشے شور و غل اور ہلہلے کی ویسے ہی متوالی رقص و سرود میں مشغول رہتی۔ گھر میں چونکہ غیر عورتوں کا بھی اکٹھ ہوتا اس لیے ناشتے کے بعد میں بیٹھک م خری دن عصر کے وقت دلھن لے جانے والوں کے لیے لکڑی کا چند انچ لمبا کھونٹا قریباً تین ساڑھے تین پر گاڑا گیا۔ رواج کے مطابق جب تک دولھے والے کھونٹے کو گرا نہ دیتے دلھن کو نہیں لے جا ا کے لیے وہ پوری رات ہی کوشش کرتے رہتے۔

اس کے ساتھیوں کو فائر کی دعوت دی گئی۔ چونکہ یہ تقریب چچا شریز کی حویلی سے متصل میدان ہی میں

[illegible] عورتیں چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھ رہی تھیں۔ میرے اندازے میں ہدف کا فاصلہ کلاشن کوف کی کارگر رینج
[illegible] دوست باری باری نشانہ آزما رہے تھے۔ مگر کامیابی کسی کے نصیب میں نہیں تھی۔ عموماً
[illegible] کھونٹے کو معمولی سا زمین میں دبا دیتے ہیں کہ ذرا سا گولی قریب گئی اور کھونٹا گر گیا۔ اسی طرح وہ زیادہ سے
زیادہ فاصلے پر کھونٹا گاڑتے ہیں تا کہ جلدی ہی جان چھوٹ جائے۔ مگر وہ کھونٹا کچھ زیادہ ہی گہرائی میں
[illegible] زمین سے نہیں نکل سکتا تھا۔ فاصلہ بھی زیادہ تھا۔ مجھے یہ کسی کی شرارت
[illegible] لگی نے کی ہوگی۔
[illegible] پیچھے ہوشیار تھا [illegible] لیکن کھونٹا ان کا منہ چڑاتا ہوا قائم دائم تھا۔ کئی میگزین خالی
[illegible] دوست قسمت آزمائی کر چکے تھے۔
[illegible] دوست نشانہ سادھنے سے کترانے لگے تھے۔
[illegible] نہیں ہوئی تھی۔ اب تو وہ میرے [illegible] ان کی کوششوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں فقط چچا شریز ہی
[illegible] بیٹھ دلچسپی سے ان کی کوششوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں فقط چچا شریز ہی
[illegible] لوگوں کے لیے میں اجنبی تھا۔ اور میرا تعارف کرانے یا اپنی نشانہ بازی سے انھیں متاثر کرنے کا کوئی
[illegible] وقت شرجان قریب آ کر میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔
[illegible] گل بانگی کہہ رہی ہیں کہ کھونٹا کافی گہرائی تک ٹھونکا گیا ہے۔ اس لیے ٹوٹ سکتا ہے گر نہیں سکتا۔"
[illegible]
میں مسکرایا۔ "تو؟"
شرجان بولا۔ "کہہ رہی ہیں آپ کو فائر کرنا ہوگا۔"
میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کہاں ہے وہ؟"
شرجان نے حویلی کی چھت کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں کھڑی ہیں، پلوشہ باجی بھی ان کے ہمراہ ہیں۔"
میں نے منہ بنایا۔ "پہلے سے شک تھا یہ کچھ ایسی ہی حرکت کریں گی۔"
شرجان نے مزید انکشاف کیا۔ "گل باجی کہہ رہی ہیں تین گولیوں ہی میں کھونٹا گرانا ہوگا۔"
چچا شریز نے بھی ہماری باتوں پر کان دھرے تھے۔ میری طرف جھک کر دبے لہجے میں بولے۔
"بہت مذاق ہو رہا ہے۔ مجھے پتا ہوتا پلوشہ بیٹی اور گل یہ شرارت کریں گی تو انھیں کبھی کھونٹا لگانے نہ بھیجتا۔"
شریز چچا کی درخواست نما حکم پر مجھے اٹھنا پڑا۔
تین سو میٹر کے فاصلے پر نشانہ لگانا میرے لیے مذاق ہی تھا لیکن اس صورت میں جب میرے پاس
سنائپر گن ہوتی۔ کلاشن کوف، یورشی رائفل (اسالٹ رائفل) ہے اور صفر ہونے کے باوجود اس سے اتنی باریکی میں نشانہ
نہیں لگایا جا سکتا۔ قارئین کی معلومات کو عرض کرتا چلوں کہ ہر ہتھیار کی گولی میں بارود کی مخصوص مقدار ہوتی ہے، لیکن پھر
بھی بارود جانچنے والے پیمانے کو وزن کی ایک بریکٹ بتائی جاتی ہے جیسے جی تھری کی ہر گولی میں 382 گرین (گرین
وزن کا پیمانہ ہے) سے لے کر 394 گرین تک کا بارود معیاری تصور کیا جاتا ہے۔ اور ایسا یورشی رائفلوں میں ہوتا ہے۔
بارود کی مقدار کا ذرا سا فرق گولی کو ہدف سے اوپر نیچے کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس سنائپر رائفلوں میں ہر گولی کے اندر مقرر
مقدار میں بارود پڑتا ہے۔ اس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہوتا۔ البتہ ایک ہی ہتھیار کے ایمونیشن کو جب مختلف کمپنیاں
بناتی ہیں تو ہر کمپنی ایمونیشن میں اپنے حساب سے بارود ڈالتی ہے۔ اور فائرر کی آسانی کو ہر کمپنی اپنے تیار کردہ ایمونیشن کے
ساتھ فائرنگ ٹیبل بھی جاری کرتی ہے تا کہ فائرر ایمونیشن جانچنے کے جھنجھٹ سے بچ جائے۔
میں یہ معلومات حاضرین کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اور نہ یہ ان کے مطلب کی بات تھی۔ ان کے لیے فقط ایک ہی دلیل تھی
کہ "یہ گز اور یہ میدان۔" کھونٹا گر گیا تو واہ واہ۔ نشانہ خطا ہو گیا تو استہزائی نعرے۔

البتہ ایک بات میرے حق میں جاتی تھی کہ وہاں مجھے جاننے والا کوئی نہیں تھا کہ نام کو بٹا لگتا۔ چچا شمریز کے کہنے پر
بلوشے کو سمجھانا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ البتہ گل نے دوسری خواتین کے سامنے کوئی لاف زنی (ڈینگیں مارنا) کی ہو گی تو
یقیناً اس کی سبکی ہوتی۔ بہرحال سر پر پڑی مصیبت کو گلے لگانا مجبوری بن جاتی ہے۔

فائر کرنے کی مخصوص جگہ پر جا کر میں ترچھا بیٹھ گیا۔ حاضرین کا باد باتھہ ابھرا کیوں کہ ہدف کی جانب میرا بایاں
بازو آ رہا تھا۔ اگر فائرنگ پوزیشن کی بات کی جائے تو ایک فائرر بارہ مختلف حالتوں سے فائر کر سکتا ہے۔ تفصیل بتانا تو
باعث طوالت ہو گا البتہ یہ عرض کرتا جاؤں کہ فائر کرنے کو سب سے بہترین لیٹی حالت ہوتی ہے۔ اور سنائپر عموماً اسی حالت
میں فائر کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد آرام دہ اور پرسکون بیٹھی پوزیشن ہوتی ہے۔ عام فائرر تو بیٹھی پوزیشن میں اپنا رخ
ہدف کی جانب ہی رکھتے ہیں مگر سنائپرز کا انداز تھوڑا جدا ہوتا ہے۔

میں نے آرام دہ حالت میں بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کیے اور دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹیک دیں، کلاشن کوف کا فرنٹ ہینڈ
گارڈ بائیں کہنی پر رکھ کر میں نے بایاں ہاتھ ریئر سائیٹ کے پیچھے لا کر رائفل کو مضبوطی سے جکڑ لیا تھا۔ دایاں ہاتھ پسٹل
گرپ کے گرد لپیٹتے ہوئے میں نے شہادت والی انگلی ٹریگر پر رکھی، دایاں گال بائیں ہاتھ کے ساتھ رسیور کور پر ٹیک کر
بائیں آنکھ بند کر دی۔ دائیں آنکھ سے ریئر سائیٹ کے کٹاؤ میں سے دیکھتے ہوئے میں نے فرنٹ سائیٹ کی ٹپ کا اوپری
کنارہ کھونٹے کے پیندے سے ملایا اور سانس روک کر لبلبی دبا دی۔ کلاشن کوف کی گولی کھونٹے کا ایک حصہ اڑا کر لے گئی
تھی۔ حاضرین کا تحسین آمیز نعرہ بلند ہوا تھا۔ میں نے شست تبدیل کیے بغیر دوبارہ نشانہ سادھا، اب ہدف کا حجم پہلے سے کم
رہ گیا تھا۔ چند سیکنڈز کے وقفے سے میں نے دوبارہ لبلبی دبا دی۔ کھونٹے کا زمین سے اوپر نظر آنے والا حصہ غائب ہو گیا
تھا۔ خشک لکڑی کے تین چار انچ چوڑے ٹکڑے کی کلاشن کوف کی گولی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مجھ سے پہلے فائر
کرنے والے اگر براہ راست کھونٹے کو نشانہ بنا لیتے تو کامیاب ہو گئے ہوتے۔

گہرا سانس لیتے ہوئے میں نے میگزین اتاری، رائفل کاک کی، چیمبر سے گولی نکال کر میگزین میں بھری اور
میگزین چڑھا کر سیفٹی لگا دی۔

سب سے پہلے دولھے صاحب نے مجھے چھاتی سے لگاتے ہوئے پیٹھ تھپتھپائی تھی۔ اس کے بعد دولھے کے دوستوں
نے باری باری معانقہ کر کے تعریفی جملے کہے تھے۔ ملنے ملانے سے فارغ ہو کر میں چچا شمریز کے پہلو میں جا بیٹھا۔ میری
جانب جھکتے ہوئے وہ تحسین آمیز انداز میں بولے۔

''ان بے چاروں کو کیا پتا کہ جس نشانے بازی کو یہ کارنامہ گردان رہے ہیں وہ ایس ایس کے لیے معمولی بات ہے۔''
میں نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے بعد ڈھول و شہنائی کے ساتھ مردوں کا رقص شروع ہو گیا تھا۔ مغرب کی
اذان سے تھوڑا پہلے عارضی طور پر ہنگامہ سرد ہوا تھا۔ اسی رات انھوں نے دلھن کو لے جانا تھا۔

نماز کے بعد کھانا کھایا گیا۔ اس کا سارا خرچ اور بندوبست دولھے کے گھر والوں کی ذمہ داری تھی۔

کھانا میں نے ثمر خان اور چچا شمریز کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ثمر خان نے انکشاف کیا۔ ''آج
گل باجی اور بلوشہ باجی نے رقص کا مقابلہ کیا اور گل باجی ہار گئیں۔''

میں ہنسا۔ ''گل بے چاری کا کیا قصور، بلوشے سے پیشہ ور رقاصہ بھی ہار جائے گی۔''

عشاء کے بعد پھر ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ کلاشن کوفوں کے دہانے کھل گئے تھے۔ مسلسل ہوائی فائرنگ کر کے
جانے وہ کسی جذبے کا اظہار کر رہے تھے۔ شادیوں میں سیکڑوں، ہزاروں گولیاں ہوا میں اڑانا پٹھانوں ہی کا خاصہ ہے۔
گو میرا ہتھیار اور فائر سے رشتہ بہت پرانا ہے۔ دوران تربیت جانے میں کتنی گولیاں پھونک چکا ہوں، لیکن وہ

اس طرح بے ہنگم اور فضول گھومنا ہوتا۔ [illegible] تصور صاحب دیکھ لیتے تو پتا نہیں دل کا [illegible] سرور کرنے لگا تھا۔ میں بیٹھک میں آ گیا۔ اندر لڑکی بھی موجود نہیں تھا۔ [illegible]

''لالا جان! پلوشہ باجی پھر ناچ رہی ہیں۔''

میرے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا، دل اپنی الہڑ بہن کی شوخیاں دیکھنے کا خواہش مند ہوا۔ میں ثمر خان کے ساتھ بیٹھک سے گھر کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں شاید دروازے سے پہلے رکا، ثمر خان میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔

''لالا! یہاں سے خاک نظر آئے گا، میرے ساتھ آئیں۔'' وہ مجھے بیٹھک سے ملحق کمرے میں لے گیا، وہاں سے کمروں کے اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے ہم سیڑھی والے کمرے میں پہنچے اور چھت پر چڑھ گئے۔ اب پلوشہ کا رقص کرتا ہوا وجود میری پیاسی نظروں کے سامنے تھا۔ گھر میں میں نے اس کی کئی بار منت کی تھی مگر وہ میرے سامنے رقص کرتے ہوئے شرماتی تھی۔ اس مرتبہ بھی پر آ کر اس کا دل رکھنا [illegible] مگر مجھے دیکھ کر اسے رقص بھول گیا تھا۔ اور بعد میں اس نے یہ کہتے ہوئے کھلا انکار کر دیا تھا کہ ''بھول گئی ہوں، ابا جان نے ناچنے سے منع کیا تھا۔''

چچا ثمریز نے گھر کے صحن میں سورج کی روشنی سے براہ راست چارج ہونے والی دو بڑی بتیاں نکالی تھیں جن کی وجہ سے اچھی خاصی روشنی پھیلی تھی۔ اتنی کہ مجھے پلوشہ کے ناچنے میں اٹھے وجود کے [illegible] نظر آ رہے تھے۔ اس کے گرد لڑکیوں نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اور وہ تالیاں بجاتے ہوئے شور مچا رہی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہوئے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ گہری نیلی آنکھوں والی گل والہانہ انداز میں لہراتے ہوئے پلوشہ کا ساتھ دینے لگی۔ مجھے پرائی لڑکی کو اس کی بے خبری میں دیکھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''چلتے ہیں۔'' میں نے ثمر خان کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

ثمر خان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکشاف کیا۔ ''گل باجی جانتی ہیں آپ انھیں دیکھ رہے ہیں۔''

''کیا؟'' میں متعجب ہوا۔

وہ اطمینان سے بولا۔ ''انھوں نے ہی آپ کو یہاں لانے کا کہا تھا، کہ ان کے اور پلوشہ باجی کے درمیان ہار جیت کا فیصلہ آپ کریں گے۔''

میری نظریں خوش بدن دوشیزہ کی جانب اٹھیں جس کا جسم خوب صورت انداز میں بل کھاتے ہوئے لہرا رہا تھا۔ ثمر خان کے انکشاف نے مجھے حیران کے ساتھ پریشان بھی کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کہ گل خود مجھے اپنا رقص دکھانے کی خواہاں تھی میں اس انکارے سے لطف اندوز نہیں ہو پایا تھا۔

''چلو ثمر خان! اگر کسی نے ہمیں یہاں دیکھ لیا تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔'' ثمر خان کو زبردستی کھینچتے ہوئے میں سیڑھی سے نیچے اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم بیٹھک میں پہنچ گئے تھے۔

رات کے دس بجنے کو تھے جب چچا ثمریز میرے پاس آیا۔ رنڑا کو رخصت کرنے وقت ہو گیا تھا۔

انھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ ''ذیشان بیٹا! ثمر خان کے ساتھ جا کر اپنی بہن کو رخصت کر دو۔''

میں نے اعتراض کرنا چاہا۔ ''چچا جان!''

انھوں نے قطع کلامی کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اسے بہن نہیں سمجھتے یا کوئی اور مسئلہ ہے۔''

''چلو ثمر خان۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ثمریز چچا نے اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔

ثمر خان اور میں اندر پہنچے، عورتوں نے رنڑا کو گھیرا ہوا تھا۔ انھوں نے ادھر اُدھر ہو کر ہمیں راستہ دیا۔ پلوشہ اور گل

رنڑا کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہے میری گڑیا بہن۔'' رنڑا کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ کر میں نے اس کا سر بلند کیا۔

تیز سسکی بھرتے ہوئے اس نے میری چھاتی پر سر رکھ دیا تھا۔ شفقت وعقیدت بھری پاکیزہ محبت کے احساس نے مجھے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ میں بہن کے رشتے سے تہی دامن ہوں۔ رنڑا ایسی لڑکی تھی کہ پہلے دن سے مجھے لالا جان کہا تھا۔ اسے اپنے لالا پر بھروسہ، اعتماد و فخر تھا، وہ اپنے لالا کو دنیا کا سب سے بہادر فرد گردانتی تھی، وہ چھوٹی موٹی اور ذرا سی لڑکی مجھے سگی بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ اس کے روتے نے مجھے بھی جذباتی کر دیا تھا۔ منہ بولی بہن کو رخصت کرتے وقت میری یہ حالت تھی تو سگی بہنوں کو رخصت کرنے والوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ یقیناً ماں کے بعد بہن بہت ہی پیارا، خوب صورت اور دلکش رشتہ ہے۔ اپنے بھائیوں کے لیے ہمیشہ قربانیاں دینے والیاں، بھائی کے لیے اپنے حق سے دست بردار ہونے والیاں، بہ ظاہر نرم ونازک مگر درحقیقت چٹانی ارادوں کی مالک بہنیں اللہ پاک کا بہترین تحفہ ہیں۔

میں اس کے لیے تین قیمتی سوٹ، خوب صورت جوتے، اور ایک موبائل فون لے کر آیا تھا۔ یہ تحائف میں نے آتے ساتھ اس کے حوالے کیے تھے۔ اس وقت وہ میرے ہی لائے ہوئے کپڑوں میں ملبوس میں تھی۔

میرے بعد وہ ثمر خان کو بھی چمٹ گئی تھی۔ وہ اس سے چھوٹا تھا، لیکن بھائی چھوٹا ہو یا بڑا بہنوں کا محافظ در کھوالا ہوتا ہے۔

''بہادر بہنیں تو نہیں روتیں۔'' اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے میں نے بہ ظاہر مزاحیہ انداز اپنایا مگر میرے حلق سے رندھی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی۔

''چلو ثمر خان۔'' رنڑا کا دایاں بازو تھامتے ہوئے میں نے ثمر خان کو اشارہ کیا۔ اور ہم دونوں اسے گھر سے باہر لے آئے۔ وہاں بار برداری کو زیادہ تر گھوڑے، خچر، اونٹ اور گدھے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ ایک اونٹ پر ڈولی باندھے آئے تھے۔ ویسے تو وزیرستان میں دلھن لے جانے کو گاڑیوں کا رواج ہے لیکن جن علاقوں میں گاڑیوں کی آمد و رفت نہیں ہو سکتی وہاں آج بھی اونٹ اور گھوڑے وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔

رنڑا کے سر پر بوسہ دے کر اسے میں نے بازوؤں میں بھر کر سجی ہوئی ڈولی میں بٹھا دیا۔ گل بھی اس کے ہمراہ بیٹھ گئی تھی۔ اونٹ کو اٹھایا گیا۔ پانی کے دو قطرے میرے گالوں پر لڑھکے اور زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''اللہ پاک تمھارا نصیب اچھا کرے میری گڑیا بہن۔''

اپنے بازو پر ہلکی سی گرفت کا احساس ہوا۔ میں چونکتے ہوئے متوجہ ہوا۔ وہ پلوشے تھی۔

''چلیں۔'' اس کے لہجے میں بھی اداسی گھلی تھی۔ میں اس کے ساتھ گھر کی طرف بڑھ گیا۔ ثمر خان اور شیریز چاچا بیٹھک گاہ میں گھس گئے تھے۔ قریبی رشتہ داروں کی چہل پہل جاری تھی لیکن ایک رنڑا کے جانے سے گھر ویران لگنے لگا تھا۔ رنڑا'' پشتو میں روشنی کو کہتے ہیں۔ اور اس وقت لگ رہا تھا اس گھر کی روشنی حقیقت میں رخصت ہوگئی ہو۔

''راجو! پریشان نہیں ہوتے۔'' پلوشہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے تسلی دینے لگی۔ وہ نٹ کھٹ لڑکی میرے متعلق نہایت حساس تھی۔

میں دل گرفتہ ہوا۔ ''پلوشے مجھے آج محسوس ہو رہا ہے کہ سپوگمائے کی جدائی پر تمھیں کتنا دکھ ہوا ہوگا۔''

''اچھا سچ بتائیں، میرا رقص اچھا لگا یا گلگارے کا۔'' اس نے ایک دم موضوع تبدیل کر دیا تھا۔

میں متحیر ہوا۔ ''تمھیں کیسے پتا میں دیکھ رہا تھا۔''

اطمینان سے بولی۔ ''گلگارے نے بتایا تھا۔''

مجھے گنگار ے کے فعل پر کوفت ہوئی تھی۔ جانے وہ کیا ثابت کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ایک بات یقینی تھی کہ وہ مضبوط کردار کی مالک تھی۔ گو مجھ سے گفتگو کرتے وقت وہ کچھ زیادہ ہی حق جتانے لگتی تھی، مگر کبھی اکیلے میں بھی اس نے اخلاق سے گری ہوئی بات یا حرکت نہیں کی تھی۔ میں خود بھی اس کے ساتھ کسی رشتے کا تعین نہیں کر پا رہا تھا۔ شروع دن سے میرے بہن کہنے کو اس نے ناپسندیدہ گردانا تھا۔ وہ خطوط اور موبائل فون کے پیغامات میں بھی خود کو "آپ کی گڑیا بہن رنڑا کی باجی لکھا کرتی۔" براہ راست اس نے کبھی مجھے بھائی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اپنی شادی سے پہلے تک تو اس کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں تھا۔ مگر اب وہ میرے بارے دل میں کوئی لطیف جذبات رکھتی بھی تھی تو اسے دل کی بات چھپانا چاہیے تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' پلوشے نے میری ٹھوڑی سے پکڑ کر ہلایا۔

میرے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ نمودار ہوئی، اسے حقیقت بتائے بغیر دھیرے سے بولا۔''میں صرف اپنی پلوشے کا رقص دیکھنے آیا تھا۔ جب گل شروع ہوئی تو میں چلا گیا تھا۔''

''اچھا۔'' طمانیت سے کہتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

●

اگلے دن طلوع آفتاب کے ساتھ ہی گلکارے کو اس کا شوہر وہاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ چند منٹ چچا شمریز سے باتیں کرتی رہی۔ مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے پرخلوص انداز میں شکریہ ادا کیا تھا۔ نشانہ بازی کی صلاحیت نے پٹھانوں کے درمیان مجھے خوب سرخ روئی رکھا ہے۔ ہتھیار سے لگاؤ پٹھانوں کے خون میں شامل ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ان کو نیزہ بازی اور تیر اندازی کا شوق ہوتا تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس شوق کو پسند فرمایا ہے۔ بلاشبہ ایک جنگجو قوم ہی کی بہادری، شجاعت، حفاظت اور ترقی کا ضامن ہو سکتی ہے۔ زیادہ دور نہ جائیں 1948 کی پاک بھارت جنگ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ، جب ریاست کشمیر میں ہندوؤں، سکھوں اور ریاستی افواج کی قتل و غارت کی کارروائیاں حد سے بڑھیں تو کشمیر کے انقلابی لیڈروں نے شمال مغربی سرحد کے قبائلی سرداروں سے رابطہ کر لیا۔ قبائلی سرداروں نے کشمیری مسلمانوں کی آواز پر لبیک کہا اور پٹھانوں کے جتھے جنگ آزادی میں شامل ہونے کو کشمیر کی طرف چل پڑے۔ اس وقت پاکستانی فوج کے بکھرے ہوئے غیر منظم یونٹ یا تو پنجاب میں تقسیم ملک سے پیدا شدہ حالات سے برسر پیکار تھے، یا مہاجرین کے قافلوں کو حفاظت مہیا کر رہے تھے کہ ان قافلوں پر ہندو اور سکھ جوابی حملے کر رہے تھے۔ قبائلیوں کی کشمیر میں آمد سے ہی تو آزادی کی تحریک کو چار چاند لگ گئے اور مہاراجہ کی فوج کو ہر جگہ شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان آرمی کی کشمیر آمد تک ہندوؤں کو ہر جگہ انھی پٹھانوں نے شکست و ہزیمت سے دوچار کیا تھا۔ اور ان کا راستہ روکا، ورنہ ہندو اس وقت گلگت تک پہنچ چکا ہوتا۔ گو بعد میں پاک آرمی نے حالات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے، کہ قبائلی پٹھان کوئی منظم فوج نہیں تھے، وہ دشمن کے خلاف چھاپہ مار کارروائی تو کامیابی سے کر گزرتے لیکن دشمن کی شکست کے بعد زمین پر قبضہ جمانے کے بجائے کسی اور سمت کا رخ کر لیتے تھے۔

پلوشے تھوڑی دیر پہلے ہی ثمر خان کے ساتھ گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اپنی کلاشن کوف اور ثمر خان کے ہاتھ میں خالی بوتلیں دیکھتے ہی مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ جلد ہی کلاشن کوف کے فائر کی آواز سنائی دینے لگی۔

گل بچی کو سلا کر ہمارے پاس آ بیٹھی تھی۔

نشست سنبھالتے ہی وہ شوخی سے بولی۔ ''شکریہ۔''

''کس بات پر؟'' میں نے حیرانی ظاہر کی۔

اس نے انکشاف کیا۔ ''اگر کل آپ کھونٹے کو نہ گراتے تو میری ہتک ہو جاتی۔ میں نے تماشا دیکھنے والی ترکیوں کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ رزک خان تین گولیوں میں ہدف گرا دے گا۔''

میں معنی خیز لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''رزاکا لالا جان، تمھارا کیا لگتا ہے؟''

شمریز چچا نے اونچا قہقہہ بلند کیا تھا۔ گل کے جواب دینے سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی اور چچا شمریز اس جانب

بڑھ گئے۔ جواب گول کرتے ہوئے اس نے موضوع تبدیل کیا۔ ”پلوشہ کا رقص اچھا تھا یا برا؟“ ظاہر ہے وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور جو موضوع اس نے چھیڑ دیا تھا اس بارے میں متردد تھا۔ گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے میں نے انکشاف کیا۔ ”کل ہم واپس جائیں گے۔“

وہ شاکی ہوئی۔ ”کیوں کیوں کیوں؟“

میں لجاجت سے بولا۔ ”گل! اچھلی کے پانچ دن بتایا تھا اور تین دن گھر تک پہنچنے میں لگیں گے۔“

وہ سرعت سے بولی۔ ”خواگا او بو سے پانچ کلومیٹر شمال کی طرف ترنگ نیل ملے ہے اب وہاں سے انگور اڈے تک گاڑی مل جاتی ہے۔ اگر یہاں سے صبح کو چلیں تو سہ پہر تک انگور اڈے پہنچ جائیں گے۔“

میں نے چوبز ہوا۔ ”تو؟“

وہ اطمینان سے بولی۔ ”دو دن مزید رہنا پڑے گا۔“

میں زچ ہوا۔ ”گل! سمجھنے کی کوشش کرو۔“

وہ برہمی سے بولی۔ ”یہ کوشش آپ کیوں نہیں کرتے۔“

میں منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”یہاں چار دن تو گزار لیے ہیں۔“

وہ بے نیازی سے بولی۔ ”اپنی گڑیا بہن کے لیے گزارے ہیں۔“

”شاید ضد و ہٹ دھرمی تمھارا مذہب ہے۔“ میں جھلا گیا تھا۔

”تو جائیں، آپ کو پکڑا تو نہیں ہے۔“ وہ بگڑ گئی تھی۔

گہرا سانس لیتے ہوئے میں نے سر پکڑ لیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ اپنی اہمیت جتانا چاہ رہی تھی۔ مجھے دو دن رکنے میں اتنا تردد نہ ہوتا اگر گزشتہ رات پلوشے سختی سے واپسی کا اعلان نہ کر چکی ہوتی۔ تب میں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ اب میرے رکنے پر وہ بدک سکتی تھی۔ یوں بھی گل کے اور میرے تعلق کو وہ ناپسندیدگی کی سند سے نواز چکی تھی۔ اس کے نزدیک کسی شادی شدہ لڑکی کا مجھ سے بے تکلف ہونا نہ صرف غلط بلکہ بہت بے ہودہ تھا۔ گو گل بھی نہایت دلکش، جاذب نظر اور پرکشش لڑکی تھی، لیکن اس کی زبان مجھے لالا جان کہتے نہیں تھکتی تھی۔ میں بھی اسے گڑیا بہن کہتا تھا۔ لیکن گل کی گفتگو میں نہ تو بہن بھائی کا سابقہ، لاحقہ شامل ہوتا اور نہ غیروں کی سی جھجک تھی۔ وہ بے تکلفی اور اپنائیت سے مخاطب ہوتی۔ مجھے گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں میں وارفتگی پوشیدہ ہوتی جو پلوشہ کو بالکل ناقابل قبول تھی۔

اچانک پلوشہ چہکتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ ”راجو! تین گولیوں سے کل جتنے فاصلے پر میں نے بوتل کو نشانہ بنایا ہے۔ آپ بے شک ثمر خان سے پوچھ لیں۔“ وہ دروازے کو رخ کر کے ثمر خان کو آواز دینے لگی۔

گل ایک جھٹکے سے اٹھ کر بغلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”جی باجی!“ ثمر خان اندر آیا۔

”اسے کیا ہوا؟“ پلوشہ نے گل کی پشت کو گھورا۔

میں نے سرعت سے بہانہ گھڑا۔ ”شاید ننھی پلوشہ جاگ گئی ہے۔“

منہ بناتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے اور ثمر خان کی جانب متوجہ ہوئی۔ ”ثمر خان! راجو کو بتاؤ ناں میں نے دو

[illegible] کتنے آرام سے ہدف کو نشانہ بنایا ہے۔“

وہ سعادت مندی سے بولا۔ ''جی لالا جان، باجی سچ کہہ رہی ہیں۔''
پلوشے ہر قسم کے ہتھیار چلا لیتی تھی مگر اس کا نشانہ بالکل واجبی سا تھا۔ ایسے لڑاکے قریبی لڑائی میں تو کارگر فائر کر لیتے ہیں لیکن سنائپنگ ان کے بس سے باہر ہوتی ہے۔ میں نے سر جھٹک کر متبسم ہوا۔
''ثمر خان سچ بتاؤ، پلوشے نے کتنی گولیاں فائر کی ہیں؟'' چونکہ کلاشن کوف کی ''ٹھ ٹھ'' کافی دیر تک سنائی دی تھی اس لیے پلوشے کی دو تین گولیوں والی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
وہ ہکلایا۔ ''دو..... دو ہی کی ہیں لالا جان!''
میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ ''تمھارے بابا جان جھوٹ کے بارے کیا کہتے ہیں۔''
وہ سرعت سے بولا۔ ''یہی کہ جھوٹ مذاق میں بھی نہیں بولنا چاہیے۔''
میں نے چٹکی بجاتے ہوئے اشارہ کیا۔ ''اب سچ اگلو۔''
پلوشہ نے جلدی سے لقمہ دیا۔ ''زیادہ سے زیادہ پانچ، چھے گولیاں چلائی ہوں گی۔ کیوں ثمر خان۔''
''ثمر خان سر جھکاتے ہوئے بولا۔ ''لالا جان! صرف دو ہی چلائی ہیں۔''
میں نے آنکھیں نکالیں۔ ''ثمر خان ''
وہ گھبرا کر بولا۔ ''سس..... سچ کہہ رہا ہوں لالا جان صرف دو میگزین خالی کی ہیں۔''
پلوشہ تلملاتے ہوئے بولی۔ ''میرا موبائل فون فوراً واپس کرو۔''
وہ لجاجت سے بولا۔ ''بب..... باجی! لالا جان نے زبردستی اگلوایا ہے۔''
اس نے برہمی ظاہر کی۔ ''میں کچھ نہیں جانتی، جو معاہدہ ہوا تھا تم اس پر پورے نہیں اترے۔''
ثمر خان نے ملتجی نگاہوں سے مجھے گھورا، میں متبسم ہوا۔ ''بھاگ جاؤ، اسے میں پکڑ لیتا ہوں۔''
وہ فوراً مڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ پلوشہ کے قدم اٹھانے سے پہلے میں نے اسے تھام لیا اور اس کی ہلکی نیلی آنکھوں کو باری باری ہونٹوں سے چھوتے ہوئے وارفتگی سے بولا۔ ''جب ان رائفلوں کا نشانہ رینج ماسٹر سے کئی گنا زیادہ کارگر اور درست ہے تو تمھیں کسی اور ہتھیار سے خود کو اچھا نشانہ باز ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''
''دروازہ کھلا ہے کوئی آ جائے گا۔'' حیا آلود لہجے میں کہتے ہوئے وہ کسمساتے ہوئے میری گرفت سے نکل گئی تھی۔
میں نے ہنستے ہوئے کلاشن کوف اٹھالی تاکہ صفائی کر سکوں۔ فائر ہونے کے بعد جتنا جلدی ہتھیار کو صاف کیا جائے بہتر ہوتا ہے۔ دیر ہونے کی صورت میں بارود کے ذرات اور بُلٹ کی رگڑ سے چمٹنے والے سیسے سے بیرل کی اندرونی سطح رفتہ رفتہ خراب ہونے لگتی ہے۔ زیادہ عرصہ گزرنے پر بیرل کے اندر گڑھے بن جاتے ہیں اور ہتھیار فائر کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ ذاتی ہتھیار کی صفائی کے بارے سنائپر تو کچھ زیادہ ہی وہمی ہوتے ہیں۔ خاص کر راؤ تصور صاحب جیسے افراد تو اپنے چہرے کی صفائی سے زیادہ توجہ اپنے ہتھیار کی صفائی پر دیتے ہیں۔

———●———

رات کے کھانے پر چچا شمریز نے جانے کی بابت دریافت کیا تھا۔ یقیناً اس کی منشا یہی تھی کہ ہم چند دن مزید رہیں۔
میرے بولنے سے پہلے گل نے اطمینان سے کہا۔ ''بابا جان! یہ دو دن مزید ٹھہریں گے۔''
چچا شمریز مسرت سے بولے۔ ''سچ؟'' اسی وقت پلوشہ نے مجھے گھورا، لیکن کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔
میں نے صفائی سے موضوع تبدیل کیا۔ ''چچا جان! آپ ثمر خان کو پڑھنے شہر کیوں نہیں بھیجتے۔''
میرے جواب دینے سے اعراض برتنے کو جانے انھوں نے کیا سمجھا تھا، مگر دوبارہ اس موضوع پر زبان

کھولی۔ میں پلوشے کی موجودی میں گل کو نہیں سمجھا سکتا تھا اور نہ میرا الحاجت بھرا لہجہ ن کر پلوشے پھر جاتی۔ گل وطا،
ناجائز نہیں تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں میری محسنہ تھی اور اتنا حق جتا سکتی تھی کہ وہ دن رکنے کو کہہ دے۔ لیکن اپنی جان مباحت
پلوشے کی مرضی کے خلاف کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اسے ناراض کرنے کا حوصلہ کرنا کم از کم میرے بس سے باہر
تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ گل کو اکیلے میں اپنی مجبوری کا بتا کر اور اگلی چھٹی پر آنے کا وعدہ کر کے منالوں گا۔ وہ نہایت سمجھدار لڑکی
تھی، یقیناً میری حالت کا ادراک اسے آسانی سے ہو جاتا۔

شمریز چچا بولے۔ ”گل تو کب کا زور دے رہی ہے، یہ بے شرم خود ہی شوق نہیں رکھتا۔“

وہ معصومیت سے بولا۔ ”لالا جان! اسکول جانے کا کیا فائدہ، جبکہ میں آپ کی طرح نشانے باز بننا چاہتا ہوں۔“

میں نے قہقہہ لگایا۔ ”یہی تمھاری بے وقوفی ہے۔ کیا بغیر تعلیم کے اچھا نشانے باز بننا ممکن ہے۔“

وہ معترض ہوا۔ ”نشانے بازی کا تعلیم سے کیا تعلق۔“

”ایک گولی فائر کرتے وقت ہوا کی رفتار، بلندی پستی کا زاویہ، ہدف کا فاصلہ، ایمونیشن کی قسم اور کئی ایسی باتوں کا
جاننا ضروری ہوتا ہے جو بغیر تعلیم کے ممکن نہیں اور یہ سب کچھ میں تب سکھا سکتا ہوں جب تم اچھی تعلیم حاصل کر لو۔“ میرے
لبوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھری۔ ”تمھاری پلوشہ باجی کو میں کوشش کر کے بھی اچھا نشانے باز نہ بنا سکا۔ اگر یہ گلس
ہوتی تو ایک بوتل پر دو میگزین ایمونیشن نہ پھونکتی۔“

چچا شمریز اور گل کا قہقہہ بلند ہوا، پلوشے برہمی سے مجھے گھورنے لگی تھی۔

”ٹھیک ہے میں پڑھائی کرنے شہر جاؤں گا مگر آپ وعدہ کریں جب میں تعلیم مکمل کر لوں گا تو مجھے اپنے جیسا
نشانے باز بنائیں گے۔“

”ان شاء اللہ میں تمھیں ضرور سکھاؤں گا۔“ میں نے وعدہ کرنے تساہل نہیں برتا تھا۔

کھانے کے بعد ہم عشاء تک وہیں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گل کو کس طرح اکیلا کر
کے سمجھاؤں۔ ایک دو بار آنکھیں چار ہونے پر جبکہ پلوشہ کسی اور جانب متوجہ تھی میں نے اشارے میں اجازت مانگی مگر
اس نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

عشاء کی نماز پڑھ کر میں موقعے کا متلاشی ہوا مگر پلوشے مجھے کمرے میں لے گئی۔

”راجو! سوتے ہیں، کل کا دن سفر میں گزرے گا اور مجھے سخت نیند آئی ہوئی ہے۔“

”جیسی سرکار کی مرضی۔“ میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔

وہ طمانیت سے مسکرا دی تھی۔ ہم سونے لیٹ گئے مگر میری نظروں سے نیند غائب تھی۔ میں کسی طرح گل کو قائل کرنا
چاہ رہا تھا۔ ورنہ صبح ہمارے چلے جانے کو وہ اپنی ہتک خیال کرتی، اس کا مان ٹوٹ جاتا، وہ پکی ناراضی گانٹھ لیتی۔ اور یہ مجھے
منظور نہیں تھا۔ اسے منانا اتنا بھی دشوار نہیں تھا بس پلوشہ کی غیر موجودی میں اسے ملنے کی ضرورت تھی۔ ارادہ تھا کہ پلوشہ
کے سو جانے پر اس کے پاس جاؤں گا۔ یقیناً اس نے چچا شمریز اور شمر خان کے کمرے ہی میں سونا تھا۔ اور چچا شمریز کی
موجودی مجھے تقویت دیتی۔

پلوشے تھوڑی دیر اٹھکیلیاں کر کے سو گئی تھی۔ وہ کافی گہری نیند سوتی تھی۔ شادی ہو جانے کے باوجود اس کی نیند الہڑ
نادان لڑکیوں کی طرح بے فکری والی تھی۔ لیکن میں اس کے گہرے سانس سن کر بھی نہ اٹھ سکا کہ وہ میرے بازو پر سر رکھے
لیٹی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ میری چھاتی پر دھرا تھا۔ میں چاہت بھری نظروں سے اس کا معصوم چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ میری
شریک حیات تھی، میرے دکھ سکھ کا ساتھی، ہنسی خوشی کی حصے دار، درد و غم بانٹنے والی، میری عزت، میرا مان، میری

محبت، چاہت، الفت۔ اس کے دم سے میری زندگی میں بہاریں تھیں، وہی میرے قہقہوں کی ضامن تھی، اسی کی وجہ
سے گھر کی رونقیں تھیں، بلاشک وشبہ وہ بہت قیمتی، اصول اور بہترین بیوی تھی۔ اس کی وجہ سے میری آنکھیں بوجھل
ہوتی تھیں۔ اسے تکتے تکتے پتا ہی نہ چلا اور میں نیند کی میٹھی وادیوں میں کھو گیا تھا۔ میری آنکھ پلوشہ کی آواز سے کھلی
تھی۔ ہلکے سے بڑبڑا کر اس نے کروٹ تبدیل کی اور مخالف جانب رخ موڑ لیا۔ جمائی لیتے ہوئے میری نگاہ گھڑی پر
پڑی۔ سوئیاں دو کا ہندسہ عبور کر چکی تھیں۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا گل کو قائل کرنے کا منصوبہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اتنی رات گئے
گل سے بات چیت کرنا مجھے عجیب لگ رہا تھا۔ گو چچا شہریز کے کمرے میں موجود ہونے کی وجہ سے مجھے جھجک محسوس نہیں
ہو رہی تھی لیکن پھر بھی رات کے دو بجے گفتگو مناسب نہ رہتی۔ میں دوبارہ لیٹ گیا لیکن گل کی ناراضی کا خیال آتے ہی میں
نے کمرِ ہمت باندھنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہمارے کمرے سے متصل گھر کا سٹور تھا اور اس کے ساتھ چچا شہریز کی خواب گاہ تھی۔ گل کی شادی کے بعد ثمر خان
اور رزنا ابھی باپ کے کمرے ہی میں سوتے تھے۔ البتہ گل جب وہاں آتی تو دونوں بہنیں علیحدہ کمرے میں سوتی تھیں جو
باورچی خانے سے ملحق تھا۔ آج رزنا کی غیر موجودگی میں گل کو باپ کے کمرے ہی میں سونا چاہیے تھا۔ یہی سوچ مجھے کا
شہریز کی خواب گاہ میں لے گئی، دروازہ بھیڑا ہوا تھا مگر اندر سے کنڈی نہیں تھا۔ میں بے تکلفی سے دروازہ دھکیل کر اندر
داخل ہوا۔ ہلکی چرچراہٹ ابھری جو خاموشی کے ماحول میں صورِ اسرافیل محسوس ہوئی تھی۔ وہاں گل موجود نہیں تھی۔ یقیناً وہ
آج اکیلے کمرے میں لیٹی تھی۔ چچا شہریز اور ثمر خان دروازے کی چرچراہٹ سے نہیں جاگے تھے۔ میں دبے قدموں
واپس مڑا اور دروازے کو بھیڑتا ہوا باہر نکل گیا، دوسری بار بھی دروازے نے۔ ''چوں چوں۔'' کر کے گہرا احتجاج کیا
تھا۔

گل کے پاس اکیلے کمرے میں جانے کی ہمت خود میں مفقود پاتا تھا۔ گو میرا غلط ارادہ نہیں تھا، نہ گل کمزور کردار کی
مالک تھی لیکن پھر بھی رات کے اس وقت ہمارے گفتگو کرنے کو کسی صورت مناسب خیال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں اپنے
کمرے کی طرف مڑا۔ دو قدم لیتے ہی میری سماعتوں میں دھماکا ہوا۔

''راجو!'' گل کی مدہم آواز نے بھی مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خواب گاہ کے دروازے پر کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' چند قدم لے کر اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''وہ ... م ... میں ...'' میں گڑبڑا گیا تھا۔ میری چور نظریں چچا شہریز کی خواب گاہ کی جانب اٹھیں اور پھر میں نے
مڑ کر اپنے کمرے کی طرف دیکھا۔ پلوشے یا چچا شہریز کسی کے جاگنے کی صورت میں بھی بھاری ندامت میرا نصیب بن سکتی
تھی۔

''مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔'' گل کی آواز میں ذرا بھی جھجک اور ہکلاہٹ شامل نہیں تھی۔

''ہا ... ہاں، بہر کیف فی الحال تم سو جاؤ صبح بات کریں گے۔'' میں نے ہاتھ اس کی ملائم و گرم گرفت سے چھڑانا چاہا۔
اس نے گرفت سخت کرتے ہوئے برہمی ظاہر کی۔ ''خود پر بھروسہ نہیں ہے یا میرے کردار پر شبہ ہے۔''
میں چڑچڑا ہوا۔ ''گل فضول باتیں نہ کرو۔''

وہ بدتمیزی سے بولی۔ ''اور آپ کا کیا، میرا مطلب آپ کو مکمل اجازت ہے فضول باتوں کی۔''

''آرام کرو۔'' میں نے اپنے کمرے کی طرف مڑنا چاہا کہ وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔

''ٹھہریں۔'' میرے ہاتھ پر اس کی گرفت سخت ہوئی۔ ''پہلے یہ بتائیں کیا کہنا چاہتے تھے۔''

''گل سو جاؤ۔'' میں نے دبے لہجے میں جھڑکا۔ ''کوئی اٹھ گیا تو الگ تماشا بن جائے گا۔''

وہ بے پروائی سے بولی۔ ''راجا کون ہے۔''

''مجھے کیوں شک گزرے۔'' میں جھلا گیا تھا۔

''میرے ساتھ آئیں۔'' اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔

''پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔'' میں بدک گیا تھا۔

''راجا میں جانتی ہوں آپ نے بولی ضروری بات ... اب وقت ... مجھ کچھ نہیں آ رہا

کم از کم آپ کو میرے کردار پر شک نہیں کرنا چاہیے۔''

''گل میں شک ...''

''چلیں۔'' اللہ کلامی کرتے ہوئے اس نے مجھے دروازے کی جانب کھینچا اور ... ہو لی۔

''بیٹھو۔'' اس نے مجھے خالی چارپائی پر دھکیلا اور دوسری چارپائی پر نشست سنبھالی۔ ... بولی۔ ''آپ ... علاوہ

کیا اشارے کر رہے تھے۔''

میں شاکی ہوا۔ ''تمھیں نہیں معلوم۔''

اس نے منہ بچلایا۔ ''راجو میرا اتنا حق بھی نہیں ہے کہ آپ کو دوران رکنے کا کہہ سکوں۔''

میں بغیر لگی لپٹی رکھے بولا۔ ''میں آج تک تمھارے ساتھ رشتے کا تعین نہیں کر سکا۔ تمھاں جانتی ہے وام لے کر

اسے اچھی دوستی کا نام دے سکتا ہوں، مگر عورت مرد کی دوستی کی نہ شریعت اجازت دیتی ہے اور نہ ہمارا معاشرہ۔ تمھارے

شوہر کو پسند ہوگا نہ میری بیوی ہی اس کی اجازت دے گی۔ پلوشہ بہت فراخ دل بیوی اور اعلیٰ ظرف لڑکی ہے۔ لیکن یقین

مانو پہلے دن سے میرے ساتھ تمھاری بے تکلفی کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا ہے بلکہ ناپسندیدگی کی نظر سے نوازا

ہے۔ حالاں کہ وہ بھی تمھاری طرح خوب صورت، معصوم اور پیاری ہے مگر اس کی بے تکلفی پلوشہ پہ ... نہیں گزرتی کہ وہ

مجھے لالا جان کہتی ہی نہیں سمجھتی بھی ہے۔''

اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ ''آپ کو بھائی سمجھتی ہوں اور نہ بہن بننے پر تیار ہوں۔''

''یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں جانتی۔''

''کیا چاہتی ہو؟'' میں کھل کر سامنے آ گیا تھا کہ جب تک اس کی غرض معلوم نہ ہوتی سمجھانا دشوار تھا۔

ارزق چشم (نیلی آنکھیں) میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں۔ ان میں گلہ، شکوہ اور اذیت ہویدا تھی۔

''کبھی تنہائی میں بھی میری قابل گرفت حرکت دیکھی ہو۔ سب کے سامنے بھی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہوں اور اب بھی

صرف ہاتھ چھونے کی گستاخی کی ہے۔ اور قسم کھاتی ہوں اگر جذبات سے مغلوب ہو کر آپ مجھے نازیبا چھونے کی کوشش

کرتے تو تھپڑ مارنے میں تامل نہ برتتی۔ شوہر کی امانت میں خیانت کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ البتہ دل میرے اختیار میں

نہیں ہے۔ اور امید ہے بے اختیاری کو کراما کاتبین بھی قلم بند کرنے سے گریز فرمائیں گے۔''

میں نے دہائی دی۔ ''گل! میں کیا کروں، تم میری محسنہ ہو۔ تمھیں خفا نہیں کر سکتا۔ تمھارا حق جتانا یا فرمائشیں کرنا بھی

مجھے گراں نہیں گزرتا، مگر میری شریک حیات اس کی اجازت نہیں دیتی۔ وہ صرف میری بیوی ہی نہیں محبوبہ بھی ہے۔ اسے

ناراض کرنے یا دکھ دینے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہمارے الجھے ہوئے رشتے کی زد میں آ کر دونوں کی خانگی زندگی کسی

بھی بڑے حادثے کا شکار ہو سکتی ہے۔''

وہ بے نیازی سے بولی۔ ''پروا کسے ہے۔''

میں معترف ہوا۔" مجھے۔"

اس کے ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ ابھری۔" تو یہ آپ کا مسئلہ ہے۔"

میں چڑ بڑ ہوا۔" گل تنگ نہ کرو مجھیں۔"

" یہی درخواست آپ سے بھی ہے۔" وہ کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

میں تلملاتے ہوئے بولا۔" چاہتی کیا ہو؟"

اس نے منہ بنایا۔" کچھ بھی نہیں۔"

" صبح ہم واپس جائیں گے۔" میں نے لاحاصل بحث کا خاتمہ کیا۔

لبوں پر مدھم تبسم بکھیرتے وہ مخمور لہجے میں بولی۔" صرف اتنی سی بات منوانے کو آپ رات کے دو بجے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

" تو کیا کرتا، پلوشے صبح جانے پر بہ ضد تھی اور تمھاری سوئی مجھے روکنے پر اٹکی تھی۔"

وہ خوش دلی سے بولی۔" ٹھیک ہے چلے جانا۔"

" شکر ہے۔" میرے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔

وہ کھل کھلائی۔" آپ پوچھ رہے تھے نا مجھے کیا چاہیے؟"

" تو..." بے ربط ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے میں نے نظریں چرائیں۔

وہ وارفتگی سے بولی۔" بس اتنا مان رکھ لیا کریں۔ یہ مجھے کافی سے بھی زیادہ ہے۔ اور یقین کریں میں نے آج ایک لحظے کو بھی آنکھیں نہیں جھپکیں، مسلسل جاگ کر آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ سے بات چیت کی غرض ہی سے میں علیحدہ ہوئی ہوں۔ جونہی ابو جان کے کمرے کا دروازہ چرچرایا مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔"

" اجازت ہے۔" میں نے اٹھنے کو پر تولے۔

" ایک بات پوچھوں؟"

" تمھیں اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ شاکی ہوئی۔" اتنا برا رقص تو نہیں کرتی کہ آپ نے تھوڑی دیر دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔"

رقص کو اعضاء کی شاعری کہتے ہیں اور اس نسبت سے اس کے مصرعے، تشبیہات و استعارات، قافیے و ردیف اور بندشیں ایسی تھیں کہ سننے والے، میرا مطلب دیکھنے والے عقل و خرد سے بے گانہ ہو جاتے۔ وہ خوش شکل ہی نہیں خوش بدن بھی تھی۔ شادی کے بعد اس کا چھریرا بدن فربہی مائل ہو گیا تھا جو پہلے سے زیادہ جاذب نظر اور پر کشش لگتا تھا۔ میں یہ سب کچھ سوچ کر رہ گیا تھا کہ کہنے کا حوصلہ مفقود پاتا تھا۔ وہ میرے لیے قابلِ احترام و معزز تھی اور جن کی عزت کی جاتی ہے ان پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں نہ حیا سوز گفتگو کی جاتی ہے۔

بدقت تمام بولا۔" تمھیں ناچتے ہوئے دیکھنے کا مجھے قانونی اختیار نہیں تھا۔"

وہ مصر ہوئی۔" میں نے خود بلایا تھا۔"

میں صاف گوئی سے بولا۔" ہاں، مگر تمھارے پاس بھی یہ اختیار نہیں ہے۔"

میرے روبرو آتے ہوئے اس نے گہری نظروں سے میری آنکھوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

" راجو! اپنی گڑیا بہن کی باجی کو مجبور سمجھ کر معاف کر دینا۔"

میرے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ ابھری۔" اپنا خیال رکھنا گل!" اور دروازے کی طرف مڑ گیا کہ وہاں میں نے اژ

دیرنگادی تھی جو بدنامی سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ گل سے اپنا رشتہ میں اب بھی نہیں سلجھا سکا تھا لیکن ام ارلم پہ اطمینان تھا در ہو
گیا تھا کہ وہ بے راہروی پر آمادہ نہیں تھی۔ محبت اور عزت و عصمت میں چناؤ کا مرحلہ آتا تو اس کا انتخاب عصمت
ہوتی۔ اسے بس ذرا سی توجہ درکار تھی۔ میں نے ابتداء ہی سے اسے بہت زیادہ اہمیت اور مان دیا تھا اور اب اسے اپنا حق
چھوڑ کر دست بردار ہونے پر تیار نہیں تھی۔

دھیرے سے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے میں نے باہر قدم رکھا اور میرے سر پر جیسے بم پھٹا تھا۔ پلوشے کچن کے
بیچوں بیچ کھڑی اسی جانب متوجہ تھی۔ میں سن ہی تو رہ گیا تھا۔ پورے جسم سے جان جیسے رخصت ہو گئی تھی۔ میں نے فوراً خود
کو سنبھالنے کی کوشش کی کہ غیر ہوتی حالت مجھے مجرم ثابت کر دیتی، جبکہ میرا فعل غلط ہونے کے باوجود میں ضمیر کی عدالت
میں پاک صاف تھا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آ جاتیں۔" کوشش کے باوجود میں لہجے کی لرزش پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ لگ رہا تھا کوئی
انہونی ہو گئی ہے۔ پلوشے کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ گہرے سانس لیتے ہوئے وہ بار بار یاقوتی لبوں کو باہم بھینچ کر
زکر رہی تھی۔

اس نے ماضی کریدا۔ "آپ نے تو خواب گاہ میں اس لیے قدم رکھا تھا کہ آپ کے پاس ماہین کو تسلی کرنے اور طلاق
دینے کا اختیار تھا۔ مظلوم حوا زادی کے بس میں کیا ہے۔ میں تو کچن میں کھڑی خوش فہمیاں پال رہی تھی، کمرے میں جھانک
کر دل خراش منظر دیکھنے کی تاب مجھ میں کہاں تھی۔"

"ایسا..... ایسا کچھ نہیں ہے پلوشے! میں قسم کھاتا ہوں ہم صرف بات کر رہے تھے۔ میں بس اسے سمجھا رہا تھا۔"

وہ زہر خند ہوئی۔ "جیسے ماہین، طاہر کو سمجھا رہی تھی ہے نا۔"

اسے بازوؤں سے تھامتے ہوئے ملتجی ہوا۔ "تت... تم... تم غلط سمجھ رہی ہو پلوشے! کیا اپنے راجو پر اعتماد نہیں
ہے۔"

وہ کراہی۔ "کوئی دوسرا بتاتا تو اس کا گریبان تھام لیتی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا اپنے راجو پر اعتماد نہیں ہے؟"

وہ ایک جھٹکے سے خود کو چھڑاتے ہوئے سسکی۔ "تھا، اسی کا نتیجہ تو بھگت رہی ہوں۔"

"جانتی تو ہو گل ہمارے جانے کے حق میں نہیں تھی اور تم واپسی کی خواہاں تھیں، میں بس اسے سمجھانے گیا تھا کہ اپنی
بیوی کی بات نہیں ٹال سکتا۔ میرا مقصد فقط اسے دل آزاری سے بچانا تھا۔"

وہ تلخی سی بولی۔ "اگر اس کا شوہر تمنا کرتا کہ میں دو دن مزید یہاں قیام کروں تو کیا سمجھانے کو مجھے اس کے ساتھ اکیلے
کمرے میں بند ہونے کی اجازت دے دیتے۔"

میرا ہاتھ گھوما، تھپڑ کھا کر وہ نیچے گر گئی تھی۔

آنکھیں برساتے ہوئے وہ لرزتے ہوئے اٹھی۔ "کاش یہ اختیار عورت کے پاس بھی ہوتا۔"

"پلوشے میری جان!" میں نے اسے بانہوں میں بھرنے کی کوشش کی، مگر دونوں ہاتھ سینے پر ٹکتے ہوئے اس نے
مجھے پیچھے دھکیلا اور کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

میں فوراً گل کی خواب گاہ کی طرف بڑھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ شاید مجھے خواب گاہ کی طرف آتے دیکھ کر
وہ دروازے سے ہٹی تھی۔ اور اس نے سارا تماشا دیکھ لیا تھا۔ "گل چلو میرے ساتھ، پلوشہ کو بتاؤ کہ ہمارے درمیان کیا
بات ہوئی۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس نے بے چارگی سے کہا [illegible]

[illegible]

اس نے دل میں سر ہلا دیا۔ [illegible]

وہ ایک دم پکاری۔ "راہو"

امید و بیم کی حالت میں میں رک گیا تھا۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے میرے سامنے آئی۔ "اگر میرے حوالے سے کوئی فرق پڑتا تو اس کی مدت سے گریز نہ کرتی۔ آپ کی محبتیں مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنی اپنی پاکیزہ لڑکیوں کی [illegible] ہوں۔ مگر یقین کریں مجھے دکھ ہے اور مزید بگڑ جائے گی۔ اپنے شوہر کو چھوڑنے والی اس لڑکی پر کیسے اعتبار کر سکتی ہے جس نے اس نے شوہر کے ساتھ چھوڑا ہو۔ آپ دوبارہ اس لڑکی کو طلاق دلانے یا بھولی منزلیں کمانے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔"

"گل!" میں نے نڈھال ہو کر سر پکڑ لیا تھا۔

"پریشان نہیں ہوتے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔ "حالات، ہاں وہ پاگل نہیں ہو گئیں۔"

میں کراہتے ہوئے بولا۔ "اس کی نظروں سے گر گیا ہوں، میری حماقت سے اس کی آنکھیں برس رہی ہیں۔ وہ خفا، غمگین و آزردہ ہے۔ گل تم نہیں جانتیں وہ میرے لیے کیا ہے۔"

اس کے لبوں پر پھیکا تبسم ابھرا۔ "آپ بھی نہیں جانتے، کسی کے لیے آپ کیا ہیں۔"

میں شاکی ہوا۔ "کیا یہ وقت ایسی باتوں کا ہے۔"

وہ مجھے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ "آپ بھی اس کے لیے سب کچھ ہیں۔ چند دن صبر کریں کب تک ناراض رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ اگلی چھٹی تک؛ پھر چند گلے شکوے کرے گی، آئندہ احتیاط کا وعدہ لے گی اور معاف کر دے گی۔ سما جائے گی، آغوشِ محبت وا کر دے گی۔ میرا یقین کرو راہو اپنی اعمال میرے یا آپ کے صفائیاں دینے سے حل نہیں ہونے والا۔"

دکھی دل سے سر ہلاتے ہوئے میں باہر نکل گیا۔ اپنے کمرے کو جاتے ہوئے میرے قدم من من کے ہو رہے تھے۔ ایک فضول پریشانی کو حل کرتے کرتے میں لاینحل مسئلے کا شکار ہو گیا تھا۔ گل کی ناراضی اور خفگی میرے لیے اتنی اہمیت کی حامل نہیں تھی کہ اس کے لیے میں پلوشہ کے اعتماد کو داؤ پر لگا دیتا مگر حادثے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آفات یونہی انسان کو گھیرتی ہیں، ناگہانی افتاد اسی طرح آتی ہے۔ بلائیں یونہی گلے پڑتی ہیں اور انسان ہکا بکا، مبہوت، متحیر اور متعجب ہو کر سوچتا رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا؟ اگلا مرحلہ پشیمانی و پچھتاوں کا ہوتا ہے؛ کاش یوں نہ کیا ہوتا، ہائے ذرا سا سوچا ہوتا، عقل و ہوش مندی سے کام لیا ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ مگر حادثے کے بعد ہاتھ ملنا کسی کام نہیں آیا کرتا۔ دروازہ کھول کر مضمحل قدموں سے داخل ہوا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی۔ لمحہ بھر اسے گھورنے کے بعد میں [illegible]

ہوئی تھی ۔۔۔ وہ مجھے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔

روما نے چھوٹتے ہی پوچھا۔''اجنبی! آپ جھوٹ بولنا کب چھوڑیں گے۔''

''روما! اس کی عقل چھوٹے بچوں جتنی ہے، فضول بات پر موڈ بنایا ہوا ہے۔ مجھے تو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔''

روما نے منہ بسورا۔''وہ بھی کچھ نہیں بتا رہی اور آپ بھی چھپا رہے ہیں۔''

''اسے گلہ ہے کہ میں گل کو اہمیت دیتا ہوں، حالاں کہ وہ شادی شدہ ہے اور مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔ اس کی بے تکلفی برداشت کرتا ہوں کہ اس نے میری جان بچائی ہے، اپنی محسنہ سمجھ کر اگر ہنس کر بات کر لیتا ہوں تو اسے ناگوار گزرتا ہے۔ بتاؤ یہ کوئی خفا ہونے کی بات ہے۔''

''آج اپنی خواب گاہ میں بیٹھی رو رہی تھی۔ میرے کریدنے پر بھی کچھ بتانے کو تیار نہ ہوئی۔ اور آپ جو تفصیل بتا رہے ہیں وہ میرے ذہن کو نہیں لگ رہی۔''

میں دکھی لہجے میں بولا۔''میرے کردار پر شک کر رہی ہے۔''

''کک..... کیا، مگر کیوں؟'' روما ہکلا گئی تھی۔

مجبوراً مجھے تفصیل دہرانا پڑی کہ روما جیسی مخلص شریک حیات سے کچھ چھپانا نہایت معیوب تھا ممکن تھا۔ پلوشے معلوم ہونے پر وہ بھی خفا جاتی تو یک نہ شد دو شد والا معاملہ ہو جاتا۔

''جھوٹا اجنبی!'' تفصیل سن کر، میرے گال پر چٹکی کاٹتے ہوئے وہ متبسم ہوئی۔

میں گلو گیر ہوا۔''پلوشے زیادتی کر رہی ہے۔''

''میرے اجنبی!'' روما نے تڑپ کر مجھے بھینچ لیا تھا۔''پریشان کیوں ہوتے ہیں میں اسے سمجھاؤں گی۔ وقتی ابال ہے ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں متفکر ہوا۔''ڈر لگ رہا ہے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھے۔''

''آپ کی روما کس لیے ہے۔'' پراعتماد لہجے میں کہتے ہوئے اس نے مجھے وقتی طور پر مطمئن کر دیا تھا۔

صبح کی نماز پڑھ کر میں دوبارہ سو جاتا تھا۔ گو یہ کوئی اچھا عمل نہیں ہے لیکن بس عادت بنی تھی۔ دن چڑھے اٹھ کر ناشتا کرتا۔ ابو جان زمینوں کی طرف نکل جاتے اور دوپہر کو لوٹتے تھے۔ میں تھوڑی دیر امی جان اور پھوپھو جان سے گپ شپ کرتا عبداللہ سے کھیلتا اور پھر لیٹ جاتا۔ پلوشے یا روما میں سے کوئی ایک میرا ساتھ دینے آ جاتی۔

انگور اڈے سے لوٹے تین دن ہو گئے تھے پلوشہ نے سیدھے منہ بات کرنا تو درکنار دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ گھر کے بڑوں کو ہماری خفگی کا پتا نہ چلتا مگر انھوں نے استفسار نہیں کیا تھا۔

وہ گھر میں میرا آخری دن تھا۔ ناشتا کر کے میں نے روما سے پلوشہ کا پوچھا۔

وہ شوخی سے مسکرائی۔''اپنے کمرے میں گھسی ہے، آپ منانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

میں نے امید ظاہر کی۔''ہاں، آخری دن ہے، شاید مان جائے۔''

وہ پرخلوص لہجے میں بولی۔''ان شاءاللہ مان جائے گی۔''

دل میں پیا جوت جلائے میں اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ عموماً وہ اس وقت پھوپھو جان اور عدیل کے کمرے میں گھسی ہوتی تھی، مگر آج میری چھٹی کا آخری دن تھا شاید وہ مجھے منانے کا موقع فراہم کرنے کو اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔ دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹا کر داخل ہوا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ نپے تلے قدم رکھے

ے میں قریب پہنچا ہلکے سے کھنکار کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس کے بدن میں جنبش نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس نے آنکھیں
کھولنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔
لو پھر بیٹھ کر میں نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما اور ہولے ہولے سہلانے لگا۔
''معافی نہیں ملے گی؟'' میں نے تمہید باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ بے حس وحرکت بیٹھی رہی۔
''کل واپسی ہے۔اور تم فوجیوں کی ہنگامہ خیز زندگی سے اچھی طرح واقف ہو،کیا معلوم موت لوٹنے کی مہلت نہ
دے۔'' میں نے جذباتی دھونس جمانے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
میں پنجی ہوا۔ ''مجھ سے غلطی سرزد ہوئی، حماقت کر بیٹھا، بے وقوفی ہو گئی، گناہ کیا ہے، جہالت کا مظاہرہ کیا ہے، جو کچھ
مجھے قبول ہے بس راضی ہو جاؤ تمھاری خفگی برداشت نہیں ہو رہی پلیز صرف ایک بار معاف کر دو، آخری بار معاف کر دو۔''
''ایک شرط پر.....'' اس کی جذبات سے عاری آواز ابھری۔ میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔
''قبول ہے..... ہر شرط قبول ہے، بغیر سنے منظور کرتا ہوں۔''
اس نے اطمینان بھرے انداز میں میرے سر پر ڈنڈا رسید کیا۔ ''مجھے طلاق چاہیے۔''
''کک..... کیا..... ہوش میں تو ہو۔'' میں نے اسے بازوؤں سے تھام کر متوحش انداز میں جھنجوڑا۔
ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کراتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کر کرسی پر جا بیٹھی۔ ''طلاق نہیں دو گے تو میں خلع لے لوں
گی۔''
''شاید مار کھانے کو جی چاہ رہا ہے۔'' درشتی سے کہتے ہوئے میں جارحانہ انداز میں اس کی جانب بڑھا۔
''کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔'' میرے قریب پہنچنے سے پہلے وہ تن کر کھڑی ہو گئی تھی۔
میں اپنی جگہ منجمد ہو کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ جذبات سے عاری چہرہ لیے وہ بے نیازی سے کھڑی
تھی۔
''پلوشے.........'' دو تین لمحوں بعد میرے حلق سے رندھی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔
''چند دن کی مہلت دیتی ہوں خوب اچھی طرح سوچ لو نہیں تو مجھے پھوپھو جان اور بابا جان کو ساری بات بتا کر
عدالت سے رجوع کرنا پڑے۔'' یہ کہتے ہی وہ لمبے ڈگ بھرتی دروازے کی جانب چل دی۔
میں نڈھال سا بیڈ پر گر گیا تھا۔ وہ میرے تصور سے زیادہ خفا تھی۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس حد تک چلی جائے
گی۔ میں کافی دیر تنہا لیٹا سوچتا رہا۔ اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا بہتر رہے گا۔ یقیناً دو تین ماہ کی جدائی
اس کا غصہ کم کرنے میں معاون ثابت ہوتی۔ البتہ یہ اطمینان ضرور تھا کہ امی جان اور ابو جان اسے کبھی ایسا قدم اٹھانے کی
اجازت نہ دیتے۔

—●—

’’آپ کو زحمت ہو گی۔‘‘میں نے رسمی جھجک ظاہر کی کہ ویسٹرج سے چکلالہ کینٹ کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا مگر راولپنڈی کی سڑکوں پر جو ٹریفک کا ازدحام ہوتا ہے وہ مختصر فاصلے کو طوالت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

’’اس بہانے انصاری صاحب کو مل لوں گا۔‘‘میرے استفسار کو رضامندی جانتے ہوئے وہ کھڑے ہو گئے۔راستے میں وہ سنجیدگی سے بولے۔

’’برخوردار! یاد رکھنا انصاری صاحب پاکستان کے ہیرو ہیں۔ایک ایسے شخص جنھوں نے اپنی جوانی وطن عزیز پر قربان کر دی۔مزید تفصیل ان سے گپ شپ کرتے ہوئے پتا چل جائے گی۔‘‘

’’جی سر۔‘‘میں نے بہ ظاہر سعادت مندی سے سر ہلایا مگر ان کی یاد دہانی عجیب لگی تھی۔کیوں کہ بریگیڈیر کے عہدے تک سروس کرنے والے کے بارے ایسی یقین دہانی کرانے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔بلاشبہ تیس سال سروس کرنے والے کو وطن کے لیے پسینہ و خون بہانے کے کئی مواقع ملے ہوں گے۔

چکلالہ کینٹ تک ہمیں گھنٹا ایک لگ گیا تھا۔داخلے پر اپنی شناخت کرا کر وسیم صاحب چھاؤنی کی کشادہ اور ہموار سڑکوں پر کار دوڑانے لگے۔دس پندرہ منٹ بعد کار ایک درمیانے حجم کے بنگلے کے سامنے روک کر ہم تعارف کراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔تھوڑی دیر بعد ہم انصاری صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔انصاری صاحب پر رعب شخصیت کے مالک تھے،نفاست سے ترشی ہوئی چھوٹی داڑھی جس میں نصف سے زیادہ بال سفید نظر آ رہے تھے۔گھنی سو نچھیں،کھلتی ہوئی سفید دودھیا رنگت۔گہری سیاہ آنکھیں جو مقابل کا ایکسرے کرتی نظر آتیں۔ان کے ہمراہ تیس بتیس سال کی جوان طرح دار خاتون بھی موجود تھی۔اس سے پہلے کہ انصاری صاحب کے ساتھ اس کے رشتے کا تعین کرنے کو ذہن کے گھوڑے دوڑاتا،انصاری انھیں مخاطب ہوئے۔

’’شہناز بیگم! ہمیں چائے پلا کر آپ آرام کر سکتی ہیں۔‘‘

’’جی ضرور۔‘‘وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے خادمہ کو آواز دینے لگیں۔

چائے آنے تک انصاری صاحب،کرنل وسیم سے رسمی گفتگو کرتے رہے۔ہمیں چائے پلا کر شہناز بیگم خواب گاہ کی طرف بڑھ گئیں۔انصاری صاحب،کرنل وسیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

’’تمھیں جانا چاہیے کیوں کہ ہم کافی دیر تک گپ شپ کرنے والے ہیں۔‘‘

’’شکریہ سر!‘‘اجازت ملتے ہی وسیم صاحب رخصت ہو گئے۔

’’تو آج کل کیا چل رہا ذیشان میاں۔‘‘کرنل صاحب کے جاتے ہی وہ بے تکلفی سے مخاطب ہوئے۔

میں ادب سے بولا۔’’چھٹی سے آج ہی لوٹا ہوں سر! پہلے پاک،افغان سرحد پر تعینات تھا۔‘‘

’’گھر میں خیریت ہے؟.....اگر مزید چھٹی چاہیے ہو تو بتاؤ،کیوں کہ میں نہیں چاہتا دوران مشن تمھیں گھر کے مسائل ستاتے رہیں۔‘‘

’’الحمدللہ سر بالکل خیریت ہے۔آپ بے فکر ہو کر کام بتا سکتے ہیں۔‘‘

وہ صاف گوئی سے بولے۔’’گو ایک پاکستانی سنائپر کو موت سے ڈرانا عجیب بلکہ احمقانہ لگتا ہے،لیکن تمھیں خطرے سے آگاہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔چوں کہ یہ میرا ذاتی کام ہے اور تمھاری ذمہ داری وطن کی خدمت و حفاظت ہے اس لیے تمھارے پاس انکار کا انتخاب موجود ہے۔‘‘

میں محتاط انداز میں بولا۔’’میرا نہیں خیال اتنے بڑے عہدے کا آفیسر کوئی غیر قانونی کام لینا چاہے گا۔باقی اہل پاکستان کی خدمت بھی دراصل وطن ہی کی خدمت ہے۔‘‘

ناکامی کی رپورٹ تحریر کر کے میں نے مخصوص ذریعے سے اس شخص تک پہنچا دی جس سے مجھے ہدایات ملا کرتی تھیں۔ رات آنکھوں ہی میں بیتی تھی۔ پاروتی کے ساتھ مختصر لمحات گزار کر اتنی بے چینی تھی تو اس کا مستقل ساتھ مجھے کام سے نکال دیتا۔

اگلے دن واپس انبالہ روانہ ہوا تاکہ بقیہ چھٹی گھر گزار سکوں۔ البتہ گھر واپس آ کر محسوس ہوا کہ میں صرف جسمانی دوری پیدا کرنے میں کامیاب ہوا تھا دل و دماغ سے اسے نہیں جھٹک پایا تھا۔

دوسرے دن مجھے اپنی رپورٹ کا جواب موصول ہوا تھا۔

''اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اصل ہدف کوئی اور ہے۔ وہ صرف درمیانی کڑی ہے۔ تم اسے شوق سے اپنا سکتے ہو۔''

میں کافی بے چینی و بے سکونی محسوس کر رہا تھا۔ اسے نقصان نہ پہنچنے کی خبر نے مجھے اسی دن آگرہ لانے پر مجبور کر دیا۔ انبالہ سے آگرہ تک تقریباً ساڑھے چار پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ میں نے راستے میں رکے بغیر طے کیا تھا۔ رات ہوٹل میں گزار کر میں اگلی صبح سویرے ہی یونیورسٹی پہنچ گیا تھا۔ اس کی روزمرہ معلوم تھی۔ ڈرائیور اسے چھوڑ کر واپس لوٹ جاتا تھا۔ وہ پیریڈ شروع ہونے سے ادھ پون گھنٹا پہلے آتی اور فالتو وقت یونیورسٹی کی لائبریری میں گزارتی تھی۔ خالی پیریڈ کے دوران وہ سہیلیوں سے گپ شپ کرتی، کیفے میں جا کر کھانے پینے کا شغل کرتی، چھٹی کے وقت دوبارہ تھوڑی دیر لائبریری میں گزارتی، یہاں تک کہ ڈرائیور لینے پہنچ جاتا۔

اس کی آمد سے پہلے میں یونیورسٹی لائبریری کے مخصوص گوشے میں موجود تھا جہاں وہ بیٹھا کرتی تھی۔ ایک کتاب کھول کر بہ ظاہر صفحات پر نظر دوڑا رہا تھا مگر میرا رواں رواں اس کی آمد کا منتظر تھا۔ اور پھر وہ پہنچ گئی۔ کتابوں کی الماری کا رخ کرنے سے پہلے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ وہ سن کھڑی مجھے گھورنے لگی۔ دو تین لمحے بعد جانے کے ارادے سے مڑی، تبھی میں نے آواز دی۔

''مس شکلا'' گومگو کی کیفیت میں وہ رک گئی تھی۔ بلاشبہ سخت خفا تھی۔ اور چھوٹی سی ملاقات کے بعد ناراضی کا اظہار بتا رہا تھا کہ میں اس کے لیے کتنا اہم تھا۔

کتاب بند کر کے میں قریب ہوا، غزالی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ''شما کر دو۔''

اس نے سرد مہری سے پوچھا۔ ''کیا ہم ایک دوسرے سے واقف ہیں۔''

''پتا نہیں۔'' میں نے دائیں بائیں سر ہلایا۔

''لڑکیوں کو چھیڑنے کا نتیجہ جانتے ہیں۔''

میں اداسی سے بولا۔ ''شاید۔''

وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔ ''یقیناً جس لڑکی کے لیے مکالمے یاد کر رکھے تھے، اس نے دھتکار دیا ہے جو دوبارہ میری ضرورت پڑ گئی ہے۔''

میں بے بسی سے بولا۔ ''مجھے اظہار کرنا نہیں آتا، نہ روٹھوں کو منانا جانتا ہوں اور نہ یہ پتا ہے کہ جو پیارا لگے اس سے کیسے جان چھڑائی جاتی ہے۔ کوشش کی تھی ناکام رہا، مجبوراً واپس آنا پڑا۔''

''میں سکھا دیتی ہوں اظہار کیسے کرتے ہیں۔'' یاقوتی لبوں پر مدھر تبسم ابھرا جو اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، میرے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے کندھوں پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''اب بولیں، پاروتی! مجھے بہت اچھی لگتی ہو، تم سے پریم کرنے لگا ہوں، کیا میری بے رونق زندگی میں بہار بن کر آ سکتی ہو۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں بے موت مارا جاؤں گا میری آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر رومانوی لہجے میں بول دیں۔ چلیں شاباش۔"

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میں دل کی گہرائی سے بولا۔" شادی کرو گی۔"

اس نے شرما کر آنکھیں جھکالی تھیں۔" انصاری صاحب نے خاموشی سادھ لی۔ میں بھی چپ چاپ ان کے بولنے کا منتظر رہا۔ تھوڑی دیر گہری سوچوں میں کھوئے رہنے کے بعد وہ دھیرے سے مسکرائے۔" جانتے ہو، پاروتی سے ملاقات میں نے اتنی تفصیل سے کیوں بیان کی۔"

میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ ورنہ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ تھا کہ محبت کی باتیں کرنے سے کبھی سیری نہیں ہوتی، خاص کر پہلی ملاقات یادداشت میں یوں محفوظ رہتی ہے جیسے لوح پر کندہ ہو۔ مجھے بھی تو اپنی پلوشے کی پہلی دیدا ازبر تھی۔ گو ہماری ملاقات دشمنوں کے انداز میں ہوئی تھی لیکن پھر بھی وہ سہانا لمحہ یادداشت میں ثبت ہو گیا تھا۔

انھوں نے قہقہہ لگایا۔" تمھیں شاید کبھی محبت نہیں ہوئی۔"

میں نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ انھوں نے ملازمہ کو چائے کا کہتا کر بات جاری رکھی۔

"یار! وہ مجھے بہت پیاری تھی۔ اس کی رضامندی پا کر میں نے بغیر تاخیر کے والدین کو انبالہ سے بلا لیا تھا۔ چھوٹی بہن اور بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ والدین کافی عرصے سے مجھے زور دے رہے تھے ایسے عالم میں جب میں نے اپنی خواہش ان تک پہنچائی تو وہ بھاگے چلے آئے۔

اگلے دن ہم پاروتی شکلا کے گھر پہنچ گئے۔ وہ اس دن یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ جب اس کے والد سے تعارف ہوا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ لمبے تڑنگے کرنل دھیرندر شکلا کی شخصیت میرے لیے انجانی سہی مگر اس کا ریتک باور کروانے کو کافی تھا کہ پاروتی شکلا کے ذریعے مجھے کس کڑی سے جوڑا جا رہا تھا۔

میرا خاندانی پس منظر، فوج کی نوکری اور پاروتی کی مرضی، ان عوامل کے ہوتے ہوئے مجھے ٹھکرانا آسان نہیں تھا۔ خرانٹ شکل کے دھیرندر شکلا نے رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے خشونت بھرے چہرے پر کرختگی، بے رحمی، کمینہ پن اور درشتی گویا ابل رہی تھی۔ پاروتی جیسی ملائم، دلکش اور پیاری لڑکی کا والد مجھے دل کی گہرائیوں سے ناپسند آیا تھا۔

دونوں طرف رضامندی کے بعد پاروتی کی تعلیم مکمل ہونے تک شادی موخر کی گئی۔ اس کا آخری سمیسٹر شروع تھا۔ تین ماہ بعد وہ میری زندگی میں باقاعدہ دلھن بن کر داخل ہوئی۔

وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی۔ اور میں بھی بغیر کسی لالچ، غرض اور مطلب کے اس پر فدا تھا۔ شادی کے ایک ماہ بعد ہی پاکستان کے ساتھ حالات خراب ہوئے اور مجھے کشمیر کے محاذ پر جانا پڑا۔ بہت مشکل اور کڑا وقت تھا مختصر کہ اللہ کے فضل و کرم سے اپنے کسی بھائی کی گولی کا نشانہ نہ بنا اور چھے سات ماہ بعد چھٹی آ گیا۔ گھر آ کر پتنی کو دیکھا تو خوف و گھبراہٹ سے چکرا گئے تھے۔ وہ چھے سات ماہ کی حاملہ تھی۔ میں کسی صورت بچہ نہیں چاہتا تھا، لیکن اب پاروتی کو حمل گرانے پر راضی کرنا ناممکن تھا۔ یوں بھی جس جی کو اللہ پاک دنیا میں بھیجنا چاہے اس کی راہ میں کوئی دنیاوی طاقت رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔ مجبوراً چپ سادھنا پڑی۔ اللہ پاک نے مجھے ایک خوب صورت بچی کا باپ بنا دیا۔ جیسے پرما کی دنیا میں آمد میری منشا کے خلاف ہوئی تھی یونھی میرے دل پر اس کے قابض ہونے میں بھی میرے ارادے یا خواہش کا عمل دخل نہیں تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی روز بہ روز میرے دل میں اس کی محبت بڑھتی گئی۔ البتہ ایک دھیان میں نے ضرور رکھا کہ پاروتی دوبارہ ماں نہ بن سکے۔ اگر بے احتیاطی سے حمل ہو بھی گیا تو میں نے پاروتی کی بے خبری میں اسے ایسی دوائیاں کھلا دیں جس سے حمل ضائع ہونا پڑا۔ تین چار حمل ضائع ہونے کے بعد اس نے میری مسلسل نصیحتوں کو قابل عمل جانتے ہوئے

''ان لوگوں کو یہاں نہیں کر سکتا کہ شکی کر سب ـــ پہلے اس نے پھر اگر یہاں [illegible] بار بار ظلم و ستم اور ظلم اور بھاگ لے گیا... مجھے امید کریں ملک کر دی [illegible] جانتا تھا کہ جدائی کی گھڑی سر پر آ گئی ہے۔ پارو کی کے لیے زندگی گزارنے کا تصور ایسا ہی تھا جیسے گردن [illegible] رہنا۔ اگر وہاں رہنے کی کوئی صورت بچ جاتا تو اس کا احتمال ہوتا تو میں نہ بھاگتا مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ مجھے [illegible] فوجوں پہ یا اور پاروتی کو واپس لینا پڑا۔ یہ تو کہ پریشان نہیں تھی۔ چونکہ میں جانتا تھا کہ [illegible] اس لیے پارو کی مجھے قاری اکی بہن بچا کر ساتھ لے گئی۔ وہاں پہلی مجھے چھوڑ کے اسپتال تک آئی۔ میں نے [illegible] لے جانے کی بڑی کوشش کی پر وہ نہ مانی کہ اس کے وطن کی محبت نہ ہی کہ بعد تک بچی تھی۔ اس کی بھارت [illegible] محبت اور اپنے دھرم سے لگاؤ کوئی اصل بچپن یاد نہیں تھی۔ اسی وجہ سے تو میں اسے اسلام کی دعوت نہیں دے سکا تھا۔

بہرحال وہ مجھے اسپتال چھوڑ کر آنسو بہاتے ہوئے واپس لوٹ گئی۔ میں کس طرح بھارت سے نکلا [illegible] پاکستان پہنچنے میں پورا مہینا لگا تھا۔ یہاں آتے ہی سب سے پہلے میں نے پاروتی اور پریا کی خبر لی [illegible] کی زبانی پرو ح فرسا خبر ملی کہ پارو کی بیمار آگرہ نہیں بچا پائی تھی۔ راستے ہی میں حادثے کا شکار ہو کر [illegible] تھی۔ یقیناً میری جدائی کا دکھ اس سے برداشت نہیں ہو پایا تھا۔ اور میں بے وفا آج بھی زندہ [illegible] ہوں۔'' انصاری صاحب کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی، ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے انھوں نے آنکھوں پر رومال رکھا [illegible]
ان کی بات جاری رہی۔

''یہاں میری ریگولر ریلیف تک ترقی ہو چکی تھی اور سروس کے اختتام کے دو تین ماہ ہی باقی تھے۔ ناگفتہ بہ حالات کی بدولت میں سروس جاری رکھنے سے قاصر تھا۔ میجر جنرل کے عہدے کی پیشکش ہوئی لیکن مجھے انکار کرنا پڑا۔ پاکستان آتے ہی میرے لیے اہمیت کا حامل کوئی کام تھا تو وہ اپنی پری کی بازیابی کی [illegible] تھی۔ اور میں اسی کوشش میں لگ گیا۔ بھارت میں کافی خیرخواہ موجود تھے۔ ریاست کے مخالف، علیحدگی پسند تنظیمیں، جاسوس، ساتھی [illegible] ٹولے، بالکل جیسے پاکستان میں یہ عناصر کثیر تعداد میں بھرے پڑے ہیں یہی صورت حال اپنے پڑوسی بھارت میں بھی ہے۔

جنرل دھیریندر شکلا اپنی پوتی کو ساتھ لے گیا تھا۔ کیوں کہ میرے فرار سے دو تین سال پہلے ہی میرے تعلق داروں کی وفات ہو چکی تھی اور پریا اس کی ذمہ داری میں آ گئی تھی، اگر میرے والدین زندہ ہوتے تب بھی وہ پریا کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوتا کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے میں پری کو کس قدر چاہتا ہوں۔ خاص کر اپنی بیٹی کو میں کافروں کے پاس پرورش پانے نہیں چھوڑ سکتا۔ میری غیرت کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ میری بیٹی کسی ہندو کے بچے پیدا کرے۔ اب یہ میری بے صبری سمجھو یا حماقت کہ میں نے پہلی فرصت میں پریا کو حاصل کرنا چاہا۔ اور تیزی میں درستی بھول گیا۔ جس کی وجہ سے پہلی کوشش ناکام ہوئی اور جنرل دھیریندر شکلا نہ صرف ہوشیار ہو گیا بلکہ اس نے پریا کی حفاظت کا بھی خاطر خواہ بندوبست کر دیا۔ پہلی کوشش کی ناکامی سے بھی میں نے کوئی خاص سبق نہ سیکھا اور جلد بازی میں دوسری کوشش بھی کر ڈالی۔ اب نامعلوم میرے مقرر کیے ہوئے آدمی نالائق تھے یا وہ پریا کے حصول کی سنجیدہ کوشش نہیں کر رہے تھے کہ دوسری کوشش بھی ناکام چلی گئی۔ بلکہ اس دفعہ میرے دو آدمی بھی کام آ گئے تھے۔ تنگ آ کر میں نے سسر کو کال کی، اس کی منت زاری کی کہ وہ پری کو میرے پاس بھیج دے۔ لیکن اس نے کھری کھری سنا کر رابطہ منقطع کر دیا۔ پری کا فون نمبر اس نے شروع ہی دن سے تبدیل کر دیا تھا تا کہ میں اسے کال نہ کر سکوں۔ چند ماہ ہوئے وہ ریٹائرڈ ہو گیا ہے اس کے پاس ظلم، بددیانتی اور ناجائز

طریقے سے کمائی ہوئی بے بہا دولت ہے۔ دہشت گرد تنظیموں کو اسلحہ فراہم کرنے کی اجازت تو بھارتی سرکار کی طرف سے
مل چکی ہے اس اجازت نامے کو اس ظالم نے پیسے کے حصول کا مستقل ذریعہ بنا لیا تھا۔ افغانستان میں بھی اس کی آمد و رفت
رہی ہے۔ مختلف جتھوں کو اسلحہ کی فراہمی کے ساتھ وہ پوست کی کاشت میں بھی ملوث رہا ہے۔ افغانستان کی جانب سے جو
دھوکا بازی کر رہا ہے اس کے پیچھے بھی یہی شخص ہے۔ اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے انڈیا کے مختلف
شہروں میں اس نے اپنی کوٹھیاں بنا رکھی ہیں۔"
وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ "سمجھ گئے نا؟"
اب میری سمجھ میں آیا تھا کہ وسیم صاحب اسے ہیرو کیوں کہہ رہے تھے۔ واقعی وہ پاکستان کے اصل ہیرو
تھے۔ انھوں نے پاکستان کی خاطر اپنی خواہشات، جوانی، محبت اور اولاد تک قربان کی تھی۔ میں عقیدت سے بولا۔ "سر
پھر سوائے اس کے سنائپر کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے۔"
"کیوں کہ پرما کی واپسی میں سب سے بڑی رکاوٹ دھیرندر شکلا کی ذات ہے۔ گو میں مانتا ہوں کہ دونوں ممالک
کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کے خلاف شہر میں جا کر کوئی کارروائی کرنا اصلاً غلط اور ناروا ہے۔ ہر سرحد کا سپاہی
ملک کی حفاظت کی خاطر جان دیتا بھی ہے اور لیتا بھی ہے۔ انڈیا نے ہمارے سیکڑوں بیٹے شہید کیے، ہم نے بھی ان کے کئی
سورماؤں کو ہلاک کیا۔ دونوں جانب سے حساب برابر رہا۔ آگے بھی ہم لڑیں گے۔ مریں گے بھی اور ماریں گے بھی، لیکن
سرحد کی لڑائی کو سرحد تک محدود رہنا چاہیے۔ البتہ ظلم، سفاکی اور دہشت گردی کا بدلہ لینا ہر حال میں جائز ہے۔ اس سنگ دل
نے جانے کشمیر کی کتنے بچوں کو یتیم کیا، کتنی بیٹیوں کو بیوہ کیا، کتنے بوڑھوں کے سامنے ان کے بیٹوں کو ذبح کرایا، کتنی شریف
زادیوں کی عزت خراب کی۔ کتنے بچوں کا گلا کاٹا اس کا شمار ہی نہیں ہے۔ وزیرستان میں سیکڑوں دھماکے کروائے، دہشت
گردوں کو پناہ گاہ اور اسلحہ و بارود مہیا کیا۔ میری نظر میں اسے قتل کرنے کو صرف یہ وجہ ہی کافی تھی کہ اس نے ایک باپ سے
بیٹی چھینی ہوئی ہے۔ مگر اسے قتل کرنے کو تو اور بھی سیکڑوں وجوہات موجود ہیں۔ بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو وہ انڈیا کے
قانون کا بھی مجرم ہے، کیوں کہ اس کے کافی کام انڈیا سرکار کی اجازت کے بغیر تکمیل پاتے ہیں، لیکن وہاں بھی قانون کی
بالادستی کی صورت حال وطن عزیز سے مختلف نہیں کہ قانون بڑوں کے گھر کی لونڈی بن جاتا ہے۔"
میں ندامت سے بولا۔ "معذرت خواہ ہوں سر! میرا سوال ہنوز جواب طلب ہے۔"
"دھیرندر شکلا کو نہ صرف بھارتی سرکار کی جانب سے محافظ میسر ہیں بلکہ اس کے پاس زر خرید لڑاکوں کی بھی کثرت
ہے۔ اس کی ہوس و لالچ پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ دہشت گردوں کو اسلحہ سپلائی کرنے کا ٹھیکا اب تک اسی کے پاس
ہے۔ یوں بھی بھارتی سپاہ کے لیے اسلحہ ساز کمپنیوں سے ہتھیاروں کی خریداری کے معاہدوں میں بھی وہ پیش پیش ہے۔ حاضر
سروس جرنیلوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لینا اس کے لیے بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ ایسے افراد مل کر ایک مافیا بنا لیتے ہیں جو
محب وطن افسران کو آگے آنے سے روک کر اپنے ہم خیال و اپنے جیسے افراد کو سامنے لاتے ہیں۔ اسلحے کے معیار پر بے
شک سمجھوتہ نہ کیا جائے لیکن دس کی چیز پچاس میں خریدنے سے بھی کروڑوں، اربوں کا منافع ہاتھ لگتا ہے۔ جس میں سے
نصف تک متعلقہ عہدہ داران کو ہڈی ڈال کر بقیہ سے اپنے اکاؤنٹ بھر لیے جاتے ہیں۔ اور جس کے پاس دولت کی فراوانی
ہو اس کے دشمن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور جس کے دشمن زیادہ ہوں وہ اپنی حفاظت کے بندوبست میں بھی کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کرتا۔ ایسے آدمی کے خاتمے کو تم جیسا نشانہ باز ہی کام آ سکتا ہے۔"
میں ہنسا۔ "ایسے آدمی کا خاتمہ تو پاک آرمی کا نقصان کرنا ہوا۔"
"شاید۔" اس نے تردید نہ کی۔ "لیکن میں بھارت سرکار کے فائدے کے بجائے اپنا الو سیدھا کر رہا ہوں۔ یوں

بھی اس کی جگہ لینے کو کئی طلب گار موجود ہیں، بدی کے درخت کی جڑیں انسان کی رسائی سے دور ہیں۔ ہم صرف شاخ تراشی ہی کر سکتے ہیں، بدی کو فنا کرنا قادرِ مطلق کے بس میں ہے اور اس نے مہلت دی ہوئی ہے۔ کس میں طاقت [illegible] چھین سکے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جانا کب ہے؟"

وہ مسکرائے۔ "پہلے رضامندی تو ظاہر کرو۔"

میں عقیدت سے بولا۔ "اپنے ہیرو کے کام آنا میرے لیے باعث سعادت ہوگا۔"

"شکریہ بیٹا۔" شفقت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے انھوں نے مجھے لپٹا لیا تھا۔ "تمھارے ساتھ ایک اور [illegible] جا رہا ہے۔ چند دنوں میں تمھارے شناختی کاغذات تیار ہو جائیں گے۔ ہفتے کو تمھاری خصوصی تربیت شروع ہوگی جو [illegible] تین دن جاری رہے گی تب تمھیں مزید تفصیلات سے آگاہ کروں گا۔"

"پھر اجازت دیں سر!" میں نے گھڑی کو دیکھا سوئیاں تین کے ہندسے کو چھو رہی تھیں۔

انھوں نے میری دل لگتی بات کہی۔ "بہتر ہوگا دو تین دن گھر گزار لو، ہفتے کی شام تمھاری یونٹ میں بیٹھک ہوگی، وہ [illegible] تک پہنچ جانا۔"

میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ "وسیم صاحب سے اجازت لینا پڑے گی۔"

میری ہچکچاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ "ڈرائیونگ جانتے ہو؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چابی بڑھاتے ہوئے وہ اطمینان سے بولے۔ "گیراج میں سوزکی کار کھڑی ہے، لے جاؤ۔ وسیم کو میں بتا دوں گا۔ اب تم میرے حوالے ہو چکے ہو۔"

"شکریہ سر۔" مسرت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے ان سے الوداعی مصافحہ کیا اور باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد چکلالہ کینٹ کی حدود سے نکل کر راولپنڈی کی کشادہ سڑکوں پر رواں دواں تھا۔ مجھے انصاری صاحب کی پری اور پارلی بھول چکی تھیں، کچھ یاد تھا تو اپنی پلوشے اور اس کی ناراضی۔

صبح کی نماز تک میں گھر پہنچ گیا تھا۔ میری آمد پر روما کھل اٹھی تھی، مگر پلوشے کا موڈ پہلے ہی کی طرح تھا۔ اسے اکیلے میں گھیر کر میں نے انڈیا مشن کے بارے آگاہ کیا، یہ بھی کہا کہ زندگی موت کا کچھ پتا نہیں واپس آسکوں گا یا نہیں اس لیے ہو سکے تو مجھے معاف کر دے۔ مگر میرے سچ کو سفید جھوٹ خیال کرتے ہوئے اس نے اتنی اہمیت بھی نہیں دی تھی کہ میری جانب دیکھ ہی لیتی۔ منت سماجت سے اس کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔ جب تھک کر باہر جانے لگا تب اس کی جذبات سے عاری آواز ابھری۔

"بہتر ہوتا اگر طلاق کے بارے کوئی فیصلہ کر کے آتے، کیوں کہ میں نہیں چاہتی میرے عدالت سے رجوع کرنے تمھارا مذاق بن جائے۔"

میں بپھر کر مڑا۔ "دماغ جگہ پر ہے۔ اور تم کسے کہا؟"

بے پروائی سے بولی۔ "تمھیں۔"

میں آزردہ ہوا۔ "پلوشے! سچ میں انڈیا جا رہا ہوں، ہو سکتا چھے ماہ میں لوٹوں، ہو سکتا ہے سال لگ جائے، یہ بھی ممکن لوٹ ہی نہ پاؤں۔"

وہ بے گانے پن سے بولی۔ "اسے بتاؤ، جسے تمھاری پروا ہو۔"

اللہ ڈینو کا تعلق سندھ سے تھا۔ گہرا سانولا رنگ، میانہ قامت، چھریرا بدن، عام شکل وصورت کہ دیکھنے والوں کو کشش محسوس نہ ہو۔ بظاہر یوں لگتا جیسے سیدھا سادھا پہاڑی لگانے والا مزدور، مزارع یا پریشان حال بےروزگار ہو۔ لہجہ بھی گنواروں کا سا اور پھر سندھیوں کی بول چال سے تو فوراً ان کی پہچان ہو جاتی ہے، مگر بہ باطن: بے ضرر دکھائی دینے والا جوان چست و چالاک، چاق و چوبند اور ہر دم چوکنا و تیار ایسا کمانڈو تھا جس کی نظریں عقاب کی طرح تیز تھیں۔ دست بدست لڑائی میں طاق، اسلحے کا شناور، بارودی پھندوں اور آئی ای ڈیز لگانے میں ماہر، بھیس بدلنے میں مشاق، تجربے کار و منجھا ہوا کمانڈو تھا۔ اس میں مشکلیں جھیلنے اور مصائب کا سامنا کرنے کی قوت برداشت عام آدمی سے کئی گنا زیادہ تھی۔ سنیچر کی شام ہماری طویل بیٹھک ہوئی۔ اللہ ڈینو دیر سے پہنچا تھا اور تب تک انصاری صاحب اس کے بارے تفصیل سے بتا چکے تھے۔

اس کی آمد پر رسمی تعارف کے بعد کام کی بات شروع ہوئی۔ بہت سی خبریں زیر بحث لائی گئیں، لائحہ عمل طے ہوئے، ڈھیر ساری تجاویز پر غور ہوا، ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے منصوبے بنائے گئے، ہمدردوں اور کام آنے والوں کی شناخت اور پتے ذہن نشین کیے گئے، ایسے افراد جن سے عارضی طور پر کام لیا جاسکتا تھا ان کے بارے ہدایات ملیں۔ اس کے علاوہ بھی انصاری صاحب نے اپنے تجربات کا نچوڑ اور انڈیا میں کام کرنے کے طریقوں سے واقفیت دلائی۔ ساری رات ہمارا سبق شروع رہا۔ صبح نماز پڑھ کر سونے کا موقع ملا تھا۔ اور یہ بے ضابطہ تربیت اگلے دو روز تسلسل سے جاری رہی۔ انصاری صاحب محبت، شفقت اور جاں فشانی سے ہمیں سکھاتے رہے۔ انھوں نے ضروری مشورے اور نصیحتیں بیسیوں بار دہرائیں۔ ہم اپنے ساتھ لکھا ہوا مواد نہیں لے جاسکتے تھے اس لیے متعلقہ لوگوں کے نام پتے اور فون نمبر یادداشت میں محفوظ کرنا تھے۔ اس ضمن میں مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ انصاری صاحب کے ایک بار بتانے ہی پر مجھے ضروری معلومات ذہن نشین کر لی تھیں۔ اللہ ڈینو بھی تربیت یافتہ کمانڈو تھا تین دن کی مسلسل دہرائی کے بعد اسے بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ اس دوران ہمارے شناختی کاغذات بن گئے تھے۔

اور پھر ایک دن ہم جانے کو تیار تھے۔ بدھ کو عمان کی پرواز تھی۔ ہم اپنے اصل پاسپورٹ پر عمان پہنچے تھے۔ وہاں دن گزار کر ہم نے انڈیا کا رخ کرنا تھا۔ اس دوران ہمارے جعلی پاسپورٹوں پر دو مختلف تواریخ درج کی گئیں۔ میرے پاسپورٹ پر ایک سال پہلے انڈیا سے عمان آمد کا اندراج ہوا، جبکہ اللہ ڈینو کے پاسپورٹ میں ڈیڑھ سال پہلے کی تاریخ درج کی گئی۔ ہفتے کو ہم ممبئی روانہ ہوئے۔ پاکستانی پاسپورٹ اور شناختی کارڈز وغیرہ ہم نے عمان ہی میں اپنے خاص آدمی کے پاس چھوڑ دیے تھے۔ اب ہم راجا ذیشان حیدر اور اللہ ڈینو کے بجائے سندیپ چوپڑا اور گوپال چند تھے۔ دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہماری سیٹیں بھی علیحدہ علیحدہ تھیں۔ جہاز نے مسقط ہوائی اڈے سے پرواز بھری۔ اور کچھ دیر بعد ممبئی۔ ممبئی کی حیثیت انڈیا کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پاکستان کے لیے کراچی ہے۔ کراچی کی طرح ممبئی بھی ساحلی شہر

اور آبادی ور قبے کے لحاظ سے کراچی سے بڑا ہے۔ اگر اس کے نقشے کو غور سے دیکھیں تو یہ تین اطراف، سمندر میں گھرا ہے اور جو جگہ بچ جاتی ہے وہاں دریا نے گھیرا ہوا ہے یوں ممبئی ایک جزیرے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

دھیرندر شکلا کا پرانا ٹھکانہ آگرہ میں تھا۔لیکن بھارت کے چند بڑے شہروں میں اس کی رہائش گاہیں موجود تھیں۔ مسلسل کام کی وجہ سے وہ شاذونادر ہی کسی جگہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ گزار پاتا تھا۔اس کا کاروبار نہایت منضبط بنیادوں پر جاری تھا۔اس کی انتظامیہ میں قابل بھروسا اور اعلیٰ صلاحیتوں والے شامل تھے۔اس کے محافظوں میں بڑی تعداد انڈین آرمی کے ریٹائرڈ کمانڈوز کی تھی۔بعض تو نوکری کے اختتام سے پہلے ہی مستعفی ہو کر اس سے آن ملے تھے۔کہ اس نے انڈین آرمی سے زیادہ مراعات اور تنخواہ کی پیش کش کی تھی۔سچ کہیں تو وہ ایک مافیا کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ پرما انصاری کو اس نے کس شہر میں رکھا ہوا تھا اس بارے انصاری صاحب لاعلم تھے۔شروع میں انھوں نے اپنی بیٹی کو آگرہ سے اغوا کرانے کی ناکام کوششیں کیں۔جس کی وجہ سے دھیرندر شکلا نے نہ صرف پرما کی حفاظت بڑھا دی تھی بلکہ اسے آگرہ سے کسی نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا تھا۔اس کی تعلیم جاری تھی، انصاری صاحب کے بہ قول وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی، یقیناً کسی اچھے میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہوگی۔ بدقسمتی سے انصاری صاحب کے پاس اس کی تصویر بھی موجود نہیں تھی کیوں کہ وہ افراتفری میں انڈیا سے فرار ہوئے تھے۔حلیہ پوچھنے پر معلوم ہوا، محترمہ کے بال سنہری تھے۔مگر وہ وقتاً فوقتاً ڈرائی کراتی رہتی تھی، اس لیے کبھی کالے ہو جاتے کبھی بھورے، کبھی نیلے تو کبھی سفید۔اسکول دور میں کندھوں سے کافی نیچے تک پھیلے تھے اور اب جدید انداز میں ترشوانے پر صرف کندھوں کو چھوتے تھے۔(صاف مطلب کہ بالوں کے ذریعے پہچان ناممکن تھی) آنکھیں شوخ، شرارتی جن میں ذہانت کی چمک تھی۔زبان خاموش بھی ہوتی تو آنکھیں بولتی محسوس ہوتی تھیں۔(ہر نوجوان شرارتی لڑکی کی آنکھیں ایسی ہی لگتی ہیں) کشادہ پیشانی، روشن و معصوم چہرہ (ہر محبت کرنے والے باپ کو بیٹی کا چہرہ ایسا ہی لگتا ہے)اس کے علاوہ بھی انھوں نے کئی خوبیاں اور نشانیاں بتلائیں مگر تمام اتنی عام تھیں کہ ہر پانچویں لڑکی پر پرما کا حلیہ ہو سکتا تھا۔میں نے جتانا مناسب نہ سمجھا۔اب محترمہ کی پہچان بھی ہمارے لیے مسئلہ ہی تھا۔یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آیا انصاری صاحب کے حوالے سے وہ ہمارے ساتھ آنے پر تیار ہو جاتی یا سچ مچ اسے اغواء کرنا پڑتا۔انصاری صاحب کے بہ قول وہ ان پر جان دیتی تھی۔لیکن انصاری صاحب کے جانے کے بعد دھیرندر شکلا نے کچے ذہن کی لڑکی کے دماغ میں کیا کچھ بھرا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔اسے ٹھکانے لگانا بھی علیحدہ دردسر تھا۔اگر اسے قتل کیے بغیر مسئلہ حل ہو جاتا تو زیادہ بہتر رہتا کہ ہمارے پاس انڈیا کے اندرونی معاملات کو سدھارنے کا ٹھیکا نہیں تھا۔ہمارا مقصد تو فقط پرما کا حصول تھا۔وہ انصاری صاحب کی اولاد تھی اور اس پر مکمل طور پر باپ کا حق تھا۔لیکن انصاری صاحب دھیرندر شکلا کے قتل پر بہ ضد تھے۔وہ مجسم بدی تھا اور اس کے بہت سارے گناہوں کے گواہ خود انصاری صاحب تھے۔اس کے علاوہ انھیں یہ بھی خوف تھا کہ وہ پرما کو پاکستان سے بھی اغواء کرانے کی کوشش ضرور کرتا۔انصاری صاحب بیٹی کو کب تک چھپا سکتے تھے۔دھیرندر شکلا کے ہاتھ کافی لمبے تھے۔وہ شرارت سے کبھی باز نہ آتا اور اس کا مستقل حل یہی تھا کہ دھیرندر شکلا باقی نہ رہتا۔

ہم ممبئی کے چھترپتی شیواجی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اترے۔ پاکستان ہو یا انڈیا ہر دو ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کے ارکان بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر کثیر تعداد میں جمع رہتے ہیں۔ان کا کام ملک دشمن عناصر کو تاڑنا، ان کا پیچھا کرنا اور ان پر شکنجہ کسنا ہوتا ہے۔کوئی بھی جاسوس صرف کاغذات کے بل بوتے پر نہیں پکڑا جاتا اور نہ بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر آنے والے مسافروں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ ایجنسیاں ہر ایک کے کاغذات جانچ سکیں۔ ائرپورٹ کا عملہ کاغذات کی جانچ پڑتال باریک بینی سے کرتا ہے لیکن جعل ساز بھی کچی گولیاں نہیں کھیلتے کہ ان کے بنائے کاغذات آسان سے پکڑے

جاسکیں۔

ایجنسیوں کے پاس جاسوسوں کو پہچاننے کے مختلف گر اور طریقے ہوتے ہیں۔اس میں قیافہ شناسی، جاسوس کا اکیلا ہونا، یعنی بیوی بچوں کے بغیر سفر کرنا، ان کے پاس مختصر سامان کا ہونا، انھیں ہوائی اڈے پر وصول کرنے کو خاندان کے کسی فرد کا نہ آنا، آدمی کا خواہ مخواہ دائیں بائیں چوکنا انداز میں گھورنا۔ خوف زدہ یا گھبرایا ہوا نظر آنا، مستقل ٹھکانہ نہ ہونے کے باعث اکثریت کا ہوٹلوں و مہمان خانوں میں رہنا اور بھی بہت سی وجوہ سے جاسوسوں کی پہچان ہوتی ہے۔ روزانہ سیکڑوں ہزاروں افراد کی بیرون ملک سے آمد ہوتی ہے۔ ایجنسیوں نے ہر ملک سے آنے والے افراد کو مختلف درجوں میں بانٹا ہوتا ہے۔ جن میں کچھ ممالک سے آنے والے افراد کو زیادہ باریک بینی اور احتیاط سے جانچا جاتا ہے۔ ایجنسیوں والے مشکوک افراد کا تعاقب اور دور دور سے نگرانی کر کے اپنا شبہ رفع کرتے ہیں۔

کاغذات کے مطابق ہم سال ڈیڑھ کے بعد عمان سے لوٹ رہے تھے۔ اور کسی ایسے فرد کا مختصر سامان کے ساتھ سفر کرنا عجیب لگتا ہے۔ تبھی میرے پاس دو تین بڑے بڑے سوٹ کیس تھے جن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کے کپڑوں کے علاوہ مختلف قسم کے کھلونے وغیرہ بھرے تھے۔ کاغذات کی جانچ پڑتال کرا کے مجھے سامان کے انتظار میں بیٹھنا گوارا نہیں تھا۔ وطن عزیز کی طرح وہاں بھی کام نکلوانے کو تصویری کاغذ استعمال ہوتے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا رام، کرشن اور بھگوان سے زیادہ کی جاتی ہے۔ پرانے مسافر ایسے چٹکلوں سے واقف ہوتے ہیں کہ کیسے تھوڑی سی نقدی خرچ کر کے انتظار سے بچا جائے۔ گو بین الاقوامی مسافرت کا مجھے زیادہ تجربہ نہیں تھا، لیکن انصاری صاحب کے پرمغز اسباق یادداشت میں زندہ تھے۔ چند سو کی قربانی دے کر میں اپنے سامان کے ساتھ ائرپورٹ سے باہر آگیا۔ پارکنگ میں ٹیکسی ڈرائیور سے بھاڑا (کرایہ) طے کرتے ہوئے کافی مغز ماری کی کہ یہ بھی انڈین عوام کی فطرت کی عکاس ہے۔ خود کو مشکوک ہونے سے بچانے کو یہ ڈراما بھی ضروری تھا۔ ٹیکسی کے پارکنگ سے نکلنے سے پہلے اللہ ڈینو کندھے سے بیگ لٹکائے، ایک بڑا بیگ کھینچتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ ٹیکسی ڈرائیور یقیناً نہ رکتا، مگر میرے کہنے پر بریک دبا دی۔

''بھائی، جوچندرا گاؤں جانا ہے۔''

میں نے سمندر کنارے موجود وسائی ٹاؤن کا بتایا تھا، جوچندرا اس سے پہلے آتا تھا تبھی میں سرعت سے بولا۔

''اسے بھی ساتھ لے چلتے ہیں راستے میں اتار دیں گے۔''

''پانچ سو زیادہ لگیں گے۔'' ٹیکسی ڈرائیور سودے بازی پر اتر آیا تھا۔ ذرا سے مول تول پر ساڑھے تین سو زائد دینے پر معاملہ ختم ہوا۔ وسائی ٹاؤن ائیرپورٹ سے پچاس ساٹھ کلومیٹر دور تھا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی وسائی ٹاؤن کی طرف رواں تھی۔ اللہ ڈینو عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ رستے میں ہم دونوں انجان مسافروں کی طرح شناسائی بڑھانے لگے۔ معاشی مسائل، بہنوں کا جہیز، پردیس کی نوکری میں مشکلات، بڑھتی ہوئی مہنگائی، بچوں کے تعلیمی اخراجات وغیرہ مماثل مسئلے تھے، جن پر ہم محو گفتگو رہے۔ ڈرائیور بے چارہ بھی انھی حالات کا ڈسا تھا زور و شور سے شامل گفتگو ہو گیا۔

گھنٹا ڈیڑھ بعد ہم وسائی پل سے گزر کر دریائے الہاس عبور کر چکے تھے۔ آگے رش کم تھا ٹیکسی کی رفتار میں اضافہ ہوا، جوچندرا جانے کو ہمیں ہائی وے چھوڑ کر لنک روڈ پر مڑنا پڑا، جو جوچندرا گاؤں سے ہو کر وسائی پل جاتا تھا۔ وہاں جانے پہلی بار رہے تھے لیکن انصاری صاحب نے ہمیں نقشوں پر اتنی وضاحت اور تفصیل سے سڑکوں وغیرہ کے بارے آگاہی دی تھی کہ لگتا تھا کئی بار سفر کر چکے ہوں۔

لنک روڈ پر موڑ کر ہم ذرا سا آگے بڑھے تھے کہ دو جیپیں ہمیں ''اوورٹیک'' کر کے آگے بڑھیں اور پچاس ساٹھ قدم

جیپ سواروں کا حلیہ اور انداز ایسا نہیں تھا کہ ڈرائیور کا پسینہ نہ نکلتا۔ اس نے فوراً ٹیکسی روکی اور دو، جا کر رستہ روک دیا۔ جیپ سواروں کا حلیہ اور انداز ایسا نہیں تھا... ہمارے پیچھے دو تین کاریں آ رہی تھیں، انھوں نے دور ہی سے کاریں واپس موڑیں اور دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لرزتا ہوا باہر نکلا۔ ہمارے پیچھے... ہاتھ بلند کیے لرزتا ہوا باہر نکلا۔ ممبئی کو مجرموں کی جنت کہتے ہیں، وہاں سرکار راج کے بجائے غنڈہ راج چلتا ہے۔ پولیس خود اتنی دبائے بھاگ پڑے۔ ممبئی کو مجرموں کی جنت کہتے ہیں۔ جواء خانوں اور شراب خانوں کی تو خیر حکومتی سطح پر اجازت ہے لیکن ممنوع نشے کا جرم ہونے کے باوجود کوئی روک نہیں پاتا۔ ممبئی کی غنڈہ گردی دیکھ کر کراچی امن و امان کا گہوارا نظر آنے لگتا ہے۔ پورا شہر غنڈوں کے ہاتھ گروی ہے۔ انھیں وزیروں اور اہم شخصیات کی پشت پناہی حاصل ہے، بلکہ اکثریت کو سامنے لانے والے سیاسی ٹولے ہی ہیں۔

ہمارا ابھی ٹیکسی میں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ دونوں جیپوں میں تین تین افراد سوار تھے۔ ان کا سرغنہ سانولے رنگ کا دراز قامت جوان تھا۔ لمبے گھنے بال جو اس کے شانوں پر پھیلے تھے۔ کالے پاجامے پر اس نے نصف بازوؤں کی بنیان پہنی تھی۔ بازو کی تڑپتی مچھلیاں اور فراخ چھاتی کو دیکھ کر اچھے اچھوں کا پتا پانی ہو سکتا تھا۔ ہمارے چہروں پر بھی خوف ابھر آیا تھا۔

اس نے پر رعب آواز میں پوچھا ''سکندر کون ہے؟''

میں ہکلایا۔ ''مم... مہاراج میرا نام سندیپ ہے، آپ شناختی کارڈ دیکھ سکتے ہیں۔''

اللہ ڈینو نے بھی خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''میں گوپال ہوں۔''

وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑا، ایک نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''دادا! ٹیکسی کا نمبر یہی بتایا گیا ہے، لگتا ہے جھوٹ بک رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائیور کو مخاطب ہوا۔

''انھیں چھترپتی انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے اٹھایا ہے نا۔''

''جی مہاراج۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

دادا اطمینان سے بولا۔ ''دونوں کو لے چلو، وہ خود اپنا مجرم پہچان لیں گے۔''

''چلو اوئے۔'' ایک نے تڑی دی۔

اللہ ڈینو ہکلایا۔ ''مم... مہاراج شما کر دو...''

اس نے پستول لہراتے ہوئے دھمکایا ''چلتے ہو یا ادھر ہی ٹھوک دوں۔''

ہم لرزتے کانپتے جیپوں میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی سے ہم نے ایک ایک چھوٹے بیگ کے علاوہ کچھ نہیں لیا تھا۔

ایک غنڈہ ٹیکسی ڈرائیور کو بولا۔ ''اگر یہ کل تک نہ لوٹیں تو کبھی نہیں لوٹیں گے۔ ان کا سامان استعمال کر لینا۔''

ٹیکسی ڈرائیور ہونقوں کی طرح کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔ ہم پریشانی و خوف ظاہر کرتے غنڈوں کے درمیان پھنسے بیٹھے تھے۔

جیپیں واپس مڑیں اور تیز رفتاری سے چل پڑیں۔ گھنٹے بھر بعد ہم ان کے اڈے پر تھے۔ انھوں نے ایک ہوٹل کے عقبی جانب اڈہ بنایا ہوا تھا۔ وہ ایک وسیع عمارت تھی اس کی چار دیواری ہوٹل سے متصل تھی یوں کہ اسے ایک ہی عمارت سمجھا جا سکتا تھا۔ سامنے قانونی کاروبار اور عقب میں غیر قانونی سرگرمیوں کا مرکز۔

اڈے پر پہنچتے ہی دادا نرم لہجے میں بولا۔ ''پاریش ملہوترا (انصاری صاحب) کے ساتھ اتنا ہی معاہدہ ہوا تھا۔''

اللہ ڈینو نے منہ بنایا۔ ''تو کیا انھوں نے منع کیا تھا کہ ہم سے کھانے کا نہ پوچھنا۔''

دادا کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''یار جب تک دل چاہے سلطان دادا کا اڈہ حاضر ہے۔ میں فقط معاہدے کا ذکر کر رہا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''وصولی ہوگئی ہے یا......؟''
وہ بے نیازی سے بولا۔ ''یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔''
اللہ ڈینو نے خیال ظاہر کیا۔ ''شاید ایک دو دن ہمیں رکنا پڑے۔''
سلطان دادا نے بے فکری سے کہا۔ ''اس بارے وضاحت کر چکا ہوں۔''
''تو کوئی آرام کی جگہ دکھا دیں۔'' اللہ ڈینو نے نشست چھوڑ دی۔
''وکرم انھیں کمرہ دکھاؤ۔'' اس نے ایک آدمی رہنمائی کو ساتھ بھیج دیا۔
سلطان دادا کا اڈہ کافی وسیع تھا۔ بڑا سا صحن اور درجنوں کمرے۔ وکرم ہمیں درمیانے حجم کے کمرے میں لے آ
اں لوہے کی تین چار پائیاں پڑی تھیں۔
''میں بھوجن کا بندوبست کرتا ہوں۔'' وہ باہر نکل گیا۔
ہم نے چارپائیاں سنبھال لیں۔
''یہاں تک تو کام بہترین ہوگیا ہے۔'' تکیے پر سر ٹکتے ہوئے اللہ ڈینو نے اطمینان ظاہر کیا۔
میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے پرما کی تلاش یہیں سے شروع کر دینا چاہیے۔''
اللہ ڈینو نے تائید کی۔ ''شکلا کی ممبئی میں رہائش ضرور ہوگی اور وہ کافی مشہور ہے یقیناً ڈھونڈنے میں اتنی مشکل نہ
''
''لیکن احتیاط کرنا پڑے گی، ایسے افراد کے مخبر بھی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ اسے ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو مشکلات
ماعف ہو جائے گا۔''
اللہ ڈینو نے منہ بنایا۔ ''پہلے کون سا کم ہیں۔''
بن پھیکے لہجے میں بولا۔ ''یقین مانو پہلی بار اتنے فضول کام سے واسطہ پڑا ہے۔ ساری زندگی لبلبی دبائی
ضاری صاحب نے الٹے کام پر لگا دیا ہے۔ پہلے پرما بی بی کو ڈھونڈو، پھر اغواء کرو اور پھر پاکستان پہنچانا سمجھ میں
کیسے ہوگا، جبکہ یہ بھی پتا نہیں وہ باپ کے پاس جانا چاہتی ہے یا نہیں۔''
مہ ڈینو نے کہا۔ ''تمھیں یہاں بھی لبلبی دبانے بھیجا گیا ہے، باقی ذمہ داری تو میرے سر ہے۔''
ا نے اطمینان سے کہا۔ ''پھر میں سلطان دادا کے پاس قیام پذیر رہوں، تم ذمہ داری نبھاؤ میری باری پر بلا لینا۔''
ڈینو نے سر کھجاتے ہوئے قہقہہ بلند کیا۔ ''مذاق کیا تھا یار، تم نے سنجیدہ ہی لے لیا۔''
م کھانے کے برتنوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور ہم بحث چھوڑ کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئے۔
یا پینا پسند کریں گے، وسکی، اسکاچ، شیری، دیسی سب موجود ہے۔'' برتن میز پر رکھ کر اس نے ہماری پسند پوچھی۔
ینو اطمینان سے بولا۔ ''وائیٹ بیئر......''
نے سوالیہ لہجے میں دہرایا۔ ''وائیٹ بیئر......؟''
ینو نے وضاحت کی۔ ''مطلب لسی...... اگر نہیں ہے تو چائے یا کافی بھی چل جائے گی۔ باقی جو مشروب آپ
یں انھیں پینے کا حوصلہ نہیں ہے بھائی۔''
سکراتا ہوا باہر نکل گیا۔
ینو نے خیال ظاہر کیا۔ ''دھیرندر شکلا کی ممبئی والی رہائش گاہ کا سلطان دادا کو یقیناً معلوم ہوگا۔''
نے کہا۔ ''مگر پوچھ نہیں سکتے، انصاری صاحب نے صاف کہا تھا کہ سلطان دادا ہمیں اغواء کر کے انٹیلی جنس

تعاقب کے ممکنہ اندیشے سے نجات دلانے کا ذمہ دار ہے اور بس۔ اگر اس سے ہدف کے بارے کوئی معلومات لینا مناسب ہوتا تو وہ وضاحت کر دیتے۔''

وہ متفق ہوا۔ ''دو تین دن تو یہاں گزارنا پڑیں گے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''احتیاط ہی میں بھلائی ہے۔''

کھانے کے اختتام تک چائے آ گئی تھی۔ پیالیاں ہمیں پکڑا کر وکرم برتن سمیٹنے لگا۔ ہم چائے پی ہی رہے تھے کہ فائر کی آواز آئی اور پھر شور سنائی دینے لگا۔ وکرم بھاگ کر باہر نکلا، ہم بھی پیچھے ہو لیے تھے۔

پانچ مسلح افراد داخلی دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ آگے آگے چھریرے بدن اور لمبی قامت کا جوان تھا۔ جو باآواز بلند سلطان دادا کو للکار رہا تھا۔

''سلطان دادا! تم نے راجپوت کی طاقت کا اندازہ لگانے میں غلطی کی ہے۔ اگر تمھارے خیال میں راجپوت کے گروہ نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں تو لو آ گئے ہیں۔ ہماری خالی کلائیاں دیکھ کر یقین آئے نہ آئے گولی کی دلیل پر شبہ دور ہو جائے گا۔''

سلطان دادا خالی ہاتھ تھا، اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے گرگوں کو ہتھیار نیچے کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے تحمل سے کہا۔ ''تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے راجپوت! سلطان نہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے دادا کے علاقے میں واردات کا شوقین ہے۔''

''مجھے ملنے والی اطلاع جھوٹی نہیں ہو سکتی۔'' راجپوت اس کی صفائی پر مطمئن نہیں ہوا تھا۔

سلطان ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنے آدمی واپس لینے گیا تھا۔ دونوں تمھارے سامنے کھڑے ہیں۔ اطمینان سے تسلی کر لو۔''

راجپوت کے چہرے پر الجھن ابھری۔ ''میں سمجھا نہیں؟''

سلطان نے وضاحت کی۔ ''سندیپ اور گوپال میرے پرانے واقف کار کے جاننے والے ہیں۔ اس نے درخواست کی کہ انھیں چند دن اپنے پاس رکھوں۔ ہوائی اڈے پہنچا تو یہ وہاں سے جا چکے تھے۔ اپنے دوست سے معلومات لیں اور ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ باقی اغواء کا ڈراما کرنا انھیں تنگ کرنے کو کیا۔ ورنہ تمھاری حدود میں کوئی واردات کرنا ضروری ہوتا تو پہلے اجازت لیتا۔''

راجپوت نے اپنا پستول جیب میں ڈالا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی خفت ابھری۔ ''یقیناً تم میری جلد بازی کو شما کر دو گے۔''

سلطان دادا مسکرایا۔ ''اگر میرے ہمراہ بیٹھ کر ایک پیگ وسکی پی لی تو اس بارے سوچا جا سکتا ہے۔''

راجپوت لبوں پر پھیکی مسکراہٹ سجائے اس کے ساتھ ہو لیا۔ لڑائی کا ماحول ایک دم دعوتِ شرب و طعام میں تبدیل ہو گیا تھا۔ سلطان دادا کے گرگے، راجپوت دادا کے ساتھیوں کو سنبھالنے لگے۔ ہم اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

سارا ممبئی مختلف جرائم پیشہ افراد نے بانٹا ہوا ہے۔ ہر بڑے غنڈے کا اپنا علاقہ ہے جہاں دوسرا غنڈہ کوئی واردات نہیں کر سکتا۔ اس میں جیب تراشی سے لے کر بینک ڈکیتی تک کے جرائم شامل ہیں۔ بلکہ غنڈہ گردی تو در کنار ممبئی اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں تو بھیک مانگنے والی مافیا تک نے علاقے تقسیم کیے ہوئے ہیں۔ راجپوت دادا بھی اسی سلسلے میں سلطان دادا کے پاس حساب کتاب کرنے آیا تھا کہ اس کے تئیں سلطان دادا نے ہمیں اس کی حدود میں اغواء کر کے حد بندی کی خلاف ورزی کی تھی۔ اور سلطان دادا نے حکمت سے معاملہ سنبھال لیا تھا۔

''ان غنڈوں کا جاسوسی نظام تو حکومت سے کئی گنا تیز ہے۔'' چارپائی سنبھالتے ہی اللہ ڈینو نے حیرانی ظاہر کی۔
میں ہنسا۔''پیٹ کا معاملہ ہے بھائی۔ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں، دو ملا مرغی حرام کر دیتے اور دو سالار فوج مروا تو سکتے ہیں لڑ نہیں سکتے، پھر ایک علاقے میں دو غنڈوں کا راج کیسے ہو سکتا ہے۔''
اللہ ڈینو نے دکھ ظاہر کیا۔''کراچی میں تھوڑا عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہاں بھی یہی حالت ہے۔''
میں نے کہا۔''اس کی بڑی وجہ ہماری گندی سیاست ہے۔بے چاری پولیس تو وزیروں کے ہاتھ بٹھائی ہے، جس ڈاکو غنڈے پر ہاتھ ڈالتی ہے وہ کسی نہ کسی ایم این اے کا اپنا بندہ یا منظور نظر نکلتا ہے۔آرمی پہلے ہی اتنے محاذ پر منقسم ہے کہ کوئی نیا محاذ نہیں کھول سکتی۔تو تبدیلی کیسے آئے گی۔یقین کرو پولیس کو خود مختار کرنا اس مسئلے کا بہترین حل ہے مگر صاحب اقتدار طبقے کو یہ حل منظور نہیں۔''
اللہ ڈینو نے موضوع تبدیل کیا۔''ویسے سلطان دادا نے کچھ زیادہ تحمل اور برداشت کا مظاہرہ نہیں کیا؟''
''غلطی کا اعتراف کرنا اس کی مجبوری تھی۔راجپوت دادا کے علاقے میں دخل اندازی اس نے کی تھی۔ یوں اس کے اڈے پر چڑھ دوڑنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ افرادی طاقت میں سلطان دادا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے۔اور اتنا تو ہے''
''یقیناً شکلا جی کے زیر زمین افراد سے قریبی تعلقات ہوں گے۔'' اللہ ڈینو نے نیا موضوع چھیڑ دیا۔
میں نے اثبات میں سر ہلایا۔''تبھی اس کے متعلق ان لوگوں سے کسی بھی قسم کی معلومات لینے سے گریزاں ہیں۔''
اللہ ڈینو نے خیال ظاہر کیا۔''ہم نوکری حاصل کرنے کے بہانے زیر زمین کام کرنے والے کسی اور گروہ سے کچھ معلومات لے سکتے ہیں۔''

اس کا مشورہ پسند آیا تھا، میں نے اتفاق میں سر ہلا دیا۔اور ہم اسی بارے مشورہ کرنے لگے۔مگر دکرم نے ہمیں زیادہ دیر گپ شپ نہیں کرنے دی تھی۔دروازہ بجا کر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اندر آیا۔
''اپنا سامان اٹھا کر میرے ساتھ چلیں۔''اس کے لہجے میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔اور انداز ایسا نہیں تھا کہ استفسار کے چکروں میں وقت کھوٹا کرتے۔اپنے مختصر بیگ سنبھال کر ہم اس کی معیت میں کمرے سے نکلے۔عمارت کے داخلی دروازے کے بجائے وہ ایک اور کمرے میں گھس گیا تھا۔وہ خواب گاہ تھی۔ایک کونے میں سنگل بیڈ رکھا تھا، ساتھ ہی تین کرسیاں پڑی تھیں اور عقبی دیوار کے ساتھ لکڑی کی منقش پٹ والی کپڑوں کی ایک چوڑی الماری رکھی تھی۔
دکرم نے الماری کے پٹ کھول کر ہینگر میں لٹکے کپڑوں کو بائیں جانب اکٹھا کیا اور کوئی مخصوص بٹن دبایا، الماری پیچھے کی جانب کھل گئی تھی۔ایک تنگ سا دروازہ نظر آیا جس کے عقب میں سیڑھیاں تھیں۔دکرم پہلی سیڑھی پر رک گیا۔ہمیں نیچے اترنے کا اشارہ کر کے وہ خود دروازہ بند کرنے لگا۔

دس پندرہ سیڑھیاں اتر کر چھوٹی سی گیلری تھی۔اس کے بعد پھر سیڑھیاں تھیں۔دکرم ہم سے آگے بڑھ گیا۔سیڑھیوں کا اختتام لکڑی کے دروازے پر ہوا۔دروازہ کھول کر دکرم اندر گھسا، پہلے کمرے ہی کی طرح وہاں بھی کپڑوں کی ایک الماری رکھی ہوئی تھی۔الماری کے رستے ہم دوسری جانب خواب گاہ میں پہنچ گئے۔
دکرم نے ایک چابی میری طرف بڑھائی۔''دائیں جانب، تیسرے، چوتھے نمبر پر کمرہ نمبر ایک سو نیس ہے۔وہاں ٹھہر کر اگلی ہدایت کا انتظار کرو۔''
اللہ ڈینو نے کہا۔''ٹھیک ہے، مگر جانے سے پہلے ہماری الجھن دور کر دو۔''
دکرم نے وضاحت کی۔''راجپوت دادا کو ہماری کارروائی کی اطلاع کرن چاولہ سے ملی۔اور زیر زمین حلقوں میں کرن چاولہ کی شہرت را کے مخصوص کارندے کی حیثیت سے ہے۔یقیناً اپنا شک دور کرنے کو اس نے راجپوت دادا کی

سلطان دادا تک رہنمائی کی ہے۔اور اس صورت میں سیدھے راستے سے جانا آپ کو پھنسا سکتا تھا۔بہرحال مطمئن نہ ہونا کہ خطرہ اب تک ٹلا نہیں۔اور سلطان دادا کی اجازت کے بغیر کہیں جانے کی کوشش نہ کرنا۔اور نہ خود کو قیدی سمجھنا۔سب کچھ آپ کے فائدے کو کیا جا رہا ہے۔''

ہم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکلے اور خود کو گیلری میں پایا جس کے دونوں جانب کمرے بنے تھے۔دروازوں پر کمرہ نمبرز کی تختیاں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ہوٹل میں تھے۔ان کے اڈے کے عقبی جانب جو ہوٹل تھا یقیناً خفیہ راستے کے ذریعے ہم وہاں پہنچ گئے تھے۔

دائیں جانب چوتھا دروازہ کمرہ نمبر ایک سو انیس کا تھا۔قفل کھول کر ہم اندر گھس گئے۔وہ درمیانے حجم کا کمرہ تھا۔کونے میں ڈبل بیڈ اور اس کے ساتھ شیشے کی ایک میز اور سامنے صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔بائیں ہاتھ بیت الخلا و غسل خانے کا دروازہ تھا۔دائیں دیوار میں ایک بڑی کھڑکی تھی جس پر دبیز پردہ لٹک رہا تھا۔

صوفے پر نشست سنبھالتے ہوئے اللہ ڈینو بولا۔''یقیناً ہمارا ڈراما ناکام ہو گیا ہے۔''

''ضروری تو نہیں کہ انسان جو سوچے وہی ہو۔'' میں بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔

''ناکامی برداشت کرنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔''

اس نے منہ بنایا۔

میں نے شکر گزاری کا اظہار کیا۔''خوش قسمت ہیں کہ ناکامی کی اطلاع ہمیں دشمن کی زبانی سننے کو نہیں ملی۔ورنہ یہ بھی ممکن تھا اپنی آنکھ کسی عقوبت خانے میں کھلتی۔''

اللہ ڈینو نے فکرمندی ظاہر کی۔''کیا تمھیں لگتا ہے سلطان دادا ہمارے لیے را سے ٹکر لے پائے گا۔''

میں بہ ظاہر متفق ہوا۔''اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی صورت ہے تو بتاؤ۔''

''اگر معاملہ سچ میں را کا ہے تو وہ اتنی آسانی سے سلطان دادا کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔اور یہاں سے نکلنے میں جتنی سستی دکھائیں گے ہمارے گرد گھیرا تنگ ہوتا جائے گا۔''

میں معترض ہوا۔''مگر دکرم ہمیں کہیں جانے سے منع کر چکا ہے۔''

ڈینو معنی خیز لہجے میں بولا۔''اور ہم اتنے بھولے ہیں ناں کہ اس کا کہنا مان لیں گے۔''

میں نے پوچھا۔''کیا تمھیں سلطان دادا پر شک ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''نہیں، مگر اس کا خلوص بھی شاید ہمارے کام نہ آ سکے۔وہ سلطان دادا کی کسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اسے مجبور بھی کر سکتے ہیں۔''

''مجھے نہیں لگتا انھوں نے ہوٹل کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔یقیناً ہوٹل سے سلطان دادا کے تعلق کو وہ اچھی طرح جانتے ہوں گے۔کرن چاولہ اب تک راجپوت دادا سے سلطان دادا کی واردات کی وضاحت سن چکا ہوگا اور اس کے بعد دو جمع دو چار کی طرح منطقی نتیجہ اخذ کرنا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا۔''

اس نے زور دیا۔''یہی تو کہہ رہا ہوں، گھیرا مکمل ہونے سے پہلے بھاگنا مفید رہے گا۔دوسری صورت میں پھنسنا یقینی ہو جائے گا۔''

''تو چلیں۔''، متفق ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

اللہ ڈینو نے منصوبہ پیش کیا۔''الگ، الگ ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کر چلیں گے۔بچھڑ گئے اور موبائل فون پر بھی بات نہ ہو پائی تو نیٹا بس اسٹیشن پر کل اور پرسوں دن کے دس بجے سے بارہ بجے تک ایک دوسرے کا انتظار کریں گے۔''(انڈین کنکشن کے موبائل فون ہمیں مسقط ہی میں اپنے خاص ایجنٹوں سے وصول ہو گئے تھے)

میں نے امید ظاہر کی۔ "شاید وہ ہماری صورت سے واقف نہیں ہوں گے۔"

ڈینو بولا۔ "جب بات مفروضوں کی ہے تو ہوائی اڈے سے پیچھا کرنے والے ایجنٹوں کو ہماری شناخت ہو سکتی۔ اور یقیناً ہوٹل کے دروازے اور سلطان دادا کے اڈے کے باہر وہ افراد موجود ہوں گے۔"

میں نے مشورہ دیا۔ "پھر لباس تبدیل کر کے بیگ یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

ڈینو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بیگ اٹھا کر غسل خانے میں گھس گیا۔ میں نے وہیں کپڑے تبدیل کر لیے۔ نیلی جینز پر پھول دار قمیص پہن کر ضروری کاغذات پتلون کی جیب میں منتقل کیے اور جانے کو تیار ہو گیا۔ ڈینو غسل خانے سے نکلا تو اس کا حلیہ بھی مجھ سے ملتا جلتا تھا۔

"دس منٹ بعد نکلنا۔" ہاتھ لہرا کر وہ نکل گیا۔

میں اس کی خیریت کی دعا کرتا ہوا مضطرب انداز میں ٹہلنے لگا۔ اللہ ڈینو سے جذباتی لگاؤ نہ ہونے کے باوجود وہ اس وقت میرا اکیلا دوست، مددگار بلکہ سب کچھ تھا۔ ہمارا مقصد، ہدف اور منزل ایک تھی۔ اس وجہ سے ہمارے دکھ درد اور غم الم بھی سانجھی ہو گئے تھے۔ انجان ہو کر بھی اتنا اپنا پن پاکستان آرمی کے ہر جوان، عہدہ دار اور آفیسر میں پایا جاتا ہے۔ ہر شہید ہونے کی لاش ہمیں اپنی لاش نظر آتی ہے۔ ہر گھائل کے زخم ہمیں اپنے بدن پر دکھائی دیتے ہیں اور ہر مبتلائے درد کی اذیت ہمیں بھی محسوس ہوتی ہے۔

ڈینو کے جانے کے بعد میں نے چند منٹ انتظار کیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اندازے سے چلتا ہوا میں ہوٹل کے ہال میں پہنچا۔ اس وقت رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ دوپہر کے کھانے کا وقت گزر گیا تھا اور رات کے کھانے کا وقت ابھی دور تھا۔ ہم سے ذرا سی غلطی ہو گئی تھی، گھنٹے ڈیڑھ بعد نکلتے تو رش زیادہ ہو جاتا، ایسی صورت میں ہم زیادہ محفوظ رہتے۔ مگر اب قدم بڑھا دیے تھے اور واپس لوٹنا مناسب نہیں تھا۔ یہ احتمال بھی ذہن میں جاگا کہ زیادہ دیر کرنے کی صورت میں کوئی اور افتاد بھی سر پر پڑ سکتی تھی۔

استقبالیہ پر دو تین بندے کھڑے، استقبالین سے کچھ استفسار کر رہے تھے۔ میں دھیمے قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی وقت ایک جوڑا بھی دروازے کا رخ کرتا نظر آیا۔ لڑکی نے چست جینز اور اس کے اوپر نصف بازوؤں کی بنیان پہنی تھی۔ کھلتی ہوئی سانولی رنگت، مسکراتا چہرہ اور دلفریب بدن، دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ لڑکی لڑکے کی دوستی تو اب وطنِ عزیز میں بھی معیوب نہیں سمجھی جاتی اور نیک بیبیاں دھڑلے سے اپنے مرد دوستوں کو متعارف کراتی پھرتی ہیں۔ انڈیا تو اس معاملے میں ہم سے کئی قدم آگے ہے۔ بلکہ ہمارا رہبر و رہنما اور استاد ہے کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ انھی کی فلمیں دیکھ دیکھ کر پاکستانی قوم میں بھی یہ شعور جاگا کہ نکاح اور شادی کو ثانوی بلکہ قید و بند کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

میں نے قدموں کی رفتار غیر محسوس انداز میں سست کی، یوں کہ وہ میرے ساتھ سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ لڑکی مرد کے بائیں جانب چل رہی تھی۔ میں قدم دو کا فاصلہ رکھ کر اس کے دائیں چلنے لگا۔ اس لڑکی کی موجودگی میں مشکل تھا کہ کوئی میرا چہرہ دیکھنا گوارا کرتا۔

داخلی دروازے سے نکل کر میں نے دائیں بائیں نگاہیں گھمائیں، البتہ چہرے کو فطری انداز میں سامنے ہی رکھا۔ ایک انسان کی آنکھیں گردن گھمائے بغیر ایک سو اسی ڈگری کا نظارہ کر سکتی ہیں۔ پارکنگ میں اکا دکا افراد گاڑی کھڑی کر کے ہوٹل کے دروازے کا رخ کرتے نظر آئے، چند ایک گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ دو افراد موٹر سائیکل کی سیٹ پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے لیکن ان کی نگاہیں غیر محسوس انداز میں ہر آنے جانے والے پر گڑی تھیں اور وہی مجھے بھی مشکوک

تھی۔ ایک لیکن [illegible] والی بڑی [illegible] [illegible] سیل کی مطابقت کی۔
میں قدم بڑھا کر جوان جوڑے کے پاس یوں چلنے لگا کہ [illegible] ساتھی [illegible] [illegible]
میں ان سے دو قدم پیچھے چل [illegible] ہم بھی ایک [illegible] سے نکل [illegible] ہوئے تھے۔
نگرانی کرنے والوں نے ہمیں نظر [illegible] دیکھا لیکن [illegible] ظاہر نہیں کیا تھا۔ [illegible]
تھا۔ [illegible] [illegible]
[illegible]
ہے۔ [illegible]
رہی تھی۔ وہ جوان [illegible] اور [illegible] تھا۔ [illegible] نگرانی کرنے والوں نے ہمیں [illegible]
تھی کہ ان کی نظر میں [illegible] ساتھی تھا۔ یقیناً انہیں [illegible] ساتھی نظر آنے [illegible] سیل کا
ہم سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی وجہ سے میں بھی [illegible] رہا تھا۔
گو معاملہ اس کے [illegible] ہو سکتا تھا [illegible] میں [illegible] ہوئے اور [illegible]
سے الجھے لگ رہے ہوتے۔ لیکن چند لمحوں بعد میرے [illegible] پہنچ کر [illegible] سوار کر گئے تھے۔
پارکنگ سے نکل کر رکشہ جونہی سڑک پر پہنچا دائیں جانب سے تیز رفتار میں کالی ہونڈا ایک نئی [illegible]
نمودار ہوئی۔ لڑکے نے ہاتھ لہرایا۔ ڈرائیور نے [illegible] دی اور دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ میں نے مڑ کر دیکھا دونوں
موٹر سائیکل سوار میری جانب ہی متوجہ تھے۔ اور رکشہ کی جوڑے سے جانے میں جس سرعت اور مجھ سے لاتعلقی کا مظاہرہ کیا
تھا وہ انہیں چونکا گیا تھا۔ میرا [illegible] ان کو اور کہاں جانا ہے ان کا ساتھی ہوں اور کہ ایک دم [illegible]
رہا تھا۔
میں سڑک کے دوسری جانب یوں کھڑا ہو گیا جیسے ٹیکسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ بظاہر بے پرواہ اور غیر متعلق سا لیکن میں
باطن انہی کی طرف متوجہ رہا۔
لمحے بھر مشورے کے بعد ایک لیکن [illegible] ٹہلنے کے انداز میں میری طرف آنے لگا۔ یقیناً اس کا ارادہ مجھے مخاطب کر
کے جانچنے کا تھا۔ مزید ٹھہرنا مناسب نہیں تھا لیکن حرکت کرنا ان کے شک کو تقویت دے جاتا۔ میں نے نظر گھمائی اور
بائیں جانب سے قریب آتے خالی رکشے کو دیکھ کر اس کے رکنے کی دعا مانگی۔
ہاتھ لہرانے پر رکشے کی رفتار کم ہوئی اور وہ میرے سامنے آ رکا۔ دشمن سڑک کے قریب آ پہنچا تھا۔ رکشے کو رکتے ہی
اپنے ساتھی کو بلانے لگا۔
میں نے سیٹ سنبھالتے ہی رکشے ڈرائیور کو تیز چلنے کا کہا۔ بلاشبہ رکشا موٹر سائیکل کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جلدی ہی
ہمیں آ لیتے۔ موٹر سائیکل ایک ایسی سواری ہے جو گلیوں، سڑکوں اور ہر قسم کی جگہوں پر تیز رفتاری سے حرکت کر سکتی ہے۔
میرا دماغ سرعت سے ان حالات سے جان چھڑانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ ایک جاسوس کی زندگی میں ایسے لمحات بہت
نازک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک غلط فیصلہ دردناک عذاب میں پھنسا سکتا ہے کہ موت بھی زندگی سے بہتر لگنے لگتی ہے۔
''سردار جی! ذرا تیز چلو۔'' میں نے سکھ ڈرائیور کو تاکید کی۔
''جانڑاں کتھے ہے باؤ'' (کہاں جانا ہے۔) رفتار بڑھاتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرایا۔
''دائیں مڑ جاؤ۔'' اسے ہدایت دیتے ہوئے میں نے عقب میں دیکھا۔ مونچھوں والا اپنے ساتھی کو بٹھا رہا
تھا۔ رکشے نے موڑ کاٹا۔
''یہیں روک دو۔'' میں نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

کی تھی۔

معتوب کے قتل کی افواہ بھی مجھے زیادہ خطرناک ثابت کرنے کو اڑائی جا رہی تھی۔ یہ انڈین ایجنسیوں کا پرانا طریقہ کار ہے۔ یوں کسی بھی چھپنے والے کو زیادہ مشکلات درپیش ہو سکتی ہیں۔ اور دہشت گرد کے ساتھ پاکستان کا نام لگانا تو ان کی فطرت ہے۔ بغیر کسی تحقیق اور ثبوت کے الزام تراشی کرنا ان کی عادت ہی نہیں مشغلہ ہے۔ اور ایک ہم ہیں کہ ان کا کوئی جاسوس اور دہشت گرد پکڑ کر بھی آواز بلند نہیں کر سکتے۔ ہماری خارجہ پالیسی ہمیشہ کمزور، بے دست و پا اور بودی رہی ہے۔ عالمی سطح پر ہم کبھی اپنا مقدمہ صحیح طریقے سے پیش کر سکے اور نہ لڑ سکے ہیں۔

میری وہاں موجودی بہ طور جاسوس تھی نہ دہشت گردی کا ارادہ تھا۔ بلکہ ایک باپ کو بیٹی سے ملانا اور ایسے ناپاک جرم کے خاتمے کو بھی جو پاکستان سے زیادہ انڈیا کے لیے نقصان دہ تھا۔ لیکن حصول مقصد کو نیت کی درستی کافی نہیں ہوتی۔ طریقہ کار بھی نیت جتنا ہی اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ اور سچ کہوں تو میرا طریقہ کار قانون کے دائرے سے بالاتر تھا۔ اس لحاظ سے انڈین ٹی وی کی خبر کو جھٹلانا دیانت داری کے منافی ہوگا۔

میں نے پی کیپ کو سر پر کچھ اور دبا دیا تا کہ چہرہ مزید چھپ جائے۔ پہلے میرا ارادہ اسی ہوٹل میں شب بسری کا تھا، مگر اب احتیاط ضروری ہو گئی تھی۔ جنگلوں اور پہاڑوں کی نسبت شہری آبادی میں رہنا مجھے دشوار لگ رہا تھا۔ کھانے کا بل چکا کر میں باہر نکل آیا۔ وڈیو میں میری داڑھی واضح نظر آ رہی تھی اور حلیہ تبدیل کرنے کا آسان طریقہ یہی تھا کہ میں داڑھی صاف کر دیتا۔ بلاشبہ ایک جاسوس کو اپنے بچاؤ کو اخلاقی اقدار کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ انصاری صاحب کی کہانی میں اجمالاً بیان کر چکا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی کئی جاسوسوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ تفصیلی بات چیت ہوئی اور پتا یہ چلا کہ اپنی پہچان چھپانے کو جاسوس کو کئی اخلاقی قدریں پامال کرنا پڑتی ہیں، اصول توڑنا پڑتے ہیں، کردار داغ دار کرنا پڑتا ہے، جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور جوا، شراب نوشی، آبرو باختہ عورتوں سے تعلق رکھنا یہ سب بہ حالت مجبوری روا سمجھا جاتا ہے۔

ایک دکان سے میں قینچی، شیونگ ریزر اور دستی آئینہ خرید لیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا میری نظریں کسی مناسب گوشے کی تلاش میں بھٹکنے لگیں تا کہ داڑھی صاف کر سکوں، اچانک ڈینو کی گھنٹی آنے لگی۔

گھنٹی وصول کرتے ہوئے میں نے محتاط لہجے میں ''ہیلو'' کہا۔

وہ شوخ لہجے میں بولا۔ ''کیسے ہو مہاراج! پسند کرو تو آج رات دعوت کر سکتا ہوں۔''

''اپنی بھابی کو تو جانتے ہو، یہ نہ ہو میری جان کو آ جائے۔'' میں نے اشارے میں خطرے کا استفسار کیا۔

''ڈیدی کو سمجھا دوں گا، میری کوئی بات نہیں ٹالتیں۔'' اس نے ''سب اچھا'' رپورٹ دی۔

''تمھارے گھر آنا پڑے گا؟'' میں نے مخصوص انداز میں پتا معلوم کیا۔

وہ اطمینان سے بولا۔ ''گھر پر کہاں عیاشی ہو سکتی ہے۔ اس وقت خصوصی دوست کے ساتھ ہوں، پتا بھیج رہا ہوں پہنچو۔'' خصوصی دوست کا مطلب مجھے یہی سمجھ آیا تھا کہ وہ اس وقت کسی لڑکی کے ساتھ تھا۔

رابطہ منقطع کرنے کے منٹ بھر بعد ہی پیغام موصول ہوا۔ نرائن نگر کالونی کا گلی اور مکان نمبر درج تھا۔ نزد شیو مندر لکھ
ن کو آسان کیا گیا تھا۔

ھے اپنی جگہ کے بارے کوئی خاص معلومات نہیں تھیں، نہ میں ممبئی کے گلی کوچوں سے واقف تھا۔ اتنے بڑے شہر
ے ہونے کو کم از کم چند ماہ کی آوارہ گردی ضروری تھی۔ البتہ رکشے، ٹیکسیاں وغیرہ رہنمائی کو موجود تھے۔ ایک خالی
کر میں اسے نرائن نگر اور شیو مندر کے بارے بتانے لگا۔

"پکیں گے بابو۔"
اس نے کہا "ڈیڑھ سو روپے لگیں گے بابو۔" میں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"رام......رام، اتنے دام۔"
"دس کم دے دینا۔" اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔
تھوڑی تکرار کے بعد ایک سو بیس روپے کرایہ طے ہوا اور میں رکشے میں بیٹھ گیا۔ خود کو مشکوک ہونے سے بچانے کو تکرار کرنا ضروری تھا۔
شیو مندر سے پچاس ساٹھ قدم آگے جا کر مطلوبہ گلی میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ میں مندر کے سامنے اتر گیا۔ رکشے والے کو فارغ کر کے میں نے چند لمحے انتظار کیا اور رکشے اوجھل ہوتے ہی گلی کی طرف بڑھ گیا۔ ڈینو نے اعتماد سے "سب اچھا" کی رپورٹ دی تھی لیکن میں نے احتیاط کا دامن چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اور میری یہ احتیاط کام آ گئی تھی۔
گلی کافی وسیع اور روشن تھی۔ پندرہ نمبر میرا مطلوبہ مکان تھا۔ بہ ظاہر بے پروائی لیکن بہ باطن چوکنے انداز میں گلی میں داخل ہوا۔ پہلے مکان کے دروازے پر پینتیس کا عدد چمکتا ہوا نظر آیا، چند قدم آگے مخالف جانب چونتیس عدد پڑھتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ میں گلی کے اختتام سے آغاز کی طرف جا رہا تھا۔ گلی کی رونق اب تک بحال تھی۔ اکا دکا راہگیروں کا آنا جانا لگا تھا۔
تھوڑا سا آگے بڑھتے ہی روشنی کے کھمبے سے ٹیک لگائے ایک فقیر نظر آیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی جانے اس کے جی میں کیا سمائی کہ "بجرنگ بلی" کا نعرہ بلند کر کے مجھے قریب بلانے لگا۔
"بالک! جوگی کی سہائتا کرتے جاؤ۔" (بچے جوگی کی مدد کرتے جاؤ)
اسے نظر انداز کر کے میں نے آگے بڑھنا چاہا، مگر جونہی پاس سے گزرا اس کی تیز سرگوشی ابھری۔ "میری بات سن کر جاؤ۔" یہ کہنے کے ساتھ اس کی بلند آواز ابھری۔ "بالک! جوگی کو نظر انداز کرنے والے کو نرگ میں بھی جگہ نہیں ملتی۔"
اس کے نعرے سے زیادہ سرگوشی نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے بدک کر آگے پیچھے دیکھا، کوئی خطرہ موجود نہ پا کر بھکاری کا کلمہ نظر جاننے کو قریب ہوا۔
وہ تیز لہجے میں بولا۔ "بالک! جوگی کو سہارا دے کر اس کے ٹھکانے تک پہنچا دو، بھگوان تمھاری رکھشا کرے گا۔"
میں متذبذب کھڑا رہا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا جواب دوں۔
اس نے سرگوشی میں میرا شناختی نام لیتے ہوئے کہا۔ "سندیپ چوپڑا! آگے خطرہ ہے۔"
ایک دم لگا میں پھنس گیا ہوں، کیوں کہ ضروری نہیں کہ مجھے پہچاننے والا دوست ہی ہوتا۔
اس کی بلند آواز میری سوچوں میں مخل ہوئی۔ "بالک! جوگی کو سہارا دے کر اٹھاؤ۔"
ایک بار میرا جی واپس بھاگنے کو کیا لیکن پھر یہ سوچ کر دشمن کو مجھے للکارنے کی کیا ضرورت تھی وہ مجھے بے دھیانی میں ہی گھیر سکتے تھے۔ یوں سرگوشی کرنے والا دوست ہی ہو سکتا تھا۔ مگر یوں ایک دم کسی دوست کا مل جانا بھی عجیب لگ رہا۔ میرے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ لمحے کے دسویں حصے میں فیصلہ کرتے ہوئے میں نے بھکاری کو سہارا دینے کو ہاتھ بڑھا دیا۔
دائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ تھام کر اس نے بائیں ہاتھ میں ڈنڈا تھاما اور نقاہت کا اظہار کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے ہاتھ کی گرفت یہ باور کرانے کو کافی تھی کہ کمزوری کا اظہار نرا ڈراما ہی تھا۔
اٹھتے ہی اس نے دایاں بازو میرے کندھے پر رکھا، ساتھ ہی اس کی سرگوشی نما بڑبڑاہٹ ابھری۔
"گوپال چند خطرے میں گھرا ہے۔ اور اس کا چارہ ڈال کر تمھیں یہاں گرفتار کرنے کو بلایا گیا ہے۔" اللہ ڈینو کے

شناختی کاغذات گوپال چند کے نام سے بنے تھے۔
میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔''کون ہو تم؟''
وہ درشت ہوا۔''انصاری صاحب کو تم جیسے گدھے ہی ملے تھے یہاں بھیجنے کو جنھیں یہ بھی معلوم نہیں ایسے طور استفسار نہیں کیا جاتا۔ جب تمھارے شناختی ناموں کا ذکر کر دیا ہے تو مزید تفتیش کرنا ضروری ہے کیا؟''
میں ششدر رہ گیا تھا۔ بہ مشکل ندامت ظاہر کر سکا تھا۔''معذرت خواہ ہوں۔'' یقیناً وہ پاکستان کا گمنام ہیرو تھا۔ ہیروز کا ایک روپ نہیں ہوتا۔ موقع کی مناسبت سے ہر روپ دھار لیتے ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں جہاں وطن کو ضرورت پڑتی ہے یہ حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے اصل چہرے، نام اور شناخت کو شاید یہ خود بھی بھول جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر بس وطن کی خدمت اور حفاظت کا فریضہ رہتا ہے۔
وہ ہولے سے بڑبڑایا۔''ریڑھی والا اور دونوں گاہک، دشمن ہیں۔''
مکان نمبر پندرہ کے سامنے ایک شخص آئس کریم کی ریڑھی لگائے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی لکڑی کے بنچ پر دو جوان بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے پرانے شناسا اچانک ملیں اور آئس کریم کھا کر حال احوال بانٹنے لگیں۔ میں نے مذکورہ افراد کی طرف دیکھ کر ہولے سے کہا۔''سمجھ گیا۔''
''مکان کے دوسری جانب بھی تین آدمی موجود ہیں۔ گلی کے اس سرے پر چائے کا کھوکا بنا ہے اور تینوں گاہک کے روپ میں بیٹھے ہیں۔''
میں نے پوچھا۔''کرنا کیا ہے؟''
''انھیں بے ہوش کر کے گوپال کو ساتھ لے جانا ہوگا۔''
''تمام کو؟'' اسے سہارا دے کر میں آگے بڑھتا رہا۔
''ان تینوں کو۔'' آہستہ سے کہتے ہوئے اس نے زوردار نعرہ بلند کیا۔''جے بجرنگ بلی، جوگی کو آئس کریم کھلاؤ۔''
میں اسے سہارا دیئے ریڑھی کے قریب پہنچا اور لکڑی کے بنچ کے ساتھ بٹھاتے ہوئے ریڑھی والے کو کہا۔''بھائی! جوگی بابا کو آئس کریم کا کپ دینا۔''
''جی مہاراج۔'' شائستگی سے کہتے ہوئے اس نے بکس کھولا۔ اسی اثناء میں جوگی بابا نے بیٹھے بیٹھے جیب سے پرفیوم نکال کر باری باری دونوں گاہکوں کے چہرے پر سپرے کر دیا۔ وہ ہڑبڑا گئے تھے، لیکن ان کے سنبھلنے سے پہلے بے ہوش کن زود اثر دوا اپنا کام کر گئی تھی۔ اٹھتے ہی دونوں دھڑام سے نیچے گرے تھے۔
ریڑھی والے نے چونکتے ہوئے قمیص کے نیچے ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے میں حرکت میں آ چکا تھا۔ میرا بھرپور مکا اس کی کنپٹی پر لگا۔''اوغ۔'' کی آواز کے ساتھ ہی وہ ڈھیر ہو گیا تھا۔
جوگی نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کے چہرے پر سپرے کرتے ہوئے اس کی بے ہوشی کو گہرا کر دیا تھا۔ میں نے سرعت سے تلاشی لی، اس نے نیفے میں سائیلنسر لگا ''والتھر پی ٹو ٹی ٹو'' پستول اڑسا ہوا تھا۔
اس اثناء میں جوگی، گاہکوں کی تلاشی لے کر ان کے لباسوں سے ہتھیار برآمد کر چکا تھا۔ تینوں کے پاس سائلنسر لگے ہوئے پستول موجود تھے۔
''وقت کم ہے، گوپال کو بلاؤ۔'' جوگی نے دونوں پستول اپنے لباس میں چھپا لیے تھے۔
میں نے فوراً ڈینو کا نمبر ڈائل کیا۔''کس وقت تک پہنچو گے بھائی اتنی دیر لگا دی۔'' کال وصول کرتے ہی اس نے [illegible] ...یلا کیا۔

''تم خطرے میں ہو محترم۔اس چھپکلی کو بے ہوش کر کے فوراً دروازے پر پہنچو میں منتظر ہوں۔''

''اوہ ٹھیک ہے میں منتظر ہوں۔'' گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے معنی خیز لہجے میں بجھ جانے کا اشارہ دیا۔

اگلے دو منٹ میں وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے متردد چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی تھی۔

''اس طرف۔'' جوگی نے واپسی کی راہ کی طرف رہنمائی کی۔ کھلا چوغہ اور لمبے بالوں کی وگ اتار کر اس نے لپیٹے اور بنڈل بغل میں دبالیا۔ نیچے سادہ شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس نے اسٹریٹ لائیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''نشانے باز کون سا ہے، بتیاں ناکارہ کر دو۔''

یقیناً انھیں میرے بارے زیادہ نہیں تو سرسری معلومات ضرور تھیں۔اس کا مطمح نظر میں نہیں سمجھا تھا لیکن ہدایت پر عمل کر گزرا۔ سائیلنسر لگے پستول نے دو دفعہ ''ٹھک ٹھک۔'' کی اور دو بتیاں کرچی ہو کر زمین بوس ہو گئی تھیں۔گلی میں ملگجا اندھیرا چھا گیا تھا۔ تیسری اسٹریٹ لائیٹ پستول کی مار سے ذرا دور تھی۔ چند قدم دوڑتے کر میں لمحہ بھر کو رکا ایک اور ''ٹھک۔'' نے گلی کی آخری بتی توڑ دی تھی۔

جوگی سب سے آگے تھا۔ دو افراد موڑ مڑ کر گلی میں داخل ہوئے۔ان کے انداز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ عام لوگ تھے۔ان کے قریب ایک لمحے کو قدم روکتے ہوئے جوگی نے دونوں کے چہرے پر بے ہوشی کا سپرے کر دیا۔ وہ دھڑام سے نیچے گرے تھے۔ جوگی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔گلی کے ماقبل اختتامی (سیکنڈ لاسٹ) مکان کے دروازے کے سامنے رک کر اس نے دائیں بائیں دیکھا اور لوہے کے دروازے پر بندر کی طرف پاؤں رکھتا ہوا مکان کے اندر کود گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ذیلی دروازہ کھول کر ہمیں اندر بلالیا۔

ہم آگے پیچھے اندر گھسے۔ ذیلی دروازہ اندر سے کنڈی کر کے جوگی اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ وہ درمیانے حجم کا مکان تھا۔ جوگی کی معیت میں چلتے ہوئے ہم سامنے سے گھوم کر پچھواڑے میں پہنچے۔ایک کھڑکی کو دھکیل کر وہ اچک کر اوپر چڑھا اور اندر گھس گیا۔ہم نے تقلید کی تھی۔

اس نے کھڑکی کنڈی کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک خواب گاہ میں بیٹھے تھے۔ جوگی کا گھر کی بتیاں نہ جلانا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی انجان شخص کا گھر تھا۔ مکین کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر وہ عارضی استعمال میں لا رہا تھا۔ یقیناً مکان پہلے سے اس کی نظر میں تھا تبھی بغیر جھجکے اندر گھسا تھا۔ کھڑکے و دروازے کے پردے برابر کر کے اس نے موبائل فون کی روشنی جلائی اور میز پر رکھ دیا۔

''گوپال چند تمھاری عقل گھاس چرنے گئی ہوئی تھی۔'' نشست سنبھالتے ہی وہ ڈینو پر برہم ہوا۔

ڈینو کھسیاتے ہوئے بولا۔ ''پہچان کرا کر بے عزتی کر دیا یار!''

جوگی نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''خالی لڑائی بھڑائی کی مہارت تمھیں خطرات سے نہیں بچا سکتی۔''

ڈینو نے صفائی دی۔ ''میں نے اسے بازاری لڑکی سمجھا تھا۔''

میں مخل ہوا۔ ''مجھے بھی سمجھا دو۔''

ڈینو نے مسمسے لہجے میں تفصیل بتلائی۔ ''جونھی ہوٹل کے ہال میں پہنچا ایک لڑکی استقبالیہ کے سامنے نظر آئی۔ مجھے دیکھ کر اس نے دعوت آمیز تبسم اچھالا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، سوچا شاید پیشہ ور لڑکی ہے۔اس کی مدد سے میں ہوٹل سے آسانی سے نکل سکتا تھا۔ پس جوابی مسکراہٹ اچھال کے قریب ہو گیا۔ بے حیا فوراً ہی مان گئی۔ ارادہ تھا ہوٹل سے نکل کر اسے چھوڑ دوں گا، مگر پھر شب بسری کا لالچ آڑے آ گیا۔ باہر نکلتے ہوئے مجھے نگرانی کرنے والے بھی نظر آئے تھے

بھی تمھیں پیغام بھی بھیجے۔ شردھا سہتا کا مکان مجھے چھپنے کو بہتر لگا اس لیے تمھیں بھی دعوت دے دی [illegible]
بے چاری کو بے ہوش کر آیا ہوں۔"

جوگی نے انکشاف کیا۔ "اس کا نام سنیتا جیسوال ہے۔ را کی خصوصی ایجنٹ ہے۔ [illegible]
آسان ہدف نہیں ہے۔ باقی ہم شروع سے تم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ سلطان دادا نے اپنا کام [illegible]
مگر تمھاری بدقسمتی کہ را کا ایک نمائندہ بھی تمھارے تعاقب میں تھا۔ وہ خود تو سلطان دادا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا [illegible]
تصدیق کر سکتا تھا۔ اس نے کرن چاولہ تک یہ خبر پہنچا دی۔ راجپوت دادا کا پتا کرن چاولہ ہی نے [illegible]
کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ مگر کرن چاولہ جانتا تھا کہ سلطان دادا تک اس کا نام پہنچ جائے گا اور اس سے [illegible]
چھپانے کی کرے گا، لیکن اس کا مطمح نظر تمھاری موجودگی کی تصدیق کے ساتھ تمھاری پہچان بھی تھی۔ [illegible]
نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ حکومتی کارندے حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ زیرِ زمین لوگوں سے نہ بگاڑیں۔ [illegible]
اور ہوٹل کی عمارت کے درمیانی ربط سے وہ بھی واقف تھے، تبھی ہوٹل پر زیادہ توجہ دی اور گوپال کو آسانی سے [illegible]
لیا۔ چونکہ ان کا مطمح نظر تم دونوں کی گرفتاری تھا اور سندیپ جو پڑا ان کے ہاتھ نہیں آسکا تھا تبھی انھوں نے [illegible]
دیے رکھی تاکہ گوپال کے ذریعے سندیپ کو پکڑ سکیں۔ ہم بھی ان کے تعاقب میں تھے۔ [illegible]
دوسری جانب ہمارے ایک اور ساتھی نے مورچہ پکڑا ہوا تھا، کیوں کہ ہمیں اندازہ تھا وہ سندیپ کو [illegible]"

جوگی کی وضاحت نے ہمارے کافی شکوک دور کر دیے تھے۔ ڈینو منہ بنا کر بولا۔ "اگر سلطان دادا کے [illegible]
لوگ ہی ہمیں وصول کرتے تو زیادہ مناسب رہتا۔"

وہ صاف گوئی سے بولا۔ "اس طرح ہم خود نظر میں آجاتے۔ اور ہماری یہاں موجودگی کا مقصد انصاری صاحب کی
بیٹی کی بازیابی نہیں ہے۔"

میں شاکی ہوا۔ "تو اب مدد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

جوگی اطمینان سے بولا۔ "مجبوراً مخل ہونا پڑا۔ کیوں کہ ایک تو ہمارے بے نیازی برتنے پر تم دونوں کی گرفتاری یقینی
تھی، دوسرا اب ان کی توجہ تم دونوں پر مرکوز تھی اس لیے ہم آسانی سے وار کر گئے۔"

ڈینو ممنونیت سے بولا۔ "بہرحال شکریہ۔"

"تمھارے شکریے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں کی جگہ کوئی بھی پاکستانی ہوتا ہم اسے بچانے کی کوشش
ضرور کرتے۔ باقی انصاری صاحب کے کچھ قرض بقایا ہیں اگر خود ان کا کام نہیں کر سکتے تو اس کے مددگاروں کی تھوڑی بہت
مدد ضرور کر سکتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہاں محفوظ ہیں؟"

اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "دورانِ لڑائی کس کا داؤ چل جائے یہ مقدر کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کام
کوشش کرنا ہے، سو فیصد کامیابی کا حصول کسی اور کے قبضہ قدرت میں ہے۔ البتہ دونوں اپنے موبائل فون بند کروا دیں۔
تمھارے موبائل نمبران کے پاس پہنچ گئے ہوں گے۔"

ہم نے موبائل فون بند کر کے کوڑا کرکٹ کی ٹوکری میں پھینک دیے تھے۔

"ڈینو نے اندازہ ظاہر کیا۔ "یقیناً یہ کسی انجان شخص کا مکان ہوگا اور اس کی آمد کسی بھی وقت متوقع ہو سکتی ہے۔"

جوگی نے وضاحت کی۔ "بھاگنے کی کوشش میں پکڑے جانے کا اندیشہ تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "یہاں کب تک چھپیں گے؟"

''کچھ کر نہیں سکتے۔'' بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے جوگی نے آنکھیں بند کرلیں۔
ڈیزی نے منہ بنایا۔ ''پھر اپنا نام ہی بتادو۔''
''دیپک۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ ''اور یقیناً یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہوگی کہ ایک آدمی کا جاگنا ضروری ہے۔''
ڈیزی کو اٹھنے کا اشارہ کرکے ڈرائینگ روم میں لے آیا، وہاں اندھیرا تھا۔ اس لیے ہم جوگی کا موبائل فون ساتھ
لے آئے تھے۔ بیٹھنے کی جگہ تلاش کرکے میں نے روشنی بجھادی۔
ڈیزی شرمسار ہوا۔ ''سوری یار! میں نے تمھیں بھی پھنسانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔''
میں متبسم ہوا۔ ''انصاری صاحب کو کم از کم دو تین ماہ تک ہمیں جاسوسی کی تربیت دینا چاہیے تھی۔''
ڈیزی کو کرید ہوئی۔ ''بھائی کا اصل نام دیپک تو نہیں ہوگا۔''
میں نے سمجھایا۔ ''اس نے ہمارے اصل نام جاننے کی کوشش نہیں کی تو اپنا نام کیوں کر بتائے گا۔''
''اچھا مٹی پاؤ۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ ''یار! مجھے تو شردھا یاد آرہی ہے۔''
میں نے یاد دلایا۔ ''اس کا نام سینتا ہے۔''
وہ مشتاقانہ لہجے میں بولا۔ ''نام بھاڑ میں ڈالو، صورت اتنی موہنی ہے کہ مستقل انڈیا میں رہائش کا سوچنے لگا
تھا۔ سانولی ہے لیکن حواس پر چھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''
میں ہنسا۔ ''اتنی ہی پیاری ہوتی تو بے ہوش کرکے نہ آتے۔''
''مجبوری تھی یار! ورنہ ارادہ یہی تھا کہ پرما انصاری کے بجائے پہلے شردھا کو اغواء کرکے پاکستان لے جاؤں گا۔''
میں نے ٹوکا۔ ''تم مسلسل اس کا غلط نام لیے جارہے ہو۔''
وہ شوخی سے بولا۔ ''کیا کروں، اس نام میں نغمگی زیادہ ہے۔ اور جب تمھیں پتا چل جاتا ہے کہ شردھا کہنے سے
میری مراد سینتا ہی ہے تو کیوں ٹوکنے سے باز آجاؤ۔''
''فضول بحث کو چھوڑو اور آگے کا سوچو۔'' میں نے موضوع تبدیل کیا۔
وہ اطمینان سے بولا۔ ''سوچنے کو دیپک صاحب تشریف لے آئے ہیں۔''
میں نے واویلا کیا۔ ''یقین مانو مجھے تو معاملے کا سر پیر نظر نہیں آرہا۔ ڈور ایسی الجھی ہوئی ہے کہ کوئی سرا دکھائی نہیں
دیتا۔''
''ایک مشورہ مانو گے۔''
میں صاف گوئی سے بولا۔ ''تمھاری حالیہ بے راہروی متقاضی ہے کہ مشورہ سنے بغیر میں اثبات میں سر نہ ہلاؤں۔''
وہ عاشقانہ لہجے میں بولا۔ ''بے راہروی سے مراد شردھا سہنا ہے تو یہ الزام سر آنکھوں پر۔''
میں چڑ کر بولا۔ ''مشورہ پھوٹو۔''
''آرام سے سو جاؤ، دیپک بھائی سے مل بیٹھ کر کوئی حل سوچیں گے۔''
''تمھاری عادتیں کیسی بھی ہوں مشورہ رد کرنے کے قابل نہیں دیا۔'' طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے میں موبائل روشن کر
کے خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔
''تمھارے طعنے اس دل سے شردھا سہنا کی محبت کم نہیں کر سکتے۔'' میری تقلید میں اس نے بھی خواب گاہ کا رخ کیا
دیپک ڈبل بیڈ پر پھیل کر لیٹا تھا۔ مجھے بھی ایک کونے میں جگہ مل گئی تھی۔ موبائل فون میز پر رکھ کر میں لیٹ گیا۔

عموماً سول دوستوں سے سنا ہے کہ انھیں نئی جگہ پر نیند نہیں آتی۔ لیکن ایک فوجی بے چارہ اتنے علاقے گھوم چکا ہوتا ہے کہ کوئی جگہ اسے نئی معلوم نہیں ہوتی۔ ایک سنائپر تو اس معاملے اور بھی سخت جان ہوتا ہے۔ پتھریلی چٹانوں، اونچے درختوں، برفیلی وادیوں اور گرم ریگزاروں میں موسم کی شدت کی پروا کیے بغیر سو جانا ایک سنائپر ہی کا خاصا ہوتا ہے۔ جب خطرات برساتی بادلوں کی طرح سر پر منڈلا رہے ہوں۔ موت کے قدموں کی چاپ اونچی ایڑی کے سینڈل کی پختہ فرش پر ٹک ٹک کی طرف سنائی دے رہی ہو۔ مقصد پورا کرنے کا جنون ولگن دل و دماغ پر حاوی ہو ایسے میں سو جانا کمال کہلاتا ہے۔ اور ایسے کمال پاکستانی سنائپرز سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے طارق بن زیادؒ کا قول مصرع میں نقل فرمایا کہ......

ع ہر ملک ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست

اور بلاشبہ پاکستانی سنائپرز پر بھی یہ مصرع مکمل طور پر منطبق ہوتا ہے۔ وہ تو آرام دہ بستر تھا۔ گو خطرہ موجود تھا لیکن بدن کو راحت میسر تھی۔ جو جسمانی اور ذہنی اذیت میں سونے کے عادی ہوں انھیں صرف ایک دشواری جاگنے پر مجبور نہیں رکھ سکتی۔ میں بھی لمحوں ہی میں گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔

میری آنکھ ڈینو کے جگانے پر کھلی تھی۔

''شش...... خطرہ ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی تھی۔ سنائپر کا دماغ عام آدمی سے مختلف ہوتا ہے۔ جاگتے ساتھ اسے ماحول کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اور ایسا مسلسل مشقوں سے ہوتا ہے کہ آنکھ کھلتے ہی انسان حواس باختہ نہ ہو جائے۔ میں نے فوراً ڈینو سے موبائل لے کر بجھا دیا تھا۔ دروازے پر کھٹر پڑ ہوئی۔ میرا خیال مالک مکان کی طرف پلٹا مگر دبے قدموں کی چاپ اور ہلکی سرگوشیاں میرے اندازے کو جھٹلا رہی تھیں۔

اچانک ہی کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا، کسی نے ''مین سوئچ آن'' کیا تھا۔ یقیناً گھر والوں نے جاتے وقت ہر کمرے کی روشنی بجھانے کے بجائے صرف ''مین سوئچ'' سے بجلی منقطع کی تھی جو بٹن کے دبتے ہی بحال ہو گئی تھی۔

روشنی ہوتے ہی دروازے کو ٹھوکر مار کر کھولا گیا۔ چست لباس پہنے ہوئے دو افراد ہتھیار تانے دندناتے ہوئے اندر گھسے۔ انھوں نے انساس رائفلیں پکڑی ہوئی تھیں۔ (56.5 ایم ایم انساس رائفل (انڈین نیشنل سمال آرمز سسٹم) ایک بھی رائفل ہے۔ اس کا رسیور اور پسٹل گرپ کلاشن کوف جیسا ہے۔ میگزین شفاف پلاسٹک کی بنی ہے اور اس میں 2 گولیاں آتی ہیں۔ خود کار ہتھیاروں کو جب چھٹے (برسٹ) پر لگایا جائے تو فائرر کی انگلی کے دباؤ سے گولیوں کی بوچھاڑ تی ہے۔ یعنی جتنی دیر ٹریگر دبا کر رکھا جائے گا اتنا لمبا چھٹا فائر ہو گا۔ اور یوں عموماً اچھے فائرر بھی لمبے چھٹے فائر کر بیٹھتے ہیں لہ گولیوں کے ضیاع کے ساتھ ہدف کو بھی فائرر کی مرضی کے خلاف زیادہ نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن انساس کی ایک وصیت یہ بھی ہے کہ سلیکٹیو میکانزم کے ذریعے سنگل شاٹ اور تین راؤنڈ کے چھٹے فائر کیے جا سکتے ہیں)

''ہاتھ اوپر۔'' کرخت لہجے میں پکارا گیا۔

مگر ڈینو اسپرنگ کی طرح اچھلا، اس کی بھرپور ٹھوکر، دائیں والے کی چھاتی میں لگی۔ وہ دروازے سے باہر جا ۔ دوسرے نے رائفل ڈینو کی طرف گھمائی، لیکن اس سے پہلے میں لبلبی (ٹریگر) دبا چکا تھا۔ وہ وقت خطرہ مول لینے کا تھا کہ میں اسے زخمی کرنے کا سوچتا۔ تبھی ''دا لتھرپی ٹوٹی ٹو'' کی گولی اس کے کان سے ایک انچ اوپر کھوپڑی میں ۔ وہ مری ہوئی چھپکلی کی طرح نیچے گرا تھا۔

ڈینو فرش پر لوٹ لگاتے ہوئے دروازے سے گزرا اور اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے دشمن پر جا پڑا۔ سر کی بھرپور ٹکر بن رسید کرتے ہوئے ڈینو نے اس کے ہتھیار پر ہاتھ ڈالا۔ وہ کولہوں کے بل نیچے گرا تھا۔ لیکن ڈینو سے ایک غلطی ہو

گئی تھی وہ تیزی میں درستی بھول گیا تھا۔ حملہ کرنے والے صرف دو نہیں تھے۔ کمانڈوز عموماً کمروں پر دھاوا بولتے وقت
جوڑی کی تعداد میں حملہ کرتے ہیں۔ ایک کمانڈو کو یہ اصول بھولنا نہیں چاہیے تھا۔ اور میدان جنگ میں ذرا سی غلطی بھاگنے کا
موقع چھین لیا کرتی ہے۔

ڈینو، اناس بھینے ہی پیٹھ کے بل فرش پر گرا اور دیوار کے ساتھ کھڑے دشمن پر فائر کھول دیا۔ اس کا صاف مطلب
یہی تھا کہ اسے بنیادی اصول نہیں بھولا تھا۔ بس جوش میں ہوش کھو بیٹھا تھا۔ دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے دو
افراد میں سے ایک تو اس کی گولیوں کا نشانہ بن گیا البتہ دوسرے نے لبلبی دبا کر ڈینو کی چھاتی میں سوراخ کھول دیا تھا۔
اس حالت میں بھی ڈینو کی حرکت نہیں رکی تھی، اس کی رائفل نے دوسرا چھٹا اگلا اور اسے مارنے والا بھی ڈھلکتا ہوا نیچے
گر گیا تھا۔

میں بجلی کی سی سرعت سے ڈینو کی طرف بھاگا۔ اس دوران ڈینو کی ٹکر کھا کر گرتے ہوئے دشمن نے اٹھ کر ڈینو کو ٹھوکر
رسید کرنے کی کوشش کی مگر سائلنسر لگا ''دا لتھر پی ٹو ٹی ٹو'' دوسری گولی اگل چکا تھا۔ بھاگتے ہوئے بھی میں دشمن کے ماتھے
کو کامیابی سے داغ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں باہر نکلتا، دو افراد ڈرائینگ روم کے دروازے سے اندر آئے۔ دونوں نے ہتھیار پہلے سے
تانے ہوئے تھے۔ میں فوراً منہ کے بل گرا۔ ان کے ہتھیار ایک ساتھ گرجے گولیاں میرے اوپر سے گزری تھیں۔ بلاشبہ
میں بال بال بچا تھا، لیکن دشمن کی گولیاں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔ میرے کانوں میں دیپک کی زوردار کراہ پہنچی، یقیناً وہ بھی
میری تقلید میں باہر نکل رہا تھا۔

میں نے لیٹے لیٹے پستول سیدھا کیا، دونوں دشمن اگلا چھٹا فائر کرنے کی حسرت لیے منہ کے بل گر گئے تھے۔
ڈینو کی حالت دیکھ کر مجھے نہیں لگتا تھا کہ اسے مدد کی ضرورت تھی۔ یقیناً اس کے سانس پورے ہو چکے تھے۔ وطن کی
حفاظت کی قسم کھانے والے کے نصیب میں وطن کی مٹی بھی نہیں لکھی تھی۔

میں پیچھے مڑا، میرے دوسرے ساتھی نے بھی ڈینو کی تقلید کرنا پسند کیا تھا، دو چھٹے چہرے سے ٹکرا کر اسے ناقابل
شناخت بنا چکے تھے۔ ایک ساتھ چھے گولیوں نے بے چارے کو تڑپنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ میں ایک لمحے کو ساکن ہوا،
موجودصورت حال سے نکلنے کو دماغ کے گھوڑے دوڑائے، یقیناً جان بچانے کو ہتھیار ڈالنا ضروری ہو گیا تھا۔ انڈین
کمانڈوز نے مکان کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اور ایک پستول کے سہارے میں تربیت یافتہ کمانڈوز کا گھیرا توڑ کر
بھاگ نہیں سکتا تھا۔

کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اچانک دھماکا ہوا، میں نے فوراً خود کو نیچے گرایا، مگر اس سے پہلے ہی میری دائیں ران
میں گرم سیسہ گھس کے دوسرے جانب نکل گیا تھا۔ گولی لگتے وقت درد یا تکلیف کا احساس بالکل بھی نہیں ہوتا، لیکن اس کے
بعد ہر گزرتے لمحے زخم پھوڑے کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے۔

فائر کرنے والے کا احسان تھا کہ اس نے کھوپڑی، گردن اور پیٹھ کے بجائے ران میں گولی ماری تھی۔ شاید اس کا
ارادہ مجھے زندہ پکڑنے کا تھا۔ اور اللہ پاک کی منشا کے مطابق میرے چند سانس بقایا تھے، ورنہ میرا حشر اللہ ڈینو اور دیپک
سے مختلف نہ ہوتا۔

نیچے گرتے ہی میں فوراً سیدھا ہوا دشمن نے چوکنے انداز میں رائفل تانی ہوئی تھی۔ میرے سیدھا ہوتے ہی اس نے
رائفل ہلا کر مجھے دھمکانے کی کوشش کی، مگر اس کے ہونٹوں سے دھمکی نکلنے سے پہلے میرا پستول گولی اگل چکا تھا۔ میرا اسے
زندہ پکڑنے کا ارادہ نہیں تھا کہ کھوپڑی کو نشانہ نہ بناتا۔ اور سنائپر اتنے قریب سے نشانہ خطا نہیں کرتا۔

گولی ماتھے میں لگی تھی۔ اس کے نیچے گرتے ہی میں لمحے کے بیسویں حصے میں ایک فیصلے پر پہنچا۔ "والتھر پی پی کے"
کا دستہ میں نے دیپک کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا، بیڈ پر اس کی گدڑی اور لمبے بالوں والی وگ پڑی تھی۔ گدڑی کا استعمال
کپڑا پھاڑ کر میں نے سرعت سے پھوڑا اپنی ران پر کس کر لپیٹا تا کہ خون کا اخراج رک سکے۔ ابتدائی طبی امداد کا پہلا اصول
خون کے بہاؤ کو روکنا ہوتا ہے۔ اکثر زخمی صرف خون ضائع ہونے سے ہلاک ہو جاتے ہیں ورنہ ان کے زخم بذات خود
جان لیوا نہیں ہوتے۔ دیپک کے بالوں کی وگ اور گدڑی بیڈ کے نیچے پھینک کر خود بھی بیڈ کے نیچے کھسک گیا۔ مکان کے
باہر دوڑتے قدموں کی آوازیں اور احتیاط سے اندر گھسنے کی ہدایات گونج رہی تھیں۔ مرنے والوں کے کانوں میں وائرلیس
سیٹ کے ہینڈ فری لگے ہوئے تھے اس لیے وائرلیس کی بلند آواز نہیں ابھر رہی تھی۔ اور اپنے ساتھیوں کی خاموشی کی وجہ
سے وہ اندر گھسنے میں احتیاط برت رہے تھے۔ ان کا محتاط پن ہی مجھے چند لمحوں کی مہلت دے گیا تھا اور میں بیڈ کے نیچے
گھس گیا۔ گو یہ جوا ہی تھا مگر اس وقت جوا کھیلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ ڈینو جلد بازی اور جوش میں حالات کو اس
نہج تک لے آیا تھا ورنہ میں گرفتاری دینے پر تیار ہو جاتا۔

میرے اندازے کے مطابق ان کی نظر میں ہم صرف دو تھے۔ اور دو لاشیں ملنے کے بعد انھیں تیسرے کی تلاش کی
ضرورت باقی نہیں ہونا چاہیے تھی۔ خوش قسمتی سے جن افراد نے کمرے میں تین افراد کو دیکھا تھا وہ تمام ہلاک ہو چکے
تھے۔ باہر والوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر دشمنوں کی تعداد کتنی ہے۔ جو ہمارے صورت آشنا تھے انھیں بھی دیپک کو دیکھ کر
کوئی شک نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ اس کا چہرہ نا قابل شناخت ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے کو پہچاننے اور اس پر واری قربان
ہونے والی نگاہیں کہیں دور پاکستان میں تھیں۔ وہاں تو بس نفرت، حقارت اور ناپسندیدگی سے دیکھنے والی آنکھیں تھیں جن
کی نظر میں اس کا وجود دھرتی کا بوجھ تھا۔ یقیناً نفرت و محبت کا تعلق پہچان دو واسطے سے ہے، صورت و کردار کے تعین سے
نہیں۔

کمانڈوز کے طریقہ کار میں ہمیشہ ایسے کمرے کی تلاشی لینے کو جس میں دشمن کی موجودی یقینی ہو دستی بم (ہینڈ
گرنیڈ) اندر پھینک کر رائفل کی چند گولیاں فائر کرتے ہیں تا کہ کوئی دستی بم کو اٹھا کر واپس نہ پھینک سکے۔ (پہلے بھی بتایا جا
چکا ہے کہ دستی بم پن نکلنے کے تین سے چار سیکنڈ بعد پھٹتا ہے) لیکن ایسا تب کیا جاتا ہے جب دشمن کے چوکنا ہونے کا یقین
ہو۔ ہمیں انھوں نے بے خبری میں چھاپنے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔ اور اب وہ دستی بم پھینکنے کی حالت
میں نہیں تھے کہ خود ان کے ساتھی اندر موجود تھے۔ گو ساتھیوں کی طرف سے خاموشی چھا جانا، ساتھیوں کے ضائع ہونے کو
ظاہر کرتا ہے، مگر ان کے بے ہوش ہونے کا امکان بھی نظر انداز نہیں کیا سکتا تھا۔ اور وہ اسی امید پر دستی بم نہیں پھینک رہے
تھے۔

"تم چاروں طرف سے گھیرے میں آچکے ہو۔ جان بچانا ہے تو ہتھیار پھینک دو۔"

اوندھے منہ لیٹ کر میں نے سر قالین پر ٹیکا ہوا تھا۔ بھورے رنگ کے قالین پر خون کی سرخی واضح نظر آرہی
تھی۔ لیکن اندازہ تھا کہ میرے خون کو بھی دیپک کا خون سمجھا جا سکتا تھا۔

دشمن نے زیادہ دیر انتظار نہیں کیا تھا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ خواب گاہ کے دروازے سے ذرا ترچھا تھا۔ تبھی دشمن
کا داخلہ میری نظر سے اوجھل رہا۔ چند لمحوں بعد دو پاؤں میری نظروں کے سامنے طلوع ہوئے اور ایک دم کمرے کے
...نے سے گزر کر دروازے کے دائیں جانب چھپ گئے۔ دروازے کی بائیں جانب بھی کسی نہ کسی کو موجود ہونا چاہیے
...بھر بعد وہ دھاڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے ......

"خبردار ...... ہاتھ اوپر ...... حرکت نہیں۔" جیسے فقرے با آواز بلند کہتے ہوئے انھوں نے متوقع دشمن پر رعب

مگر اندر انھیں اپنے ساتھی اور دیپک کی لاش کے علاوہ انھیں کچھ نہیں ملا تھا۔ دو آدمی سرعت سے غسل خانے کے دروازے تک گئے مگر ناکام لوٹے تھے۔

"کلیئر کلیئر کلیئر" وقفے وقفے سے تین مختلف آوازوں نے سب اچھا پیش کیا۔ میں دم سادھے لیٹا رہا۔ دو بوٹ میرے چہرے سے دو تین فٹ کی دوری پر آ کر رکے۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی تھی، مگر خیریت گزری اور اس نے نیچے جھانکنے سے گریز کیا تھا۔

ان کا سرغنہ وائرلیس سیٹ پر "سب اچھا" دے رہا تھا۔ "دو گھس بیٹھیے ہلاک کر دیئے ہیں۔ اپنے سات ساتھی شہید ہوئے ہیں۔" "مسلمانوں کی نقل میں اب غیر مسلم اقوام بھی وطن کی خاطر لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہنے لگے ہیں۔"

ایک اور آواز ابھری۔ "کچرادان (ڈسٹ بن) میں دو موبائل پڑے ہیں۔"

سینئر نے انھیں خبردار کیا۔ "کرنل چاولہ صاحب یہیں آ رہے ہیں، ان کی آمد تک لاشوں سے چھیڑ خانی نہیں ہوگی۔"

ایک آدمی رو دینے والے انداز میں بولا۔ "مارے گئے، وہ تو بہت بے عزت کریں گے۔"

وہ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔

کرنل چاولہ کا نام میں نے سلطان دادا کے آدمی اور پھر دیپک سے بھی سنا تھا۔ یقیناً را کا خصوصی کارندہ تھا۔ جبھی تو کمانڈوز بھی اس کے نام سے گھبرا رہے تھے۔

ڈرائینگ روم سے ان کی گفتگو کی آواز گونجتی رہی۔ دیپک اور ڈینو کو کوستے ہوئے وہ اپنے مرنے والے ساتھیوں پر اظہار افسوس کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ کرنل چاولہ کے سوالوں کے جواب تیار کر رہے تھے کہ کس طرح دو دہشت گرد ان کے ساتھ کمانڈوز کا کام تمام کر گئے تھے۔

میری ران میں شدید درد ہو رہا تھا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ گولی نے ہڈی نہیں توڑی تھی۔ اور ران کے کنارے کے گوشت کو چھیدتی ہوئی باہر بھی نکل گئی تھی۔ پٹی کو چھونے پر مجھے ہلکی چپچپاہٹ محسوس ہوئی۔ خون ہلکا ہلکا رس رہا تھا۔ میں عجیب حالات میں پھنس گیا تھا۔ اللہ ڈینو کی جدائی کو دماغ اب تک ہضم نہیں کر پایا تھا۔ اس کے ساتھ رشتہ نیا سہی مگر وہ ایک مخلص اور کارآمد ساتھی تھا۔ دلیر، نڈر اور پہل کرنے والا۔ دیپک انجان سہی مگر سچا خیر خواہ تھا۔ یقیناً اس کی وجہ سے ہمیں کافی سہولتیں میسر ہوتیں، لیکن شومئی قسمت کہ تعلقات کے آغاز کے ساتھ وچھوڑے کی صدا گونج اٹھی تھی۔

ان کی گفتگو سے بے نیاز میں آگے کا سوچنے لگا۔ پہلا مرحلہ تو جان بچانے کا تھا۔ نامعلوم کرنل چاولہ کی آمد کیا گل کھلانے والی تھی۔ ممکن تھا وہ بیڈ کے نیچے جھانکنے پر مصر ہوتا۔ اور ایسا ہونے کی صورت میری گرفتاری یقینی تھی۔ اس کے بعد کیا ہونا تھا یہ سوچنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔

سنا ہے جتنا بھی سخت جان ہو ایک حد تک تکلیف برداشت کر سکتا ہے۔ اور انڈین عقوبت خانے میں پھنسنا کسی بھی پاکستان جاسوس کی اخیر درجے کی بدقسمتی کہلاتی ہے۔ انڈین ایجنسیوں کے پاس تشدد کے وہ طریقے اور حربے ہیں کہ قدم زمانے کا غیر انسانی تشدد بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے۔

مگر کہتے ہیں پانی میں گھسنے والے کو گیلا ہونے سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ میں نے بھی انصاری صاحب کو ہامی بھرتے وقت بدترین حالات کو مدنظر رکھا تھا۔ دشمن ملک میں گھسنے والا ہر جاسوس اس دن کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتا ہے۔

اچانک ڈرائنگ روم میں ہلچل مچی۔ میں اس طرف متوجہ ہوا۔ معلوم ہوا کرنل چاولہ پہنچ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک گمبھیر آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ بولنے والا پراعتماد و پر رعب لگ رہا تھا۔ اپنے سات آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر اس نے اظہار برہمی کیا تھا لیکن اس کی درشتی میں حوصلہ و متانت چھپی تھی۔ وہ سرغنہ کے منصوبے میں پیشہ ورانہ غلطیاں اور کمیاں

اجاگر کرنے لگا۔

''محاصرے میں آئے دو دہشت گردوں سے اپنے سات کمانڈوز مروا کر انھیں ہلاک کر دینا نالائقی، کمزوری اور درجے کی حماقت ہے۔ اگر لڑنے کی صلاحیت نہیں تھی تو دستی بم استعمال کرتے، آنسو گیس کام میں لاتے۔ راکٹ لانچر سے حملہ کرتے، مگر اپنے آدمیوں کی بلی نہ دیتے۔ سات آدمی مروا کر تو کوئی اناڑی بھی دو آدمیوں کو قتل کر سکتے تھے۔ تم کہتے کمانڈو ہو۔ اگر دشمن کو زندہ پکڑا ہوتا پھر بھی کوئی بہانہ تو موجود ہوتا کہ انھیں زندہ پکڑتے ہوئے اپنے آدمی قتل ہوئے ہیں۔'' اس نے لمحہ بھر کو توقف کیا تبھی حملہ آوروں کے سرغنہ نے صفائی دینے کو منہ کھولا۔

''سر! ہم انھیں غافل سمجھنے کی غلطی کر بیٹھے۔ مگر وہ جوابی کارروائی کو مکمل تیار تھے۔''

''لچر بہانے بازی سے پرہیز کرو سوراج!... کیا بھارتی کمانڈوز صرف سوئے ہوئے دشمنوں ہی پر کاری وار کر سکتے ہیں۔'' کرن چاولہ برہم ہوا۔ ''اگر وہ ہوشیار تھے تو تم بھی غنودگی میں نہیں تھے۔''

سوراج نے ندامت ظاہر کی۔ ''سوری سر۔''

کرن چاولہ نے درشتی سے کہا۔ ''من کرتا ہے تمھارے بچ جانے والے ساتھیوں کو بھی مرنے والوں کے پاس بھجوا دوں۔''

سوراج کے پاس جواب ختم ہو گئے تھے۔ کسی اور کی بھی آواز نہیں ابھری تھی۔ کرن چاولہ کا عہدہ مجھے معلوم نہیں تھا، مگر انداز سے آفیسر لگ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کرن چاولہ کی آواز ابھری، لہجہ بدلا ہوا تھا۔ یقیناً اس نے غصے پر قابو پا لیا تھا۔ ''یہ چار لاشیں دیکھو، ہر ایک کے سر میں گولی ماری گئی ہے۔ اسے کہتے ہیں پیشہ ورانہ مہارت۔'' وہ لاشیں دیکھتا ہوا اندر گھسا۔ ''اس کے بھی سر میں گولی لگی ہے۔ اور یہ اس کا کام ہے۔'' وہ دیپک کی لاش کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ''اس نے تمھارے کمانڈوز پر خالی ہاتھ حملہ کیا۔'' کرن چاولہ نے ڈینو کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور اس نے تیز رفتاری اور درستی سے فائر کرتے ہوئے اپنے ساتھی کی مدد کی۔ مگر سمجھ میں نہیں آ رہا اسے کیسے گولیاں لگیں.....؟'' کرن چاولہ نے عمدہ تجزیہ کرتے ہوئے الجھن ظاہر کی۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم بڑھ گئی تھی۔ کرن چاولہ نہایت منجھا ہوا اور شاطر دشمن لگ رہا تھا۔ بعید نہیں تھا کہ وہ تیسرے دشمن کی موجودگی کا اندازہ کر لیتا۔

لیکن اس سے پہلے کہ میرے اندیشے حقیقت کا روپ دھارتے غیبی مدد آ پہنچی ایک بے وقوف بولا۔ ''سر! اسے میں نے ہلاک کیا ہے، میں سنتوش کے عقب میں تھا، جونھی اسے گولی لگی میں نے فائر کھول دیا۔ دشمن کے نیچے گرتے ہی احتیاطاً ... گیا کہ مجھے اور دشمن کی موجودگی کا خدشہ تھا۔'' اس نے شاید کرن چاولہ سے شاباش چاہنے کی غرض سے جھوٹ بولا

کرن چاولہ معترض ہوا۔ ''اس کے چہرے پر دو چھٹے لگے ہیں۔ اور ایک رائفل سے چلائے ہوئے دو چھٹے ایک شخص ... لگ سکتے ہیں؟ اصولاً اسے پہلے چھٹے کے ساتھ گر جانا چاہیے تھا۔''

... آواز ابھری۔ ''میں بھی موہن کے ساتھ تھا، ہم نے اکٹھے فائر کیا تھا۔''

... کمروں کی مکمل تلاشی لے لی تھی۔'' کرن چاولہ کے بوٹ بیڈ کے نزدیک آ کر رکے۔

... راج پر جوش لہجے میں بولا۔ ''جی سر! باریک بینی سے دیکھ چکے ہیں۔ کوڑا کرکٹ کی ٹوکری سے دو موبائل نے ... جیب سے بھی دو پستول برآمد ہوئے ہیں۔'' یقیناً اس نے دیپک کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ''اور کوئی قابل ذکر چیز ... ل خانے اور ڈریسنگ روم کی تلاشی لے لی تھی۔''

"تینوں پستول ہمارے آدمیوں سے چھینے ہوئے ہیں۔" کرن چاولہ پستولوں کو پہچان گیا تھا۔
"بالکل سر۔" سوراج نے پرزور انداز میں تائید کی تھی۔
"لاشیں پوسٹ مارٹم کو بھجوا دو اور کرنل صاحب کے لیے تحریری رپورٹ تیار کر دو۔" اختتامی ہدایات دیتے ہوئے کرن چاولہ کے قدم واپسی کو مڑ گئے۔
سوراج نے ایڑیاں بجا کر "جے ہند۔" کہا۔ اور کرن چاولہ کے غائب ہوتے ہی وہ موہن اور اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔
"تم دونوں نے غلط بیانی کیوں کی؟"
موہن نے کہا۔ "سوچا شاید چاولہ صاحب کی شاباش سننے کو مل جائے، مگر حسرت ہی رہی۔ کسی کو سراہنے میں موصوف اتنے ہی کنجوس ہیں جتنے پردھان منتری فوجیوں کی تنخواہ بڑھانے میں۔"
سوراج نے مطعون کیا۔ "تم جانتے نہیں چاولہ صاحب کتنے باریک بین اور ہوشیار ہیں، اگر جھوٹ پکڑ لیتے تو کتوں والی ہو جانا تھی۔"
موہن بے نیازی سے بولا۔ "وہ تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔"
"بہرحال آئندہ خیال رکھنا، فضول کی چالاکیاں مجھے پسند نہیں ہیں۔" سوراج نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور اب اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھاؤ۔"
تمام انتظامی امور میں لگ گئے۔ گھنٹے بھر میں تمام لاشیں لے گئے تھے۔ اس دوران میں دم سادھے لیٹا رہا۔ زخم میں درد جیسے رچ بس گیا تھا۔ مجھے مناسب طبی امداد کی سخت ضرورت تھی، لیکن یہ عیاشی فی الوقت میری قسمت میں نہیں تھی۔ بلکہ اس وقت تو مجھے کراہنے اور درد کے اظہار کی سہولت بھی میسر نہیں تھی۔ میں دانت بھینچے بے تحاشا تکلیف کو برداشت کرنے کی سعی کرتا رہا۔
کمرہ دشمنوں کے وجود سے خالی ہونے کے بعد میں نے موبائل پر وقت دیکھا، صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ نجانے وہ کسی کو نگرانی پر مامور کر گئے تھے یا نہیں اس کی تصدیق کرنا آسان نہیں تھا۔ ٹانگ زخمی ہونے کی وجہ میں تیز رفتاری سے حرکت نہیں کر سکتا تھا اور ایسی حالت میں محفوظ کمین گاہ سے نکلنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔ جب تک مجھے خطرہ ٹلنے کا یقین نہ ہو جاتا خواب گاہ سے نکلنا بے وقوفی ہوتی۔ درد میرے لیے نیا تھا، نہ تکلیف انجانی تھی اور نہ بھوک پیاس یا بے آرامی اچھوتی تھی۔ میں بیڈ کے نیچے دبکا رہا۔
کمرے کی روشنی وہ جلتی چھوڑ گئے تھے۔ گھنٹے ڈیڑھ بعد سورج کی روشنی بھی محسوس ہونے لگی۔ گولی میری دائیں ران میں لگی تھی، مگر درد پوری ٹانگ میں محسوس ہو رہا تھا۔ گدڑی سر کے نیچے رکھ کر میں چت لیٹ گیا اور گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بیت الخلاء میں جانے کی حاجت بھی ہو رہی تھی۔ لیکن احتیاط، تقاضے کی راہ میں رکاوٹ بنی رہی۔ دوپہر تک فطری تقاضا برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ میں بیڈ کے نیچے ہی حاجت پوری کر لیتا مگر انسانی فضلے کی بدبو کسی بھی اندر آنے والے کو فوراً متوجہ کر دیتی۔ مجبوراً مجھے بیڈ کے نیچے سے نکلنے کا خطرہ مول لینا پڑا۔
میں کھسک کر باہر نکلا، اٹھنے کی کوشش پر منہ سے چیخ نکلتے رہ گئی تھی۔ بے ساختہ کراہ تو زبردستی ہونٹوں سے پھسل گئی تھی۔ زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ چند لمحے میں ٹانگ لمبی کیے بیٹھا رہا اور پھر بائیں ٹانگ پر زور دے کر کھڑا ہو گیا۔ چلنے کو سہارے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ دائیں ٹانگ پر بالکل زور نہیں دے پا رہا تھا۔ جب ایک انچ بھی کھسکنے میں ناکامی ہوئی تو دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر میں جھکے جھکے کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔

انسان بھی کتنا بے بس، کمزور اور ضعیف ہے۔ ذرا سی تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ اور دعوے اتنے بلند بانگ کہ آسمان کو چھو لے، اکڑ جیسے پہاڑ اکھیڑ پھینکے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ طاقت و قوت کا مالک تو بس ایک ہی ہے۔ جو چاہے چیونٹی سے زیادہ بے بس کر دے، شیر کو کیچوا بنا دے، صحت مند کو اپاہج و معذور کر دے، شہ زور کو کمزور کر دے... چاہے کرسکتا ہے۔ یقیناً ساری بڑائیاں، بلندیاں، عزتیں، طاقتیں اسی ذات کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

کھڑکی کے پاس پہنچ کر میں دیوار کے سہارے اٹھا، پردے لوہے کے پائپ میں پرو دئے گئے تھے۔ پردے کو ... کر میں نے پائپ کو پردے سے باہر نکال لیا۔ جیب سے چھوٹا چاقو نکال کر میں نے پردے سے ایک چوڑی پٹی کاٹی... حرکت کرنے سے زخم سے خون رسنے لگا تھا۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ پورے کمرے میں خون کے قطرے بکھر جائیں۔ پٹی ران پر لپیٹی، پردے کو تہہ دے کر میں نے کھڑکی کے کنارے ہی پر رکھا اور لوہے کے پائپ کے سہارے بیت الخلاء کی طرف بڑھ گیا۔ خواب گاہ کا ملحقہ غسل خانہ (اٹیچ باتھ روم) میرے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا تھا۔ تازہ دم ہو کر میں باہر نکل آیا۔ تھوڑی بہت حرکت کرنے سے تکلیف تو کم نہیں ہوئی تھی، البتہ درد برداشت کرنے کی اہلیت بڑھ گئی تھی۔ صبح سے وہاں کسی شخص کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ اور مجھے سخت بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ دل کیا وہاں سے نکل جاؤں مگر سنا تھا بھوک کے ہاتھوں ایک دن میں اتنا بے بس نہیں ہو جاتا کہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔ میں نے رات ہونے کا انتظار کرنا ضروری سمجھا کہ اندھیرا کافی غلطیوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

کمرے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے کر میں دوبارہ بیڈ کے نیچے گھس گیا۔ اور اندھیرا چھانے تک وہیں دبکا رہا۔ کمرے کی بتی روشن تھی اس وجہ سے مجھے رات ہونے کا اندازہ موبائل فون پر وقت دیکھ کر ہوا تھا۔ اس دوران کمرے میں کسی کی آمد نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر میرا اطمینان مزید بڑھ گیا تھا۔ نو بجنے کو تھے جب میں بیڈ کے نیچے سے نکلا۔ گدڑی کو بیڈ کے نیچے ہی چھوڑ دیا کہ وہاں پہلے بھی کسی نے نہیں جھانکا تھا۔ یوں بھی اگر بیڈ کو ہٹایا جاتا تو میرے خون کے داغ ظاہر کر دیتے کہ وہاں کوئی چھپا رہا تھا۔ البتہ غالب گمان یہی تھا کہ وہاں اب ایجنسی کے کسی بندے کا آنا محال تھا۔ کیوں کہ ان کے تیس ہدف ہلاک کر کے وہ مقصد پورا کر چکے تھے۔ اب گھر کے مکین ہی نے آ کر مکان سنبھالنا تھا۔

جاتے ہوئے انھوں نے روشنی بجھانے کی زحمت کی تھی نہ کسی کمرے کے دروازے کو بند کرنا گوارا کیا تھا۔ صرف گھر کے داخلی دروازے کو قفل کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ وہاں ڈھونڈنے پر یقیناً کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جاتا۔ اور کچھ نہیں تو خشک ...اشن تو ضرور مل جاتا۔ مگر کسی کی آمد کے امکان کو رد نہیں کیا سکتا تھا۔ اور میری حالت ایسی تھی کہ صحیح طریقے سے چل نہیں سکتا تو جان چھڑا کر بھاگتا کیسے۔ پائپ کے سہارے چلتا ہوا میں صحن میں پہنچا۔ داخلی سے نکلنا مجھے مناسب معلوم نہیں ہوا

نظریں گھما کر میں نے صحن کا جائزہ لیا اور داہنی دیوار کی طرف بڑھ گیا جہاں لوہے کے فریموں میں گملے رکھے ...ئے تھے۔ ان فریموں کی شکل ریک نما تھی۔ ہر فریم کے تین خانے تھے اور ہر خانے میں چار گملے سجے ہوئے تھے۔ ان ...ں کی مدد سے میں آسانی سے دیوار عبور کرسکتا تھا۔ اگر زخمی نہ ہوتا تو ایسے سہارے ڈھونڈنے کی کبھی ضرورت نہ ...مگر تب میری ران پھوڑا بنی ہوئی تھی۔ اور دیوار چڑھنا تو کجا مجھے ہموار زمین پر چلنے میں سخت دقت ہو رہی تھی۔ ...ایک فریم کے قریب ہو کر میں پائپ کی مدد سے کوشش کر کے فریم کے تیسرے خانے پر پہنچ گیا۔ اس مشقت میں ...ے بجائے میں نے ہاتھوں کا زیادہ استعمال کیا تھا۔ دیوار کے سرے پر چڑھنے تک مجھے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ دیوار ...ا بہ مشکل آٹھ فٹ ہوگی جو میرے لیے نانگا پربت بن گئی تھی۔ ورنہ دوران تربیت نو فٹ کی دیوار ہم بھاگتے ...کرتے تھے۔ آرمی کی مختلف تربیتوں میں اسالٹ کورس بھی شامل ہے جسے آپ رکاوٹوں بھری دوڑ کہہ سکتے

ہیں۔ ایک میل کی حدود میں مختلف رکاوٹیں بنائی جاتی ہیں جنھیں چھوٹے اور ہتھیار کے ساتھ بھاگ کر عبور کرنا پڑتا ہے۔ اختتام پر ہدف پر پانچ گولیاں بھی فائر کی جاتی ہیں۔

دیوار کے اوپر لیٹ کر میں نے دوسری جانب جھانکا۔ ایک مختصر صحن نظر آیا۔ برآمدے میں بلب روشن تھا جس کی پیلی روشنی صحن کا اندھیرا دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ کتے سے تھا۔ گھر میں کتا ہونے کی صورت میں میں صحن میں اترتے ہی پکڑا جاتا۔ مگر تھوڑی دیر انتظار کے باوجود جب کتے کے آثار نہ دکھے تو میں نے پائپ دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور ہاتھوں کے بل لٹک گیا۔ یوں میرے پاؤں کا زمین سے فاصلہ چار پانچ انچ سے زیادہ نہیں رہا تھا۔ زخمی ٹانگ کو ہلکا سا سمیٹتے ہوئے میں بائیں پاؤں پر کود گیا۔ اور پر سنبھال کے رکھنے کے باوجود دائیں ٹانگ کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے درد بھری کراہ کو ہونٹوں میں دبایا تھا۔

چند لمحے دیوار پر سر ٹیکے کھڑا رہا۔ درد میں افاقہ ہوتے ہی میں پائپ کے سہارے اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پچھلا مکان متمول شخص کا تھا، لیکن وہ مکان کسی سفید پوش کا دکھائی دے رہا تھا۔ مکان کی بناوٹ ایسی نہیں تھی کہ گھوم کر عقبی جانب سے جائزہ لیا جا سکتا۔ کمروں کی دیواریں مکان کی چار دیواری کا حصہ تھیں، اس لیے کمروں کا عقبی حصہ گلی میں آ رہا تھا۔

صحن میں گاڑی وغیرہ کا نہ ہونا مکین کی مفلسی کے ساتھ میری بے بسی کا بھی مظہر تھا۔ کیوں کہ کار کی مدد سے وہاں سے نکلا جا سکتا تھا۔

برآمدے کے سامنے پہنچتے ہی میں شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ گھر والوں کو دھمکانے کو میرے پاس ہتھیار بھی موجود نہیں تھا، اگر مکین مجھے پولیس کے حوالے کرنے پر تل جاتے تو میرا جان چھڑانا ناممکن ہو جاتا۔ یوں گھر میں داخلے کا میرے پاس ایک ہی جواز تھا کہ میں اپنے مجرم ہونے اعتراف کر لیتا۔ یقیناً مکین گزشتہ شب، ساتھ والے مکان میں ہونے والی فائرنگ سے محظوظ ہو چکے تھے اور اب ایک زخمی کو گھر کے صحن میں دیکھ کر انھیں میرے بارے اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔

کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے دروازہ کھلا۔ میرے پاس پیچھے ہٹنے کی مہلت نہیں تھی۔

''کون ہے؟'' ایک نسوانی آواز ابھری اگلے ہی لمحے تیس بتیس سال کی قبول صورت خاتون باہر نکلی۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ اور ہاتھ میں چھڑی پکڑے ہونا اس کے نابینا ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

میں خاموش کھڑا رہا۔

وہ اعتماد سے بولی۔ ''جواب کیوں نہیں دے رہے، میں محسوس کر سکتی ہوں۔ تمھارے پاؤں کی آہٹ ہی مجھے باہر لائی ہے۔''

میں خاموش ہی رہا۔

اس کی طنزیہ ہنسی ابھری۔ ''ایک اندھی محتاج کے پاس تمھیں کیا ملے گا؟''

میں نے خاموشی توڑی۔ ''دو نوالے روٹی تو مل ہی جائے گی۔''

''تم تکلیف میں ہو۔'' اس کا اندازہ مجھے حیران کر گیا تھا۔

''کیسے پتا چلا؟'' میں حیرانی نہیں چھپا سکا تھا۔

''دیکھ نہیں سکتی، محسوس تو کر سکتی ہوں۔ تمھاری آواز میں درد چھپا ہے۔''

میں نے اقرار کیا۔ ''زخمی ہوں۔''

وہ متبسم ہوئی۔ ''شاید یہ کل کی تخ تخ کا پھل ہے۔''

''آپ کو جھٹلا نہیں سکتا۔''

وہ رکھائی سے بولی۔ ''کسی مجرم کو زیب نہیں دیتا کہ ایک معذور کو جہنم میں ڈالے۔''

میں بے چارگی سے بولا۔ ''تھوڑا سا کھانا اور زخم کی مرہم پٹی کرنے پر شاید آپ کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔''

وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔ ''اس کی کیا دلیل کہ مزید بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ یوں بھی ایک مرد گھر پہ ہونے سے
اکیلی عورت کے لیے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔''

''کیسے یقین دلا سکتا ہوں؟''

وہ اطمینان سے بولی۔ ''جو عملی تجربات سے گزر چکی ہو اسے چکنی چپڑی باتوں پر یقین نہیں آ سکتا۔''

جی چاہا پوچھوں کہ ''میرے زبردستی گھر میں گھسنے پر کیسے روکوگی۔'' مگر پھر اس کی مظلومیت پر ترس آ گیا۔ ایک بے
اندھی عورت کو مرد سے جو خطرہ ہو سکتا تھا اس نے کھل کر اظہار کر دیا تھا۔ اور اس کے پس پردہ آج کے مرد کا
ہے۔ یقیناً سارے مرد ایسے نہیں ہوتے، مگر حکم اکثریت کے مزاج پر لگایا جائے گا۔ اس بے چاری کا بھی کسی منفی
سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا اسے یہ تجربہ ایک سے زیادہ بار ہو چکا ہو، تبھی وہ کسی مرد پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دوگی۔''

وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔ ''بالکل نہیں دوں گی۔''

میں کہیں اور جانے کی حالت میں نہیں تھا، مگر ایک سہمی ہوئی عورت کی مرضی کے خلاف اس کے گھر میں گھسنا کہاں
مناسب نہیں تھا۔ ورنہ اس کے پاس مجھے روکنے کی طاقت نہیں تھی۔

''معافی چاہتا ہوں آپ کو زحمت دی۔'' میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھا کہ اب کوئی اور دیوار عبور کرنا میرے
لیے ناممکن تھا۔ کافی دیر رکنے کے بعد قدم آگے بڑھاتے ہوئے میرے ہونٹوں سے ہلکی آواز میں۔ ''سی۔۔۔ ''برآمد
تھا۔ ہونٹ بھینچ کر میں نے کراہوں کا گلا گھونٹا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

''ٹھہریں۔'' اس کی اضطراری آواز گونجی۔ ''شاید آپ زیادہ زخمی ہیں۔'' لہجہ کافی بدلا ہوا تھا۔

وہ غیرت دکھانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں رک گیا۔

''آ جائیں، کسی مجبور کو در سے دھتکارنا مناسب نہ ہوگا۔ اور بنتی کرتی ہوں وقت آنے پر تم بھی ترس کھا لینا۔'' اس کی
خوف میں لپٹی ہمدردی نے مجھے ششدر کر دیا تھا۔ میری مدد کرنے سے پہلے وہ میرے شر سے پناہ مانگ رہی تھی۔ نجانے
کون سے درندہ صفت مرد تھے جنھوں نے اس مظلوم کو مرد ذات سے اتنا متنفر کر دیا تھا۔ مگر وہ وقت استفسار یا اس کی کہانی
سننے کا نہیں تھا۔ ٹانگ کی تکلیف میں کمی یا ٹھہراؤ کے بجائے اضافہ ہو رہا تھا۔ جب تک زخم صاف کر کے مناسب مرہم پٹی نہ
ہوتی اور درد کش گولیاں نہ ملتیں یہ حالت برقرار رہنا تھی۔ ایسے زخم جن کی بروقت دیکھ بھال نہ کی جائے بعض اوقات ناسور
بن جاتے ہیں۔ ایسا ہونے پر ٹانگ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

میں زبانی کلامی وعدے کے بجائے عملی نمونہ پیش کر کے اس کے دل سے کم از کم یہ غلط فہمی دور کر سکتا تھا کہ سارے
مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ میں خاموشی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ ایک طرف ہو کر اس نے مجھے داخل ہونے کا رستہ دیا۔

ایک کھلا کمرہ تھا، جس کے دائیں بائیں دو اور کمروں کے دروازے تھے جبکہ عقبی جانب باورچی خانہ نظر آ رہا
تھا۔ کمرے میں رکھا پرانا صوفہ سیٹ، چند کرسیاں اور دو میزیں اسے ڈرائنگ روم ظاہر کر رہی تھیں۔ میں نے بیٹھنے
سٹک کی کرسی کو ترجیح دی تھی کیوں کہ صوفہ زخمی ٹانگ کے خون سے داغ دار ہو سکتا تھا۔

''صوفے پر دیکھیں ناں۔'' میرے نشست سنبھالنے سے اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ اس کے سننے کی حس غضب کی
تھی۔ اللہ پاک جس سے کوئی نعمت لیتا ہے تو بدلے میں دوسری حس میں ناقابل بیان اضافہ ہو جاتا ہے۔
میں نے وضاحت کی۔ ''زخمی ٹانگ سے خون رس رہا ہے، صوفہ گندا ہو جائے گا۔''
''میں طبی امداد کا سامان لاتی ہوں۔'' وہ بغلی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے اعتماد سے اٹھتے ہوئے قدم ظاہر
کر رہے تھے کہ گھر کے چپے چپے سے خوب واقف ہے۔
قریب پہنچ کر اس نے چھڑی سے دروازے کی تصدیق کی اور اندر چلی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ طبی صندوقچی (میڈیکل
بکس) اٹھائے نمودار ہوئی۔ چھوٹے قدم رکھتے وہ نزدیک آئی، چھڑی سے میز ٹٹول کر اس نے صندوقچی اوپر رکھا اور کرسی
گھسیٹ کر میرے پاس بیٹھ گئی۔ ہونٹوں پر خوشگوار تبسم بکھیرے وہ گویا ہوئی۔
''بینائی ختم ہونے سے پہلے میں نرس تھی، آٹھ سال پرانی بات ہے لیکن کام بھولی نہیں ہوں۔ اب ذرا زخم کی تفصیل
بتلاؤ تاکہ مرہم پٹی کر سکوں۔''
میں نے کہا ''داہنی ران میں عقبی طرف سے گولی لگی ہے۔ اور سامنے سے نکل گئی ہے۔''
اس نے تسلی آمیز لہجے میں مرا حوصلہ بڑھایا۔ ''یقیناً ہڈی بچ گئی ہے ورنہ چل نہ سکتے۔ اور گولی کا نکل جانا بھی تمھاری
خوش قسمتی ہے۔''
میں ہولے سے بولا۔ ''آپ صحیح کہہ رہی ہیں دیدی۔''
اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ لمحہ بھر کو وہ سن ہو گئی تھی۔ پھر نشست چھوڑتے ہوئے بولی۔ ''زخم دھونے کو گرم پانی لاتی
ہوں، اگر پٹی باندھی ہے تو کھول کر زخم کو ننگا کر دو۔'' وہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی اور میں پٹیاں کھولنے لگا۔ چونکہ پٹیاں
پتلون کے اوپر ہی باندھی تھیں اس لیے زخم سے چمٹی نہیں تھیں۔ البتہ پتلون اتارتے وقت میری کراہیں نکل گئی تھیں کہ کپڑا
زخم سے بری طرح چمٹا ہوا تھا۔
میرے زخم کھولنے تک وہ پانی گرم کر کے لے آئی تھی۔ میں نے پتلون اتار دی تھی اور صرف جانگیہ (انڈرویئر) پہنا
تھا۔ اس کے اندھا ہونے کے باوجود مجھے ہلکی سی جھجک ہو رہی تھی۔ مگر ران ننگا کرنا مجبوری تھی۔ کہ زخم کی صفائی اس کے علاوہ
ممکن نہ تھی۔ گولی گوشت پھاڑتے ہوئے سامنے سے نکلی تھی۔ گولی لگنے کی جگہ چھوٹا سا سوراخ تھا مگر جہاں سے گولی نکلی تھی
اس جگہ کا گوشت پھٹ گیا تھا۔
چھڑی سے میز چھو کر اس نے پانی کا برتن رکھا اور کرسی گھسیٹ کر میرے قریب بیٹھ گئی۔
''میں پٹی کر لوں گا دیدی۔'' مجھے جھجک ہو رہی تھی۔
وہ اطمینان سے بولی۔ ''نرس تو غیروں کی مرہم پٹی فرض سمجھ کر کرتی ہے، تم نے تو دیدی بنالیا ہے۔ اور چھوٹے بھائی
کی مرہم پٹی کرنے میں کیسی جھجک۔''
میں نے وضاحت کی۔ ''آپ کو نظر نہیں آتا تبھی کہہ رہا تھا کہ خود کر لوں گا۔''
''نابینا ہوں، انجان نہیں ہوں۔'' میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ شفقت سے بولی۔ ''میرا ہاتھ زخم پر رکھو۔''
میں نے اس کا ہاتھ زخم پر رکھ دیا۔ اس نے نرمی سے زخم کو چھوا اور ہولے ہولے ہاتھ گھما کر پورے زخم کا جائزہ لینے
لگی۔ زخم کو اچھی طرح ٹٹول کر وہ بڑبڑائی۔ ''پستول کی گولی تو نہیں لگتی۔''
مجھے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ ''آپ کو کیسے اندازہ ہوا؟''
''کہا ناں پیشہ ور نرس ہوں۔ پستول کی گولی اتنا گہرا شگاف نہیں ڈالتی۔'' اس نے چھڑی سے میز کی جگہ کا اندازہ کیا

اور میز کو قریب گھسیٹ کر طبی صندوقچے کو کھولنے لگی۔ میں نے اس کی مدد کو ہاتھ بڑھائے۔ وہ شفقت سے بولی۔ "آرام سے بیٹھے رہو، میں کر سکتی ہوں۔"

میں نے جھینپتے ہوئے ہاتھ واپس کھینچ لیے۔

اس نے روئی نکال کر پانی میں بھگوئی اور نرمی سی زخم پر پھیرنے لگی۔ انداز میں پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ بڑی کی شفقت بھی جھلک رہی تھی۔

گرم پانی سے زخم کو صاف کر کے وہ پایوڈین میں روئی بھگو کر زخم پر لگانے لگی۔ اگلے مرحلے میں اس نے چھوٹی کاٹ کر اس پر ایک کریم ملی اور پٹی کو زخم کے منہ پر رکھ کر اوپر سے پٹی لپیٹ دی۔

مرہم پٹی ہوتے ہی درد کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔

وہ درد کش ٹیکہ تیار کرنے لگی۔ مجھے خاصی حیرانی ہوئی تھی۔

"دیدی، بغیر دیکھے آپ کو کیسے پتا کہ یہ کون سا ٹیکہ ہے؟"

"بدھو، مختلف ٹیکوں کی بوتلوں کا حجم یکساں نہیں ہوتا۔ اور میرے پاس چند قسم کے ٹیکے ہی پڑے ہیں۔ آسانی سے شناخت کر لیتی ہوں۔"

ٹیکہ تیار کر کے اس نے مجھے کولہے پر لگایا اور پھر اینٹی بایوٹک ٹیکہ تیار کر کے میری رگ میں لگا دیا۔ انگلیوں سے ٹٹول کر جس طرح اس نے میری رگ تلاش کی تھی میرے لیے حیران کن نظارا تھا۔ ایک اندھی مسیحا پہلی بار دیکھی تھی۔

بکس کو بند کر کے اس نے شفقت سے پوچھا۔ "کھانا کھاؤ گے؟"

میں بے تکلفی سے بولا۔ "سخت بھوک لگی ہے۔"

"گرم کر کے لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔

میں سرعت سے بولا۔ "پہلے کوئی چادر یا تولیہ لا دو کہ میں صرف جانگیے میں ہوں۔"

وہ شرارتی انداز میں بولی۔ "تو یہاں ایک اندھی کے علاوہ کون ہے جو شہزادے کو دیکھنے آئے گا۔"

میں جھینپتا ہوا بولا۔ "دیدی مجھے عجیب لگ رہا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھیں۔ واپسی پر ہاتھ میں مردانہ شلوار قمیص تھی۔ "یہ پتا جی کے کپڑے ہیں۔" اس نے صاف لباس میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے شکریہ کہتے ہوئے کپڑے لے لیے۔ وہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

لباس تبدیل کر کے میں نے پرانے کپڑے اور خون آلود پٹیاں وغیرہ سمیٹ کر کوڑا کرکٹ کی ٹوکری میں پھینکے۔ اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانا گرم کر کے لے آئیں۔ آلو بھجیا اور توے کی تازہ روٹی تھی۔ مجھے کھانا پکڑا کر وہ چائے بنانے ...لی گئیں۔ سخت بھوک لگی تھی۔ میرے کھانا کھانے تک وہ گرما گرم چائے لے آئی تھیں۔ اور اس وقت مجھے چائے کی سخت ...ب بھی ہو رہی تھی۔ سگریٹ، نسوار جیسی لت سے قدرت نے مجھے دور رکھا ہے، لیکن چائے تو میری نظر میں قدرت کا تحفہ ...ے۔

چائے اس نے دو پیالیوں میں لائی تھی۔ مجھے پیالی پکڑا کر اس نے میرے سامنے نشست سنبھالی۔ "اب اپنی کہا...انی) سناؤ۔"

میں نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا "ضروری ہے۔"

”نہیں، لیکن مشتاق ضرور ہوں۔“

”خود کو بے گناہ کہنا تو جھوٹ ہوگا۔“

اس نے منہ بنایا۔ ”صفائی تو نہیں مانگی۔“

میں ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”اگر اپنے متعلق سچ بتانا مشکل ہو تو کیا کروں۔“

اس نے انکشاف کیا۔ ”خبروں میں سنا ہے کہ حساس ادارے کے کمانڈوز نے ملحقہ مکان پر چھاپہ مار کر دو تین دہشت گردوں کو ہلاک کیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ چھاپہ مار دستے کے کچھ افراد میرے گھر کی دیوار پھلانگ کر ساتھ والے مکان میں داخل ہوئے تھے۔“

میں نے جان چھڑائی۔

”جب آپ جانتی ہیں تو استفسار کا مطلب؟“

اس نے الجھن ظاہر کی۔

”کیا دہشت گرد تم جیسے ہوتے ہیں، جو اکیلی عورت کو دیدی بنا لیں۔“

”اچھائی اور برائی کا احساس تو تعلق کے مرہونِ منت ہوتا ہے۔ فاقوں سے مغلوب ہو کر دکان کا تالا توڑنے والا اپنے بچوں کو مسیحا اور دکان دار کو ڈکیت لگتا ہے۔“

”فلسفہ سننے کا موڈ نہیں ہے۔“

میں جز بز ہوا۔ ”دیدی! میرے پاس آپ کو بتانے کو کچھ نہیں ہے۔“

وہ شاکی ہوئی۔ ”اعتبار نہیں ہے۔“

”بے اعتباری، کسی خوف یا خطرے کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔ اور آپ جیسی نرم دل و معصوم چاہتے ہوئے بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔“

اس نے منہ بنایا۔ ”میں گھنٹی کر کے پولیس کو بلا لیتی ہوں تا کہ یہ غلط فہمی تو دور ہو کہ میں کچھ کر نہیں سکتی۔“

میں نے قہقہہ لگایا۔

”پولیس کے آنے سے پہلے میں نکل جاؤں گا۔“

”نکل کر دکھاؤ۔“ سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے دایاں ہاتھ گریبان میں ڈالا واپسی پر اس میں میں لیڈیز پستول موجود تھا۔ سنہری رنگ کا ننھا سا پستول منقش سانپ کی طرح مجھے گھور رہا تھا۔ میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

میں نے چائے کی پیالی دھیرے سے میز پر رکھی

ایک دم اس نے تبصرہ کیا۔

”تم نے چائے کی پیالی نیچے رکھ دی ہے۔“

مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔ اتنی مدہم آواز بھی اس نے سن لی تھی۔ کالے شیشوں کی عینک کو تاڑتے ہوئے مجھے لگا شاید وہ دیکھ سکتی ہے۔

اس نے میری سوچ پڑھ لی تھی، ایک دم نفی میں سر ہلایا۔ ”دیکھ نہیں سکتی، صرف سن سکتی ہوں اور یقین مانو اگر پہلو بھی بدلو گے تو مجھے محسوس ہو جائے گا۔“

”کیا چاہتی ہیں۔“ میں نے بے بسی کا اظہار کیا اور تب لگا کہ اسے بے بس جاننا میری حماقت تھی۔ گھر داخل ہونے کی اجازت میں نے اخلاقی تقاضا پورا کرنے کو مانگی تھی۔ لیکن وہ اس وقت بھی مسلح تھی اور یقیناً مجھے بہ زور روک سکتی تھی۔

وہ متبسم ہوئی۔ ''تمھاری غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی۔'' اس کا دایاں ہاتھ پستول غائب کرنے کو گریبان کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے نظریں جھکالی تھیں کیا سے دیدی پکارنے کی نسبت سے وہ میرے لیے محترم و مقدس تھی۔
میں شاکی ہوا۔ ''اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''
اس نے خفت سے پوچھا۔ ''خفا ہو۔''
''ہاں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
نشست چھوڑتے ہوئے اس نے چھڑی سے میز کو چھوا اور گھوم کر میرے پہلو میں آگئی۔ ''دیدی سے بھی کوئی خفا ہوتا ہے بھلا۔'' میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس نے شفقت سے پکارا۔
''دیدیاں ڈانٹتی ہیں، دھمکی نہیں دیتیں۔''
''شما چاہتی ہوں۔'' اس نے ندامت ظاہر کی۔
میں خفت سے بولا۔ ''اب بے عزتی تو نہ کریں نا۔''
وہ گزشتہ موضوع کی طرف پلٹی۔ ''کیا آپ کا تعلق پڑوسی ملک سے ہے؟''
''کیوں، پڑوسی ملک والا کسی محترم خاتون کو دیدی بنانے کا مجاز نہیں ہوتا۔'' اس کی تفتیش سے جان چھڑانے کو میں نے بے موقع واویلا مچایا۔
وہ شاکی ہوئی۔ ''ایسا کب کہا ہے۔''
میں نے موضوع تبدیل کیا۔ ''آج رات کو پناہ مل سکتی ہے؟''
اس نے حکم صادر کیا۔ ''مکمل ٹھیک ہونے تک تم کہیں نہیں جا رہے۔''
میں نے منہ بنایا۔ ''اگر یونہی تفتیش ہوتی رہی تو شاید آج ہی بھاگ جاؤں۔''
''مجھے مسلسل ٹال رہے ہو۔'' اس کا ہاتھ بازو پر رینگتا ہوا میرے کان کی لو تک پہنچا اور اس نے کان پکڑ کر شفقت سے کھینچا۔ ''بتا رہے ہو یا کان اکھیڑ دوں۔''
''بعض اوقات خاموش رہنا مجبوری بن جاتی ہے کہ بندہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور سچ بول نہیں سکتا۔ صرف اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ کسی بے گناہ کو نقصان پہنچانے نہیں آیا، نہ بھارت سرکار کی املاک کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہے اور صرف اپنے مقصد کے حصول کو آیا ہوں۔''
''تمھاری وضاحت نے میری ڈھارس بندھا دی، ورنہ یہی کھد بد رہتی کہ شاید میں نے کسی مجرم کو پناہ دی ہے۔''
میں نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔ ''کسی کو مجرم گرداننا اخلاق نہیں مملکت کے قانون کے دائرہ کار میں ہے۔ اور اس لحاظ سے مجرم ہوں۔''
میرے سر میں چپت رسید کرتے ہوئے وہ متبسم ہوئی۔ ''چھوٹے، تم فلسفے کی آڑ میں اپنے سارے راز چھپا لو۔'' میرے دیدی کہنے پر اس کے رویے میں نہ صرف بے تکلفی در آئی تھی بلکہ ایک قسم کی شفقت بھی جھلک رہی تھی۔
''مجھے اپنی دیدی کا نام تک معلوم نہیں۔'' میں نے سوالوں کا رخ اس کی جانب موڑا۔
وہ جلدی سے بولی۔ ''ممتا دشنول۔''
''اور آپ کب سے اکیلی رہ رہی ہیں۔''
''پتا جی کے دیہانت (انتقال) کے بعد سے اکیلی ہوں۔'' وہ افسردہ ہو گئی تھی۔
''آپ اپنے نرس ہونے کا ذکر کر رہی تھیں، اس کا مطلب ہے آپ کی بینائی بعد میں ضائع ہوئی۔''

''انٹرویو لینے کی ضرورت نہیں میں خود سے سب کچھ بتا دیتی ہوں، بلکہ بینائی ختم ہونے کا تو پہلے بتا چکی ہوں، شاید بھول گیا ہے۔''

''مگر یہ تو نہیں بتایا کہ کیسے ختم ہوئی۔'' میں نے بات بنائی۔ تھوڑا فاصلہ بڑھا کر انھوں نے صوفے سے ٹیک لگائی اور گہری سوچ میں کھو گئیں۔ میں نے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ لمحہ بھر بعد وہ گویا ہوئی۔ ''پتا جی فوج میں تھے۔ بھارت ماتا سے ان کی محبت کسی تعارف کی متقاضی نہیں ہے۔ ہم دو بہن بھائی تھے۔ چھوٹا راجیو اور میں۔ ہم پر وہ جان چھڑکتے تھے، مگر دیش کی محبت پر ہمیں کبھی ترجیح نہ دی۔ ریٹائرڈ ہونے پر انھوں نے ایک دکان ڈالی، اچھی خاصی آمدن ہو جاتی تھی۔ ماتا جی، پتا جی کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہی تھیں۔ راج بھی ایک حادثے میں ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ جانتے ہو مرتے وقت اس کا سر میری گود میں تھا۔'' ان کی آواز گلوگیر ہوئی۔ آنسو پینے میں انھیں چند لمحے لگے تھے۔ ایک گہرا سانس لے کر انھوں نے سلسلہ تکلم جوڑا۔ ''ماتا جی اور راج کے دیہانت (انتقال) کے بعد پتا جی کی ساری محبتیں مجھ پر نچھاور ہونے لگیں۔ ان کا ارادہ مجھے ڈاکٹر بنانے کا تھا مگر میں لکھنے پڑھنے میں واجبی سی تھی۔ ایف ایس سی بہ مشکل پاس کر سکی تھی۔ انھیں، مجھے مسیحا کے روپ میں دیکھنے کا بڑا شوق تھا، لیکن میں ڈاکٹر نہیں بن سکتی تھی۔ مجبوراً ان کی خواہش کے احترام میں نرس بن گئی۔ اسی اثناء میں روہن گجرال سے ملاقات ہوئی۔'' ایک بار پھر وہ چپ ہو گئیں۔ یقیناً روہن گجرال بھی کوئی خاص شخص تھا کہ وہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ میں صبر کیے ان کے بولنے کا منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

''بہت پیار جتایا کرتا تھا۔ آسمان کے تارے توڑنے کے دعوے، راج کماریوں کی سی زندگی دینے کی ڈینگیں، آسائشیں و آرام دینے کے وعدے، ہر حال میں ساتھ نبھانے کی قسمیں اور زبان اتنی میٹھی کہ یقین کیے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ شبہ ہی نہیں گزرتا تھا کوئی اس اعتماد سے جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ جب نبھانے کا وقت آیا تو ظالم فیصلہ سنانے بھی نہ آیا کہ کم از کم گلہ شکوہ ہی کر لیتی۔'' ایک اور گہرا سانس لے کر اس نے جذبات پر قابو پایا ''روزانہ اسی کے ساتھ ہسپتال جایا کرتی تھی۔ وہ موٹر سائیکل بھی اسے میں نے لے کر دی تھی۔ یہاں آ کر پہلے میرے ہاتھ سے ناشتا کرتا اور پھر ہم دونوں ہسپتال جاتے۔ مجھے ہسپتال اتار کر وہ یونیورسٹی چلا جاتا۔ اس دن اس کے ناز نخرے اٹھاتے تھوڑی دیر ہو گئی۔ تبھی اسے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنا پڑا۔ دو جگہ ٹریفک سگنل توڑ کر وہ ہسپتال کے قریب پہنچا اور تیسرے اشارے کو توڑتے ہوئے مخالف سمت سے آنے والے موٹر سائیکل سے تصادم ہو گیا۔ ہم دونوں پختہ سڑک پر بری طرح گرے تھے۔ اس نے ہیلمٹ پہنا تھا لیکن میں بغیر ہیلمٹ کے تھی۔ ہوش آیا تو دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ کافی علاج کرایا مگر آنکھوں کی روشنی بھگوان نے واپس لے لی۔ جب تک ڈاکٹروں نے میری دید ختم ہونے کی تصدیق نہ کر دی وہ باقاعدگی سے آتا رہا۔ جونھی معلوم ہوا کہ اب میں کبھی نہیں دیکھ سکوں گی الوداع کیے بغیر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد میری اس سے بات نہ ہوئی۔ ایک بار پتا جی کو بات کرتے سنا تھا۔ پتا جی اس کی بنتی (منت) کرتے ہوئے میرے خوشیوں کی بھیک مانگ رہے تھے۔ مگر اس نے پتا جی کی توہین کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر میں نے پتا جی کو سختی سے منع کر دیا کہ اس ظالم کے سامنے گڑگڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پتا جی کو خوش نظر آنے کو بہ ظاہر ہنستی مسکراتی رہتی، لیکن جب دکان پر چلے جاتے تب جی بھر کر رو لیتی۔ اور ان کے آنے تک جی ہلکا ہو جاتا۔ مگر شاید یہ میری خوش فہمی تھی کہ پتا جی میرے غم سے ناواقف ہیں۔ انھیں میرا غم اندر ہی اندر کھا گیا۔ اور پتا ہی نہ چلا ایک دن مجھے اکیلا چھوڑ کر سورگ (جنت) کی راہ لی۔ پتا جی کے کریا کرم کے بعد مجھے مستقبل کے اندیشوں نے گھیر لیا۔ مگر یہ پریشانی عارضی ثابت ہوئی۔ بھگوان کے کرم سے پتا جی چلتی ہوئی دکان چھوڑ گئے تھے۔ ان کے دیہانت کے بعد ان کا ملازم میرے پاس دکان کا حساب کتاب لے آیا۔ وہ شروع دن سے پتا جی کے ساتھ تھا۔ میں نے

دکان کا سارا حساب کتاب اسی کے حوالے کر دیا۔ تین سال ہو گئے ہیں، بھگوان کی کرپا سے کیم کو گھر آ کر حساب کتاب دے
جاتا ہے۔ اچھی گزر اوقات ہو رہی ہے۔ بس یہی میری کہانی ہے۔''
اس نے کافی تفصیل سے اپنی کہانی سنائی تھی، جو غیر ضروری تفصیلات حذف کر کے اجمالاً آپ کے سامنے بیان کر
دی ہے۔

اب اس نے توپوں کا رخ میری جانب موڑ نا تھا، اس سے پہلے ہی میں نشست چھوڑتا ہوا بولا۔ ''سخت تھکن محسوس ہو
رہی ہے۔ آرام کی جگہ ہی دکھا دیں۔''
ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔ میرا اپنے بارے کچھ بتانے سے اعراض کرنا اس کی
نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھا۔ بیٹھتے وقت وہ چھڑی لپیٹ لیتی تھی۔ جدید ساخت کی چھڑی سمٹ کر بالشت برابر رہ جاتی
تھی۔ قدم بڑھانے سے پہلے اس نے چھڑی کو سیدھا کیا اور بائیں جانب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بلاشبہ چھڑی
اندھے کے لیے آنکھ کا کام کرتی ہے۔ اور ہر قدم پر وہ چھڑی کے محتاج ہوتے ہیں۔
دروازہ دھکیلتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی۔ درمیانے حجم کی خواب گاہ میں مسہری، کپڑوں کی الماری، دو تین کرسیاں
اور ایک میز پڑی تھی۔

''یہ میرے راج کی خواب گاہ ہے، بعد میں پتا جی یہاں منتقل ہو گئے تھے۔ الماری میں ان کے چند سوٹ بھی لٹکے
ہوں گے۔ بلا تکلف پہن لینا۔''

''شکریہ دیدی۔'' میں بستر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ واپس مڑ گئیں۔

بستر کو جھاڑ کر میں بیٹھ گیا۔ ممتا وشنول کا ملنا ایک خوشگوار حادثہ لگ رہا تھا۔ نہایت باکردار، ہنس مکھ، خوش اخلاق اور نرم دل عورت تھی۔ میرا دیدی کہنا انھیں نہال کر دیتا تھا اور تبھی میرے قریب آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ زخم کے ٹھیک ہونے تک وہاں چھپنا نہایت مفید تھا۔ اللہ پاک نے سر چھپانے کا ایسا ٹھکانہ مہیا فرما دیا تھا جہاں زخم کی دیکھ بھال بھی ہو رہی تھی، آرام بھی مل گیا تھا اور کھانے کی بھی کمی نہیں تھی۔

بوٹ کھول کر میں نے زخمی ٹانگ کو ہاتھوں میں پکڑ کر بستر پر سیدھا رکھا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ گزشتہ رات نے مجھ سے قریبی ساتھی اور مددگار چھین لیے تھے۔ ڈینو کے بغیر میری طاقت آدھی رہ گئی تھی۔ ساری زندگی دہشت گردوں کے خلاف لڑنے والے مجاہد کا آخری وقت پردیس میں آنا تھا کہ جہاں اس کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ زندہ دل، نڈر اور باصلاحیت جوان تھا۔ اس مشن میں اس کی حیثیت سرغنہ کی سی تھی۔ گو باقاعدہ طے نہیں ہوا تھا لیکن میں نے اس کے مشوروں کو اپنی رائے پر مقدم رکھا تھا۔ اور اب اس کے جانے پر سامنے خلا ہی نظر آ رہا تھا۔ اندھیرے میں تو ہم پہلے ہی سے تھے۔ اب تو گویا بے دست و پا بھی ہو گیا تھا۔

اس کی شہادت مجھے اس لیے کھل رہی تھی کہ میرا مددگار اور ساتھی تھا لیکن گھر والوں کا تو زندگی کا سہارا چلا گیا تھا۔ نجانے اس کے ماں باپ پر کیا بیتے گی۔ پریشان کن سوچوں میں دروازے پر ہونے والی آہٹ مخل ہوئی۔ دروازہ کھلنے پر ممتا دیدی نظر آئیں۔ ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے میں ٹرے اٹھائی تھی۔ البتہ لباس ایسا نہیں تھا کہ میں نظر بھر کر دیکھ سکتا۔ شاید سونے کو انھوں نے شب باشی کا لباس پہنا تھا۔ ہلکا پھلکا پاجامہ اور اس پر نصف بازوؤں والی بنیان۔ میری آنکھیں جھک گئی تھیں۔ وہ سڈول و متناسب جسم کی بھرپور عورت تھیں۔ ہلکا سانولا رنگ، نین نقش تیکھے، جاذب نظر۔ ہونٹوں پر ہر وقت دھیمی مسکان کی موجودی نے انھیں پرکشش بنا دیا تھا۔ ہلکے سانولے رنگ نے ان کی شخصیت کو مقناطیسی بنا دیا تھا۔ لیکن میرے دل میں ان کے لیے بڑی بہن جیسا احترام اور مقام تھا۔ میں نے نظریں نیچی

لیں، اگرچہ میری نظروں کی آوارگی نہیں دیکھ سکی تھی لیکن جو دلوں کے بھید جانتا ہے، اتنا باریک بین ہے کہ سوچوں کی آلودگی جس سے چھپائی نہ جا سکے، اس کے سامنے تو جواب دہ ہونا تھا۔

"دیدی خیر تو ہے۔" میں سیدھا ہوا۔

چھری سے میز کو چھو کر اس نے ٹرے رکھا جس میں دودھ کا گلاس اور چند گولیاں پڑی تھیں۔ "بستر پہ لیٹتے ہوئے جہاں آپا کر تمھیں دوائی تو کھلانی ہی نہیں ہے۔"

"آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے آواز دی ہوتی۔"

وہ ملائمت سے بولی۔ "تکلف کی ضرورت نہیں ہے چھوٹے! بڑی بہنیں ماں کی جگہ پر ہوتی ہیں۔ اور ماؤں کو اولاد کے کام آنے سے خوشی ہوتی ہے۔"

میں نے منہ بنایا۔ "خیر اتنی بھی بڑی نہیں ہیں کہ میری اماں جان بن جائیں۔ ممتا نام کا غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔"

وہ کھلکھلاتے ہوئے بولیں۔ "دوائی لے کر آرام کرو اور دودھ کا گلاس ختم کرنا۔" وہ دروازے کی طرف مڑ گئیں۔

میں ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گولیاں کھا کر میں نے دودھ کا گلاس پیا اور آرام کرنے لیٹ گیا۔

—●—

دوسرے ہی دن میں نے داڑھی، مونچھیں صاف کر کے کلین شیو کر لی تھی۔ دیپک کا موبائل فون میرے پاس تھا۔ اس میں ڈائل کیا ہوا ایک ہی نمبر تھا۔ کئی بار گھنٹی کرنے کے باوجود وہ نمبر بند ہی ملتا تھا۔ یقیناً انھوں نے مذکورہ نمبر ضائع کر دیا تھا اور اب وہ موبائل فون میرے لیے ناکارہ تھا۔

اگلے دو ہفتے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ ممتا دیدی ایک مثالی خاتون تھیں۔ مجھے انھوں نے اتنی محبت، توجہ اور شفقت سے نوازا کہ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں۔ ہم رات گئے تک گپیں ہانکتے رہتے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی راجو کے نام پر مجھے راج کہہ کر بلاتی تھیں۔ میں انھیں اپنے بارے قریباً سب کچھ بتا چکا تھا۔ جینی، گلکارے، ماہین کی بے وفائی، سردار کی دوستی، بی زونا کی کہانی، پلوشہ دررومانہ کے ساتھ عشق کی داستان، بیٹے عبداللہ کے بارے اور بھی کافی تفصیل ۔البتہ انڈیا آنے کے مقصد کے بارے چاہ کر بھی کچھ نہیں بتا سکا تھا۔ انھوں نے بھی ایک دو بار سرسری سا کریدنے کے بعد زیادہ زور نہیں دیا تھا۔ جینی کے ذکر پر اس نے پوچھا

"امریکہ کیا کرنے گئے تھے۔"

جواب دیا۔ "نشانہ بازی سیکھنے۔"

وہ متبسم ہوئی۔ "واہ چھوٹے، تم سنائپر ہو۔"

میں حیرت سے اچھل پڑا تھا، مشکوک انداز میں پوچھا۔ "دیدی! آپ سنائپر کے بارے کیا جانتی ہیں؟"

"سنائپر پر پہلی فلم میرے خیال میں 1993 میں بنی تھی، دوسری 2002 اور تیسری 2004 میں۔ تینوں فلمیں میں نے دیکھی ہوئی ہیں۔ بلکہ ایک سے زیادہ مرتبہ دیکھی ہیں۔ اس کے بعد میرا خیال ہے 2011 میں اس موضوع پر فلم آئی تھی لیکن وہ نہ دیکھ سکی کہ اس وقت میری آنکھیں باقی نہیں رہی تھیں۔" ممتا دیدی کی آواز میں اداسی در آئی تھی۔

میں الجھن سے بولا۔ "اچھا اتنا شوق تھا سنائپر فلم دیکھنے کا کہ فلم ریلیز ہونے کی تاریخ بھی یاد ہے۔"

"ہاں بہت زیادہ شوق تھا۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انھوں نے شوخی سے پوچھا۔ "تم اپنا بتاؤ، کبھی ہدف پر گولی ماری بھی ہے یا یوں ہی ہو۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ "گولی چلا لیتا ہوں۔"

انھوں نے ایک دم پوچھا۔ ''میرے دیش میں بھی گولی چلانے تو نہیں آئے۔''

میں جلدی سے بولا۔ ''فکر نہ کریں کسی بے گناہ کے سر میں گولی نہیں ماروں گا۔''

ان کا ہاتھ میرے بازو کو چھوتا ہوا کان تک پہنچا۔ کان کی لو کو انگوٹھے و شہادت کی انگلی میں بھینچتے ہوئے وہ معنی خیز لہجے میں بولیں۔ ''تم نے چھاتی کے بجائے سر کا نام لیا ہے۔ گویا اچھے نشانہ باز ہو۔'' ان کا مشاہدہ غضب کا تھا کہ عام کی بات سے خاص نتیجہ اخذ کیا تھا۔

میں بات بناتا ہوا بولا۔ ''ہر آدمی اپنی صلاحیتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے، آپ کے چھوٹے بھائی نے ڈینگ ماردی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔''

''میرا خیال ہے کافی پیتے ہیں۔'' انھوں نے نشست چھوڑ دی تھی۔

مجھے بس ان کے لباس پر اعتراض تھا جو ستر پوشی کے ضروری تقاضے پورے نہیں کرتا تھا۔ وہ شب باشی کے لباس میں بے محابانہ میرے سامنے آجاتیں۔ کبھی کبھی نیکر بھی پہن لیتیں۔ یوگا کی مشقیں باقاعدگی سے کرتی تھیں اور اس وقت چست پاجامے میں ملبوس ہوتیں۔ یوگا کی مشقیں ہی تھیں کہ وہ اتنی سمارٹ نظر آتی تھیں۔

لباس صرف ان کا مسئلہ نہیں انڈیا میں عورتوں کی اکثریت اس معاملے میں آزاد خیال ہے۔ پاکستان میں بہت زیادہ جدت کے باوجود خواتین اس نہج تک نہیں پہنچیں۔ صرف اونچے طبقے کی نام نہاد آزادی کی علم بردار قلیل تعداد کی خواتین میں ایسی بے حیا پائی جاتی ہیں؛ جنھیں نہ تو مذہب وشریعت کا لحاظ ہے اور نہ روایات کا پاس۔ شوبز سے تعلق رکھنے والی مختصری جماعت بھی ایسے پہناوں کی عادی ہے۔ ورنہ اکثریت کا لباس بہت بہتر ہے، پردے کے تقاضے پورے نہ بھی کرے ستر پوشی کی ضروریات کو کافی ہے۔ ہماری دیہاتی خواتین کی شرم وحیا کے تو کیا کہنے۔ شاید ایک بی بی کے لباس سے مغرب کی درجن بھر خواتین کے لباس تیار ہو جائیں۔

میں نے ایک دو بار سرسری سا ٹوکا مگر وہ ہنس کر ٹال گئیں۔ اطمینان سے بولیں

”گھر میں چھوٹے بھائی کے علاوہ کون ہے کہ مجھے احتیاط کی ضرورت ہو۔“

میں ان پر زور نہیں دے سکتا تھا البتہ اپنی آنکھوں پر قابو پانا میرے بس میں تھا۔ یوں بھی وہ اول آخر میری باجی ہی تھیں۔ رزا گڑیا کے بعد پہلی خاتون تھیں جنھیں میری زبان نے دل کی تصدیق کے ساتھ بہن بولا تھا۔ یقیناً مرد کی فطرت میں عورت ذات کے حصول کا حرص کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ جیسے لطیفہ ہے کہ ”عورت کی زبان اور مرد کی آنکھ سب سے آخر میں مرتی ہے۔“ گو رومانہ جیسی خوب صورت اور پلوشہ جیسی موہنی لڑکی کے حصول کے بعد مجھے کسی اور عورت کی احتیاج نہیں ہونا چاہیے تھی، مگر جنس مخالف کی خوب صورتی سے متاثر ہونا تو مرد کی فطرت میں شامل ہے اور میں گناہ گار سا مرد ہی ہوں۔ البتہ اس میں بھی شبہ نہیں کہ میرے دل میں کبھی پلوشہ اور رومانہ سے بے وفائی کرنے کا خیال نہیں آیا۔ جیسے ان پر میں صرف اپنا حق جتاتا تھا یونھی خود کو ان کی امانت سمجھتا تھا۔ گلگارے اور جینی جیسی پر کشش لڑکیاں بھی مجھے متزلزل نہیں کر سکی تھیں۔ گو گلگارے تو اول آخر مشرقی لڑکی تھی اور اپنی پارسائی پر دھبہ برداشت نہیں کر سکتی تھی مگر جینی جس معاشرے کی پیداوار تھی وہاں جسمانی تعلقات کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ شادی سے پہلے خواتین کا مردوں کے ساتھ ملنا (ڈیٹ کرنا) عام سی بات ہے۔

میری جس بات کا جواب نہ دینا ہوتا ممتا دیدی بڑی خوب صورتی سے ٹال دیتی تھیں۔ ایک دن پوچھا۔

”دیدی! آپ کے پاس پستول کب سے ہے۔“

”پتاجی نے لے کر دیا تھا۔ اور انھی سے چلانا بھی سکھا تھا۔“

”تو پستول کی موجودگی میں کوئی آپ سے کیسے چھیڑ خانی کر سکتا ہے۔“ مجھے ان کی پہلے دن کی باتیں یاد آئیں۔

ان کا ہاتھ میرے سر تک پہنچا، بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ شفقت سے بولیں۔ ''بدھو، کوئی بڑی بہن سے
سوال کرتا ہے۔''
''شاہ چاہتا ہوں۔۔۔'' مجھے ندامت کا اظہار کرتے بن تھی۔

تین ہفتوں کے اختتام پر میرا زخم بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس دوران میں ایک بار بھی صحن میں نہیں نکلا تھا کیونکہ
کسی پڑوسی کی نظر پڑ جاتی تو نہ صرف دیدی کا کردار داغ دار ہوتا بلکہ مجھے بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔
آخر ایک دن میں جانے کو تیار تھا۔ تین ہفتے بہت اچھے گزرے تھے۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ میں کسی خطرناک مہم پر
ہوں۔ گھر کا سا ماحول، آرام اور سکون، اچھا کھانا، ممتا دیدی کی شفقت بھری محبت اور دیکھ بھال جی نہیں چاہتا تھا کہ یہ
چھوڑ دوں۔ مگر وہاں مستقل رہنے کو نہیں آیا تھا۔ گھر سے نکلے ہوئے مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ گو فوجیوں کے لیے چھٹیوں
کی اتنی اہمیت نہیں رکھتی، مگر اس بار معاملہ مختلف تھا۔ ایک تو میری جان سے پیاری پلوشے کی خفگی کا خیال تھا کہ
اسے منانے کا مشکل مرحلہ باقی تھا۔ اور اس کے بچکانہ فیصلوں سے کوئی بھی الٹی سیدھی امید کی جا سکتی تھی۔ دوسرا گھر کے
یقین نہیں رہا تھا کہ انصاری صاحب نے انڈیا سے گھر بات کرنے کو سختی سے منع کیا تھا۔
''جانا ضروری ہے۔'' ممتا دیدی کے لہجے میں اداسی در آئی تھی۔
میں بے بسی سے مسکرا دیا۔ ''آپ نہیں جانتیں۔''
''ایک بات مانو گے۔''
میں اعتماد سے بولا۔ ''آپ ہر بات منوا سکتی ہیں، بس میرے اختیار کے دائرہ کار میں آتی ہو۔''
''اگر میں کہوں اپنے دیش لوٹ جاؤ، کیا جواب ملے گا؟''
میں نے اطمینان سے کہا۔ ''کہا نہ ہر وہ بات جو میرے دائرہ اختیار میں آتی ہو۔''
''جانتی تھی تم یونہی ٹرخاؤ گے۔'' انھوں نے منہ پھلا لیا تھا۔
''یہ ناراض ہونے کا وقت ہے۔'' صوفے سے اتر کر میں قالین پر بیٹھا اور ان کی گود میں سر رکھ لیا۔
میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ گلوگیر ہوئی۔ ''مجھ میں بری خبر سننے کا حوصلہ نہیں ہے۔''
''موت کی آمد خطرات کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ آرام دہ بستر پر لیٹے شخص کی موت بھی اس کے اتنے نزدیک ہوتی ہے
جتنی میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی کی۔''
وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ ''مگر فکر صرف میدان جنگ والوں کی ہوتی ہے۔''
''میری کامیابی کی پرارتھنا (دعا) کریں، پریشان ہونے سے کیا حاصل۔''
وہ ناراض ہوئی۔ ''دیش دشمن کے لیے کیا پرارتھنا کروں۔''
''دیش دشمن کی نہ سہی چھوٹے بھائی کی خیریت کی پرارتھنا تو کر سکتی ہیں ناں۔''
میرا سر گود سے ہٹا کر وہ کھڑی ہوئیں اور چھڑی کے سہارے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔
خواب گاہ سے برآمد ہوئیں تو ایک ہاتھ میں ڈبا اٹھائے ہوئے تھیں۔ میرے پہلو میں نشست سنبھال کر
ڈبے سے ایک خوب صورت گھڑی برآمد ہوئی تھی۔ میری گھڑی اتار کر وہ قیمتی گھڑی میری کلائی پر باندھنے لگیں۔
میں حیران ہوا۔ ''یہ کیا ہے۔''
''بہنیں اپنے بھائی کو راکھی باندھتی ہیں۔ میں بھی گھڑی کی شکل میں راکھی کی رسم پوری کر رہی ہوں۔''

''بہت جچتی گھڑی لگ رہی ہے۔''

''کسی کو تحفہ دینے کی غرض سے کافی پہلے خریدی تھی۔ اب مردانہ گھڑی میرے کس کام کی سوچا چھوٹے پر احسان جتا دوں۔''

میں نے اپنا نام ذیشان بتایا تھا، مگر انھوں نے کبھی مجھے ذیشان کہہ کر نہیں پکارا تھا۔ ہمیشہ راج یا چھوٹا کہتیں۔ اور جب ذرا منا ہوتا تو بدھو کہتیں۔

میں ممنونیت سے بولا۔ ''پہلے تھوڑے احسان ہیں۔''

''اپنی محرومیوں و حسرتوں کی تلافی کو احسان نہیں کہتے۔ اور وچن دو اس گھڑی کو کبھی کلائی سے جدا نہیں کرو گے۔''

میں شاکی ہوا۔ ''آپ کو لگتا ہے میں ایسا کرسکتا ہوں۔''

''کبھی نہیں۔'' ان کے ہونٹوں پر خوب صورت تبسم نمودار ہوا۔ ''تھوڑی سی رقم بھی رکھ لو۔'' انھوں نے درمیانی مالیت کے نوٹوں کی ایک گڈی میری طرف بڑھائی۔

میں نے انکار میں کیا۔ ''ہمارے ہاں بہنوں کو پیسے دیے جاتے ہیں لیے نہیں جاتے۔''

وہ ہنستی ہوئی۔ ''ادھار سمجھ کر رکھ لو، بعد میں لوٹا دینا۔''

''ضرورت ہوتی تو مانگ لیتا۔''

وہ مصر ہوئی۔ ''فالتو پڑے ہیں۔ میرا خرچ نہ ہونے کے برابر ہے اور آمدن زیادہ ہے۔''

میں نے پیسے لے کر ان کے میز پر پڑے پرس میں ڈال دیے۔ ''اب اجازت دیں۔'' میں نے نشست چھوڑی۔

انھوں نے کھڑے ہو کر ہتھیلیوں میں میرا چہرہ تھاما اور ماتھے پر بوسا دے کر بولیں۔ ''اس گھر کے دروازے تمھارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔''

''فی امان اللہ۔'' دھیرے سے کہہ کر میں مڑا اور تیز قدموں سے چل پڑا۔ تین ہفتوں کے بعد میں کھلے آسمان تلے آیا تھا۔ باہر جانے کو میں نے ایسے وقت کا انتخاب کیا تھا کہ رش حتی الوسع کم ہو۔ یوں کسی بھی نگرانی کرنے والے کی سن گن لینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ممبئی جیسے شہر میں بازاروں میں بھیڑ ختم ہونے کی آرزو کرنا حماقت ہی ہے۔ البتہ وہ مضافاتی کالونی تھی اور گرمیوں کی دوپہر میں لوگوں کی آمد و رفت خال خال ہی نظر آتی تھی۔ دروازہ کھول کر میں نے دھیرے سے باہر جھانکا، دو آدمی بڑی سڑک کی طرف جاتے دکھائی دیے۔ باہر نکل کر میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا بڑی سڑک کا رخ کرنے کے بجائے میں اسی گلی میں سیدھا چلتا گیا، جہاں دیپک کے ہمراہ اس مکان کے دروازے تک گیا تھا جس میں ڈینو چھپا تھا۔ بڑی سڑک شیو مندر کی طرف جاتی تھی اور یہ دوسری جانب کی۔

ایک نیچی چار دیواری والے مکان کے صحن میں چند بچے شور کرتے نظر آئے۔ سنیتا جیسوال (را کی ایجنٹ جس نے ڈینو کو پھانسا تھا) کے مکان کے سامنے گزرتے ہوئے میں نے طائرانہ نگاہ ڈالی، مگر دروازے کو تالا لگا تھا۔ گلی کے ایک جانب نکاسی کی نالی بنی تھی جس میں گندہ پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے دیپک والا موبائل فون اس نالی میں پھینک دیا، کیوں کہ اس میں ممتا دیدی کا فون نمبر محفوظ تھا۔ انھوں نے بھی مجھ سے موبائل فون نمبر لیا تھا، لیکن میں ان سے رابطہ رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔ کسی مصیبت میں پھنسنے پر موبائل فون نمبر کی وجہ سے وہ بھی دھر لی جاتیں۔ اور انڈین ایجنسیوں کی تفتیش کا جو طریقہ کار ہے اس میں پھنس کر ایک اندھی لڑکی جو بھرپور جوان اور اچھی شکل و صورت کی مالک ہو اس پر کیا بیتتی اس کا اندازہ کرنے کو عقل کل ہونا بالکل ضروری نہیں ہے۔ البتہ ان کا نمبر میری یادداشت میں محفوظ تھا جو اشد ضرورت کے وقت میں استعمال کرسکتا تھا۔

تھوڑا آگے بڑھتے ہی گلی دائیں مڑ گئی تھی۔ سامنے سے ایک جوان آرہا تھا جس کے کان سے موبائل لگا ہوا
تھا۔ مجھ پر اجنبیت بھری نگاہ ڈال کر وہ آگے بڑھتا رہا۔ میرے احساس اس وقت عجیب سے ہو رہے تھے۔ ہر شخص
مشکوک نظر آرہا تھا۔ ممتا دیدی کا گھر گویا ایسی پناہ تھا جس سے نکلتے ہی دشمن مجھے ہڑپنے کو تیار کھڑے تھے۔ بچپن کا ساتھی
دیپک کی موت نے مجھے اکیلا کر دیا تھا۔

جونہی مکمل موڑ مڑا کچھ فاصلے پر چار افراد گتھم گتھا نظر آئے۔ غور کرنے پر پتا چلا تین افراد مل کر ایک شخص کو زدوکوب
کر رہے تھے۔ ان کے شور اور گالیاں بکنے کی آواز کافی دور تک جا رہی تھی۔ ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں لیکن یہاں ایک
کے مقابل تین تھے۔ کوئی راہگیر بھی نظر نہیں آرہا تھا جو انھیں چھڑاتا۔ میں نے بچا خوامخواہ بننے سے گریز کا سوچا۔ دوسروں
کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کہاں کی عقل مندی تھی۔ مگر ان کے قریب پہنچنے تک میں اپنے ارادے پر قائم نہ رہ
سکا۔ اکیلے آدمی کو گرا کر انھوں نے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ اور جس بے دردی سے اسے پیٹ رہے تھے شاید جان ہی لے
دیتے۔

''اوئے چھوڑو اسے۔'' میں نے ایک آدمی کو دھکا دے کر دور کیا اور دوسرے کو بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

''تیری تو.....'' تیسرا غراتا ہوا مجھے مارنے دوڑا۔ جس کی مدد کو میں آیا تھا اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے تھے
اور مجھے ان تینوں کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ مجھے تر نوالہ سمجھ کر وہ گالیاں بکتے ہوئے جھپٹے۔ آگے والے کی چھاتی میں بائیں
ٹانگ رسید کرتے ہوئے میں اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا اور دائیں پاؤں پر گھومتے ہوئے بائیں پاؤں کی ایڑی اس کے
پیچھے آنے والے کی گردن پر جڑ دی۔ دونوں گلی کے پختہ فرش پر گرے تھے۔ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھتے ہی تیسرے کے
قدموں میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

''تم ہمیں جانتے نہیں، زندگی پیاری ہے تو اپنی راہ لو۔'' اس نے دھمکانے کی کوشش کی۔

''اچھا۔'' میں نے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے ساتھی بھی ڈگمگاتے ہوئے
اٹھے اور تینوں ایک ساتھ دور جاتے ہوئے مجھے دھمکیاں بھی دیتے گئے۔ ایسے کردار پاکستان میں بھی کافی مل جاتے
ہیں۔ کمزور کو شیر اور زور آور کے لیے بکری۔

جب جان لیا کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے، میں مضروب کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ہوش میں تھا اور مخالفین کو فرار ہوتا
دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ کھسک کر قریب کھڑی کار کی ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھتے ہوئے اس
کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''شکریہ جوان۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگا جو ایک چھوٹی سے بوتل کو لیے باہر نکلا۔ ڈھکن
کھول کر بوتل منہ سے لگائی، دو تین گھونٹ بھر کر اس نے گہرا سانس لیا۔

''پیو گے۔'' فراخ دلی سے دعوت دیتے ہوئے اس نے بوتل میری جانب بڑھائی۔

''شکریہ۔'' میں اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے اب آپ خود کو سنبھال لیں گے۔''

وہ متبسم ہوا۔ ''آپ کا خیال غلط ہے۔''

''بتائیے کیا خدمت کروں۔''

اس نے پوچھا۔ ''ڈرائیو کر لیتے ہو؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مجھے ٹھکانے تک پہنچا دو، اس کے بعد جہاں کہو گے میرے آدمی پہنچا دیں گے۔''

پاس کی نہیں تھی کہ انکار کرتا۔ اسے سہارا دے کر میں نے کار میں بٹھایا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔
وقت کی مہرے ہیں دیکھتے ہوئے اس کی حیثیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں جب میں دور کی
قیمتی لباس اور شان دار کار رد دیکھتے ہوئے اس کی مدد سے کسی متعین راہ کی طرف قدم بڑھا سکتا تھا۔
پتنگ کی طرح ہے مقصد پھر رہا تھا اس کی مدد سے کسی متعین راہ کی طرف قدم بڑھا سکتا تھا۔
بیچ دبا کر میں گیئر لگایا اور ریس پر پاؤں کا دباؤ بڑھا کر کار آگے بڑھا دی۔
"گلی سے نکلتے ہی دائیں مڑ جانا۔" وہ مجھے راستہ بتانے لگا۔
سڑک پر آتے ہی اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔" مجھے وشال گپتا کہتے ہیں، راجپوت گپتا کا چھوٹا بھائی
ہوں۔ جو راجپوت دادا کے نام سے مشہور ہیں۔"
"سندیپ چوپڑا۔"
وہ ممنونیت سے بولا۔" دھنے واد سندیپ! (شکریہ) آپ کی وجہ سے میری جان بچی۔"
میں نے پوچھا۔" آپ ان اچکوں کے ہاتھ کیسے چڑھ گئے؟"
اس نے دانت پیسے۔" اچکے نہیں، کسی دشمن کے بھیجے ہوئے مہرے تھے، بس میرے قتل کو واردات کا رنگ دینا
چاہتے تھے جو آپ کی بدولت ممکن نہ ہو سکا۔ لیکن میں سالے کے قتل کو واردات کا رنگ نہیں دوں گا۔"
میں نے بھولا بنتے ہوئے پوچھا۔" ایسی بھی کیا دشمن کہ بندہ جان لینے پر اتر آئے۔"
وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔" جیسے ان کی ٹھکائی کی، مجھے نہیں لگتا آپ شریف زادے ہیں۔"
میں برا مناتے ہوئے بولا۔" لڑائی بھڑائی میں طاق ہونا کسی کی شرافت پر سوالیہ نشان نہیں چھوڑتا۔"
"شما چاہتا ہوں اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکا۔ میرا مطلب تھا عام آدمی یوں لڑنے کے ماہر نہیں ہوتے۔ البتہ
سرکاری ملازم یا غلط دھندے میں ملوث افراد ہو سکتے ہیں۔"
میں طنزیہ لہجے میں بولا۔" ذاتی بچاؤ (سیلف ڈیفنس) کی تربیت حاصل کرنے والے کے بارے آپ کیا کہیں
گے۔"
اس کے ہونٹوں پر کھسیانی ہنسی نمودار ہوئی۔" یقیناً مسلسل غلط بول کر میں اپنے محسن کو ناراض کر بیٹھا ہوں۔"
"نہیں سر، میں نے صرف صفائی پیش کی ہے۔"
"تو آپ کیا کرتے ہیں؟" اتنی آسانی سے جان چھوٹنے پر اس نے موضوع تبدیل کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔
میں محتاط انداز میں بولا۔" تعلیم کے اختتام پر کوئی نوکری نہ ملی تو شوقیہ ایک کراٹے کلب میں داخلہ لے لیا۔ اب بھی
کوئی کام دھندہ نہیں ہے اس لیے فی الحال تو آوارہ گردی کر رہا ہوں۔"
"پتا جی کیا کرتے ہیں۔"
"پتا جی کو سورگباشی (جنت مکین) ہوئے چار سال گزر گئے ہیں۔ امی جان ان سے ایک سال پہلے چل بسی
تھیں۔ ایک بڑی بہن ہے جنھیں ڈولی میں بٹھا کر پتا جی نے میرے لیے کوئی ذمہ داری باقی نہ رہنے دی۔ اب بیوہ خالہ
کے ساتھ رہتا ہوں جو مجھ سے اتنا ہی تنگ ہیں جتنا کسی بھی مفت خورے سے ہوا جا سکتا ہے۔" مختصر سے سوال کا میں نے
تفصیلی جواب دیا تھا کہ اس کے اگلے سوال یہی ہونا تھے۔
"کون سا کام کر سکتے ہو؟" اس کا سوال میری منشا کے مطابق آیا تھا اور جواب پہلے سے تیار تھا۔ اطمینان سے کہا۔
"دولت مند بننا چاہتا ہوں۔"
"میں نے کام کا پوچھا ہے۔" اس نے سوال دہرایا۔

''بتایا نا دولت مند بننا چاہتا ہوں کام کوئی بھی ہو کر لوں گا۔''

وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''قتل کر لو گے۔''

سرخ اشارے پر بریک دباتے ہوئے میں نے اس کی آنکھیں میں دیکھا۔ ''قتل کرنے کا میں [illegible]''

اس نے قہقہہ بلند کیا۔ ''اغواء، ڈکیتی، چوری، جیب تراشی۔''

''یہ سب کرنے کو مجھے کسی کا ملازم بننے کی کیا ضرورت ہے۔''

وہ مجھے لاجواب کرتا ہوا بولا۔ ''تبھی تصدیق چاہی تھی کہ کیا کر سکتے ہو۔''

''کوئی بھی شریفانہ کام۔'' اشارہ سبز ہو گیا تھا۔ بریک سے پاؤں ہٹا کر میں نے ریس پر رکھ دیا۔

وہ استہزائی انداز میں بولا۔ ''بال کاٹنے کے بارے کیا خیال ہے۔''

میں گڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''میں بس کسی غریب کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''تو کسی غریب کو اغواء کوئی پاگل ہی کرے گا۔ اور غریب کے گھر پہ ہو گا تو ڈاکا مارا جائے گا۔''

میں نے چپ سادھ لی۔

''چوک سے دائیں۔''

موڑ کاٹ کر میں نے گلا کھنکارا۔ ''آپ مجھے اپنے محافظوں میں بھی تو شامل کر سکتے ہیں۔ لڑائی بھڑائی جانتا ہوں، اور سکھاؤ گے تو یقیناً ہر قسم کے اسلحے کا استعمال سیکھ لوں گا۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسا۔ ''اڈے پر چل کر گپ شپ کریں گے۔'' ساتھ ہی اس نے ذیلی سڑک پر جانے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک وسیع عمارت کے چوڑے دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ کار پہچانتے ہی چوکیدار نے بغیر پوچھے دروازہ کھول دیا تھا۔

سیمنٹ کی پختہ روش پر چلتے ہوئے میں نے کھلے صحن میں پہلے سے موجود گاڑیوں کے قریب کار روک دی۔ تین چار موالی قریب آ گئے تھے۔ ان میں ایک نسبتاً بہتر لباس میں تھا۔

نیچے اترتے ہی وشال گپتا نے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے دو تھپڑ جڑ دیئے تھے۔

''سالے حرامی تو سویا ہوا ہے۔ وہ ماں کے خصم آج اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہوتے اگر مجھے اس دلیر جوان کی مدد نہ ملی ہوتی۔''

''ب... باس! سالے محافظوں کی جیپ کھراب (خراب) ہو گئی تھی۔ اپن نے کافی گھنٹیاں بجائیں مگر تم نے گھنٹی نہ اٹھائی۔''

وشال گپتا نے ایک اور تھپڑ کھینچ مارا۔ ''میرے ساتھ خراب جیپ بھیجی کیوں تھی؟''

وہ ہکلایا۔ ''شش... شما کر دو باس، اپن آئندہ کھیال (خیال) رکھے گا۔''

''مجھ پر حملہ کرنے والوں میں نیلی آنکھوں والا کنجر، استاد سنگھا ساتھ تھا۔ اسی سے باقی دو کا پتا چلے گا۔ صبح ہونے سے پہلے وہ تینوں مجھے ہر حالت میں چاہئیں۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''اپن ابھی ان کی تلاش میں بندے بھیجتا ہے۔''

''اس لڑکے کی اچھی خاطر تواضع کرو، بہترین رہائش مہیا کرو، اگر شکایت کا موقع ملا تو کھال میں بھس بھر دوں گا۔ اور میرے کمرے میں ڈاکٹر بھیج دو۔'' اسے ہدایت دے کر وشال گپتا میری طرف متوجہ ہوا۔ ''سندیپ، فی الحال آرام کرو بعد میں تفصیلی بات چیت ہوگی۔''

''جی سر۔''میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔
کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
کے مصداق وہ سیکرٹری نما شخص مجھے خندہ پیشانی سے ملا۔''شکریہ دوست،تمھاری وجہ سے اپن کی جان بچ گئی۔''
''آپ کی؟''میں نے حیرانی ظاہر کی۔
اس نے وضاحت کی۔''اگر وشال صاحب کو کچھ ہو جاتا تو راجپوت دادا نے سالا الطیر صفائی مانگے اپن کی گردن مار دینا تھی۔''
''پھر تو آپ کو جان بچنے پر مبارک ہو۔''
اس نے فوراً تعارف کرایا۔''اپن کا نام راجیو ورما ہے۔''
''سندیپ چوپڑا''میں نے جوابی تعارف کرایا۔
''چلیں۔''اس نے اندرونی عمارت کی طرف اشارہ کیا اور میں اس کی معیت میں چل پڑا۔تھوڑی دیر بعد ہم پرتعیش مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔وہ کمرہ خصوصی مہمانوں کے استعمال میں رہتا ہوگا تبھی اتنا پرآسائش اور آرام دہ تھا۔کھانا میں کھا کر آیا تھا اس لیے صرف تازہ جوس پینے پر اکتفا کیا تھا۔اس نے چند قیمتی مشروبات کی پیش کش بھی کی تھی مگر میرے نزدیک ان کی اہمیت گٹر کے پانی جتنی تھی۔تبھی خوب صورتی سے ٹال گیا تھا۔

●

رات کو پرتکلف عشائیے (ڈنر) کے بعد میں وشال گپتا کے بلاوے کا انتظار کرتے کرتے سو گیا تھا۔گو دل کے کسی کونے میں پہچانے جانے کا ہلکا سا خوف موجود تھا کہ یہ خوف جاسوس کو ہر وقت لاحق رہتا ہے۔لیکن یہ تسلی بھی تھی کہ وشال میرا احسان مند تھا۔مجھے فائدہ نہ بھی پہنچاتا،نقصان پر بھی جری نہیں ہوسکتا تھا۔
رات کو جلد سونے کے باوجود صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ہی وشال گپتا کا بلاوا آ گیا تھا۔اس عمارت کے تین بڑے حصے تھے۔ایک وشال گپتا کے لیے مختص تھا۔اور اس جانب کوئی نہیں جاتا تھا،دوسرا مہمان خانہ اور محافظوں کی رہائش بنی تھی۔جبکہ کشادہ تہہ خانے میں جمنازیم،پستول شوٹنگ رینج اور لڑائی کا رنگ بنا تھا۔اوپر کے دونوں حصوں کو ایک راہداری جدا کرتی تھی۔اور اسی راہداری میں تہہ خانے تک جانے کا رستہ تھا۔
راجیو ورما کی معیت میں چلتے ہوئے میں وشال گپتا کے پاس پہنچا۔وہ اکیلا ہی بیٹھا تھا۔شیشے کا نازک اور خوب صورت گلاس سنہری سیال سے آدھا لبریز اس کے ہاتھ میں تھا۔مجھے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر تبسم ابھرا۔راجیو کو جانے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ بولا۔
''سوری یار!تمھیں انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی،میں انتقام کے چکر میں پڑ گیا تھا۔''
نشست سنبھالتے ہوئے میں نے خوش دلی سے پوچھا۔''کوئی سپھلتا (کامیابی) ملی؟''
خالی گلاس میں تھوڑا سا مشروب انڈیل کر اس نے میری طرف کھسکاتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔''شمشان گھاٹ (ہندوؤں کا قبرستان) تک پہنچا دیا ہے،اب گھر والے کریا کرم (آخری رسومات) کرلیں گے۔''
میں نے گلاس واپس ان کی طرف دھکیلتے ہوئے حیرانی ظاہر کی۔''بڑی جلدی پکڑے گئے۔''
میرے شراب نہ پینے پر تبصرہ کیے بغیر وہ فلسفیانہ لہجے میں بولا۔''بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاشنا یقیناً ناممکن سمجھا جاتا ہے،مگر مقناطیس پاس ہو تو تھوڑی سی محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''آپ کے پاس کون سا مقناطیس تھا۔''

''دولت بہت بری چیز ہے یار! اس کے حصول کو لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ سوایسا مقناطیس ہے کہ [illegible] وہمدردی کھینچ لیتی ہے۔ میں نے بھی یہی مقناطیس استعمال کیا۔ ان کے گروہ کے اپنے آدمیوں سے ان کے [illegible] مخبری کی۔''

میں ہنسا۔ ''مخالفین تو سخت طیش میں ہوں گے۔''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''دشمن کو مارنے سے زیادہ غصہ دلانے میں مزہ آتا ہے۔''

''میرے بارے کیا سوچا۔'' میں اصل موضوع پر آیا۔

''میرے محافظ کو لڑائی بھڑائی کا ماہر ہونے کے ساتھ اسلحے کا اچھا شناور ہونا چاہیے۔''

میں نے دامنِ امید دراز کیا۔ ''آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔ [illegible]''

''جانچے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرانی ظاہر کی۔

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''مذاق کر رہا تھا یار، تم کل سے میرے محافظوں میں شامل ہو گے۔ [illegible] جاتا ہوں تاکہ تمھیں پستول وغیرہ چلانا سکھا دے۔''

''میں تیار ہوں۔'' بغیر کسی ہچکچاہٹ میں نے ہامی بھری۔ اس کا محافظ بن کر دھیرندر شکلا کو ڈھونڈنا [illegible] آسان ہو جاتا۔ زیرِ زمین گروہ اسلحے اور نشہ آور اشیاء کی اسمگلنگ میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اور اسلحے کے [illegible] شکلا بھارت کا سب سے بڑا ڈیلر تھا۔ نہ صرف انڈین آرمی کو اسلحے کی سپلائی کرتا بلکہ غنڈوں اور حکومت مخالف تنظیموں [illegible] ساتھ بھی اس کے روابط تھے۔ مگر وہ جس مقام پر تھا اس تک عام آدمی کی رسائی دشوار ترین تھی۔ بہت زیادہ سوچنے [illegible] میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ پرما انصاری کو ڈھونڈنے کے بجائے دھیرندر شکلا کو ٹھکانے لگانے کی جستجو کرنا زیادہ [illegible] تھا۔ اس کے بعد پرما انصاری کا حصول زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ گو دھیرندر شکلا کی پہلی رہائش گاہ آگرہ میں تھی لیکن وہاں [illegible] ٹھکانہ نہیں تھا۔ ملک کے چند بڑے شہروں میں اس کے ٹھکانے موجود تھے اور اب پہلا مرحلہ اسے ڈھونڈنے کا تھا۔ [illegible] روزمرہ سے واقف ہو کر ہی آگے کا لائحہ عمل طے کیا جا سکتا تھا۔ اور اس کے لیے وشال گپتا کا محافظ بننا کافی فائدہ مند [illegible] تھا۔

''چلیں پھر۔'' گلاس سے آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے نشست چھوڑ دی۔ ہم سٹنگ روم میں بیٹھے تھے۔ [illegible] اس کی خواب گاہ سے متصل تھا۔ عمارت کے اندر اس کی رہائش ایک علیحدہ مکان جیسی بنی تھی۔ وہاں سے نکل کر ہم چوڑی راہداری میں داخل ہوئے جہاں سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ راہداری کے دوسرے پر ایک اور دروازہ تھا جو [illegible] راہداری میں کھلتا جہاں محافظوں کی رہائش گاہ اور مہمان خانہ بنا تھا۔

سیڑھیوں کا اختتام ایک وسیع ہال میں ہو رہا تھا۔ ہال کے ایک کونے میں جمنازیم اور درمیان میں باکسنگ رنگ [illegible] تھا۔ تین جوڑیاں رنگ کے باہر مشق کر رہی تھیں اور دو جوڑیاں رنگ کے اندر ایک دوسرے پر داؤ پیچ آزما رہی تھیں۔ انھیں نظر کرتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ اگلا دروازہ کھول کر ہم چند سیڑھیاں طے کر کے نیچے اترے۔ آگے جو ہال تھا اس کی چوڑائی کم اور لمبائی زیادہ تھی۔ وہ ایک جدید شوٹنگ رینج تھی۔ وہاں پچاس میٹر کے فاصلے تک فائر کی سہولت موجود تھی۔ اور پستول کے لیے یہ رینج کافی سے بھی زیادہ تھی۔ پستول ہمیشہ دوبدو اور قریب کی لڑائی میں استعمال ہوتا ہے۔ گو فلموں میں تو ہیرو اس سے ہیلی کاپٹر بھی گرا لیتے ہیں مگر حقیقی زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اچھے پستول کی گولی بھی چالیس پچاس میٹر کے

کھونے لگتی ہے۔ پستول سے نشانہ بھی پندرہ بیس میٹر کے دائرے ہی میں درست لگتا ہے۔ فاصلہ بڑھنے سے بعد طاقت میں کمی آتی ہے وہیں نشانے کی درستی بھی غیر یقینی ہوتی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پستول کی گولی کی جہاں گولی کی طاقت بھی گول ہوتی ہے۔ اگر چھوٹے ہتھیاروں کے ایمونیشن کی بات کی جائے تو ایک کارتوس کے تین حصے ہوتے ہیں۔ پہلا کیس یا کھوکا جس میں بارود بھرا ہوتا ہے۔ یہ پیتل کا بنا ہوتا ہے اور اس کے پیندے میں پرائمر لگا ہوتا ہے۔ کارتوس کے اندر دھواں پیدا نہ کرنے والا بارود بھرا ہوتا ہے جو کہ دانوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ آگ ملنے پر ایک دم اور تیزی سے جلتا ہے اور بہت ساری گیس پیدا کرتا ہے جو کہ گولی کو ساتھ اڑا کر لے جاتی ہے۔ جبکہ گولی کارتوس کے اگلے سرے پر لگی ہوتی ہے اور نوکدار ہوتی ہے۔ یہ سیسے کی بنی ہوتی ہے اور اس کے اوپر تانبے کا خول ہوتا ہے۔ یہ شکل میں لمبی ہوتی ہے تاکہ ہوا کے خلاف اپنی رفتار قائم رکھ سکے۔ البتہ پستول کی گولی جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں ہلکی گولائی لیے ہوتی ہے، تبھی ہوا کے خلاف زیادہ مزاحمت نہیں کرتی۔ یوں بھی پستول صرف قریبی لڑائی میں استعمال ہوتا ہے۔ آرمی میں پستول کا استعمال تربیت یافتہ کمانڈوز یا آفیسرز کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ سنائپرز کے پاس بھی سنائپر رائفل کے علاوہ پستول موجود ہوتا ہے۔ عام فوجی، رائفل ہی استعمال کرتے ہیں۔ جس میں سرفہرست جی تھری اور کلاشن کوف ہیں۔

اب ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو یہ بھی یاد رکھیں کہ مختلف پستولوں کے قطر مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے تیس بور، نائین ایم ایم اور اڑتیس بور بہت مشہور ہیں۔ قطر مختلف ہونے کی وجہ سے ایمونیشن بھی مختلف ہوتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر استعمال ہونے والے اچھی ساخت کے اکثر پستولوں کا قطر 9 ایم ایم ہے۔ جیسے گلاک، بریٹا، ہیکلر اینڈ کوچ، زگانا (زگانا میں 30 بور بھی دستیاب ہے) ڈزرٹ ایگل وغیرہ۔

راجیو رہاں پہلے سے موجود تھا۔ شوٹنگ رینج جدید سہولیات سے مزین تھی۔ چار لکڑی کے کیبن بنے تھے جہاں چار فائرر بیک وقت چار ہدفوں پر فائر کر سکتے تھے۔ ہدف متحرک تھے۔ بٹن دبا کر ہدف کو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کیا جا سکتا تھا۔

راجیو نے آگے بڑھ کر ہمیں خوش آمدید کہا۔

وشال بولا۔ ''تمھارا نیا شاگرد آ گیا ہے، اسے پستول کا استعمال مکمل سکھا دو۔''

راجیو اعتماد سے بولا۔ ''آپ فکر ہی نہ کریں باس، اپن ہے نا... شام تک بابو سالے رجنی کانت (انڈین فلموں کا پرانا ہیرو) کا ما فک گولیاں پھونکے گا۔''

وشال سر ہلاتا ہوا ایک کیبن میں گھس گیا۔ بٹن دبا کر اس نے ہدف کو مناسب فاصلے پر پیچھے دھکیلا اور جیب سے پستول نکال کر فائر کرنے لگا۔ اپنے کانوں پر اس نے ایئر گارڈ (کانوں کو فائر کی آواز سے محفوظ رکھنے والے حفاظتی غلاف) چڑھالیے تھے۔

راجیو مجھے ایک میز کے قریب لے گیا جہاں گلاک سیون مین سیمی آٹو میٹک رکھا ہوا تھا۔ میں کئی قسم کے پستول استعمال کر چکا ہوں، مگر گلاک ہمیشہ سے میرا پسندیدہ رہا ہے۔ گلاک دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔

راجیو نے پوچھا۔ ''کبھی پستول چلایا ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''چند مرتبہ چلایا ہے۔''

''شاباش، پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اب پستول چلانے سے پہلے چند کھسوسی (خصوصی) باتیں مگج (مغز) میں بٹھا لیوں کہ سالا، خالی لبلبی (ٹریگر) دبانا پستول چلانا نہیں ہوتا۔ ایک فائرر سالے کو پستول کے بارے ضروری باتوں کا بھی

...پتا ہونا چاہیے۔ یہ سالا بہت عمدہ اور کھاس (خاص) ساخت کا پستول ہے۔ پہلے تم کا میگزین میں گولیاں بھرنے کے بارے سکھاؤں گا ...'' راجیو مجھے بنیادی باتیں بتانے لگا۔ میں پوری دلچسپی سے سیکھنے لگا۔ ایک دم تربیت کے ابتدائی دن نظر میں گھوم گئے تھے۔ ہماری تربیت کی شروعات رائفل سے ہوئی تھی۔ پستول کے بارے ہم نے بہت بعد میں سیکھا تھا۔ پستول اور رائفل کے فائر میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اگر میں تفصیل میں جاؤں تو شاید یہ ناول کے بجائے سکھلائی کی کتاب بن جائے، اس لیے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔

میگزین میں گولیاں بھرنے کے بعد راجیو میگزین چڑھانے اتارنے، پستول کاک کرنے، سیفٹی لگانے، نشانہ سادھنے کے بارے سمجھانے لگا۔ اس دوران وشال گپتا وہاں سے جا چکا تھا۔

گھنٹا ڈیڑھ سکھلائی کے بعد راجیو عملی مظاہرے کو مجھے ایک کیبن میں لے گیا۔

پہلے اس نے خود فائر کیا اور دس میٹر کے فاصلے پر بہ مشکل پانچ گولیاں مار سکا تھا۔ ہدف پر اس کی بکھری ہوئی گولیاں دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ فائر کی جو تکنیکیں مجھے اپنے استاد تصور صاحب، فیاض صاحب وغیرہ نے سکھائی تھیں وہ راجیو بے چارے نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ جاسوس بن کر ایک اناڑی کی شاگردی اختیار کرنا پڑ گئی تھی۔ یقیناً سردار مجھے اس حالت میں دیکھ لیتا تو اس کی ہنسی نہ رکتی۔ کہاں ایس ایس اور کہاں راجیو ورما۔ اور پھر دس میٹر کے فاصلے پر گلاک سیون ٹین سے ہدف پر گولی نہ مارنے کی خبر اگر تصور صاحب تک پہنچ جاتی تو انھوں نے مجھے کچا ہی چبا جانا تھا۔

بہ ہر حال میں سکھلائی میں پوری دلچسپی اور شوق ظاہر کرتا رہا۔ تین چار باریوں کے بعد میرا نشانہ بہتر ہونا شروع ہو گیا اور ساتویں آٹھویں باری پر راجیو میری پیٹھ تھپتھپا رہا تھا۔

آخر کار اس کے ہونٹوں سے نکلا۔ ''تم کا فائر تو استاد سے بھی اچھا ہو گیا ہے رے۔''

میں اسے تسلی دیتا ہوا بولا۔ ''استاد تو استاد ہوتا ہے راجیو صاحب۔''

''عجیب بات ہے سالا تم نے پانچ کی پانچ گولیاں دائرے کے اندر ٹھوک دیں۔ ایسا تو شاید وشال صاحب بھی نہ کر سکیں۔ حالاں کہ ان کا فائر بہت اچھا ہے۔''

میں بے پروائی سے بولا۔ ''اتفاقاً لگ گئی ہوں گی یار۔''

اس نے ہدف کا فاصلہ بڑھا کر پینتیس میٹر کر دیا۔ مجھے شرارت سوجھی اور میں نے ساری گولیاں ہدف کے سر میں ...انچ کے گروپ میں مار دیں۔ کیبن میں سکرین لگی تھی، جس پر ہدف کا قریبی نظارا (کلوز ویو) نظر آ رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی ...ں سے سکرین کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔

''سندیپ، سالا تم نے کمال کر دیا رے۔ یہ مظاہرہ اگر وشال صاحب کے سامنے کر دے تو اپن کا انعام تو کہیں نہیں

...'پہلے نشانہ پکا تو لوں۔'' دس گولیاں بھر کر میں نے میگزین چڑھائی اور پہلے کی طرح تمام ہدف کے سر میں ٹھوک ...جیو نے باقاعدہ تالیاں بجا کر مجھے داد دی تھی۔

...ا قسم، جندگی (زندگی) میں پہلی بار سالا تمھارے ما فک اچھا شاگرد ملا ہے۔''

...نے مکھن لگایا۔ ''اس میں سارا کمال آپ کی سکھلائی کو جاتا ہے استاد۔''

...اتی چوڑی کرتے ہوئے بولا۔ ''چلو، باس کے پاس، سالا انھیں بھی پتا چلے اپن میں گن ہیں۔''

...ل کی صفائی نہیں کرنا۔'' اسے پستول پتلون میں اڑستے دیکھ کر بے ساختہ میرے ہونٹوں سے نکلا تھا۔

بالکل میں کر اس صفائی کی ضرورت پڑ گئی۔" "وہ جانتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اور میں دل ہی
"پالش کرنی باقی تھی" میں ... پستول کی دھان ہونے کی صورت رائفل کو پڑتا نہیں۔ ایسا بعد اقتصار صاحب نے بتائے
دل میں ان گولیوں کو ... بچا سکتا ہے تھا۔ اور بالفرض اگر رہ بھی جاتا تو اس پر چلنے کے قابل نہ رہتا۔
پڑ جاتا تو اس کا رد عمل بہت سا ممکنات ہے۔ کرنے کو وہ ایسا ہی سمجھتے تھے کہ بعد استعمال کرتے ہیں۔ اور معلومات بھی
فائر کے بعد ہتھیار کی صفائی ... اگر ہتھیار کو اچھی طرح سے صاف نہ کیا جائے تو ہتھیار جلد ہی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کرگی بھی
ہر فائر کے بعد اگر ہتھیار کی کارکردگی کا انحصار اس کی بیرل اور چال والے پرزے ہوتے ہیں۔ فائر کے بعد بیرل میں بارود اور ... نیچے لگے
ہتھیار کی کارکردگی کا انحصار ... اگر انہیں صحیح طرح سے صاف نہ کیا جائے تو جلد ہی بیرل کو زنگ لگ جاتا ہے اور کرتے ہیں۔ جس سے
اراتے چمٹ جاتے ہیں۔ یوں سب ... پہلے تو ہتھیار کی درستگی نشانے بازی میں فرق پڑتا ہے اور آہستہ آہستہ
بیرل میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ ... وہ پستول میری ملکیت نہیں تھا مگر ہتھیاروں سے قدرتی لگاؤ کی وجہ سے مجھے پرائے
ہتھیار فائر کے قابل ہی نہیں رہتا۔
قتل کا برا اثر پڑا تھا۔ بہرحال میں بحث و تکرار کی حالت میں نہیں تھا۔

وشال گپتا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اچانک اس کی نظر اپنے آدمی پر پڑی۔

"ابے سالے گپت تو کاہے بکری کا ما لک بنا پھر رہا ہے۔"

گپت جلدی سے بولا۔ "استاد صفائی کروا رہا ہوں۔"

وہ پستول اس کی جانب جھپٹتے ہوئے بولا۔ "کافی فائر کیا ہے، اس سالے کو بھی جھاڑ پھونک لے۔" اس نے میرے خیالات پڑھ لیے تھے یا شاید پہلے جلدی کی وجہ سے پستول کی صفائی کو غیر ضروری جانا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا پستول کو صاف کرنا اسے اپنی شان کے خلاف لگ رہا ہو۔ بہرحال کچھ بھی تھا کم از کم میرے دل پر پڑا ہوا بوجھ کچھ کم ہوا تھا۔

گپت نے پستول کو ہوا میں پکڑتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں۔ "جی استاد۔" کہا۔

"پاس کمرے میں ہے؟"

گپت بولا۔ "کہیں باہر گیا ہے۔"

راجیو مجھے مخاطب ہوا۔ "تم آرام کرو، استاد کی واپسی پر بات ہو گی۔" اور میں سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن آرام نہ آیا اور عمارت کا جائزہ لینے نکل گیا۔ ایک جاسوس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے فرار کا رستہ نگاہ میں رکھے۔ وشال گپتا کا مہمان ہونے کی وجہ سے کسی نے تعرض نہ کیا تھا۔ پوری عمارت میں گھوم کر میں نے باریک بینی سے جائزہ لیا۔ عمارت کی عقبی دیوار میں چار کوارٹر بنے تھے۔ جس میں ملازموں کی رہائش تھی۔ عقبی جانب دروازہ بھی موجود تھا جسے تالہ لگا تھا۔ اور وہاں کوئی چوکیدار وغیرہ موجود نہیں تھا۔ عمارت کے چاروں جانب گلیاں موجود تھیں۔ کوئی بھی دوسرا مکان عمارت سے متصل نہیں تھا۔ پوری عمارت میں گھومنے کے بعد میں چھت پر چڑھ گیا۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے بوریت دور کرنے کو سیر گشت کر رہا ہوں۔

چھت مجھے خالی نظر آئی تھی۔ وہاں سے عمارت کے چاروں جانب کی نگرانی ہو سکتی تھی، مگر وشال گپتا نے پہرے دار مقرر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یقیناً اسے کسی سے اتنی جرأت کی توقع نہیں تھی کہ وہاں دھاوا بول سکتا۔

گھنٹے ڈیڑھ کی مفید چہل قدمی کے بعد میں واپس کمرے میں آ گیا تھا۔

●

وشال گپتا سے شام کو ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے میری نشانہ بازی دیکھنے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ البتہ شاباش دے کر راجیو کو خوش ضرور کر دیا تھا۔ راجیو کو جانے کا اشارہ کر کے اس نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور کام سمجھانے لگا۔ میرے علاوہ اس

کے تین محافظ اور بھی تھے۔ تینوں کی رہائش اسی عمارت میں تھی۔ وشال اپنے کارندوں سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتا تھا لیکن احسان مند ہونے کی وجہ سے مجھے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ ضروری باتیں اور سینئر کارندوں کی عزت و احترام کا بھاشن دینے کے بعد وہ مجھے اپنے کوت میں لے گیا۔ (کوت کا لفظی معنی ہتھیاروں کی الماری ہے۔ آرمی میں کوت اس کمرے کو کہتے ہیں جہاں ہتھیار رکھے جاتے ہیں)

ڈرائینگ روم سے ملحق ایک چھوٹا سا کمرہ ہتھیاروں سے سجا تھا۔ وہ نت نئے ہتھیار جمع کرتا رہتا تھا۔ راجیو سے پتا معلوم ہوا تھا کہ وشال گپتا ایک شوٹنگ کلب کا باقاعدہ ممبر تھا۔ اور ہتھیاروں کا جنون کی حد تک شیدائی تھا۔ جب جیب میں پیسہ ہو اور قانون کا خوف نہ ہو تو ایسا کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ اس کا کوت دیکھتے ہوئے مجھے راجیو کی بات پر عین الیقین حاصل ہو گیا تھا۔ دیواروں پر بیسیوں اقسام کے اعلیٰ کوالٹی کے پستول اور رائفلیں لگی تھیں۔ ذریگوو، گلیل، بیرٹ 107، وودانسک یہ چار قسم کی سنائپر رائفلیں اور اس کے علاوہ چند اقسام کی یورش رائفلیں (اسالٹ رائفلیں) تھیں جن میں انڈیا کی انساس، AK47 یعنی کلاشن کوف اور جی ٹو قابل ذکر ہیں۔ ان میں وودانسک انڈیا کی اپنی بنی ہوئی سنائپر اور اینٹی میٹریل رائفل ہے۔ جو آرڈیننس فیکٹری تروچہ پالی کی تیار کردہ ہے۔ اس کی خاص بات یہ کہ اسے کھولے بغیر تین قسم کی بیرل 12.7، 14.5 اور 20 ایم ایم استعمال کی جاسکتی ہیں۔ مگر بیرٹ 107 کارکردگی اور درستی کے لحاظ سے اس سے کئی گنا بہتر تھی۔ وودانسک وزن میں بھی، بیرٹ سے کافی بھاری ہے۔ یوں اس کی اہمیت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ مجھے وودانسک استعمال کرنے موقع نہیں ملا تھا۔ البتہ باقی تینوں رائفلیں میں استعمال کر چکا تھا۔

"ان میں سے اپنی پسند کے دو پستول لے لو۔" وشال گپتا میری محویت میں مخل ہوا۔

"ج ۔۔جی سر۔" میں ہکلا گیا تھا۔

اس نے پوچھا۔ "تم تو یوں آنکھیں پھاڑ کر ہتھیاروں کو دیکھ رہے ہو جیسے پہلی بار موقع ملا ہو۔"

میں نے بات بنائی۔ "فلموں میں کافی بار دیکھے ہیں سر۔"

وہ ہنسا۔ "فلموں میں اصل ہتھیار نہیں ہوتے بے وقوف۔"

میں خفیف ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیا پتا سر۔"

"مجھے سر نہیں باس بولا کرو۔" نرم لہجے میں تنبیہ کرتے ہوئے اس نے دوبارہ دعوت دی۔ "اپنی پسند کے پستول لے لو۔"

میں سادگی سے بولا۔ "جس پستول کے ساتھ آج فائر کیا ہے، اسی جیسا ٹھیک رہے گا۔"

وشال گپتا نے قہقہہ بلند کیا۔ "اچھا انتخاب ہے۔" اور دو گلاک میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک ہی کمپنی کے ہیں۔"

وہ نہ بھی بتاتا تو نیم خودکار (سیمی آٹومیٹک) گلاک سیون ٹین اور خودکار (آٹومیٹک) گلاک ایٹین کو پہچاننا میرے لیے اتنا ہی آسان تھا جتنا کسان چنے و گندم کے فرق کو پہچانتا ہے۔

میں پستول پتلون میں اڑسنے لگا۔

"ٹھہرو۔" کہہ کر اس نے مجھے روکا اور چمڑے کا نفیس و ملائم ہولسٹر پکڑوا دیا۔ جس میں دو پستول رکھے جاسکتے تھے۔ ساتھ ہی باندھنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔

اگلے دن سے میری ڈیوٹی شروع ہوگئی۔ اس سے پہلے ہی وشال کے کہنے پر راجو کالے رنگ کے تین تھری پیس سوٹ میرے لیے لے آیا تھا۔ کوٹ کے نیچے ہولسٹر باندھ کر میں خود کو سچ مچ محافظ محسوس کر رہا تھا۔ مجھ سے پہلے وشال کے محافظوں میں اجیت سنگھ اور موہن سنگھ دو سکھ اور ایک ہندو شنکر داس شامل تھے۔ تینوں لمبے تڑنگے اور کسرتی جسم کے مالک تھے۔ انھوں نے تمسخرانہ نگاہوں سے میرا استقبال کیا تھا۔ مگر میں نے توجہ دیے بغیر خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا۔ ان کی جیپ وشال گپتا کی کار کے عقب میں ہوتی تھی۔ وہ اپنی کار میں کبھی اکیلا اور کبھی ڈرائیور کے ہمراہ ہوتا تھا۔ میری آمد کے پہلے ہی دن اس نے ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میری کار سندیپ ہی ڈرائیو کرے گا۔"

اگلے چند دن کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ وشال گپتا کے محافظوں سے تعلقات خوش گوار ہوں، کیوں کہ ان سے کافی معلومات مل سکتی تھیں۔ دھیریندر شکلا کے بارے معلومات لینے کو مجھے وشال کے ہاں نوکری کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اس کا محافظ بننے کا مطلب ممبئی میں آزادی سے گھومنے کا پروانہ حاصل کرنا تھا۔ وشال گپتا، راجپوت دادا کا چھوٹا بھائی تھا اور راجپوت دادا کی ممبئی میں خاص پہچان تھی۔

کوشش کے باوجود میں وشال گپتا کے محافظوں سے بے تکلف نہیں ہو پایا تھا۔ نہ جانے انھیں مجھ سے کیا پرخاش تھی۔ شاید وشال کا مجھے بہت زیادہ توجہ دینا انھیں اچھا نہیں لگا تھا یا شاید مجھے خود سے کمتر سمجھتے تھے۔ کیوں کہ تینوں کے قد چھ فٹ سے نکلتے ہوئے تھے، صحت مند اور ہٹے کٹے، جبکہ میں درمیانے قد اور چھریرے بدن کا ہوں۔

اس دوران چند بار راجپوت دادا کا سامنا بھی ہوا۔ مگر اس نے مجھے قابل توجہ نہیں جانا تھا۔ گو اس نے مجھے سلطان دادا کے ہاں دیکھا تھا لیکن تب میری چھوٹی داڑھی، مونچھیں اور لمبے بال تھے۔ اب میں نے کلین شیو کرا کے سر کے بال فوجی کٹ ترشوائے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے حلیہ کافی بدل گیا تھا۔ چھوٹی موٹی تبدیلیاں ہی انسان کے حلیے کو بدل دیتی ہیں۔ یوں جس سے سرسری ملاقات ہوئی ہو وہ شناخت نہیں کر پاتا۔ البتہ دیرینہ آشنا آسانی سے پہچان لیتے ہیں۔ اور وہاں مجھے اچھی طرح پہچاننے والا صرف ڈینو ہی تھا جو باقی نہیں رہا تھا۔

وشال گپتا کے ہمراہ کئی اہم اور خاص شخصیتوں سے ملاقات ہوئی۔ جرائم کے دھندوں کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اسلحے، نشہ آور اشیاء اور ولایتی شراب کی اسمگلنگ میں پیش پیش تھے۔ بھتہ خوری، چھوٹی موٹی ڈکیتیاں، اغواء برائے تاوان کی وارداتیں نچلے درجے کے کارندے اپنے طور پر کرتے رہتے تھے۔ چونکہ لوگوں کو رعب میں رکھنے کو یہ کارروائیاں ضروری سمجھی جاتی ہیں اس لیے راجپوت دادا اور وشال گپتا اپنے کارندوں کی حرکات سے آنکھیں میچے رکھتے تھے۔

ایک دن شوٹنگ کلب جانے کا اتفاق ہوا۔ کلب ممبئی کے مضافات میں بنا تھا۔ کلب کی عمارت کے احاطے ہی میں پارکنگ بنی ہوئی تھی۔ قیمتی گاڑیوں کی بہتات دیکھ کر مجھے لگا کوئی خاص پروگرام ہے۔ سیکیورٹی کا خاص انتظام بھی میرے اندازے کی تصدیق کر رہا تھا۔ باقی محافظوں کو پارکنگ میں رکنے کا کہہ کر وشال مجھے ساتھ لیے کلب کی اندرونی عمارت کی طرف بڑھا۔ دروازے پر ہم سے ہتھیار اور موبائل فون جمع کر کے ٹوکن دے دیے گئے تھے۔ اندر ایک بڑے ہال میں کافی رونق نظر آ رہی تھی۔ قیمتی صوفہ سیٹ اور آرام دہ کرسیاں ایک ترتیب سے لگی تھیں۔ سامنے ایک اسٹیج تیار کیا گیا تھا جیسے کوئی سبق چلنا ہو۔ اسٹیج پر ایک بڑی سکرین لگی تھی ساتھ ہی روسٹرم رکھا تھا۔ حاضرین میں عربی لباس میں بھی چند افراد نظر آئے۔ یقیناً ان کا تعلق خلیجی ریاستوں سے تھا۔

اہم افراد کے ہمراہ آنے والے محافظوں اور ملازموں کے لیے دیوار کے ساتھ اسٹول رکھے تھے۔ وشال گپتا کے اشارے پر میں ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہ خود وی آئی پی نشستوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

خوب صورت، انگریز لباس میں ملبوس لڑکیاں مختلف مشروبات اور لوازمات کے بھرے ہوئے ٹرے اٹھا کر
میں گھوم رہی تھیں۔ جن میں مختلف قسم کی شرابیں، کولڈ ڈرنک اور جوس شامل تھے۔ کھانے میں پھل، ڈرنک، میوہ جات
اور ابلا ہوا گوشت، بسکٹ، کیک، وغیرہ کی بہتات تھی۔ مگر اس میں سے کچھ بھی ملازموں کے لیے نہیں تھا۔ میں خود کو دور
قدیم کی کسی روایتی تقریب کا حصہ سمجھ رہا تھا جہاں غلام اپنے آقاؤں کو کھاتے پیتے دیکھ سکتے تھے لیکن انھیں کچھ کھانے
پینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ میری نگاہیں کسی مطلب کے
بندے کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ عربی شیخ اپنے ترجمانوں کے ہمراہ ایک انگریز لڑکی کو گھیرے نظر آئے۔ وشال کھنہ کا
پرتپاک انداز میں لڑکی کو ملا تھا۔ سنہری بالوں والی لڑکی کافی خوش شکل و پرکشش تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے جینی یاد آگئی تھی۔ گر
جینی کا چہرہ سرخی و سفید تھا۔ اور یہ خالص گوری تھی۔ کندھے تک چھوٹے بال جنھیں نفاست سے تراشا گیا تھا۔ اپنی تہذیب
و ثقافت کے مطابق مردوں سے بے باکی سے مصافحہ کر کے گپ شپ کر رہی تھی۔ نصف بازوؤں کی تنگ شرٹ اور چست
پتلون میں جسمانی ابھار مزید اجاگر ہو رہے تھے۔ مگر مغرب کی عورت اپنے جسم کی نمائش پسند کرتی ہے۔ اور اسی لیے حتی
الوسع ایسے لباس کے انتخاب پر زور دیتی ہے جو

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

کی عملی تفسیر ہوں۔ اس کا لباس بھی بالکل ایسا ہی تھا۔ اس کے علاوہ بھی حاضرین میں چند خواتین نظر آ رہی تھیں مگر
لوگوں کی زیادہ توجہ گوری پر تھی۔ پاکستان اور انڈیا کے لوگوں میں ایک عادت بالکل مماثل ہے کہ دونوں قوموں کے افراد
گوروں سے خواہ مخواہ ہی مرعوب رہتے ہیں۔ آج تک بے چاروں کے خون سے گورے کی غلامی کا اثر زائل نہیں ہو سکا۔ وہ
لڑکی تو اچھی خاصی حسین و پرکشش تھی، اگر معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا تو توجہ کا مرکز اسی نے ہونا تھا۔ جیسے مشتاق احمد
یوسفی لکھتے ہیں کہ "انگریزوں میں خال ہی بدصورت عورت پیدا ہوتی ہے اور ہمارے پاکستانی ڈھونڈ کر اسی سے شادی
کرتے ہیں۔"

اچانک لوگوں میں ہلچل مچی اور تمام استقبال کو کھڑے ہو گئے۔ میری نظر آنے والی شخصیت پر پڑی اور دل جوش
سے دھڑکنے لگا تھا۔ دھیرندر شکلا کی منحوس صورت پہلی بار میری آنکھوں کے سامنے آئی تھی مگر میں نے فوراً ہی پہچان لیا
تھا۔ انصاری صاحب کے پاس اپنی بیٹی کی تصویر تو موجود نہیں تھی البتہ انھوں نے شکلا کی کئی تصاویر دکھائی تھیں۔ اس کا چھ
فٹ دو تین انچ قد بھی اسے نمایاں کر رہا تھا۔ اس کے جسم پر گوشت نام کو نہ تھا۔ سوکھا سڑا ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ پہلی نظر میں
مجھے انگریزی فلموں کا مشہور کردار ڈریکولا لگا تھا۔ چھریرا بدن ہونے کی وجہ سے وہ اور زیادہ طویل قامت لگ رہا تھا۔

اس کے عقب میں چار چاق و چوبند مسلح محافظ نظر آ رہے تھے۔ چاروں تربیت یافتہ کمانڈوز تھے۔ ان کی عقابی
نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔

دھیرندر شکلا سیدھا گوری لڑکی کی طرف گیا تھا۔ اس نے پرتپاک انداز میں لڑکی کا ہاتھ تھاما، مسکراہٹوں کا تبادلہ
ہوا۔ دونوں نے مدہم لہجے میں کوئی بات کی اور پھر مختلف افراد دھیرندر سے ملنے لگے۔ تین نشستی (تھری سیٹر) صوفے پر
اس نے لڑکی کے ہمراہ ہی نشست سنبھال لی۔

میرا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا مگر کوئی ایسا طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا کہ میں دھیرندر شکلا کے گندے وجود سے دھرتی
کو پاک کر سکتا۔ یقیناً تمام لوگوں سے ہتھیار اسی وجہ سے جمع کیے گئے تھے۔ لیکن میرے پاس پستول موجود بھی ہوتا تب
بھی اس بھیڑ میں کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال اس کے نظر آنے کے بعد امید کی کوئی کرن تو پیدا ہو گئی تھی۔ اب کم از کم کسی

...کے متعلق سوال جواب کر رہا تھا۔
...کی آمد کے چند لمحوں بعد ایک ساؤنڈ پروف روسٹرم کے پیچھے کھڑے ہو کر حاضرین محفل کو متوجہ کرنے
...اسپیکروں پر اس کی آواز یوں سنائی دی جیسے پہلو میں بیٹھا ہو۔ وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔
،،معزز مہمانوں کو خوش آمدید۔ یقیناً آپ لوگوں کو آج کے اکٹھ کی غرض و غایت معلوم ہوگی۔ براہ راست مدعے پر
آنے سے پہلے آپ کو خوش خبری سنانا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو پھول سے نازک اور
پتھر سے سخت ہے۔ جو بظاہر صنف نازک ہے مگر حقیقت میں مردوں سے بھی کئی قدم آگے ہے۔ اس نے افغانستان جیسے
ملک میں دہشت گردوں کے سر سے گولی گزاری ہے کہ ان کی کھوپڑیوں سے مینار تعمیر ہو سکتا تھا۔ کم عمری ہی میں تجربات
حاصل کر کے لندن چننے والی برطانیہ آرمی کی مایہ ناز سنائپر لورا براؤن جو آرمی نوکری سے مستعفی ہو کر ایک شوٹنگ کلب
کی بھی ممبر بن گئی ہیں۔ انڈیا میں محترمہ کی آمد اپنی غرض سے ہوئی لیکن کلب انتظامیہ کی درخواست پر آپ نے ممبران کے
لیے اپنے قیمتی وقت سے چند لمحات عنایت کرنے کی مہربانی کی ہے۔ آج ہم مس لورا براؤن کے تجربے اور فائرنگ تکنیکوں
سے مستفید ہوں گے۔ آپ کی تالیوں کی گونج میں تشریف لاتی ہیں، کیپٹن لورا براؤن۔'' لیپ ٹاپ روسٹرم پر رکھ کر وہ پیچھے
ہٹ گیا تھا۔

حاضرین نے پرتپاک انداز میں تالیاں بجا کر لورا کا استقبال کیا تھا۔ میں بھی گہری دلچسپی اور کسی قدر حیرانی سے
اسے دیکھنے لگا۔ ایک دوسرے کے شکل آشنا نہ ہونے کے باوجود ہم دونوں کافی گپ شپ کر چکے تھے۔ بلکہ جانی دشمن رہ
چکے تھے۔ یقیناً اس نے افغانستان کے محاذ پر کافی مجاہدین اور کثیر تعداد میں بے گناہ لوگوں پر گولی چلا کر خاصا نام کمایا
تھا۔ لیکن میرے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی تھی۔ یوں بھی افغانستان محاذ پر ڈیوٹی سرانجام دینے والے امریکن اور
گورے واپس جا کر قوم میں ہیرو گنے جاتے ہیں۔ افغانستان کا تو نام ہی ان اقوام کے لیے موت کی علامت ہے۔ کبھی
ساری دنیا کے لیے پھنے خان بنا امریکہ آخر قلیل تعداد اور ناقص و ناکافی آلات جنگ رکھنے والے مجاہدین کے سامنے گھٹنے
ٹیک کر مذاکرات کی میز پر آ گیا ہے۔ جسے طالبان کا وجود ہی تسلیم نہیں تھا۔ جنھیں دہشت گرد اور غاصب قرار دیتا تھا۔ جن کا
نام و نشان مٹانے کو بڑے بڑے دعوے و ارادے کرتا تھا۔ جن کے خون کا پیاسا ہو کر ساری دنیا کی طاقت کو ان بے
سروسامانوں کے سر پر اکٹھا کر لایا تھا۔ اور اب مذاکرات کر کے اپنی شکست پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ اقرار کر رہا ہے کہ
مجاہدین کی کوئی حیثیت ہے۔ آخر معاہدہ برابر کی سطح والوں کے درمیان ہی ہوتا ہے، انھی سے ہوتا ہے جن کا کوئی وجود ہو۔

اقبال نے فرمایا تھا

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یقیناً مجاہدین نے دنیا کی سب سے بڑی جنگ جیتی ہے۔ ورنہ پہلی جنگ عظیم دیکھیں، آدھی دنیا ایک جانب آدھی دنیا
دوسری جانب۔ دوسری جنگ عظیم کا جائزہ لیں؛ آدھی دنیا ایک جانب، آدھی دنیا دوسری جانب اور یہاں پوری دنیا ایک
جانب اور گنتی کے مجاہدین دوسری جانب۔ البتہ یہود نواز میڈیا، لبرل ذرائع ابلاغ ہمیں کبھی اپنے مجاہدین کی صحیح تصویر نہیں
دکھائیں گے۔ ٹی وی شو پر بیٹھ کر بھونکنے والے یا تو مجاہدین کمیاں کوتاہیاں بیان کریں گے یا پاک فوج کی جڑیں کھودیں
گے۔ یہ غدار لگے بندھے ایجنڈے و منصوبے کے تحت کام کرتے ہیں۔ اور سادہ عوام ان کی خرافات کو قرآن و حدیث جتنی
اہمیت دینے پر تل جاتی ہے۔ بہرحال یہ دکھڑے تو شاید ہمیشہ کا رونا ہیں جو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو سکتے۔

،،شکریہ آپ لوگوں نے ناچیز کو اس قابل سمجھا

تالیوں کا شور تھمتے ہی اس نے گفتگو کی ابتداء کی۔ اس کی لوچ دار آواز میری سماعتوں کے لیے اجنبی نہیں تھی مغلظات اور بے ہودہ گوئی سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ ملازموں کی کرسیوں پر بیٹھنے والوں میں ایسا بھی بیٹھا ہے تو یقیناً فخر سے بلند سر جھکنے پر مجبور ہو جاتا۔ اس نے فوج کیوں چھوڑی تھی، یہ تو معلوم نہ تھا البتہ شک تھا کہ اس کے پس پردہ نک سٹیورٹ کی موت تھی۔ میں نے اس کے الفاظ پر کان دھر دیئے۔ ''اور یقیناً مجھے فخر ہے کہ میں نے انسانیت دشمن عناصر کی سرکوبی کو بڑی قربانیاں دیں۔ اپنا بہت پیارا دوست بھی کھویا۔ سپاہی نک سٹیورٹ ایک مایہ ناز اور بے مثال سنائپر تھا۔ جونیئر ہونے باوجود وہ میرا استاد تھا، مگر ایک حادثے میں اتفاقاً دشمن کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اس سے میں نے کافی کچھ سیکھا تھا۔ ہم دونوں نے دشمن کے گھٹنے لگوا دیئے تھے۔ نک اور لورا براؤن کا نام سن کر ان کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ کیوں کہ جب آپ سنائپر رائفل کا استعمال جانتے ہوں تو اس سے نتائج بھی صحیح اخذ ہوتے ہیں۔

سنائپنگ میں جدید رجحانات نے نشانہ بازی کو سائنس کی شکل دے دی ہے۔ ایک سنائپر جتنا باریک بینی سے گولی چلائے گا اتنی ہی کامیابیاں سمیٹے گا۔ ایک فائرر کو صرف یہ جاننا کافی نہیں کہ اس کا ہدف کتنے فاصلے پر ہے اور اس نے ہتھیار پر کیا رینج لگائی ہے۔ ہوا کی رفتار، موسم کی صورت حال، بلندی یا پستی اور زمین کی کشش یہ تمام عوامل فائر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب فائرر ہزار میٹر سے زیادہ لمبے فاصلے پر فائر کرتا ہے تب یہ عوامل زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ زمین کی مداری گردش کا فائر پر جو اثر پڑتا ہے اسے کیرولس افیکٹ (Coriolis Effect) کہتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ جب کم اونچائی پر فائر کیا جائے تو ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے گولی کی رفتار پر اثر پڑتا ہے اور رفتار کم ہو جاتی ہے۔ اونچے علاقے میں ہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے اور گولی کی رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ درجہ حرارت بھی فائر پر بہت اثر ڈالتا ہے۔ یونہی سامنے سے چلنے والی ہوا گولی کی رفتار پر اثر انداز ہوتی ہے اور عقب سے چلنے والی ہوا گولی کو مزید آگے لے جاتی ہے۔ ہوا کے حساب کا ایک فارمولا ہے جسے گرینرز (Greener's) فارمولا کہتے ہیں''

وہ شستہ انگریزی میں فائرنگ کے جدید طریقوں کی وضاحت کرنے لگی۔ عام فہم انداز میں اس نے کافی مفید اور قیمتی معلومات حاضرین کے گوش گزار کی تھی۔ گو میں اپنے استادوں سے بہت تفصیل سے یہ سب سیکھ چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کا بھاشن (لیکچر) اچھا لگا۔ بلاشبہ وہ سنائپنگ کے بارے کافی معلومات رکھتی تھی۔ سونے پہ سہاگا اس کا لڑکی ہونا، خوب صورت، پرکشش ہونا اور اس سے بھی بڑھ کر حکمران قوم سے متعلق ہونا تھا۔ تبسم و مسکراہٹ بکھیرتے ہونٹ اور خوش اخلاقی سے لبریز لہجہ کرن میرے دماغ میں اس کے ماضی کے مغلظات اور بے ہودہ گوئی گونج اٹھی۔ انگریزی زبان کی ایسی بہت سی گالیاں تھیں جو پہلی بار اسی کے ہونٹوں سے سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اردو زبان میں گالیوں کا ذخیرہ انگریزی زبان سے زیادہ ہونے کی غلط فہمی تبھی ہوا ہوئی تھی۔ اور اب اسے قریب سے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہی گالیاں اگلنے کی مشین کھڑی ہے۔

تمہید کے بعد اس نے یو ایس بی لیپ ٹاپ میں لگا کر ''پریزنٹیشن'' کھولی اور فائرنگ کے عملی مظاہرے دکھانے لگی۔ تمام وڈیوز اور تصاویر میں وہ خود ہی نظر آ رہی تھی۔ اور ایسی نظر آ رہی تھی کہ کسی کے پلے سنائپنگ پڑ رہی تھی یا نہیں، اس کے جسم کے نشیب و فراز، زاویے و قوسیں اور ابھار و گہرائیاں ازبر ہو چکی تھیں۔ کم بخت سنائپر سے زیادہ ماڈل لگ رہی تھی۔ ادھ پون گھنٹے کا درس اختتام پذیر ہوا۔ اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ سوالوں کے جواب نہایت اعتماد اور لیاقت سے دیتی رہی۔ اچانک ایک شناسا آواز میرے کانوں میں پڑی۔ میں چونک پڑا تھا۔ مہینا بھر پہلے ہی اس کی آواز سنی تھی اور ایک سنائپر کی یادداشت اتنی کمزور نہیں ہوتی کہ جلد بھول جائے۔ وہ کرن چاولہ تھا۔

''مادام! آپ نے اپنے بڈی (ساتھی) نک سٹیورٹ کی بڑی تعریف کی ہے۔ کیا بتا سکتی ہیں وہ کس کی گولی سے قتل

...جھی اچھا سنا یپر تھا۔"
...کیا اسے مارنے والا اس سے بھی اچھا سنا یپر تھا۔"
...براؤن کی زبان میں پہلی بار رکاوٹ آئی تھی۔ گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر سیاسی انداز
...ضروری نہیں ہوتا کہ قاتل، مقتول سے زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہو۔ کبھی کبھی قسمت بھی ساتھ دے جایا کرتی

...کرن نے اگلا سوال پوچھا۔
...آپ قاتل سے واقف ہیں۔"
...مسکرائی۔ "نام کی حد تک۔"
...کے قتل کا انتقام کیوں نہیں لیا؟"
...ایچھے دوست...میدان جنگ میں دو ملکوں کی دشمنی چلتی ہے انفرادی نہیں۔ اور میدانِ جنگ کے قتل کا بدلہ شہر میں جا کر لینا یقیناً
...بہت بڑی زیادتی کہلائے گا۔ باتی تک کی موت کے بعد مجھے واپس آنا پڑا اور دوبارہ افغان محاذ پر نہ جا سکی کہ
...کو خیر باد کہہ دیا تھا۔"
...کرن چاولہ نے مزید سوال سے گریز کیا تھا۔ "شکریہ مادام۔"
"اسے ایس ایس کہتے تھے اور وہ پاکی (پاکستانی) تھا۔"
...لورا براؤن نے جانے کیا سوچ کے بیچ اگلا۔
...شال گپتا نے پوچھا۔
"مادام! سب سے اچھی سنا یپر رائفل کون سی ہے؟"
...لورا مسکرائی۔ "جواب تفصیل کا متقاضی ہے۔ اور میرا اگلا سبق (پریزنٹیشن) اسی متعلق ہے۔"
...کسی منچلے کی آواز آئی۔ "مادام! ہم ہمہ تن گوش ہیں، شروع کریں۔" یقیناً لورا براؤن جیسی استاد کے ہوتے ہوئے
...کس کم بخت شاگرد کو ہو سکتی تھی۔ اس کی لوچ دار آواز سماعتوں کی تسکین کا سامان کر رہی تھی تو صورت بصارتوں کو رونق
...رہی تھی۔
"یقیناً، آپ مجھے ایک ڈرنک کا وقت دیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسٹیج سے نیچے آئی، تب تک ویٹرس نے مختلف
...مشروبات سے بھری ٹرے اس کے سامنے پکڑ لی تھی۔ سنہری مشروب سے بھرا لبوترا گلاس اٹھا کر وہ دھیرندر شکلا کے پہلو
...میں بیٹھ گئی۔ کافی دیر سے چھائی خاموشی ہلکی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ویٹرسوں کو ایک بار پھر چابی لگ گئی
...حاضرین پسند کے مشروب سے دل بہلانے لگے۔ چند ایک ہال کے کونے میں بنے جدید طرز کے غسل خانوں کی
...طرف بڑھ گئے تھے۔
اس چھت کے نیچے کم از کم میرے دو جانی دشمن موجود تھے۔ اگر لورا براؤن کے دل میں بھی کوئی میل تھا تو دشمنوں کی
...تعداد تین گنی جا سکتی تھی۔ البتہ میں صرف دھیرندر شکلا کی جان کے درپے تھا۔ کرن چاولہ اور لورا براؤن سے مجھے کوئی غرض
...نہ تھی۔
ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر لورا براؤن نے گلاس خالی کیا اور دوبارہ روسٹرم کی طرف بڑھ گئی۔ حاضرین میں زیادہ تر کی
...نگاہیں اس کی چست پتلون کی سلائی پر غور کر رہی تھیں، شاید ڈیزائن زیادہ پسند آیا تھا۔ ان کی پرشوق نگاہیں دیکھ کر میں
ظاہر کر رہا ہوں، ورنہ کسی اور وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے۔

ہے۔ ہلکا ہونے کے لئے تنگ گولی کا حجم کم ہوتا ہے اس لیے اس پر ہوا کا اثر کم پڑتا ہے لیکن وہ وزن میں ہلکی ہوتی ہے کبھی ہوا کے
خلاف مزاحمت کم ہوتی ہے۔ اور لمبے فاصلے پر جب گولی کو تین چار سیکنڈ ہوا میں رہنا پڑے تو گولی ہدف سے دور ہونے کا
امکان بڑھ جاتا ہے۔ ایس آرون کی گولی (ہالٹ) میں اس الجھن کو سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ 12.7 ایم ایم کے
مقابلے میں 9.9 ایم ایم حجم کافی کم ہے۔ اور وزن بڑھانے کو لیڈ (سیسہ) کے بجائے لیڈ اینٹیمنی کا استعمال کیا گیا
ہے۔ یہاں گولی ’’وہ ٹیکنیکل باتیں دہرانے لگی۔ ایسے کئی سبق میں امریکہ میں اور اپنے استادوں سے پڑھ چکا
تھا۔ وہ ساری باتیں پہلے سے جانتا تھا۔ (یہ طوالت کے خوف سے میں پورا لیکچر درج نہیں کر رہا کہ قارئین
کی اکثریت کا شوق کہانی کے ساتھ ہے۔ اور میرا ابھی یہی خیال ہے ہمیں کہانی تک ہی محدود رہنا چاہیے) SR1 کی مزید
خوبیاں گنوانے کے بعد اس نے آخر میں انکشاف کیا۔ ’’اتنی خصوصیات کی حامل رائفل کا وزن صرف ساڑھے آٹھ کلوگرام
ہے۔ ستر سے پچیس کلوگرام وزن والی رائفل کی مار دو کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ اور SR1 کئی کلوگرام کم وزنی ہونے کے
باوجود دو کلومیٹر تک آسانی سے مار کر لیتی ہے۔ اس کی ٹیلی اسکوپ سائیٹ بھی خصوصی طور پر تیار کی گئی ہے جس کی دیکھنے کی
طاقت عام انسانی آنکھ سے تیس گنا زیادہ ہے۔ یقیناً اس کی خریداری کی مد میں زیادہ خرچ ہونے والی رقم کا اعتراض اس کی
خوبیوں تلے دب جائے گا۔‘‘

جانن کے اختتام پر حاضرین نے تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اگر رائفل میں واقعی وہی خوبیاں موجود
تھیں جو اس نے گنوائی تھیں تو یقیناً وہ لاجواب رائفل تھی۔ وہ پیک بھی بہت چھوٹے سے جھولے میں ہو جاتی تھی کیوں کہ
رائفل کی لمبی بیرل دو حصوں میں کھولی جاسکتی تھی۔ عموماً سنائپر رائفلوں کی بیرل میں جوڑ نہیں ہوتا۔ مگر SR1 اور بہت سے
انکشاف کے ساتھ یہ خصوصیت بھی رکھتی تھی۔

اگلے مرحلے میں اعلان ہوا کہ لورا براؤن ایس آرون سے فائر کا عملی مظاہرہ کرے گی۔ شوٹنگ کلب کی اپنی فائرنگ
رینج موجود تھی، جہاں پندرہ سو میٹر تک فائر کیا جاسکتا تھا۔ ہال کی بغل ہی میں اس کا دروازہ تھا۔ حاضرین اس طرف بڑھ
گئے۔ ایک چھوٹا سا پیک لورا براؤن نے کندھے پر لٹکایا ہوا تھا جو ایک ملازم نما شخص نے بااصرار لینے کی کوشش کی مگر
لورانے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

دروازے سے نکلتے ہی جدید طرز کی لمبی رینج نظر آئی۔ جہاں ہر سو میٹر کے فاصلے پر ہدف لگے تھے، جنھیں، فائرنگ
اڈوں سے کنٹرول کر کے سیدھا یا دائیں بائیں کیا جاسکتا تھا۔

ایک اڈے پر اکڑوں بیٹھ کر لورانے جھولا کھولا اور مہارت سے رائفل کے پرزے جوڑنے لگی۔ بیرل کو درمیان
سے جوڑنے کو چوڑیاں لگی تھیں اور وہ جگہ باقی بیرل سے دگنی موٹی تھی۔

رائفل کو دو پائی پر لگا کر وہ پیچھے لیٹ گئی۔ اور تب نظارا کرنے والوں کی اکثریت شش و پنج میں پڑ گئی تھی کہ رائفل کو
دیکھیں یا رائفل والی کو۔ میں البتہ حسرت بھری نظروں سے ایس آرون کو گھور رہا تھا۔ میرے ہاتھوں میں کھجلی شروع ہوگئی
تھی یوں جیسے عاشق کے دل میں محبوب کو چھونے کی تمنا مچلتی ہے۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ لورا کو دھکا دے کر خود رائفل
کے پیچھے لیٹ جاتا۔

لورانے میگزین میں گولیاں بھر کر ہزار میٹر پر ہدف کو سامنے کیا، ٹیلی اسکوپ سائیٹ کے ایلی ویشن ڈرم کے ساتھ
چھیڑ خانی کی اور شست لے لی۔ اس کا دایاں ہاتھ پسٹل گرپ پر تھا اور دو پائی کی وجہ سے بایاں ہاتھ آگے پھیلنے کے بجائے
اس نے اپنے گال سے آگے ٹیکا تھا۔ چند سیکنڈ شست لے کر اس نے لبلبی دبائی ہلکی سی ’’ٹھک‘‘ ہوئی جو اس کے دعوے
تصدیق کر گئی تھی کہ رائفل کی بیرل پر عمدہ سائیلنسر جڑا ہوا ہے۔

ہدف کیمرے کی زد میں تھا اور بڑی سی سکرین پر واضح نظر آرہا تھا۔ گولی ہدف کے درمیان، چندی میں
تھی۔ تمام نے بے ساختہ تالیاں بجائی تھیں۔ دو گولیاں اس فاصلے سے فائر کر کے لورا نے پندرہ سو میٹر تک ہدف
مسلسل تین گولیاں ہدف پر ہٹ کیں۔ اور زبردست داد وصول کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھی۔
اس نے دعوت دی۔ ''اگر کسی کو فائر کا شوق ہو تو پورا کر سکتا ہے۔''
میرا دل آگے بڑھنے کو مچلا، مگر لورا نے یہ دعوت معززین کو دی تھی ان کے ملازموں کو نہیں۔
ایک عرب شیخ خوشی سے چہکتے ہوئے آگے بڑھا، نا معلوم حضرت کو لورا کی قربت کا شوق تھا یا گن میں
شیدائی تھا۔ یوں بھی شیخوں کی انگریزی بولنے کی استعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ تبھی اس نے ترجمان ساتھ ہی رکھا
تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ عربی زبان پر فخر کرنا ہے۔ ان کے نزدیک عربی زبان کا مقابلہ کوئی زبان نہیں کر سکتی۔ اور یہی ان کا
بھی اعتقاد ہے۔ باقی یہ بھی حقیقت ہے کہ آزاد اقوام کی پہلی ترجیح ہمیشہ اپنی زبان ہوتی ہے۔ جتنی بڑی قومیں ہیں
انگریزی بولنے کو سخت معیوب سمجھتے ہوئے اپنی زبان میں گفتگو کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جن میں چائنہ، فرانس، عرب وغیرہ
سرفہرست ہیں۔ اور ہماری طرح (یعنی انڈیا، پاکستان) غلام اقوام جو آج بھی برطانیہ کی قید سے ذہنی طور پر آزاد نہیں ہو
سکیں۔ ہم نہ صرف انگریزی کی برتری تسلیم کرتے ہیں بلکہ جن خواتین و حضرات کو جتنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی آتی ہے اور وہ
پھلائے اس کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ پی ٹی وی اینکر اردو پروگراموں میں ساٹھ فیصد انگریزی بولتے ہیں۔ حد یہ کہ اردو
ناول نگاروں کی اکثریت جن میں خواتین ناول نگار پیش پیش ہیں ان کی اولیں ترجیح انگریزی قابلیت کا اظہار ہوتا
ہے۔ اور ان کی تحاریر پڑھ کر ایسی ذہنی کوفت ہوتی کہ چند سطروں سے زیادہ پڑھنا کاردار ہو جاتا ہے۔ جس طبقے نے اردو
کی خدمت کرتے ہوئے عوام میں اردو کی ترقی و ترویج کا کام کرنا تھا ان کی یہ حالت ہے تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اردو
بے چاری کا تو حلیہ ہی بگاڑ دیا گیا ہے۔ اللہ پاک ہی ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے ہمیں صحیح سمجھ اور اردو سے محبت کا
ذوق عطا فرمائے۔

لورا براؤن نے اس کی حالت (پوزیشن) درست کی، یقیناً اس کا وہ التفات کئی اوروں کو فائرنگ کی دعوت دینے والا
تھا۔

شیخ نے چار سو میٹر سے ہدف کو نشانہ بنایا اور خوشی سے چہکتا واپس لوٹا۔ اس کے بعد کافی لوگوں نے ارادہ ظاہر کیا مگر
شکلا نے وقت کی کمی کا اعلان کر کے واپس چلنے کو کہا۔
تمام ہال میں لوٹ آئے تھے۔ تب خریداری کے شوقین حضرات اپنی مانگ بتانے لگے۔ وشال گپتا کو بھی
خریداروں کی صف میں دیکھ کر مجھے دلی خوشی ہوئی تھی۔
دھیرندر شکلا چند لمحے مزید گزار کر چلا گیا تھا۔ میں حسرت بھری نظروں سے اپنے شکار کو گھورتا رہ گیا۔ جو اتنے قریب
آکر لوٹ گیا تھا۔ لورا کا بھی سب سے بڑا گاہک وہی تھا، کیوں ہندوستانی فوج کے لیے اسی نے خریداری کرنا تھی۔ اور یہی
ہ تھی کہ لورا براؤن کے التفات کا بہاؤ اس کی جانب زیادہ رہا۔ باقی حضرات ذاتی شوق کی خاطر ایک دو رائفلوں سے
دہ خریدنے میں دلچسپی نہ لیتے۔ البتہ ان میں اسلحے کی تجارت والے شاید چند ہتھیار خرید لیتے۔ لورا کافی دیر لوگوں میں
ی رہی۔ اس کے ہونٹوں پر تسلسل سے دل آویز مسکراہٹ کھلتی رہی۔ اسے کمپنی نے خوب تربیت دے کر بھیجا تھا کہ
کان دار (سیلز وومن) کا گاہکوں سے کیا رویہ ہونا چاہیے۔ یقیناً لورا کی موجودگی تک بھیڑ چھٹنے والی نہیں تھی۔ زیادہ تر
ے عشائیے (ڈنر) کی دعوت دے رہے تھے
اف ہوا کہ اس کا آج کا عشائیہ عرب شیخوں کے ساتھ

لورا براؤن جب رخصتی کے ارادے سے اٹھی تو وشال گپتا بھی اس کے ہمراہ ہولیا تھا۔ پارکنگ میں جب وہ اپنی قیمتی کار کے ساتھ رکی، تب وشال گپتا نے مجھے آنکھ کے اشارے سے دروازہ کھولنے کا حکم صادر فرمایا اور میں نے ادب سے دروازہ کھول دیا۔ مجھ پر سرسری نگاہ ڈال کر اس نے حاکمانہ انداز میں سیٹ سنبھال لی تھی۔ ظالم نے ہلکے سے تبسم کی سوغات دینا بھی گوارا نہ کیا۔ اور دیتی بھی کیسے کہ میں شکل وصورت میں انوکھا تو نہیں تھا۔ مجھ سے بہتر کئی امراء اس کے آگے پیچھے دم ہلا رہے تھے تو ایک نچلے درجے کے ملازم کو وہ خاک گھاس ڈالتی۔

وشال گپتا آخری وقت تک اس سے ملاقات طے کرنے کی کوشش میں مصروف رہا مگر وہ ہنس کر ٹال گئی تھی۔ بلاشبہ اپنی دعوتوں کا فیصلہ اس نے کاروباری فوائد کو مدنظر رکھ کر ہی کرنا تھا۔

—— ● ——

وشال گپتا کو مایوس لوٹنا پڑا۔ البتہ یہ کہہ کر اس نے مجھے خوش کر دیا تھا کہ اس نے ایس آر ون رائفل خریدنے کا فیصلہ
کرلیا تھا۔ گو وہ اسلحے کی اسمگلنگ کرتا تھا، مگر اتنی مہنگی سنائپر رائفل وہ کاروباری نقطہ نظر سے نہیں خرید سکتا تھا۔ دہشت گرد
اور حکومت مخالف ٹولوں میں عام ہتھیاروں، خصوصاً پستول، کلاشن کوف وغیرہ کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔ سنائپر رائفلیں کم
پسند کی جاتی ہیں۔ اس کی وجوہات میں ایک تو مہنگا ہونا ہے۔ دوسرا سنائپر رائفل ہر شخص استعمال بھی نہیں کر سکتا۔ تیسرا
ایمونیشن عام رائفلوں سے بہت زیادہ مہنگا ہوتا ہے۔ چوتھا یہ صرف مخصوص مقاصد کو استعمال ہوتی ہیں۔ گو آج کل صورت
حال تبدیل ہو رہی ہے کہ دہشت گرد بھی جسمانی حملوں سے زیادہ دور سے فائرنگ کو زیادہ پسند کرنے لگے ہیں۔ خصوصاً
پاک افغان سرحد پر تو دہشت گرد سنائپروں کی بڑی تعداد پاک آرمی کے خلاف مصروف نظر آتی ہے۔ یوں بھی مخصوص کاموں
کے لیے ملک دشمن تنظیمیں بھی اس سے بے بہرہ نہیں ہو سکتیں۔ البتہ یورشی ہتھیاروں (اسالٹ رائفلوں) کی اہمیت سنائپر
رائفل سے زیادہ ہوتی ہے۔

"تم نے کبھی سنائپر رائفل استعمال کی ہے۔" دوران گفتگو اس نے اچانک پوچھا۔

"پہلے آپ سنائپر رائفل کی وضاحت تو کریں۔" میں نے معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے تم بھاشن سننے کے بجائے گوری کے خدوخال میں گم تھے۔"

میں نادم ہوا۔ "اس کی باتوں سے تو یہی اندازہ ہوا کہ لمبے فاصلے پر مار کرنے والی رائفل کو سنائپر رائفل کہتے ہیں۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ راجیو تمھارے پستول کے فائر کی کافی تعریف کر رہا تھا، کوشش کرو شاید رائفل بھی اچھی چلا سکو۔"

"جی باس۔" میں خوش دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ حضور سنائپر رائفلیں مجھے اتنی ہی عزیز ہیں
جتنی پلوشے پیاری ہے۔ مگر وہ کم بخت نہ تو میرا مزاج آشنا تھا اور نہ پلوشے سے واقف تھا کہ دشمن جاں کیا بلا ہے۔

اس نے فراخ دلی سے ارادہ ظاہر کیا۔ "موقع ملا تو تمھیں سکھاؤں گا۔"

میں نے حقیقی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انسان کو اپنے مشغلے کے بنا زندہ رہنا دشوار لگتا ہے۔ سنائپر رائفل
سے جدائی کو کئی ہفتے گزر گئے تھے۔ اور صرف پلوشہ کی موجودگی ہی میں سنائپر رائفل سے دوری برداشت کی جا سکتی تھی۔

اگلے دن سہ پہر کو گھر لوٹتے وقت وشال نے شام کی دعوت کا بتا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے باس۔" میں نے خوش دلی سے سر ہلا دیا۔ ٹھکانے پر پہنچ کر میں نے اسے اندرونی عمارت کے سامنے
تارا اور کار کو گیراج میں کھڑا کرنے لے گیا۔ باقی محافظ اپنی جیپ کو براہ راست گیراج میں لے آئے تھے۔ کار کو قفل
کے میں ان کے پیچھے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اجیت سنگھ اور موہن سنگھ ایک کمرے رہتے تھے، جبکہ مجھے مہمان خانہ
شنکر داس کے ساتھ منتقل ہونا پڑا تھا۔

دوہرا ہو کر سیدھی۔ وہ دھڑام سے پیٹھ کے بل گرا۔ لیٹے لیٹے ہی اس نے اپنی آزاد ٹانگ پیچھے کھینچی، مجھے ایک دم اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا کیا ارادہ ہے۔ جونہی اس کی ٹانگ دباؤ ہٹے سپرنگ کی مانند آگے بڑھی۔ میں نے فوراً اس کی دوسری ٹانگ کو گرفت سے آزاد کر کے لوٹ لگائی۔ ٹانگ کے میری گرفت میں ہونے کی وجہ سے اس نے توازن برقرار رکھا تھا۔ مگر سہارا چھوٹتے ہی وہ دوبارہ نیچے گرا اور اس سے پہلے کہ اٹھ پاتا میں نے اسے چھاپ لیا تھا، اس کی چھاتی گھٹنوں سے دباتے ہوئے میرے ہاتھ مشینی انداز میں مسلسل چلنے لگے۔ پہلے چند مکے اس نے کہنیوں پر سہارے تھے لیکن جونہی میں نے دائروی مکے گھمائے اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ اسی وقت اجیت سنگھ نے مجھے عقب سے تھام کر پیچھے کھینچنے کی کوشش کی، میں نے ایک دم کہنی اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔

''اف...'' کی آواز کے ساتھ وہ رکوع کے بل نیچے جھکا۔ اس کی گرفت میرے جسم سے ہٹ گئی تھی۔ پیچھے مڑتے ہوئے میں نے مخصوص انداز میں گھٹنا اٹھایا جو اس کی ٹھوڑی پر لگا تھا۔ کولہوں کے بل نیچے گرتے ہوئے وہ لمبا پڑ گیا۔

میں تیسرے مخالف موہن سنگھ کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں اپنے ساتھی کی درگت بنتے دیکھ کر وہ مشتعل ہو کر بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح حرکت میں آ چکا تھا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے بازو گھمایا، نشانہ میری کنپٹی تھی۔ گھٹنوں میں خم دے کر میں نیچے جھکا، اس کا مکا میرے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ وہ ہلکا سا لڑکھڑایا اور اس سے پہلے کہ سنبھلتا، میرا دایاں گھونسا ٹھیک اس کی پسلیوں کے نیچے بائیں جانب لگا۔ باکسنگ کی زبان میں اسے ''انڈر کٹ'' کہتے ہیں۔ باکسر کو پچھاڑنے (ناک آؤٹ) کو یہ تیر بہ ہدف مکا ہے۔ چند لمحوں کو انسان کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ ٹھوڑی کے بالکل نچلے کنارے پر دائروی مکا مارنا اور پسلیوں کے نیچے بائیں جانب اندر و اوپر کی جانب مکا اٹھانے سے مخالف تھوڑی دیر کو حواس کھو دیتا ہے۔ حالاں کہ باکسنگ گلاوز بھی ہاتھوں پر چڑھے ہوتے ہیں جن میں فوم استعمال کر کے مکے کی سختی کو کم کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تو میرے ہاتھ ننگے تھے اس لیے اثر بھی زیادہ ہوا تھا۔

منہ سے زوردار ''اوغ......'' نکالتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل گر کے دوہرا ہو گیا۔ شور سن کر راجیو اور ایک دوسرا شخص کمرے سے باہر نکلے۔

''یہ سالا کاہے کا جھگڑا شروع ہے۔'' پریشانی سے کہتے ہوئے وہ شنکر کے قریب ہوا۔ ''ابے کوئی کلاس تو نہیں ہو گیا۔ مونے بھاگ کے باس کو بلا لا کوئی بڑی گڑبڑی چل رہی ہے۔''

مونا بھاگ پڑا تھا۔ راجیو شنکر کا چہرہ ہلا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اطمینان سے کھڑا رہا۔ شنکر نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور راجیو، اجیت سنگھ کی طرف بڑھ گیا۔ موہن بھی گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنے لگا۔ وشال گپتا کے آنے تک تینوں بیٹھ گئے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے۔'' وشال گپتا قریباً بھاگتے ہوئے وہاں پہنچا تھا۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''کچھ نہیں باس، انھیں کوئی غلط فہمی ہوئی تھی، دور کر دی ہے۔''

مجھ پر خفگی بھری نگاہ ڈال کر اس نے شنکر سے پوچھا۔ ''تم بتاؤ، کیا ہوا۔''

''کک...... کیا بتاؤں باس؟'' وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''تیری ماں کا سر!'' وشال دھاڑا۔

اجیت بولا۔ ''باس! سندیپ نے ہماری بے خبری میں حملہ کر کے ہمیں چوٹ پہنچائی۔''

وشال نے مجھے گھورا...... میں صفائی دینے لگا۔ ''باس یہ آپ کے التفات کو غلط نام دے رہے تھے۔ ان کے تئیں میں آپ کی حفاظت کے قابل نہیں ہوں اور آپ نے فقط میرا احسان اتارنے کو محافظ کی ذمہ داری سونپی ہے۔ تبھی میں نے

ٹھکر کو چنوتی دی، اس نے حملہ کیا۔ باقی دو نے بھی بجائے انہیں چھڑانے کے شنکر کا ساتھ دیا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔''

موہن بولا۔ ''باس اس نے بے خبری میں حملہ کیا۔''

وشال کے ہونٹوں پر تبسم ابھرا۔ ''چلو اب لڑ لو۔''

موہن نے ندامت سے سر جھکا لیا تھا۔ میرے ایک دو مکوں نے انھیں باور کرا دیا تھا کہ میرے بارے ان کے اندازے ٹھیک نہیں تھے۔

''سندیپ! آئندہ ایسی بے ہودگی برداشت نہیں کروں گا...... اور تم تینوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وشال گپتا کسی کا احسان اتارنے کو اسے اپنی جان نہیں سونپ سکتا۔ سندیپ کو لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ اس میدان میں نیا ہے لیکن لڑنے کا فن جانتا ہے۔ مخلص ہے اور احسان فراموش نہیں تبھی اس ذمہ داری کا اہل سمجھا ہے۔ کسی کو اعتراض ہے تو مجھ سے بات کرے۔ اب دفع ہو جاؤ اپنے کمروں میں۔'' وہ واپس مڑ گیا۔

راجیو، موہن سنگھ کو سہارے دے کر اٹھانے لگا۔ میں نے قدم بڑھا کر شنکر کی طرف ہاتھ لمبا کیا۔ مجھے کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ دور دھکیلا۔

میں معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ ''شما کر دو یار! بھائیوں میں ایسی لڑائیاں تو چلتی رہتی ہیں۔ آج میرا تکا لگ گیا کل آپ میری پٹائی کر دیں گے...... ایک ساتھ رہتے ہوئے یہ تو چلتا رہے گا۔''

ایک دم اس کا موڈ تبدیل ہوا۔ ہلکی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھاما اور کھڑا ہو گیا۔ میں نے فوراً اسے گلے سے لگایا اور پھر اجیت کی طرف مڑ کر بازو پھیلا دیے۔

لڑائی کی ابتداء شنکر اور میرے درمیان ہوئی تھی، ہمیں راضی بہ رضا دیکھ کر ان دونوں نے خفگی ختم کر دی تھی۔ سکھ ویسے بھی یار باش قوم ہے۔ دماغ سے زیادہ دل کی سنتے ہیں۔ یقیناً کسی پر اپنی برتری ثابت کر کے عاجزی و ندامت کا اظہار کرنے پر خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اب ان کے دلوں میں میری دھاک بیٹھ گئی تھی۔ پہلے مجھے کمتر سمجھ کر وہ کسی خاطر نہیں لاتے تھے اور اب ایک ساتھ تینوں کی ٹھکائی کر کے میں نے ثابت کر دیا تھا کہ ان کی جسامت اور لمبے قد میرے نزدیک کسی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ تبھی انھوں نے خوش دلی سے سب کچھ بھلا دیا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر میں نے شنکر سے پھر معافی مانگی تھی۔ ''آپ بڑے بھائی ہیں۔ اور غلطی میری تھی۔ مجھے یوں مشتعل نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں یار۔'' شنکر نے خوش دلی سے میری پیٹھ تھپکی۔ ''مجھے تو بس باس کی فکر تھی کہ جس کا دیا کھاتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو وقت آنے پر خدمت کا حق ادا نہ کر سکیں۔ اب تمھاری لڑنے کی صلاحیت دیکھ کر مجھے فکر نہیں رہی۔''

میں مزاحیہ انداز میں بولا۔ ''بس تکا ہی لگ گیا تھا۔ اگر آپ کا بھاری گھونسا میری کنپٹی پر لگ گیا ہوتا تو شاید کل تک ہوش نہ آتا۔''

شنکر کھل کھلا کر ہنسا۔ ''لڑائی بھڑائی میں تو بس داؤ چلنے کی بات ہوتی ہے۔''

''صحیح کہا بھائی۔'' میں نے تائید میں سر ہلا دیا تھا۔ اب اتنا بچہ تو وہ بھی نہیں تھا کہ اسے معلوم نہ ہوتا کہ تکا کسی ایک شخص کے خلاف تو لگ سکتا ہے ایک ساتھ تین افراد پر اتفاقی داؤ کیسے چل سکتا ہے۔ لیکن ایسا باور کرا کے میں کیے کرائے پر پانی نہیں پھیر سکتا تھا۔

اس نے موضوع تبدیل کیا۔ ''آج تو کافی دیر لگا دی۔ کوئی خاص پروگرام تھا شاید۔''

رخصت کرنے کو باس باہر آیا تھا۔"
"وہ گوری دیکھی تھی نا جسے... شنکر نے اوباشانہ انداز میں قہقہہ بلند کیا۔
"اس کے علاوہ وہ دیکھنے کو تھا ہی کیا۔ اسی کے بارے انگریزی میں گٹ مٹ کرتی رہی۔ بہتر
"لمبے فاصلے تک مار کرنے والی رائفل لائی ہوئی تھی۔
بہت میری سمجھ آیا، وہ نئے قسم کی رائفل بازار میں لانا چاہتی ہے۔"
"دھیریندر شکلا صاحب بھی اسی گوری کو ملنے آئے تھے۔" شنکر کے استفسار نے میرے دل کی دھڑکن تو...
تھی۔ انجانے میں وہ میرے دل پسند موضوع پر آ گیا تھا۔
"دھیریندر شکلا کون ہیں؟" میں نے مصنوعی حیرانی ظاہر کی۔
"تم شکلا صاحب کو نہیں جانتے، وہ باس کا بھی باس ہے۔" اس بار شنکر مجھے حقیقت میں حیران کرنے میں کامیاب ہو

گیا تھا۔
"باس کا باس۔" میں بوکھلا گیا تھا۔
وہ میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ "راجپوت دادا، دھیریندر شکلا صاحب کے کاروباری ساتھی (بزنس
پارٹنر) ہیں۔ اور راجپوت دادا تو صرف ممبئی کا بڑا دادا ہے۔ شکلا صاحب بین الاقوامی دادا ہیں۔ بہت بڑے اور اونچا یا عہدہ
والے شخص ہیں۔ سرکاری طور پر بھی پہنچی ہوئی شخصیت ہیں۔ فوج سے کوئی جنرل، کرنل ریٹائرڈ ہیں۔" بے چارہ فوجی
عہدوں کو نہیں جانتا تھا بھی جرنیل کو کرنل کے درجے تک لے آیا تھا۔ ورنہ کرنل کا عہدہ جنرل سے بہت نیچے ہوتا ہے۔
"یہ وہی موصوف ہوں گے جس کے ہمراہ چار کالے سوٹوں والے محافظ تھے۔ باقیوں سے اسلحہ جمع کر لیا گیا تھا لیکن
اس کے محافظوں کے پاس گنیں موجود تھیں۔"
"بالکل وہی۔" شنکر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
میں نے اپنی سادگی ظاہر کی۔ "میں نے تو کوئی عام کاروباری شخص سمجھا تھا۔"
شنکر نے میری بے وقوفی پر قہقہہ بلند کیا۔ "اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ اسے قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اور یہ بھی باس
کی وجہ سے تھا ورنہ ہم جیسے اسے دور سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔"
"صحیح کہہ رہے ہو بھیا۔" اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے میں دھیریندر شکلا کے بارے مزید کریدنے لگا۔ گو
خلیت جھاڑنے کے چکر اور مجھے متاثر کرنے کے شوق میں میری معلومات میں کافی اضافہ کرتا رہا۔ بھولے پن اور انجان
بننے کا ناٹک کر کے میں نے اس سے کافی کچھ اگلوا لیا تھا۔ یوں کہ دھیریندر شکلا کی ذات سے متعلق میرا شوق ظاہر ہونے کے
بجائے فطری تجسس لگے۔ شنکر اس کی ممبئی میں بنی محل نما کوٹھی کو دیکھ چکا تھا۔ اس کی بیویوں اور اولاد وغیرہ کے بارے استفسار
پر کوئی خاص سراغ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ خاص کر پرما انصاری کے بارے تو شنکر بالکل لاعلم تھا۔ لیکن اتنی معلومات بھی بہرحال
کافی تھیں۔ اپنے اپنے بستر پر لیٹے ہم گپ شپ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شنکر کو نیند آنے لگی۔ چوں کہ رات گئے تک
جاگنا پڑتا تھا اس لیے ہم سہ پہر کو تھوڑی دیر آرام کر لیتے تھے۔ شنکر کی جان بخشی کر کے میں نے اپنی آنکھیں بھی بند کر لی
تھیں۔

اٹھ کر غسل کر کے تازہ دم ہوئے۔ اور کھانا کھا لیا کہ وشال گپتا کسی بھی وقت بلا سکتا تھا۔ کھانے کے بعد ہم گپ شپ
کرنے لگے۔ موہن سنگھ اور راجیت سنگھ کا رویہ بھی بہت بدلا ہوا تھا۔
پھر شنکر کے مشورے پر ہم تاش کھیلنے لگے۔ یہ ایسا کھیل ہے جو مجھے کبھی کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ
...ر گیا تھا۔ البتہ معدے کی خرابی کا بتا کر میں نے شراب پینے سے معذرت کر لی تھی۔ ورنہ وہ تینوں

بحاشا پہنے والے تھے۔
اندھیرا گہرا ہوتے ہی وشال کا بلاوا آ گیا تھا۔ ہم باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں جیپ میں اور میں ہاس کے
ایوکار میں بیٹھ کر ٹھکانے سے نکل آئے تھے۔ مجھے جانے کی سمت کا بتا کر وشال گپتا نرم لہجے میں نصیحت کرنے لگا۔
"تم اکیلے ہو اور وہ تین ہیں۔ تمہیں جھگڑا مول لینے میں احتیاط برتنا چاہیے تھی۔ دشمنی میں لوگ بہت کچھ کر جاتے
خاص کر اس وقت جب اتنی قربت ہو۔ کوشش کر کے صلح کر لو۔ یہ نہ ہو وہ میری لاعلمی میں تمہیں نقصان پہنچا دیں۔"
"جی باس۔" میں نے سعادت مندی ظاہر کی۔ "تینوں سے معافی مانگ لی ہے۔ اور اب ہمارے تعلقات کافی بہتر
ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے میں ان سے تاش بھی سیکھتا رہا ہوں۔ بلکہ دو سو روپے ہارنے پڑے کہ یہ کھیل میرے لیے نیا ہے۔"
وشال نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "سمجھ دار ہو۔ آگے تک جاؤ گے۔"
"آپ کی آشرباد چاہیے باس۔ بھگوان کی کرپا سے اتنی جلدی مار نہیں کھاؤں گا۔ کم عمری ہی سے ٹھوکریں کھا رہا
ہوں۔ زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے۔"
اس نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا تھا۔
ہر گھنٹے بھر بعد ایک عالی شان کوٹھی کے دروازے پر پہنچے۔ کوٹھی کیا پورا محل تھا۔ جانے کیوں مجھے لگا وہ دھیر ندر شکلا
کی کوٹھی ہے۔ لیکن میں نے وشال گپتا سے پوچھنے کی کوشش نہ کی کہ یہ مناسب نہیں تھا۔ اگر واقعی وہ شکلا کی رہایش گاہ تھی تو
تھوڑی دیر بعد حقیقت سامنے آ جانا تھی۔
دعوت کا اہتمام کوٹھی کے سبزہ زار میں کیا گیا تھا۔ ٹھکر لوگ پارکنگ ہی میں رک گئے تھے۔ میں وشال گپتا کے ہمراہ
اندر پہنچا۔ سرخ بجری کی روش پر سبزہ زار کے بالکل آغاز میں "واک تھرو گیٹ" (ایسا دروازہ جس سے گزرتے وقت اگر
آدمی کے پاس دھات کی بنی اشیاء ہوں تو سیٹی بجنے لگتی ہے) رکھا ہوا تھا۔ وہیں ایک جانب بڑی میز رکھی تھی جس پر تمام
مہمان اپنا اسلحہ وغیرہ رکھوا رہے تھے۔ یہ منظر بھی میرے اندازے کو تقویت دے گیا تھا کہ وہ دھیر ندر شکلا ہی کی رہائش
تھی۔ پستول جمع کرا کے میں نے ٹوکن لیے اور وشال گپتا کے عقب میں چلتا ہوا اندر پہنچ گیا۔ یہ ایک مخلوط تقریب
تھی۔ مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ میں عادت کے برخلاف لڑکیوں کو تاڑنے لگا۔ ممکن تھا کہ پرما انصاری دکھائی دے
جاتی۔ گو وہاں اکثریت خواتین کی تھی ایک دو لڑکیاں ہی نظر آئی تھیں، ان کی عمر بھی میرے اندازے میں پرما انصاری سے
زیادہ تھی۔ اور شکل بھی انصاری صاحب کے بتائے ہوئے حلیے سے کافی مختلف تھی۔ ایک لڑکی کے بال کافی لمبے اور آنکھیں
موٹی تھیں۔ دوسری گہرے سانولے رنگ کی تھی۔ جبکہ تیسری کا قد ضرورت سے زیادہ لمبا تھا۔
وشال گپتا مختلف لوگوں سے علیک سلیک کرنے لگا۔ میں آنکھوں پر کالی عینک چڑھائے اس کے عقب میں چلتا
رہا۔ اس کا بڑا بھائی راجپوت داوا بھی وہاں آیا ہوا تھا۔
پہ تک لوگوں میں ہلچل مچی۔ مڑ کر دیکھنے پر لورا براؤن نظر آئی۔ آج تقریب کی مناسبت سے اس نے خوب صورت
سا زیب تن کیا تھا۔ اب میں تو اس لباس کا نام ہی نہیں جانتا۔ میں صرف شلوار قمیص، ساڑھی اور پتلون کوٹ کا نام جانتا
ہوں۔ سفید رنگ کا جسم سے چپکا ہوا ایسا لباس جس کا گلا اتنا کھلا ہو کہ عورت کے اندرونی لباس کی جھلک واضح نظر آئے۔ کمر
پر صرف دو تسمہ نما لڑیاں جو لباس کو نیچے گرنے سے بچانے کو سہارا دیں۔ اور کمر وہاں تک برہنہ کہ اس سے آگے خطرے کی
حدود شروع ہو جاتی ہو۔ ایک ٹانگ ران سے تھوڑا اوپر تک عریاں اور دوسری گھٹنے سے نیچے تک ڈھکی ہو۔ بازو کا کپڑا
کلائیوں تک آئے مگر ایسا باریک اور چپکا ہوا کہ نہ تو بازو کی ہیئت چھپائے اور نہ رنگت۔ بہ ہر حال لباس کا نام نہ جاننے کی
وجہ سے مجھے اتنی وضاحت کرنا پڑی۔

کافی لوگ اس کے ہاتھ کی نرمی جاننے کو قریب سٹ گئے تھے۔ متبسم چہرے کے ساتھ ہر ملنے والے سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے ایک صوفے پر نشست سنبھال لی۔ اس اکٹھ میں چند ایسے بھی تھے جنھوں نے اسے بالکل اہمیت نہیں دی تھی۔ ان میں ایک راجپوت دادا بھی تھا کہ ایک صوفے پر بیٹھا شراب سے شغل کرتا رہا۔ وشال البتہ اس کے سامنے بچھا بچھا جا رہا تھا۔

سب سے آخر میں منحوس شکل شکلا کی آمد ہوئی تھی۔ اس کے پہلو میں چلنے والی لڑکی کو دیکھ کر میرا دل زور سے دھڑکا۔ یہ دھڑکنا خدانخواستہ محبت یا اس کی شکل سے متاثر ہونے کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اپنا ہدف ملنے کی خوشی تھی۔ کمان قامت، سانچے میں ڈھلا متناسب بدن، کندھوں کو چھوتے سنہرے ریشمی بال، معصوم چہرہ، آنکھوں میں دنیا جہاں کی شوخی، ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ بکھیرے وہ سچ مچ پری لگ رہی تھی۔ وہ انتہا کی خوب صورت نہیں تھی، مگر بے پناہ موہنی ضرور تھی۔ ایسی لڑکی جسے دیکھ کر بے ساختہ پیار آ جائے۔ میں فوراً ہی پرما انصاری کو پہچان گیا تھا۔ اس کا لباس بھی لورا براؤن سے کم نہیں تھا۔ آدھی رانوں تک آتا ہوا اسکرٹ، کمر کا بالشت بھر کا علاقہ کپڑے سے بے نیاز اور بالائی جسم پر کھلے گلے اور بغیر بازوؤں کی چولی۔ گورے بازو بالکل عریاں تھے۔ چہرے کی سفیدی میں سرخی نمایاں تھی۔ یقیناً امارت حسن کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

شکلا کے پہلو میں چلتے ہوئے وہ یوں لگ رہی تھی جیسے زرافے کے ساتھ ہرنی۔

اس نے شکلا کے ساتھ ہی نشست سنبھالی تھی۔ لورا براؤن نے قریب آ کر شکلا سے مصافحہ کیا، پرما کو گلے سے لگا کر ماتھے اور گالوں پر پیار دیا اور ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

میں دائیں بائیں کا جائزہ لینے لگا کہ شکلا کو وہیں قتل کر کے اگر پرما کو اغواء کر لوں۔ مگر پھر مجھے اپنی سوچ پر ہنسی آئی تھی۔ پوری عمارت میں جا بہ جا مسلح کمانڈو یوں چکرا رہے تھے جیسے ایٹمی پلانٹ کی حفاظت پر چاق و چوبند فوجی دستے ہوتے ہیں۔ میں نے کوٹھی سے باہر نگاہ دوڑائی، گو رات کا وقت تھا مگر تیز روشنی کی وجہ سے دور تک عمارات کی نشان دہی ہو رہی تھی۔ البتہ رات کی وجہ سے کوئی ایسی مناسب جگہ نظر نہ آئی جہاں دور سے شکلا کو نشانہ بنانا ممکن ہوتا۔ شاید دن کو کوئی ایک عمارت نظر آ جاتی۔

ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا۔ حاضرین کے چہروں پر خوشی کی چمک تھی۔ اچانک کوئی قریب آ کر کھنکارا۔ سر گھمانے پر مجھے مضبوط جسم کا جوان نظر آیا جس کی عقابی نگاہیں مخالف کو بدن چھیدتی محسوس ہوتیں۔

''تم شاید وشال گپتا کے محافظ ہو۔'' اس نے ہاتھ مصافحے کو بڑھایا۔

اس کی گرفت میں ہاتھ تھماتے ہوئے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

اس نے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی۔ یقیناً اس کا ہاتھ کافی سخت اور طاقت ور تھا۔ مگر اس کی بدقسمتی کہ عملی زندگی میں سخت حالات کی چکی میں پسے ہوئے سنائپر پر دھاک بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے جوابی زور آزمائی کے بجائے بس فاگی انداز میں ہاتھ کو اتنا سخت کیا تا کہ اسے پتا چل جائے کسی اناڑی کا ہاتھ نہیں دبا رہا۔

اس نے زہریلے لہجے میں سرگوشی کی۔ ''وہ شکلا صاحب کی نواسی ہے۔ جانتے ہو پچھلے ہفتے میڈیکل کے ایک طالب علم کو سڑک کنارے روک کر ایک آنکھ سے محروم کر دیا گیا۔ کیوں کہ اس نے راج کماری پرما کی تنبیہ پر انھیں گھورنا نہیں چھوڑا تھا۔ اب سنا ہے اس نے وہ کالج ہی چھوڑ دیا ہے۔''

ایک دم میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ شکلا کی حیثیت جنگل [illegible]دشاہ شیر کے بجائے ڈائنوسار کی سی تھی۔ میرے جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کا قتل تو اس نزدیک چیونٹی مسلنے سے بھی

آسان تھا۔ شاید اس کی ایما پر محمود شال گنتا میری چھاتی میں گولی ٹھونکنا سعادت سمجھتا۔
میں نے فوراً شرمندگی ظاہر کی۔ ''شکریہ دوست یقیناً آپ میری حماقت کو معاف کرنے میں فراخ دلی سے کام لیں گے۔''
میرے مدافعانہ لہجے نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ میرا ہاتھ آزاد کرتے ہوئے وہ نرم لہجے میں بولا۔ ''شاباش، سمجھدار ہو۔ لمبی زندگی گزارو گے۔''
''اس گوری کو دیکھنے پر تو پابندی نہیں ہے ناں باس۔'' میں نے مزاحیہ انداز اپنایا۔
''جب تک راجکماری پرما کے ساتھ بیٹھی ہے صبر کرلو، اس کے بعد گھورنا تو چھوڑو، کہیں بھگا لے جانا۔'' وہ اطمینان سے بولا۔
''شکریہ باس۔'' کہہ کر میں نے اپنا رخ پرما کی جانب سے موڑ لیا تھا۔ مرد حضرات یقیناً پہلے سے پرما اور پالی سے واقف تھے کہ کوئی اسے گھورنے کی ہمت نہیں جتا رہا تھا۔ دھیرندر شکلا ایسی بلا کا نام نہیں تھا کہ کوئی اس سے مخاصمت مول لینے کی جرأت کرتا۔
کھانا شروع ہوا۔ سب لوگ لوازمات سے سجے طویل اور وسیع و عریض دسترخواں کی طرف بڑھ گئے جو کئی میزوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اتنے قسم کے کھانوں کی بہتات تھی کہ تمام قسموں کو چکھنے والے کا پیٹ بھی بھر جاتا۔ میرے جیسے محافظ بس اپنے آقا کا دم چھلا بنے چاک و چوبند اور چوکس رہنے کی اداکاری کر رہے تھے۔ ایسی محفل میں باس لوگوں کو کیا خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔
دعوت طعام کے بعد محفل موسیقی شروع ہوئی۔ گانے کے ساتھ ناچنے والیوں کا بھی بندوبست تھا۔
لورا براؤن، دھیرندر شکلا کے پہلو میں بیٹھ کر سر جوڑے مصروف گفتگو رہی۔ یقیناً اس کی آمد کا مقصد شرب و طعام سے زیادہ سودے بازی سے تھا۔ دھیرندر شکلا کو راضی کر کے وہ ہتھیاروں کی بہت بڑی مانگ حاصل کر سکتی تھی۔ کثیر فوج کو بڑے عددی گنتی کے ہتھیار درکار ہو سکتے تھے۔ فوج کے علاوہ شکلا کے دہشت گردوں سے بھی تعلقات تھے۔ اور فی زمانہ سنائپر رائفلیں تو دہشت گرد بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ افغان سرحد پر پاک آرمی کے خلاف دہشت گردوں کے کافی سنائپر سرگرم عمل ہیں۔
پرما انصاری زیادہ دیر نہیں بیٹھی تھی اور شکلا سے اجازت لے کر اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گئی تھی۔ چار پانچ چست و چالاک کمانڈو تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ اگر گھر کے اندر اس کی حفاظت کا یہ اہتمام تھا تو گھر سے باہر کیا حالت ہوتا تھی۔ انصاری صاحب نے صحیح مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔
محفل موسیقی رات گئے تک جاری رہی اس دوران شکلا اور لورا بھی سر جوڑے مصروف گفتگو نظر آئے۔ میں اتنی دور تھا کہ ان کے مابین ہونے والی گفتگو کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر شاید ان کے درمیان کچھ طے ہو گیا کہ شکلا نے لورا سے الوداعی مصافحہ کیا اور اندرونی عمارت کی طرف چل پڑا۔ محافظوں نے اسے دائیں بائیں، عقب اور سامنے سے گھیر لیا تھا۔ وہ مخصوص فاصلہ رکھے آگے بڑھتے رہے۔ فوجی جرنیل یوں بھی اس پذیرائی کے عادی ہوتے ہیں۔ اور وہ تو جرنیل کے ساتھ اور بھی بہت کچھ تھا۔
طاقت و اختیار انسان سے بہت سے وہ کام بھی کرا دیتے ہیں جن کے بارے عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ اختیار ہی تو تھا جس نے فرعون و نمرود سے خدائی کا دعویٰ کرایا، شداد کو خدا کے مقابلے میں جنت بنانے پر اکسایا، ابرہہ کو خانہ کعبہ پر حملے کا حوصلہ دیا، ابوجہل کو کفر پر ثابت قدم رکھا، کسریٰ پرویز کو نبی پاک ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کی

ترغیب دی۔ یزید بد بخت کو جگر گوشہ رسول ﷺ کا سر قلم کرانے پر جری کیا، تیمور لنگ کو مسلمان سالار یلدرم کے خلاف میدان میں اترنے پر مجبور کیا، سلمان بن عبدالملک سے محمد بن قاسم جیسے مجاہد کی پھانسی کا حکم نامہ جاری کروایا۔ ابوجعفر منصور سے امام ابوحنیفہ جیسے ولی اللہ کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر کے زہر دینے کا گناہ کروایا، یہی تو طاقت و اختیار کی سب سے بڑی خامی ہے کہ انسان سے انسانیت چھین کر خدا بننے کی احمقانہ وحماقت بھری سوچ عطا کرتی ہے۔ اور جب مالک حقیقی ڈھیلی رسی کھینچتا ہے تو انسان کے پاس پچھتانے کی مہلت بھی نہیں ہوتی۔

لورا براؤن نے بھی دھیرندر کے اٹھتے ہی جانے کو پر تولے۔ وشال گپتا بھی شاید اسی کے انتظار میں تھا تیز قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں بھاگ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

واک تھرو گیٹ پر کھڑے ایک محافظ نے اسے کوئی پیغام دیا۔ ''میں شکلا سے مل کر آتا ہوں۔'' مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کر کے اس نے حسرت بھری نگاہ لورا براؤن کی شفاف کمر پر ڈالی اور اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

میرا دل چاہا پستول اٹھا کر اس کے پیچھے چل دوں لیکن شکلا کے محافظوں کی کڑی نظریں مجھ پر گڑی تھیں۔ یقیناً وہ مجھے اندرونی عمارت کی طرف جانے کی اجازت نہ دیتے۔ وشال گپتا نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم کار میں بیٹھ کر ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

وہ سارے رستے خاموش رہا۔ مگر جیسے ہی اسے اتارنے کو کار روکی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''کار پارک کر کے میرے کمرے میں آجاؤ۔''

''جی باس۔'' کہہ کر میں نے کار آگے بڑھا دی۔

وہ تینوں جیپ پارک کر کے میرے منتظر کھڑے تھے۔ ایک جھڑپ میں ہمارے فاصلے سمٹ گئے تھے۔

کار روک کے میں ان کے پاس پہنچا۔ ''آپ لوگ چلو مجھے باس نے بلایا ہے۔''

وہ سر ہلاتے ہوئے اپنے کمروں کو بڑھ گئے۔ میں وشال گپتا کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ڈرائینگ روم میں نظر نہ آیا۔ اس سے متصل دو خواب گاہیں تھیں۔ ایک وشال کے استعمال میں جبکہ دوسری خالی پڑی رہتی۔ یقیناً وہ کسی خصوصی مہمان کے لیے بنائی گئی تھی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں تھا۔ دستک کے جواب میں اس کی۔ ''آجاؤ۔'' سنائی دی تھی۔

''بیٹھو۔'' میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دعوت دی۔

میں نے خاموشی سے نشست سنبھال لی۔ وہ کسی گہری سوچ میں کھویا گلاس سے گھونٹ گھونٹ کر کے زہر معدے میں اتارتا رہا۔ میں خاموشی سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''ایک اہم کام کو مجھے ایسے بندے کی ضرورت ہے جو رازداری برتنا جانتا ہو۔'' لحاتی خاموشی کو توڑتے ہوئے اس کی گھمبیر آواز ابھری۔

میں محتاط انداز میں بولا۔ ''باس! صرف رازی رکھنے سے تو بات نہیں بنے گی مسئلہ تو اہم کام کی تکمیل سے حل ہوگا''

اس نے ترغیب دی۔ ''تم دولت بننا چاہتے ہو ناں...... اور خواہشات کی تکمیل قربانی مانگتی ہے۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''قربانی کا تعین کریں گے تو کچھ طے کر سکوں گا۔''

''کسی پر گولی چلانے کا کہوں تو کیا جواب ملے گا۔''

''بے گناہ آدمی کو مارنا اتنا آسان نہیں ہوتا باس۔ ایسی دولت بھلا کب سکون دے گی جو کسی کی چتا جلا کر حاصل ہو۔''

اس نے فلسفہ جھاڑا۔ ''اخلاقیات کا وزن بہت زیادہ ہوتا ہے سندیپ! انھیں اٹھا کر ترقی و بلندی کی منازل طے نہیں

کی جا سکتیں۔اور یاد رکھو ضمیر ایسی رسی ہے جو ہمیشہ تمھیں غربت کے کھونٹے سے باندھ کر رکھے گی۔ پن (نیکی) اور پاپ (گناہ) فقط کمزوروں اور نکھٹوؤں کے حیلے ہوتے ہیں۔ ورنہ انسان کی پہلی ترجیح اپنی ذات ہونا چاہیے۔''
نہ جانے وہ کیا کام لینا چاہتا تھا۔ اگر کسی بے گناہ کے قتل کا کہتا تو میں بعد میں انکار بھی کر سکتا تھا۔ میں نے کون سا ہمیشہ وہیں رہنا تھا۔ البتہ جب تک تھا اس کی ہاں میں ہاں ملانے ہی میں بہتری تھی۔ یہ بھی ممکن تھا اس کا ہدف میرا بھی دشمن ہوتا۔ میں نے دو تین لمحے سوچنے کی اداکاری کی اور پھر کام کا پوچھنے کے بجائے انعام کے بارے جاننے کی جستجو کی جو پوچھنا میرے کردار سے زیادہ میل کھاتا تھا۔ ''کتنی دولت ملے گی؟''
''شاباش، یہ ہوئی نا عقل مندوں والی بات ......'' خوشی سے چہکتے ہوئے اس نے دائیں ہاتھ کی پانچ انگلیاں اٹھا دیں۔ ''پانچ لاکھ۔''
''کسے قتل کرنا ہے۔ اور کیا گولی چلانے کے بعد میرے بچنے کی امید ہوگی؟'' میں نے ایک ساتھ دو سوال پوچھے۔
''ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے سے گولی چلانے والے کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔'' اس نے ہدف کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔
میں چونک گیا تھا۔ اپنے شک کو حیرانی میں ڈھالتے ہوئے پوچھا۔ ''اتنے لمبے فاصلے سے میں گولی کیسے چلاؤں گا؟''
وہ ہنسا۔ ''بھول گئے کل گوری حسینہ نے کتنی آسانی سے پندرہ سو میٹر کے فاصلے پر چھوٹے سے ہدف کو نشانہ بنایا تھا۔''
میں نے مصنوعی بے بسی ظاہر کی۔ ''باس! وہ پیشہ ور نشانے باز ہے۔ اور میں بس پستول چلا لیتا ہوں۔''
''راجیو تمھاری نشانہ بازی کی تعریف کر رہا تھا۔ یقیناً تم رائفل بھی آسانی سے چلا لو گے۔''
میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''سکھائے گا کون؟''
وہ چہکا۔ ''سکھانے والے کا نام جان کر شاید تم خوشی سے پھٹ جاؤ۔''
الجھن آمیز انداز میں سر کھجاتے ہوئے میں اسے گھورتا رہ گیا تھا۔
مجھے خاموش پا کر اس نے تجسس ختم کیا۔ ''کیپٹن لورا براؤن کا شاگرد بننے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''
''وہ گوری ......؟'' میں حقیقتاً اچھل پڑا تھا۔
''ہا ..... ہا۔'' وشال گپتا نے بلند بانگ قہقہہ اچھالا۔ ''گویا تم بھی گھائل ہو چکے ہو۔''
میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے مطلب کے موضوع پر آیا۔ ''باس! شکلا صاحب کے پہلو میں بیٹھی ہوئی نوجوان حسینہ کون تھی۔''
''چپ ......'' اس نے ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''دوبارہ تمھارے منہ سے ایسا کچھ نہ سنوں۔''
''شش ...... شا چاہتا ہوں باس۔'' میں نے ہکلانے کی اداکاری کی۔
''بے وقوف! وہ دھیرندر شکلا کی نواسی راج کماری پرما شکلا ہے۔ اسے گھورنے والے کی آنکھیں پھوڑ دی جاتی ہیں، اس کے بارے بولنے والے کی زبان کاٹ دی جاتی ہے اور اسے سوچنے والے کا سر سلامت نہیں رہتا۔ پہلی اور آخری بار تنبیہ کر رہا ہوں۔ دوبارہ تمھارے منہ سے اس کا نام نہ سنوں۔''
''معافی چاہتا ہوں باس۔'' میں نے ندامت ظاہر کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔
''تو تیار ہو۔'' وہ موضوع کی طرف پلٹا۔
''آپ نے ہدف کا نہیں بتایا۔''

ان سے ی تیز لہجے میں پوچھا۔ ''بڑی جلدی ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیوں کہ مزید غربت برداشت نہیں ہوتی۔''

''فکر نہ کرو بالک! اگر یہ کام کامیابی سے کر دیا تو چھپڑ پھاڑنے میں کامیاب ہو جاؤ گے، اس کے بعد دولت کی بارش میں نہاتے رہو۔'' یہ کہتے ہوئے ہوئے اس نے گہرا سانس لیا۔ ''اب آرام کرو کل یا پرسوں سے تمھاری تربیت شروع ہو جا ئے گی۔ اور یقیناً یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہوگی کہ اس گفتگو تک کسی تیسرے کی سماعتوں کی رسائی نہیں ہونا چاہیے۔''

''جی باس۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میں کمرے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر چہل قدمی کر کے میں کمرے مم ٹ گیا۔ وقتاً فوقتاً میں عمارت میں گھومتا رہتا تھا۔ اب تو عمارت کا چپہ چپہ ازبر ہو گیا تھا۔ حالات کا کچھ پتا نہیں تھا کہ کب ں سے بھاگنا پڑتا۔ اور روشال گپتا کے پاس سنائپر رائفلیں دیکھ کر بھی میرے دل میں چور پیدا ہو گیا تھا۔ ضرورت پڑنے ہاں سے سنائپر رائفل حاصل کی جاسکتی تھی۔

کر میرے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ ''کافی دیر لگا دی یار! کوئی خاص بات تھی کیا؟'' اس نے میرے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا۔

بستر سنبھالتے ہوئے میں نے پہلے سے سوچا ہوا جواب اگلا۔ ''باس چاہتے ہیں میں مزید تربیت حاصل ۔ جسمانی داؤ پیچ کے ساتھ وہ مجھے ہر قسم کے ہتھیار چلانا بھی سکھانا چاہتے ہیں۔''

ہ سمجھداری سے بولا۔ ''لازمی بات ہے اپنے خصوصی محافظ کی تربیت پر اس نے توجہ تو دینا ہوگی۔''

''تھک گیا ہوں یار! سوتے ہیں۔'' اس کے مزید سوالوں سے بچنے کو میں نے جمائی لیتے ہوئے کروٹ تبدیل کی۔ س نے چپ رہ کر میری خاموش تائید کی تھی۔

—●—

اگلے دن ناشتا کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی وشال گپتا کا بلاوا آ گیا تھا۔ میرے پہنچنے پر بلا تمہید باندھے مجھے کسی خاص جگہ جانے کا مژدہ سنایا۔ مزید ہدایات اس نے موبائل فون پر دینے کا عندیہ دے کر تیار ہونے کا حکم سنا دیا۔

اپنا مختصر سامان لپیٹ کر میں نے سفری بھولے (بیگ) میں ڈالا اور جانے کو تیار ہو گیا۔ ٹھکر لوگوں کو میں نے تربیت والی کہانی دوہرا کر مطمئن کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں راجیو کے ساتھ انجان منزل کی جانب گامزن ہو گیا۔ راستے میں راجیو عام گفتگو کرتا رہا۔ میرے جانے کے مقصد اور کام وغیرہ کے بارے اس نے تجسس ظاہر نہیں کیا تھا۔

گھنٹے ڈیڑھ بعد ہم زیادہ بھیڑ سے نکل کر مضافات جانے والی سڑک پر رواں دواں تھے۔ میں ممبئی شہر کے راستوں سے بالکل ناواقف تھا۔ بس جتنا کچھ انصاری صاحب نے نقشوں کی مدد سے سمجھایا تھا وہی ذہن میں تھا۔ اور نقشوں کی مدد سے کسی علاقے سے خاطر خواہ واقفیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ راجیو سے بھی زیادہ نہیں پوچھ سکتا تھا کہ اس کے تئیں میں ممبئی ہی کا باشندہ تھا۔ زیادہ مشکل مجھے بات چیت کے وقت پیش آتی تھی کہ ہندی اور اردو کی اصل ایک سہی بول چال میں کافی فرق ہے۔ روزمرہ کے عام الفاظ جو کوئی اور بولے تو ہم بڑی آسانی سے سمجھ جاتے ہیں، مگر اپنی زبانی میں روانی سے بولنا کافی دشوار تھا۔ جاسوس بننا اتنا مشکل ہوگا یہ مجھے اب پتا چل رہا تھا۔ جنگلوں بیابانوں میں بھی ایک سنائپر ہر لمحہ خطرے کی زد میں رہتا ہے مگر یہاں دگنا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ راز فاش ہو جانے کے بعد بچنے کی امید صفر فیصد بھی نہیں تھی۔ اتفاق سے وشال گپتا کا سہارا مل گیا تھا ورنہ میں اب تک اندھیرے ہی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوتا۔ انسان کے منصوبے اور تدابیر ہمیشہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتیں۔ کبھی مقصد کو درمیان میں چھوڑنا پڑتا ہے اور کبھی اللہ پاک اپنی قدرت سے ایسی آسانیاں فرما دیتا ہے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

مجھے دھیریندر شکلا اور پربا انصاری کی تلاش کے بعد سب سے مشکل کام کسی معیاری سنائپر رائفل کی تلاش کا لگ رہا تھا۔ اور اللہ پاک نے ایسی آسانی فرمائی کہ نہ صرف میں شکلا کے ٹھکانے تک پہنچ گیا بلکہ مجھے سنائپر رائفل تک بھی رسائی ہو گئی تھی۔ اور سونے پر سہاگا کہ دشمن خود میری تربیت پر کمربستہ تھا۔ میں اب جلد از جلد نشانہ بازی کی تربیت مکمل کر کے وشال گپتا کا مقصد جاننے کا خواہاں تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ تھا اس کام کا منصوبہ ساز (ماسٹر مائنڈ) دھیریندر شکلا ہی تھا۔ البتہ بہت زیادہ سوچنے کے بعد بھی ہدف کے بارے اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔

مزید ادھ، پون گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک ڈیرے (فارم ہاؤس) کے پاس پہنچ گئے تھے۔ کافی وسیع اور کشادہ عمارت تھی۔ ارد گرد سرسبز کھیت خوب صورت منظر پیش کر رہے تھے۔ ممبئی شہر کی اونچی عمارتوں شہر کی بھیڑ، چیخ و پکار وغیرہ سے دور ایک پرفضا مقام تھا۔ ممبئی آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اور اتنی بڑی آبادی میں شہر کی فضا کا کیا حال ہوگا اس کا اندازہ کرنے کو یقیناً عقل کل ہونا ضروری نہیں ہے۔

داخلی دروازے پر کار روک کر راجیو نے کہا۔ ''اپن سالا یہاں سے واپس جائیں گا۔''

چوکیدار باہر نکل آیا تھا۔ راجیو کو دیکھ کر اس نے شناسائی کا اظہار کیا تھا۔ کار سے نکل کر راجیو نے معانقہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرایا۔

''سندیپ بابو کے بارے تمھیں باس کا حکم مل چکا ہوگا۔''

چوکیدار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور راجیو سے کھانے پینے کی بابت پوچھنے لگا۔ راجیو نفی میں سر ہلا کر کار میں گھسا اور ہاتھ لہراتا ہوا واپس مڑ گیا۔

میں چوکیدار کی معیت میں اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا جو دروازے سے کافی فاصلے پر بنی تھی۔ خوب صورت اینٹوں کی روش بنی تھی جس کے جوانب میں پھولوں کی کیاریاں بنی تھیں۔ ڈیرے کی چاردیواری زیادہ بلند نہیں تھی۔ البتہ اس کے اوپر مزید تین فٹ تک کا خاردار تار ایسے لگائی گئی تھی کہ تار کاٹے بغیر اندر داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ ڈیرے کا احاطہ آٹھ دس ایکڑ کے بہ قدر تو ضرور ہوگا۔ ایک کونے میں خوب صورت اور جدید طرز کی رہائش گاہ بنی تھی۔ جس کے بغل میں نہانے کا تالاب (سوئمنگ پول) تھا۔ رہائشی عمارت اور بیرونی دیوار کے ساتھ چوڑا گیراج بنا تھا جس میں بیک سات کاریں ایک ساتھ کھڑی کی جا سکتی تھیں۔ گیراج میں اس وقت دو قیمتی کاریں نظر آ رہی تھیں۔ رہائشی عمارت کے قریب ایک اور ملازم نظر آیا، چوکیدار مجھے اس کے حوالے کرکے واپس پلٹ گیا۔

رہائشی عمارت میں داخل ہوتے ہی ایک کھلا سا ہال نظر آیا جس کے ایک کونے میں باورچی خانہ بنا تھا۔ درمیان میں چار صوفہ سیٹ آمنے سامنے رکھ کر ڈرائنگ روم کی شکل دی گئی تھی۔ چاروں دیواروں کے ساتھ بڑی سکرین کی ایل ای ڈی نظر آ رہی تھیں، تاکہ کسی صوفہ نشین کو دائیں بائیں دیکھنے کی زحمت نہ کرنا پڑے۔ باورچی خانے کی مخالف دیوار کے ساتھ چند کمرے بنے تھے۔ اور ان کے ساتھ دوسری منزل کے لیے اوپر سیڑھیاں جا رہی تھیں۔

ڈرائینگ روم میں لورا براؤن کو میز پر پاؤں رکھ کر ٹی وی گھورتے دیکھ کر مجھے حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ مجھ پر سرسری نظر ڈال کر وہ ٹی وی سکرین کی طرف متوجہ رہی۔ اس کے انداز و اطوار میں حکمران قوم سے ہونے کا فخر و غرور شدت سے جھلک رہا تھا۔ سونے پر سہاگا کہ وہ صنف نازک بھی تھی۔ اور ایسی آزاد خیال عورتوں کا ناز نخرہ نہ کرنا باعث حیرانی و تعجب تو ہو سکتا ہے۔ ناز و ادا دکھانا عجیب نہیں ہوتا۔ ہر خوب صورت بے حجاب عورت چاہے جانے کی متمنی ہوتی ہے، بلکہ اسے پیدائشی حق سمجھتی ہے۔ اور خیر سے مرد حضرات بھی ایسے قدر ناشناس نہیں ہوتے کہ انھیں مایوس کریں۔ یہ علیحدہ بات کہ صنف نازک ہی گھاس ڈالنے پر راضی نہیں ہوتیں۔

میں نے از خود تعارف کی کوشش نہ کی کہ مجھے اس کی ضرورت تھی نہ حاجت۔ ادھیڑ عمر ملازم سے اپنے کمرے کے بارے رہنمائی لے کر میں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دوسری منزل پر ایک خوب صورت خواب گاہ میری منتظر تھی جس کی کھڑکی سے ڈیرے سے باہر کا علاقہ بھی دور دور تک نظر آتا تھا۔ جوتے اتار کر میں بستر پر لمبا پڑ گیا۔ جب تک وشال گپتا کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ملتی مجھے از خود عقل مند بننے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں الجھن آمیز حالات کو سوچنے لگا۔ نہ جانے وشال گپتا کس کا قتل کرانا چاہتا تھا اور اس کی نظر انتخاب مجھ پر کیوں پڑی تھی۔ لورا براؤن کیسے مجھے تربیت دینے پر آمادہ ہوئی تھی۔ ایک دور رس سوچ یہ بھی ذہن میں جاگی کہ شاید ایس آر ون سنائپر رائفلوں کی خریداری کو دھیرندر شکلا نے ایسی کوئی شرط لگائی ہو۔ بلاشبہ ہندو بنیا موقع سے فائدہ اٹھانے کا ماہر ہے۔ اسی وجہ سے لورا براؤن کے چہرے پر بھی مجھے دیکھ کر جوش یا وارفتگی نہیں ابھری تھی۔ اگر اس کا اپنا کام ہوتا تو وہ ضرور مجھے خوش آمدید کہتی اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتی۔ مزید غور کرنے پر مجھے اپنی سوچ حقیقت کے قریب ہی لگی تھی۔ البتہ اپنے ناؤ کے بارے مجھے کوئی قابل حل سوچ نہیں سوجھی تھی۔ کیوں کہ وشال گپتا میری اصلیت سے تو واقف نہیں تھا۔ یوں بھی

بے طور سندیپ چوپڑا ہونے کے میرے ماضی سے بھی واقف نہیں تھا۔ کہ میری وفاداری وغیرہ سے متاثر ہو کر اس نے میرا انتخاب کیا ہو۔ صرف پستول کا فائر اچھا ہونے سے کوئی سنائپر نہیں بن جایا کرتا۔ بہت زیادہ سوچنے کے باوجود میں وشال گپتا کے فیصلے کی توجیہہ نہیں کر سکا تھا۔ کبھی کبھی انسان بغیر جانے اور پرکھے کسی پر اندھا اعتماد کرنے لگتا ہے جو میرے خیال میں وشال گپتا بھی مجھ پر کرنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ میرے انتخاب کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کسی بڑے شہر میں کرائے کا قاتل ڈھونڈنا دریائے کے کنارے بیٹھ کر پانی کی بالٹی بھرنے کی فکر کرنے جیسا تھا۔

پھر مجھے خیال آیا، صرف قاتل نہیں ڈھونڈنا تھا انھیں ایک سنائپر چاہیے تھا۔ اور بہ[illegible] سے قاتل کا ماہر نہیں ہوتے، جبکہ مجھ پر وشال اعتماد کر سکتا تھا۔ اور میری تربیت کو لورا براؤن میسر تھی تو انھوں نے [illegible] مناسب سمجھا۔ اگر میں اچھا ثابت ہوتا تو آئندہ بھی ان کے کام آ سکتا تھا۔ فی زمانہ ٹارگٹ کلنگ (ٹارگٹ قتل) کا چلن ہے۔ اور مخصوص افراد کو نشانہ بنانے کو سب سے بہترین ذریعہ سنائپنگ ہی ہے۔

شام تک میں انھی خیالوں میں الجھا رہا۔ دن کا کھانا میں نے کمرے ہی میں منگوا کر کھا لیا تھا۔ میرا ارادہ تو شام کو بھی کمرے سے نکلنے کا نہیں تھا۔ اور ملازم کو کھانا کمرے میں لانے کا کہہ دیا تھا مگر اندھیرا چھانے کے تھوڑی دیر بعد بلاوا آ گیا تھا۔ وشال گپتا کو وہاں پا کر مجھے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کے نہ آنے پر کر یہ ضرور ہوتی۔ لورا براؤن کے آگے پیچھے پھرنے والے کا وہاں نہ آنا حیران کن ہی ہوتا کہ وشال کی حیثیت میزبان کی تھی۔

”تم نے کیپٹن کو اپنا تعارف نہیں کرایا۔“ مجھے دیکھتے ہی وشال متبسم ہوا۔

”آپ کا منتظر تھا۔“ اس کے اشارے پر نشست سنبھالتے ہوئے میں نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

اس نے خفگی ظاہر کی۔ ”تمھیں سب کچھ بتا تو دیا تھا۔“

”باس! میں انگریزی سمجھنے کی حد تک ہی جانتا ہوں، بولنے میں دشواری محسوس کرتا ہوں اور مادام کو ہندی نہیں آتی ہے تو آپ کے بغیر کیسے کام چلتا۔“ ہم ہندی ہی میں بات کر رہے تھے۔ لورا بے پروا بیٹھی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ ملازم کھانا لگا رہے تھے لورا میرے کی قاش اٹھا کر کھانے لگی۔ اس کے انداز میں جھلکتی بیزاری تھی جو ظاہر کر رہی تھی کہ وہ مجھے تربیت دینے پر مجبوراً ہی راضی ہوئی تھی۔

وشال گپتا، لورا کی طرف متوجہ ہوا اور میرا تعارف کرانے لگا۔ ”سندیپ میرا خاص محافظ ہے۔ اس کا پستول کا فائر بہت اچھا ہے۔ امید ہے سنائپر رائفل کو بہت جلد سمجھ جائے گا۔“

”اسے انگریزی آتی ہے۔“ وہ وشال ہی کو مخاطب ہوئی تھی۔

وشال نے اسے تسلی دی۔ ”بے فکر رہو مادام، پڑھا لکھا جوان ہے۔ بھگوان کی کرپا سے ہمارا نوجوان ہندی سے زیادہ انگریزی سمجھتا ہے۔“

وہ بیزاری سے بولی۔ ”میں ایک ہفتے سے زیادہ وقت نہیں دے پاؤں گی۔ کام مکمل کرنے کی ذمہ داری تمھارے اپنے آدمی کی ہوگی، اس کی نالائقی کو میرے حساب میں نہ ڈالا جائے۔“

”میرا کام ایک باصلاحیت جوان مہیا کرنا تھا۔ باقی آپ کے اور شکلا صاحب کے مابین جو معاہدہ ہوا ہے اس سے میں لاعلم ہوں۔“

لورا طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”مسٹر شکلا موقع کا فائدہ اٹھانے کا ماہر ہے۔“

وشال پھیکے انداز میں بولا۔ ”اس بارے کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا، البتہ ڈیلوا اس کمپنی کے بڑے شکلا صاحب کے ہم خیال تھے۔“

لورا نے انکشاف کیا۔''میں خود''واز'' کمپنی کے ڈائریکٹر بورڈ کا حصہ ہوں۔ بلکہ پچاس فیصد حصص کی مالک ہوں۔فون پر شکلا صاحب نے کسی پریشانی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں شوٹنگ کلب کی انتظامیہ کے مجبور کرنے پر جب مسٹر نے حماقت کا ارتکاب کرتے ہوئے سنائپنگ کا مظاہرہ کیا تو اسے اپنی راہ کی رکاوٹ دور کرنے کی سوجھی۔مگر ایک معاہدے کے حصول کو میں قاتل تو نہیں بن سکتی تھی۔''

وشال سہمے لہجے میں بولا۔''شکلا صاحب کے کسی فعل کی سزا مجھے تو نہ دیں۔''

لورا کھل کھلا کر ہنسی۔''تمھیں تو کچھ نہیں کہا۔''

وشال معنی خیز لہجے میں بولا۔''یہی تو دکھ ہے کہ ہمیں آپ نے توجہ کے قابل ہی نہیں سمجھا۔''

لورا بے باکی سے بولی۔''لگتا ہے تم مسٹر شکلا سے بھی بڑا مطالبہ پورا کرانے کی فکر میں ہو۔''

وشال نے لجاجت سے کہا۔''غریب مطالبہ نہیں درخواست کیا کرتے ہیں۔''

وہ بے باکی سے بولی۔''پہلے سے کافی امراء کے مطالبے اور بیسیوں غریبوں کی درخواستیں موصول ہو چکی تھیں۔جن میں سرفہرست مسٹر شکلا ہیں۔باقیوں کی طرح تم بھی معذرت قبول کرلو۔''

''شروع کریں۔''وشال گپتا نے دعوت کی آڑ میں خفت چھپائی۔

لورا اطمینان سے لوازمات سے بھری میز کی طرف متوجہ ہو گئی۔آزاد خیال اور بے راہ رو معاشرے سے تعلق رکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ فاحشہ تھی اور جس کی مرضی ہوتی ہاتھ بڑھا کر دبوچ لیتا۔یورپین عورت جسم دکھانے میں فراخ دل سہی،جسمانی تعلقات کے معاملے میں اپنی پسند کے تابع ہوتی ہے۔یہی وجہ تھی کہ اس نے دھیر ندر شکلا اور وشال گپتا کو خوب صورتی سے ہری جھنڈی دکھادی تھی۔کھانے کے بعد اس نے تھکن کا بہانہ کرتے ہوئے وشال گپتا سے معذرت کی اور مجھے صبح چھے بجے تیار ہونے کی ہدایت دے کر مٹکتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وشال گپتا،خواب گاہ میں گم ہونے تک اس کے جینز میں مستور جسم کو حسرت بھری نظروں سے گھورتا رہا۔دروازے کے بند ہونے کی''کھٹک''سن کر وہ میری طرف متوجہ ہوا اور پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔''تمھارے پلے کچھ پڑا۔''

میں معصومیت سے بولا۔''کچھ زیادہ نہیں،بس اتنا کہ مادام نے شکلا صاحب کو بھی گھاس نہیں ڈالی۔''

مزاحیہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے منہ بنایا۔''اور مجھے تو کھیت میں کھلا چرنے کی چھوٹ دے دی ہے نا؟''

''چھوڑیں باس!اس سے کئی گنا خوب صورت لڑکیاں اپنے دیش میں دھکے کھاتی پھر رہی ہیں۔''

''تمھیں بے وقوف کہنے کے علاوہ کیا تبصرہ کرسکتا ہوں۔پاگل،دل آنے کی وجہ خوب صورتی نہیں پسندیدگی ہوتی ہے۔''

میں نے مزاحیہ انداز میں ترغیب دی۔''آسان حل یہی ہے باس کہ آپ خود نشانہ بازی سیکھنا شروع کردیں۔کم از کم ہفتے بھر کا قرب تو مل جائے گا۔''

''کیا فائدہ رال ٹپکانے کا۔خواہ مخواہ اپنا خون ہی جلاتا رہوں گا۔''مایوسی ظاہر کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔''تم پوری کوشش اور محنت سے سیکھو۔یہ فن تمھیں آئندہ بھی کام آئے گا۔ہمیشہ اپنا مقصد مقدم رکھنے والے فائدے میں رہتے ہیں۔شیر اگر ہرن کی فکر کرنے لگے تو بھوکا مرے گا،بلی چوہوں پر ترس کھا کر اپنے ساتھ ظلم کی مرتکب ہوگی،چھپکلی کیڑے ،پتنگے کھانا چھوڑ دے تو جان سے جائے گی۔یاد رکھنا خودغرضی قانون فطرت ہے۔سب سے پہلے انسان کا اپنا وجود ہے اس کے بعد کسی دوسرے کے بارے سوچا جا سکتا ہے۔اخلاقیات کے علم بردار،پُن (نیکی) کمانے والے،دھرم کے ٹھیکے دار،انسانیت کی مالا جپنے والے بھی باتوں کی حد تک مخلص ہوتے ہیں۔کبھی اپنے منہ کا نوالہ بھوکے کے پیٹ میں نہیں

والے۔ میری نصیحت پلے سے باندھ لو۔ سپھلتا (کامیابی) کوشش کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔"
اس نے واپس جانا تھا۔ میں ساتھ چل پڑا۔ کار تک جاتے ہوئے نصیحتیں جاری رہیں۔ اسے رخصت کر کے میں کمرے میں آ گیا۔

دن کو آرام کرنے کی وجہ سے رات گئے تک کروٹیں بدلنا پڑیں۔ آگے کی صورت حال واضح نہیں تھی۔ جب تک وشال گپتا مجھے ہدف کے بارے مطلع نہ کر دیتا کچھ کہنا مشکل تھا۔ گویا سوچنے کو کوئی خاص موضوع نہیں تھا اور مجھے دل پسند مشغلے کی چھوٹ تھی۔

اپنی پلوشے کو یاد کر کے جہاں میرے ہونٹوں پر تبسم آیا وہیں، اس کا ناراضی بھرا رویہ بھی دل کو اداس کر گیا۔ عجیب موڑ پر آ کر اسے خبط کی سوجھی تھی۔ بلاشک وشبہ میرا قصور تھا، غلطی تھی، حماقت تھی۔ لیکن اس کا اتنا شدید ردعمل ظاہر کرنا یقینا جذباتی فیصلہ تھا۔ مجھے صفائی کا موقع دینا چاہیے تھا۔ [illegible] یا نیت سے گلگارے پاس گیا تھا اور نہ اس ہی کا کوئی ایسا ارادہ تھا۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے [illegible] کے دل میں اپنی اہمیت اور قدر و قیمت دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے۔ گلگارے بے چاری بھی اسی تمنا سے مغلوب ہو کر مجھ پر حق جتانے لگی۔ اس کے رویے کو شرعی لحاظ سے جائز کہا جاسکتا تھا نہ اخلاقی لحاظ سے درست سمجھا جاسکتا تھا اور نہ ہماری تہذیب و ثقافت اس کی اجازت دینے پر تیار تھی، یونہی مجھ سے بھی جلد بازی میں صحیح فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ رات گئے ایک نامحرم لڑکی کے ساتھ کمرے میں بند ہونا بغیر کسی شک وشبے و تردد کے کھلی بے حیائی و بے شرمی تھی۔ قابل مواخذہ فعل تھا۔ مگر محبت کرنے والی بیوی کو کم از کم تحقیق کرنا ضروری تھا۔ اس کے جیسی اگر اس نے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا تو میرے گناہ کے ثبوت کو اسی وقت کھوج سکتی تھی۔ شوہر کا جسم بیوی کے لیے کھلی کتاب ہوتا ہے۔ اور بے حیائی کے اثرات کو موقع واردات پر چھپانا ممکن نہیں ہوتا۔ مگر اس نے مجھے صفائی کا موقع دیا تھا نہ میری منتوں پر پسیجی تھی۔ میری ہر غلطی، سستی اور درشتی کو غیر اہم و بے وقعت جاننے والی کا پانسا ایک دم پلٹ گیا تھا۔ ایک پل جدائی نہ سہنے والی پر میرے خطرناک مشن پر آنے کا بھی کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ حالاں کہ روما کو بھی میں نے گلگارے والے واقعے کی اطلاع دی تھی۔ مگر اس نے ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ روما بلاشبہ مجھے بہت چاہتی تھی، مگر پلوشہ کی محبت بھی روما سے کم نہیں لگی تھی۔ روما نے میری جدائی کو روگ بنالیا تھا تو پلوشہ بھی ہر وقت جان قربان کرنے پر تیار رہتی۔ البتہ وہ روما سے بڑھ کر لاڈلی اور مجھے پیاری تھی۔ کیوں کہ دل پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

کافی دیر یونہی پلوشے کے رویے کو سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ نیند نے ان سوچوں سے چھٹکارا دلایا۔ دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح جلدی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیوں کو چھے بجے کا اعلان کرتے دیکھ کر میں اچھل پڑا تھا۔ لورا براؤن نے چھے بجے ہی کا وقت دیا تھا اور ایک فوجی کو چھے بجے کا مطلب ہوتا ہے۔ "پانچ منٹ کم چھے بجے۔" لورا کی نظر میں میں فوجی نہیں تھا لیکن وہ جس قوم سے تعلق رکھتی تھی ان میں کم از کم وقت کی پابندی پائی جاتی ہے۔ اس معاملے میں پاکستان اور انڈیا کے لوگ ماشاءاللہ اتنے بے پروا ہیں کہ چھے بجے کا مطلب بغیر کسی ہچکچاہٹ یا تردد کے گیارہ بجے ہی لیتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو دعوت نامے پر درج وقت پر شادی ہال میں جا کر دیکھ لے۔

خیر تازہ دم ہو کر میں کمرے سے نکلا۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچا۔ ملازم سے استفسار کرنے پر پتا چلا مادام تالاب (سوئمنگ پول) میں تیراکی فرما رہی ہیں۔ میں اسی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس وقت باہر نکل رہی تھی۔ تیراکی کا لباس یوں بھی

ع　　کوئی دیکھے یہ کیا ہے تو نظر صاف آئے

کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔ اور اس نے تو پہنا بھی "ٹو پیس" لباس تھا۔ یعنی ایک دھجی بالائی اور دوسری زیریں بدن پر لپٹی

کی۔ غالب نے کہا تھا

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

[illegible]

جاتی ہے۔

''دیر کیوں ہوئی؟'' بولنے میں پہل اس نے کی تھی، لہجہ خالی بر اہم کا تھا۔ اب [illegible] تھا پارٹ مورکرسن کی خاطر خواہ پذیرائی نہ کر لے پر۔ [illegible] بالاتر تھا۔ میں اس کی طرف [illegible] بولا۔

''رات گئے تک جاگتا رہا، آنکھ دیر سے کھلی''

''مخاطب کی طرف دیکھے بغیر گفتگو کرنا بدتہذیبی اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔ تم بہرے کان والے نہیں ہو۔ ہماری طرف موڑو'' اپ کے لہجے میں غصے کا عنصر مزید بڑھ گیا تھا۔

انسان کی نگاہ ایک سو اسی ڈگری کا میدانی نظارہ (فیلڈ آف ویو) رکھتی ہے۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر مجھے محسوس ہوا کہ اس نے تولیہ لپیٹ لیا ہے۔ میں مڑا۔ ''آپ کو گھورنا غیر اخلاقی اور بدتہذیبانہ حرکت لگ رہی تھی۔''

''گھورنے کا کس نے کہا ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''اگر آئندہ وقت پر نہ پہنچے تو نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' مجھے دھمکا کر اس نے رخ موڑا اور پتلون پہننے لگی۔

''معذرت خواہ ہوں مادام!'' میں نے معافی مانگنے میں عافیت سمجھی تھی کہ وہاں میری حیثیت وشال گپتا کے ملازم کی تھی اور کسی ملازم کی گوری مالکن سے بحث و تکرار قابل گرفت ہو سکتی تھی۔

ڈھیلی ڈھالی خاکی پتلون اور نصف بازوؤں کی بنیان پہن کر اس نے موٹے تلے والے مردانہ جوتے پہنے اور بالوں پر تولیہ رگڑنے لگی۔ منٹ بھر کی رگڑائی کے بعد اس نے تولیہ کرسی پر پھینکا اور میز پر رکھا ایس آر ون کا بیگ اٹھا لیا۔ ساتھ ایک دوسرا بیگ بھی رکھا تھا جو اس نے مجھے اٹھانے کا اشارہ کیا۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے ہم ڈیرے کی چھت پر پہنچے۔ وہاں ہم اردگرد کا علاقہ بہت اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔ اگر میں نے کسی کو تربیت دینا ہوتی تو چھت ہی کا انتخاب کرتا۔ بیگ نیچے رکھ کر اس میرے ہاتھ سے دوسرا بیگ لے کر کھولا اور ایک خاکی کپڑا نکال کر نیچے بچھا دیا۔ اس پر ایس آر ون کا بیگ کھول کر بوٹ اتارے بغیر ایک پاؤں بچھا کر اس پر تشریف ٹیک دی۔ میں بھی التحیات کی حالت میں کپڑے کے دوسرے کنارے پر ٹک گیا۔

ایس آر ون کے حصے (پارٹس) نکال کر کپڑے پر رکھتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔ ''کبھی رائفل سے فائر کیا ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کلاشن کوف چلائی ہے۔''

دورنہ دینا پڑتا۔

’’کوئی ایسی چیز جس کے سمجھنے میں وقت پیش آ رہی ہو۔‘‘ وضاحت دینے کے بجائے اس نے موضوع تبدیل کرنا ضروری سمجھا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

خطرہ ٹلتے دیکھ کر میں نے سکون کا سانس بھرا۔ گو یہ سکون عارضی تھا۔ کسی بھی وقت اسے میری آواز و انداز پر ایس کا گمان گزر سکتا تھا۔ البتہ ایک بات میرے حق میں جاتی تھی۔ اب تک میں نے بہت مختصر بات چیت کی تھی اور زیادہ تر اس کی سن رہا تھا۔ آگے اس گفتگو کو مزید مختصر کر کے میں اس خطرے کا تدارک کر سکتا تھا۔

’’صبح دیر نہیں ہونا چاہیے۔‘‘ وہ ہدایت دے کر اٹھ گئی۔ میں چہل قدمی کو باہر نکل گیا۔

اگلی صبح میں پانچ بجے سے پہلے تیار ہو کر سبزہ زار کی طرف نکل گیا تھا۔ تھوڑی بھاگ دوڑ کر کے میں نے الٹک بیٹھک کی، ڈنڈ پیلے، چند اور مشقیں کیں، کیوں کہ جسم کو تندرست و توانا اور قابل عمل رکھنے کو ورزش نہایت ضروری و اہم ہے۔ چھ بجے سے پہلے میں رائفل اور سنائپنگ کے سامان سمیت چھت پر پہنچ گیا تھا۔ وہ تیراکی میں مشغول تھی اور اس کا مختصر لباس ایسا نہیں تھا کہ مجھے وہاں جانے کی جرات ہوتی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی ہلکے گیلے سنہری بال لہراتے ہوئے پہنچ گئی۔ مجھے ایس آر ون کے ساتھ مشغول دیکھ کر اس نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ تربیت شروع ہو گئی۔ اس دوران میں نے کافی اناڑی پن کا مظاہرہ کیا۔ کیوں کہ کل اس نے جس الجھن کا اظہار کیا تھا، مجھے محتاط ہونا پڑا تھا۔

پانچ دنوں تک تربیت کے ساتھ وہ مجھے ڈرائی ریہرسل (بغیر گولی چلائے فائر کی مشق) کرواتی رہی۔ میں نے اپنے اساتذہ سے بھی یہی سنا تھا کہ ایک نشانہ باز کے لیے ڈرائی ریہرسل بہت ضروری اور اہم ہوتی ہے۔ اور ڈرائی ریہرسل پرانے سنائپر کے لیے بھی اتنی ہی مفید ہوتی ہے جتنے نوآموز سنائپر کے لیے۔ وہاں چونکہ فائرنگ رینج نہیں تھی اس لیے چھٹے دن وشال گپتا کو کہہ کر فائر کرنے کو ہم شوٹنگ کلب پہنچ گئے تھے۔ کافی عرصے سے میرے کندھے نے سنائپر رائفل کے جھٹکے کا خوشگوار اور دوستانہ لمس محسوس نہیں کیا تھا۔ پہلے ہی دن میں نے تین سو، پانسو اور پھر ہزار میٹر پر فائر کر کے لورا کو اطمینان دلا دیا تھا۔ مزید دو دن کی مشق کے بعد میں پندرہ سو میٹر پر بھی ہدف کو نشانہ بنانے لگا۔ البتہ اس دوران میں جان بوجھ کر ہدف کے درمیان یا خاص چندی پر گولی نہیں مارتا تھا ورنہ لورا کو شک ہو سکتا تھا۔ میری اُس نشانہ بازی پر بھی وہ دو تین بار اعتراف کر چکی تھی کہ میرا فائر قدرتی طور پر اچھا تھا۔ اور اس کے تیئں ایسا ہونا، ناممکن یا تعجب انگیز نہیں تھا۔ بلاشبہ اچھی نشانہ بازی کی صلاحیت کسبی (کوشش سے حاصل کردہ) کے بجائے وہبی (قدرت کی طرف سے عطا کردہ) ہوتی ہے۔

ہفتے بھر کے بعد اس نے وشال گپتا کو ’’سب اچھا‘‘ دے دیا تھا۔ اسی شام وہ ہمارے پاس ڈیرے پر پہنچ گیا۔ رسمی کلمات کے بعد لورا مطلب کی بات پر آئی۔ ’’میں نے تمھارے آدمی کو سکھا دیا ہے۔ بے شک امتحان لے کر جانچ سکتے ہو۔‘‘

’’مادام! مسئلہ صرف ہمارے آدمی کی سکھلائی سے حل نہ ہو گا۔ اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو بات بنے گی۔‘‘

وہ برہم ہوئی۔ ’’یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔‘‘

وشال معنی خیز لہجے میں بولا۔ ’’سچ میں اتنی سادہ ہو یا شکلا صاحب نے پوری بات نہیں بتلائی تھی۔‘‘

اس کے لہجے میں درشتی سوا ہوئی۔ ’’تمھارا مطلب یہ ناکام ہو گیا تو معاہدہ نہیں ہو پائے گا۔‘‘

"یہی عرض تو کی ہے، کہ راہ کا روڑا ہٹے بغیر معاہدہ کیسے ہو پائے گا۔"
وشال گپتا نے وضاحت کی۔
لورا نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں کسی پر گولی نہیں چلا سکتی۔"
وشال چاپلوسی سے بولا۔ "آپ بالکل ایسا نہ کریں، مگر اپنے شاگرد کی حوصلہ افزائی کو ساتھ تو جا سکتی ہیں۔ گولی سندیپ چلائے گا بس تھوڑی سی رہنمائی اور نگرانی کی ضرورت پڑے گی۔"
لورا انکار پر ڈٹی رہی۔ "ڈیپ، ڈیڑھ کلومیٹر تک آسانی سے کسی بھی شخص کو نشانہ بنا سکتا ہے۔"
"شوٹنگ رینج پر ہدف کو نشانہ بنانے والا ضروری نہیں عملی میدان میں بھی اتنا ہی کامیاب ثابت ہو۔ آپ کے بقول سنائپنگ سائنس ہے اور گولی چلانے سے پہلے کئی ایک تیاریاں کی جاتی ہیں۔ بے شک آپ گولی نہ چلائیں اور نہ آخر تک وہاں موجود رہیں۔ بس سندیپ کو گولی چلانے کی مکمل تیاری کروا کر واپس آجانا۔"
لورا نے الجھن ظاہر کی۔ "تیاری کروا تو دی ہے۔"
وشال نے وضاحت کی۔ "میرا مطلب ہدف کو نشانہ بنانے کی حتمی تیاری۔ ایلیویشن، ڈیفلیکشن وغیرہ کا جائزہ لے کر آجانا کہ اس نے سب کچھ صحیح طریقے سے لگایا ہوا ہے۔ اس سے تو شاید فاصلہ بھی ٹھیک سے ناپا جائے۔"
لورا ہچکچائی۔ "میں اس کام میں اتنا زیادہ ملوث نہیں ہونا چاہتی کہ قانونی طور پر مجرم ٹھہرائی جاؤں۔"
"مادام، یہ موقع بار بار نہیں ملے گا۔ اور یہ بھی جان لیں سندیپ کی ناکامی ہم سب کی ناکامی کہلائے گی۔ ہدف صرف زخمی بھی ہوا تو کام بگڑ جائے گا۔"
وہ بگڑ کر بولی۔ "اگر مجھے ہی سب کچھ کرنا تھا تو وقت ضائع کیوں کرایا۔"
لورا کے لہجے میں لچک دیکھتے ہوئے وشال نے تسلی دی۔ "آپ کو صرف رہنمائی کرنا ہے۔ باقی سب کچھ سندیپ کر لے گا۔"
"کب جانا ہے۔" لورا نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کے لہجے میں مجبوری و بے بسی واضح جھلک رہی تھی۔
وشال گپتا کے چہرے پر فاتحانہ تبسم ابھرا۔ "پرسوں۔"
"منصوبہ کیا ہے؟"
"کل شام کو میں حتمی منصوبہ لے آؤں گا۔" وشال کی گفتگو سے شک ہوا وہ ہدف سے لاعلم تھا۔ یا شاید منصوبہ لورا تک پہنچانے کو اسے کسی کی اجازت درکار تھی۔
لورا مزید سوال پوچھے بغیر اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔
میں نے تبصرہ کیا۔ "مادام خفا لگ رہی ہے۔"
وشال گپتا رکھائی سے بولا۔ "اسے خوش کرنے کو ہم خطرہ نہیں مول سکتے۔"
میں شاکی ہوا۔ "تو آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔"
وہ صاف گوئی سے بولا۔ "اگر تم اس سے اچھے بھی ہو تو یہ ثابت کرنے کو تمھیں کافی وقت چاہیے۔"
"میں اچھائی کا دعویٰ نہیں کر رہا، لیکن اتنا گیا گزرا بھی نہیں۔"
میری شکایت کو دوسرا رخ دیتے ہوئے وہ معنی خیز لہجے میں مسکرایا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمھیں معاوضہ پورا ملے گا۔"
"پھر ٹھیک ہے۔" میں نے اپنا شکوہ واپس لیا کہ خواہ مخواہ کی تکرار کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ نہ مجھے کوئی ایس ایس کی بیت سے جانا تھا اور نہ شکلا کے دشمن کا خاتمہ کرنا ثواب کا کام تھا۔ البتہ میں یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہاں لورا موجود نہ

ہو۔ کیوں کہ شکلا کے دشمن کو ختم کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں ایس آر ون سمیت فرار کا منصوبہ سوچے ہوئے تھا
لورا میرے منصوبے کی راہ میں روڑے اٹکا سکتی تھی۔ وہ تربیت یافتہ کمانڈو تھی۔ اتنا آسان ہدف ثابت نہ ہوتی۔
اسے رخصت کر کے میں کمرے میں لوٹا۔ بہ مشکل بیٹھ ہی سکا تھا کہ دروازہ بجا کر لورا اندر داخل ہوئی
گیا تھا۔

''جی مادام۔'' میں نے کھڑے ہو کر تعظیم دی۔''
مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے اس نے نشست سنبھالی۔ ''جانتے ہو کس پر گولی چلانا ہے؟''
میں نے نفی میں سر ہلایا۔
اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ ''مسٹر بکرم سنگھ پر۔''
''بکرم سنگھ؟'' میں نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔
''نہیں جانتے؟'' طنزیہ ہنسی استعجاب میں ڈھل گئی تھی۔
میں نے نفی میں سر ہلایا۔
اس نے قدرے درشتی سے پوچھا۔ ''جنرل بکرم سنگھ کو نہیں جانتے؟''
''آ... آرمی چیف...'' میں ہکلا گیا تھا۔
''شکر ہے۔'' وہ کھل کھلائی۔
''م... مگر وشال جی ایسا کیوں کریں گے۔ کہیں وہ پاکستانی جاسوس تو نہیں۔''
''جاسوس بے چارے تو مفت میں بدنام ہوتے ہیں، اصل جنگ تو اندرونِ ملک اپنے مفادات کی لڑی جاتی ہے۔''
''یہ تو غداری ہے۔''
اس نے منہ بنایا۔ ''میں تمھارے پاس غداری یا دیش بھگتی کا مقدمہ لے کے نہیں آئی۔''
''مجھے اعتماد میں لینے کی وجہ؟'' میں مطلب کی بات پر آیا۔
اس نے پھلجڑی چھوڑی۔ ''تمھاری ہمدردی حاصل کرنا۔''
''یقیناً بہت چھوٹا آدمی ہوں۔'' میں نے حقیقت اُگلی۔
''انسان کی اہمیت کا تعین حیثیت و مرتبہ سے نہیں ہوتا۔ دروازے پر کھڑا چپڑاسی و چوکیدار بھی بعض اوقات بہت
عہدے و مرتبے والوں سے زیادہ کام کر جاتا ہے۔''
میں معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''اور یہ چپڑاسی آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے؟''
''جانتے ہو شکلا، مسٹر سنگھ کو کیوں قتل کرانا چاہتا ہے۔'' وہ اس موضوع پر آئی جس بارے جاننے کو میں سخت بے چین

شتیاق دباتے ہوئے میں نے بہ ظاہر بے پروائی ظاہر کی۔ ''مجھے مقتول کا نام ابھی معلوم ہوا ہے تو وجہ کیسے جان سکتا

ں نے انکشاف کیا۔ ''مسٹر بکرم سنگھ، شکلا کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے۔ ایس آر ون رائفلوں کی خریداری
مسٹر بکرم سنگھ کی اجازت پر منحصر ہے۔ دو تین اور ہتھیاروں کے معاہدے بھی بکرم سنگھ کی وجہ سے نہیں ہو
ب یہ کانٹا نکال کر ہی شکلا مرضی کا چیف سامنے لا سکتا ہے۔''
ے دم مجھے حقیقت کا ادراک ہوا، شکلا اب اتنا طاقت ور ہو گیا تھا کہ چیف آف آرمی سٹاف پر ہاتھ ڈالنے پر تلا

تھا۔ لورا براؤن کی صورت میں اسے یہ تدبیر سوجھی تھی۔ اور لورا براؤن اپنے ہتھیاروں کو بیچنے کی وجہ سے [illegible] حد تک چلی گئی تھی۔ انڈین آرمی سے معاہدہ ہونے پر کثیر تعداد میں ایس آر ون رائفلیں کا سودا ہو سکتا تھا۔ البتہ وہ خود [illegible] نہیں رکھ سکتی تھی۔ صرف ایک آدمی کو سنائپنگ کی تربیت دینے پر بہ مشکل تیار ہوئی تھی۔ میں خود بھی اس حد تک نہیں جا سکتا تھا۔ انڈین آرمی کے چیف پر حملہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ پاکستان آرمی ایسے کام کی اجازت بالکل نہ دیتی کیوں کہ ایسا ہونے پر جواب کی ایجنسیاں کے لیے صرف یہی کام باقی رہ جاتا کہ ایک دوسرے [illegible] منصوبہ بندی [illegible] رہ جاتیں۔ عالمی سطح پر بھی پاکستان کی نہ صرف بدنامی ہوتی بلکہ جواب دہی مشکل ہو جاتی۔ [illegible] بعض اوقات اتنی لمبی جنگ چھیڑ دیتے ہیں جس کا اندازہ بھی عام آدمی نہیں کر سکتا۔ اس کی چھوٹی سی مثال پہلی جنگ عظیم ہے جس [illegible] آسٹریا، ہنگری کی دوہری بادشاہت کے شہزادے ولی عہد ”آرک ڈیوک فرینز فرڈیننڈ“ اور اس کی اہلیہ ”صوفی“ کا قتل [illegible] جو بیک ہینڈ نامی دہشت گرد تنظیم کے ایک شخص گیوریلو پرنسپ نے سرائیوو کے مقام پر 28 جون 1914 کو کیا۔ تو اس جنگ کی در پردہ کئی وجوہات تھیں۔ مگر شروعات کے لیے یہی قتل وجہ بنا۔

البتہ دھیریندر شکلا کی بات اور تھی۔ وہ حکومتی عہدے دار نہیں تھا۔ آرمی سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا لیکن دہشت گردانہ کارروائیوں کا روح رواں تھا۔ اس کے ساتھ ایک باپ کی شفقت و محبت کا قاتل تھا۔ پاکستان آرمی یا حکومت کو اس کے قتل میں دلچسپی نہ بھی ہوتی انصاری صاحب اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اور اس کے مظالم کا جو نقشہ انصاری صاحب نے کھینچا تھا اس کے بعد اس کے قتل میں تاخیر کرنا خود مجھے بھی گوارا نہیں تھی۔ البتہ [illegible] کسی صورت [illegible] نہیں چاہ سکتا تھا۔ بلکہ میں تو کسی عام بندے پر بھی گولی چلانے پر تیار نہیں تھا اور ذہنی طور پر فرار کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اب لورا براؤن کی مصیبت گلے پڑ رہی تھی جو میری راہ میں روڑے اٹکا سکتی تھی۔

”کیا ہوا؟“ مجھے سوچ میں گم پا کر اس نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

میں چونکتے ہوئے بولا۔ ”آپ نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

”تمھیں پریشان کرنے نہیں حوصلہ بڑھانے آئی ہوں۔ اور چاہتی ہوں تم مسٹر گپتا سے بات کرنے کی کوشش کرو، کہیں شکلا مجھے دھوکے میں رکھ کر صرف اپنا الو سیدھا کرنے کے چکر میں تو نہیں ہے۔“ اس نے اپنی آمد کے راز سے پردہ ہٹایا۔

میں نے منہ بنایا۔ ”مادام! انھوں نے مجھے ہدف سے بے خبر رکھا ہے۔ اصل منصوبے کی خاک ہوا لگنے دیں گے۔“

دل آویز تبسم ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے اس نے امید ظاہر کی۔ ”تم کوشش کرو تو مسٹر گپتا سے اگلوا سکتے ہو۔“

میں معنی خیز لہجے میں بولا۔ ”یہ کوشش آپ خود کریں تو کامیابی کا زیادہ امکان ہے۔“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”مسٹر گپتا بے ہودہ خواہشات کا واضح اشارہ کر چکا ہے۔ اور میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔“

میں نے طنز کیا۔ ”حالاں کہ آپ کے لباس اور انداز میں ایسی احتیاط نظر نہیں آتی۔“

اس نے حیرانی ظاہر کی۔ ”لباس کا اس سے کیا تعلق۔ پہناوا انسان کی خواہشات و کردار کو ظاہر نہیں کرتا۔“

اپنی تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے اس کی سوچ صحیح تھی۔ ہندو معاشرے میں بھی بدن ڈھانپنے اور عریاں لباس سے احتراز برتنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ ایک ہندو کے روپ میں میں اسلامی تعلیمات کا پرچار نہیں کر سکتا تھا۔ تائید میں سر ہلاتے ہوئے میں نے وضاحت کی۔

”کہنے کا مطلب ہے آپ کے ہاں ایک غیر شادی شدہ عورت کو جنسی تعلقات رکھنے پر روک ٹوک نہیں کی جاتی۔“

اس نے منہ بنایا۔ ”تو تعلقات پسندیدہ شخص سے رکھے جاتے ہیں، کسی معاہدے کے حصول کو بدن کا دسترخوان نہیں

سجایا جاتا۔ میں فاحشہ (کال گرل) نہیں ہوں۔ ایسا ہوتا تو مسٹر شکلا ہی کی پیش کش قبول کر لیتی۔"

میں جان چھڑاتے ہوئے بولا۔ "وشال گپتا میرا باس ہے۔ ضروری نہیں کہ مجھ سے استفسار پر وہ بتا بھی دے جو ہو جائے۔ البتہ اپنی سی کوشش کروں گا۔"

"کبھی کبھی لگتا ہے تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔" اس نے بھولپن سے میری دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔

"ایسا کیوں؟" اپنی بدحواسی پر پردہ ڈالتے ہوئے میں نے بظاہر حیرانی ظاہر کی۔

وہ بے باکی سے بولی۔ "تمھاری آنکھوں میں مجھے ایسی کوئی خواہش نظر نہیں آتی جو یہاں ہر مرد کی آنکھوں سے جھلک رہی ہے۔"

"کیوں کہ میں چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتا ہوں۔ ایک ملازم کی اتنی اوقات نہیں ہوتی کہ وہ سچے خواب دیکھے۔ گناہ کرنے پر صفائی دی جاتی ہے۔ مگر تب مجھے گناہ نہ کرنے کی وضاحت دینا پڑی۔"

اس کا مترنم قہقہہ بلند ہوا۔ "خواہشات و خواب حیثیت و مرتبے کے تابع نہیں ہوا کرتے۔"

میں نے بات بدلی۔ "ضروری نہیں ایک لڑکی ہر مرد کے لیے باعث ترغیب ہو۔ پسند و معیار تو سب کا جدا جدا ہوتا ہے۔"

"خوب صورت عورتوں کے معاملے میں تمام جوان مردوں کی پسند لگی بندھی خواہش کے گرد ہی گھومتی ہے۔"

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "شکر ہے آپ نے خوب صورت کہا۔"

وہ قدرے برہم ہوئی۔ "تو میں بدصورت ہوں۔"

"سب کا وکیل نہیں ہوں کہ اپنی پسند کو بنیاد بنا کر آپ کی خوب صورتی یا بدصورتی کا پروانہ (سرٹیفکیٹ) جاری کروں۔"

اس نے موضوع تبدیل کیا۔ "تو امید رکھوں کہ کوشش کرو گے۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

اس کی استفہامیہ نظریں میری جانب متوجہ ہوئیں۔ میں نے کہا۔ "زیادہ تو نہیں جانتا مگر جہاں تک اندازہ ہے، ایکس آرون بہترین رائفل ہے۔ اگر شکلا صاحب کو خریداری میں دلچسپی نہیں تھی تو آپ کہیں اور گاہک ڈھونڈ لیتیں۔ بلکہ براہ راست بکرم سنگھ سے بھی رابطہ کیا جا سکتا تھا۔"

مجھے ٹالتے ہوئے بولی۔ "تمھاری کھوپڑی میں جو چھوٹا سا دماغ ہے، اس پر زور نہ دینا مفید رہے گا۔"

"حیرانی ہے کہ میری کم علمی سے آگاہی کے باوجود مجھے اتنی اہم ذمہ داری سونپنے چلی آئیں۔"

وہ طعنہ زن ہوئی۔ "تمھاری استاد ہوں، میرا کام تمھاری پہلی ترجیح ہونا چاہیے۔"

میں نے منہ بنایا۔ "اس سکھلائی کے پس پردہ آپ کا ذاتی مفاد ہے۔"

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے مجھ پر شاکی نگاہ ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"اپنی سی کوشش کروں گا۔" میں نے باآواز بلند کہا۔ مگر وہ رکی نہیں تھی۔

میں رات گئے تک جاگتا رہا۔ لورا کی رضامندی میری سمجھ سے باہر تھی۔ آخر ایسی کون سی مجبوری تھی کہ وہ اتنا خطرہ مول لینے پر تیار ہوئی تھی۔ آرمی چیف کی موت چھوٹا معاملہ نہیں تھا۔ بعید نہیں تھا کہ ایجنسیوں کی تحقیقات کا اختتام شکلا کی شخصیت پر جا کر ہوتا۔ اس میں لورا براؤن کی کمپنی کا نام آ جاتا تو عالمی عدالت کی طرف سے نہ صرف کمپنی کا لائسنس ضبط ہو جاتا بلکہ بھاری ہرجانے کے ساتھ کڑی سزا ملنے کا بھی امکان تھا۔

مجھے اپنی فکر بھی لاحق ہوئی۔اب بھاگنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔بس وشال گپتا کی تصدیق کا انتظار تھا۔گو جومی وہ ہدف کا انکشاف کرتا میں انکار میں سر ہلا سکتا تھا۔اس ضمن میں آسان بہانہ تھا کہ آرمی چیف پر گولی چلانا جرم کے علاوہ دھرتی ماتا سے غداری کرنے کے مترادف تھا۔لیکن اس راز پر مطلع ہونے کے بعد وہ مجھے زندہ جانے کی اجازت نہ دیتے۔اس لیے بہتر یہی ہوتا کہ میں دوران مشن بھاگنے کی کوشش کرتا۔اس طرح میں سنائپر رائفل بھی ساتھ لے جا سکتا تھا۔صرف لورا براؤن کا مسئلہ تھا۔اور اسے بے خبری میں بے ہوش کرنا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

اگلے دن لورا سے ملاقات نہ ہوئی۔یقیناً وہ خفا تھی۔میں نے بھی اس کے کمرے کا رخ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔صبح سبزہ زار پر بھاگتے وقت میں نے دور سے اسے تیراکی کرتے دیکھا تھا۔وہ صبح کے وقت باقاعدگی سے تیراکی کرتی تھی۔میں دوپہر کو یہ شوق پورا کرتا کہ صبح کے وقت اس کی موجودگی میں ایسا کرنا مناسب نہیں لگتا تھا۔دوسرا دوپہر کی گرمی میں تیراکی کا الگ ہی مزا تھا اور اس کے بعد بھوک بھی خوب کھل جاتی تھی۔

ہمارا اجتماع رات کے کھانے پر ہوا۔وشال گپتا اپنے منصوبے کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔کھانے کے بعد ہم نے لورا کے کمرے میں بند ہو کر وشال گپتا کا منصوبہ سنا تھا۔تفصیلات سنتے ہی میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔بکرم سنگھ،دھیر ندر شکلا کے ہاں کسی خاص تقریب میں شرکت کو آ رہا تھا۔وہاں اس نے ایک گھنٹا گزارنا تھا۔گھنٹے کے دوران ایک سنائپر کو اسے نشانہ بنانے کے کئی مواقع مل سکتے تھے۔حفاظت کا سخت انتظام تھا۔شکلا کی محل نما کوٹھی کے ایک کلومیٹر کی حدود میں آنے والی اونچی عمارتوں پر تو سخت پہرہ تھا۔اس سے زیادہ فاصلے کی عمارتوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔یوں بھی بکرم سنگھ کی آمد مخصوص افراد کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں تھی۔''شری پتی آرکیڈ'' عمارت کا فاصلہ شکلا کی کوٹھی سے ڈیڑھ کلومیٹر کے بہ قدر تھا۔اس کی اونچائی پانچ سو فٹ یا ڈیڑھ سو میٹر تھی۔45 منزلہ عمارت کی چھت سے دکھاؤ کے عمدہ آلات کی موجودگی میں دھیر ندر شکلا کی کوٹھی کا سبزہ زار واضح نظر آ سکتا تھا۔منصوبہ بے داغ تھا۔ایک اچھے سنائپر کو وہاں سے نشانہ سادھتے ہوئے ذرا بھی دقت نہ ہوتی۔فائر کرنے بعد فرار ہونا بھی مشکل نہیں تھا۔انڈیا کی پولیس یا ایجنسیاں اتنی تیز رفتار نہیں تھیں کہ آناً فاناً عمارت کو گھیر لیتیں۔

وشال گپتا نے ایک وڈیو کے ذریعے ضروری جگہوں کی وضاحت کی۔لورا بھی سب کچھ دلچسپی سے سنتی رہی۔میں نے ایک دم اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی تھی۔شری پتی آرکیڈ سے فرار ہونا بھی اتنا مشکل نہیں تھا۔

جتنی مشکلات میں سوچے ہوئے تھا۔شکلا کا شکار اس سے کئی گنا آسان ثابت ہو رہا تھا۔پورا منصوبہ دشمن نے خود ترتیب دیا تھا،ہتھیار بھی مہیا کر رہا تھا اور ہدف سامنے بٹھا کر نشانے بازی کی دعوت بھی دے رہا تھا۔میں اب بھی ناشکری کرتا تو یقیناً مجھ سے بڑا بد بخت کوئی نہ ہوتا۔

ہم کافی دیر منصوبے کی نوک پلک سنوارتے رہے۔کئی جزئیات زیر بحث لائیں۔اور آخر کار کارروائی کی ترتیب پر متفق ہو گئے۔لورا نے مجھے فائر کے لیے تیار کر کے واپس لوٹ آنا تھا۔

مقررہ دن سہ پہر ڈھلے ہم شری پتی آرکیڈ میں پہنچ چکے تھے۔ رہائشی فلیٹوں پر مشتمل اونچی عمارت میں لوگ۔
آمدورفت جاری تھی۔ ہمارے لیے پینتالیسویں منزل پر ایک فلیٹ مخصوص تھا۔ جس کا تعین ماضی طور پر کہیں کیا ہوا
لفٹ میں داخل ہو کر ہم نے آخری منزل کا بٹن دبایا، لفٹ میں دو تین اور افراد بھی موجود تھے۔ ایک
جوڑا، کسی تکرار میں لگا تھا۔ ان کی نوک جھونک نے ہمارے لبوں پر تبسم بکھیر دیا تھا۔ لورا کی سمجھ میں ان کی گفتگو
تھی۔ البتہ ہمیں ہنستا دیکھ کر اس کے ہونٹوں میں بھی خوشگوار کھنچاؤ آ گیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد ہم مطلوبہ فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ چابی میرے پاس موجود تھی۔ اندر گھس کر ہم نے
بند کیا۔ ایس آر دن اور سنائپنگ کے سامان کے تھیلے بیڈ پر رکھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ ہمیں چھت سے
تھا۔ لیکن کھڑکی سے شکلا کی کوٹھی کا جائزہ لیتے ہوئے لورا نے خیال ظاہر کیا۔ "چھت کے بجائے کھڑکی سے یہ کام زیادہ
رہے گا۔"

گو چھت سے فائر کرنا زیادہ آسان تھا۔ لیکن بہ ظاہر وہ میری استاد تھی اور میں جگہ کے انتخاب پر تکرار نہیں
تھا۔ البتہ سیکھنے کے بہانے پوچھنے میں مضائقہ نہیں تھا۔ "چھت سے کرا بہتر ہے؟"
اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ "سیکھ رہے ہو یا طنز کر رہے ہو۔" کیوں کہ کوشش کے باوجود میرے لہجے میں
استفسار کے بجائے معاصرانہ (ہم پیشہ، ہم رتبہ) عجب در آیا تھا۔
میں نے بات سنبھالی۔ "کیا اتنا اچھا بن گیا ہوں کہ آپ پر طنز کر سکوں۔"
"چھت پر فائر بہتر طریقے سے کر سکیں گے، مگر وہاں مداخلت کا دھڑکا لگا رہے گا۔ اور یقیناً ہدف کی قریبی چھت
پر تعینات محافظوں کے پاس شب دید آلات موجود ہوں گے۔" اس نے کشادہ دلی دکھاتے ہوئے وضاحت کی۔ یہ بات
میری نظر سے بھی اوجھل نہیں تھا۔

"کیا اتنی بلندی سے فائر کرتے ہوئے کوئی احتیاط وغیرہ نہیں رکھی جاتی۔" میں نے بلندی و پستی (اپ ہل، ڈاؤن ہل
) سے فائر کرتے وقت رینج میں ہونے والی امکانی کمی کی طرف اسے متوجہ کیا۔ شری پتی آرکیڈ کی بلندی 150 میٹر تھی۔ تو
اتنی بلندی سے فائر کرتے ہوئے فارمولے کے مطابق اصل فاصلے سے کم رینج لگنی تھی۔
مجھے گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شکوک کی لہریں نمودار ہوئیں۔ "تمھیں کیسے معلوم کہ اونچائی سے فائر کرتے
ہوئے ایسی احتیاط برتی جاتی ہے۔"
"ایسا کب کہا۔" میں گڑبڑا گیا تھا۔ "آپ نے فائر پر اثر انداز ہونے والے امور کے بارے اتنی جزئیات کا ذکر
کیا تھا۔ تبھی یہ پوچھ بیٹھا۔"
مجھے چند لمحے گھور کر اس نے گہرا سانس لیا اور بیگ سے زاویہ پیما نکال کر مجھے بلندی و پستی کا زاویہ ناپ کر رینج میں کمی

کرنے کے طریقہ کار کے بارے سکھانے لگی۔ چند الٹے سیدھے سوال کر کے میں نے سمجھ جانے کا عندیہ دے دیا۔
رات کے وقت دکھاؤ کے حالات سنائپنگ فائر کے لیے ہرگز موزوں نہیں ہوتے۔ لیکن شکلا کی کوٹھی میں اتنی تیز
روشنیوں کا بندوبست کیا گیا تھا کہ دن کا سماں تھا۔ یوں بھی ایس آرون کی ٹیلی اسکوپ سائیٹ کے اندرونی منظر کو روشن کرنے کو
بھی سائیٹ میں خصوصی بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے رات کے وقت بھی سنائپر ہدف کو نشانہ بنا سکتا تھا بشرطہ ہدف
کسی روشن جگہ موجود ہوتا۔ اس کے باوجود وشال گپتا نے مسٹر بکرم سنگھ کی نشست کی اچھی طرح نشان دہی کر دی تھی۔ شکلا
نے اپنی جگہ بکرم سنگھ سے چند نشستیں دور رکھی تھی۔ اس سے اس کی بہادری و دلیری پر روشنی پڑتی تھی۔ ویسے بھی شکلا جیسے
لوگوں کو میں نے عموماً بزدل و ڈرپوک ہی پایا ہے۔
یقیناً اس کے تیس بکرم سنگھ سے فاصلہ بڑھانے سے گولی کے اس تک پہنچنے کا امکان نہ رہتا۔ لیکن یہ احتیاط برتتے
وقت وہ یہ بھول گیا تھا کہ موت و زندگی کے فیصلے ہماری تدابیر و چالوں کے مرہون منت نہیں ہوتے۔ یہ اختیار تو اس بااختیار
کے قبضہ قدرت میں ہے جس کے سامنے کوئی رکاوٹ، منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ جو چاہے وہی
ہوتا ہے۔ زندگی دینے پر آئے تو موت خود محافظ بن جائے۔ اور موت کا ارادہ کرے تو حفاظت کا ہر اقدام موت کا پھندہ
ثابت ہو۔
شکلا نے بکرم سنگھ کے قتل کا منصوبہ سوچا ہوا تھا اور میں شکلا کی زندگی کے درپے تھا۔ جبکہ مقدر بنانے والا فیصلہ کر چکا تھا
کہ کس کی چال نے کامیاب ہونا تھا۔
''تمھیں مطلوبہ کرسی پر رائفل قائم (فکس) کر دیتی ہوں۔ بس ہوا کا خیال رکھنا ہے کہ تیز ہو جائے تو ڈیفلکشن میں
مناسب تبدیلی کر دینا۔ یقیناً تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔'' اس نے امید بھرے لہجے میں تصدیق چاہی۔
''فکر نہ کریں مادام۔'' میں نے اعتماد ظاہر کیا۔
مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے اس نے لکڑی کی میز کھڑکی کے سامنے رکھی۔ اور ایس آرون کو جوڑنے لگی۔ میں
بھی ہاتھ بٹانے کو قریب ہو گیا تھا۔ میرے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مدہم تبسم ابھرا۔
''کبھی کبھی لگتا ہے تم بہت پہلے سے یہ جانتے ہو۔''
میں جلدی سے بولا۔ ''آپ نے سکھایا ہی اتنے عمدہ طریقے سے ہے کہ کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔''
وہ کھل کھلا کر ہنسی۔ ''تمھاری وضاحتیں میرے شکوک کو مزید پختہ کر دیتی ہیں۔''
میں نے تعجب ظاہر کیا۔ ''کیسا شک۔''
''یہی کہ تم پہلے سے سنائپر رائفل کا استعمال جانتے ہو۔''
میں نے منہ بنایا۔ ''اور آپ سے چھپانے کی وجہ۔''
''یہی کرید تو مجھے بھی ہے۔'' وہ ہار ماننے پر تیار نہیں تھی۔
میں نے ٹیلی اسکوپ سائیٹ لگا کر گھٹنے قالین پر ٹیکے اور ایس آرون کا بٹ کندھے میں پھنسا لیا۔ شکلا کی کوٹھی کا منظر
میری آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ بہت سارے ملازم بندوبستی کارروائیوں میں مصروف تھے۔
لورا نے فاصلہ ناپنے والے آلے (لیزر رینج فائینڈر) سے ہدف کا فاصلہ ناپا۔ ''1475۔'' فاصلہ بتا کر اس نے
یہ پیا اٹھا لیا۔ رائفل کا بٹ میرے کندھے میں ہونے کی وجہ سے اٹھ گیا تھا۔ اور نال (بیرل) کا رخ ہدف کی طرف
زاویہ پیا سے اس نے پستی کا زاویہ دیکھا اور کیلکولیٹر پر انگلیاں مار کر مجھے ایلیویشن بتا دی۔
ایلی ویشن ناب گھما کر میں مطلوبہ رینج لگانے لگا۔ کھڑکی سے ہاتھ نکال کر وہ باد پیما (ونڈ میٹر) سے ہوا کی رفتار ناپنے

گی۔

''عشاریہ پانچ کلومیٹر۔'' اس نے فی گھنٹہ ہوا کی رفتا بتائی۔ جو اتنی کم تھی کہ ڈفلیکشن ریڈنگ پر کوئی اثر نہیں پڑ رہی تھی۔

ایلیویشن کا جائزہ لے کر اس نے مجھے پیچھے ہونے کا اشارہ کیا اور خود رائفل کے پیچھے بیٹھ کر شست سادھنے لگی۔ پھر ہو کر اس نے بٹ میز پر ٹکایا اور جانے کے ارادے سے کھڑی ہوگئی۔

''مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی ہے۔ گھنٹے، آدھ گھنٹے تک مسٹر بکرم سنگھ پہنچ جائے گا۔ تیزی دکھانے کی بالکل ضرورت نہیں خوب اطمینان وسکون سے لبلبی دبانا۔

''بے فکر رہیں مادام۔'' میں نے اعتماد ظاہر کیا۔

''نجانے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تم بڑی آسانی سے یہ کر لو گے۔ اور اس وضاحت کی ضرورت تو یقیناً نہیں ہوگی۔ مسٹر بکرم سنگھ کی موت میرے لیے نہایت ضروری ہے۔''

''استاد کو اپنے شاگرد پر اعتماد ہونا چاہیے۔''

''تمھاری کامیابی میرے لیے بڑے معنی رکھتی ہے۔ اور سچ کہوں تو میری انگلی سیکڑوں بار لبلبی دبا کر کمپیوٹنگ کی جگہ لے چکی ہے۔ مگر اس قتل پر میرا ضمیر مطمئن نہیں ہو رہا تبھی جا رہی ہوں۔ ورنہ یہ نہایت آسان ہدف تھا۔''

''کہا ناں یہ مجھ پر چھوڑ دو۔'' میں نے تسلی دی۔

''مسٹر گپتا نے تمھیں کتنا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا ہے؟''

''پانچ لاکھ۔''

اس نے فراخ دلی سے اعلان کیا۔'' کامیاب ہو جاؤ، اتنی ہی رقم میں بھی دوں گی۔''

اس کی احتیاط کی تاکید اور انعام کی ترغیب پر میرے منہ سے نادانستگی میں نکلا۔''اگر انعام میں ڈیٹ پر جانے کا وعدہ بھی شامل ہو جائے تو سو فیصد کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔'' ایسا میں نے بہ طور مزاح وشرارت کہا تھا ورنہ مجھے ان مسائل سے کوئی غرض نہیں تھی۔ نہ بکرم سنگھ پر گولی چلا کر میں حماقت کا ثبوت دے سکتا تھا۔ میرا ہدف رندھیر سنگھ کا وجود تھا۔ اور اس کی ہلاکت کے بعد میں نے وقتی طور پر غائب ہونا تھا۔ جونہی معاملہ ٹھنڈا ہوتا، پرما انصاری کو اس کی مرضی سے یا زبردستی پاکستان لے جانا تھا۔

ایک دم اس کے چہرے پر تحیر ابھرا۔ آنکھوں میں گہرے شک کی پرچھائیاں نمودار ہوئیں۔ مجھے لگا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ افغانستان میں وائرلیس پر بات کرتے ہوئے میں اسے کئی بات ڈیٹ پر جانے کا کہہ چکا تھا۔ اور انداز بھی بعینہ یہی ہوا کرتا تھا۔ شرارتی ومزاحیہ۔

اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔''کون ہو تم؟''

جواب دینے سے پہلے دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ میں اس جانب متوجہ ہوا۔ دروازے میں چابی گھومنے کی آواز کے ساتھ ایک دم دروازہ کھلا اور چار افراد دندناتے ہوئے اندر آئے۔ تمام کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں، جن پر ''ریڈ ڈاٹ سائیٹ'' لگی ہوئی تھی۔ (ریڈ ڈاٹ ایسی سائیٹ ہے جو فائرر کو نشانہ سادھنے میں بے حد سہولت دیتی ہے۔ اس کا سرخ نقطہ ہدف سے ملا کر لبلبی دبا دو گولی ضائع نہیں جاتی)

کرخت لہجے میں کہا گیا۔'' ذرا سی حرکت پر بدن میں اتنے سوراخ ہوں گے کہ شمار ممکن نہ ہوگا۔''

گو الفاظ لورا کی سمجھ میں نہیں آئے تھے کہ ہندی میں دھمکایا گیا تھا، لیکن کلاشن کوفوں کے خوفناک دہانے اور ان کا

اندازسب کچھ بار کرانے کو کافی تھا۔

"یہ کیا ہے ہو گیا ہے؟" لورا نے ڈھنگ انداز اختیار کیا۔

"بے بی اختر کی تفصیل تمھیں بہت ساری اداؤں سے ... [illegible]

ہوئے انگریزی زبان میں ہدایت جاری کی۔ اس کا لہجہ ... [illegible]

خصوصی ایجنٹ کرن چاولہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں ... [illegible]

لورا پھیکے لہجے میں بولی۔ "تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے ... [illegible]

کرن چاولہ استہزائی لہجے میں بولا۔ "ہماری غلط فہمی دور کرنے کو تمھیں کافی وقت دیا جائے گا۔"

لورا ہکلائی۔ "م... مجھے پھانسا جا رہا ہے۔"

"نہیں بے بی! تم پھنس چکی ہو۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ لورا کے قریب ہوا۔ اس نے ہاتھ میں پلاسٹک کی مخصوص ہتھکڑی تھی۔ مجھے لگا اس نے غلطی کی ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے آدمی اور لورا کے درمیان آ رہا تھا۔ ... [illegible] بے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہوتی۔ لورا جیسی سنائپر جو عملی زندگی میں رگڑا کھا چکی ہو، سے بعید تھا کہ فرار کی کوشش نہ کرتی۔ میں بھی حرکت میں آنے کو تیار ہو گیا تھا۔ ایک بار میرے ہاتھ کی رسائی اپنے پستول تک ہو جاتی اس کے بعد بازی پلٹنا مشکل نہ رہتا۔

کرن کے قریب ہوتے ہی حسب توقع لورا نے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ میں بھی ایک دم چوکس ہو گیا تھا۔ لورا کی حرکت کے ساتھ میرے بازو نیچے ہوئے، لیکن اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ ہولسٹر تک پہنچ پاتا لورا ہوا میں اڑتے ہوئے مجھ سے آ ٹکرائی۔ کرن نے اسے گھما کر میری طرف پھینکا تھا۔ ہم دونوں گر گئے تھے۔

وہ استہزائی انداز میں بولا۔ "شاید تمھیں معلوم نہیں کرن چاولہ ان شعبدوں سے متاثر ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔"

ہمارے سنبھلنے سے پہلے کلاشن کوفوں کی نالیں (بیرل) ہماری گردن سے لگ چکی تھی۔ دو آدمیوں نے ہمیں زد میں لے رکھا جبکہ دو تلاشی لینے لگے۔

لورا کی تلاشی لینے والے نے ذرا بھی رعایت نہیں برتی تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی باریک بینی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لورا کے گریبان سے ایک چھوٹا سا پستول برآمد ہوا تھا۔ میرا گلاک بھی ان کے قبضے میں آ گیا تھا۔ کلائی کی گھڑی کے علاوہ انھوں نے میرے پاس کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ گھڑی کے بچ جانے پر میں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ وہ گھڑی مِتا باجی کی نشانی تھی۔ جو انھوں نے بہ طور راکھی میری کلائی پر باندھی تھی۔ گو مسلمانوں میں راکھی باندھنے کا رواج نہیں اور نہ میرا اس پر یقین ہے۔ لیکن اس رسم کے پیچھے جو پاکیزہ و مقدس محبت کا احساس پنہاں تھا اس کا کوئی بدل نہیں تھا۔ ہمارے ہاتھ پشت پر جکڑ دیے گئے۔

"کیا حال ہے سندیپ چوپڑا۔" اس نے شہادت کی انگلی سے میری ٹھوڑی اٹھائی۔

"سس... سس سر غلطی ہو گئی شما کر دیں۔" میں نے گڑگڑانے میں تیزی دکھائی کہ موجودہ روپ اسی عاجزی کا متقاضی تھا۔

کرن چاولہ کا قہقہہ بلند ہوا۔ "تمھاری بڑی تعریف سنی تھی۔ کیا بکری کی طرح میں میں شروع کر دی ہے۔"

"م... میں لالچ میں آ گیا تھا سر!" اس کا معنی خیز انداز عجیب لگنے کے باوجود میں اداکاری پر تلا رہا۔

"کس کو نشانہ بنانے کا ارادہ تھا۔" وہ نپے تلے قدم رکھتا ہوا ایس آر ون کے قریب پہنچا۔ اور ٹیلی اسکوپ سائیٹ

سے آ گھلا گائی۔بم نہیں ہے۔
جائزہ لے کر وہ دوبارہ میرے سامنے آیا۔''شکلا صاحب کی کوٹھی تک کتنا فاصلہ ہے۔''
میں دھیرے سے بولا۔''پندرہ سو میٹر۔''
اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔''اور تم تو دو اڑھائی کلومیٹر تک نشانہ بنانے کی اہلیت رکھتے ہو۔''
میرے چہرے پر حیرانی نمودار ہوئی۔اس کا طنزیہ و استہزائی لہجہ اور لورا سے زیادہ مجھے اہمیت دینا ششدر کرنے والا تھا۔
اس نے لمحہ بھر توقف کر کے جواب کا انتظار کیا اور پھر میرے سر پر بم پھوڑا۔''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں راجا ذیشان حیدر؟''
''آ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔میرا نام سندیپ چوپڑا ہے۔''میں نقلی شناخت پر مُصر رہا۔
''مجھے غلط فہمی ہو سکتی ہے تیری کا نت کو نہیں۔''(یقیناً قارئین کو تری کانت یاد ہو گا جو امریکہ میں سنائپر کورس کے دوران سرداری گولی سے زخمی ہوا تھا)
میری آنکھوں میں بے چینی ابھری۔کرن چاولہ زہرخند ہوا۔''صحیح سوچ رہے ہو،تم ابتداء ہی سے ہماری نظر میں ہو۔مجھے تبھی محسوس ہو گیا تھا کہ بیڈ کے نیچے کوئی نرگ واسی (جہنمی) چھپا ہے۔بس کچھ سوچ کر مہلت دی تھی۔''
وہ لورا کو مخاطب ہوا۔''بے بی!تم کیوں کو کمینے مسلسل گھور رہی۔بزدل پاکستانی جاسوس مجھ سے خوب صورت تو نہیں ہے۔''
یقیناً اسے لورا کے گھورنے کا اندازہ نہیں تھا۔
''میں نے کوئی جرم نہیں کیا،مجھے جانے دو ورنہ جواب دہی تمھارے لیے مشکل ہو گی۔''
کرن متبسم ہوا۔''ملک کے سپہ سالار کے قتل کی منصوبہ بندی کرنا اور سنائپر رائفل کے ساتھ یوں رنگے ہاتھوں گرفتار ہونا کہ رائفل سپہ سالار کی کرسی پر قائم (فکس) کی گئی ہو۔تمھاری نظر میں کوئی جرم نہیں ہے۔''
''یہ ثابت کرنا آسان نہیں ہو گا۔میں انڈیا میں رائفل کا سودا کرنے آئی ہوں اور بس ''
کرن چاولہ اس کی برہمی پر محظوظ ہوا۔''یہاں کیا کر رہی تھیں؟''
''مسز گپتا نے بلوایا تھا۔''لورا پہلے جھٹکے سے سنبھل گئی تھی۔
''پاکستانی جاسوس کی سہائتا (مدد) کرنا تمھاری مشکلات کتنی بڑھا چکا ہے اس کا اندازہ تمھاری سوچ سے بعید ہے۔''
''میں اسے نہیں جانتی۔''لورا مجھے پہچاننے سے مکر گئی تھی۔
کرن معنی خیز مسکراہٹ سے بولا۔''تو تربیت کیوں دے رہی تھیں۔''
''کوئی ثبوت۔''وہ انکار پر ڈٹی رہی۔
''بہت سارے ہیں۔''اطمینان سے کہتے ہوئے وہ اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔''بھاگنے والے کی لاش پا کر بھی تم سے باز پرس نہیں ہو گی،مگر کوئی نکل گیا تو ذمہ دار کی جان بھی ضرور نکلے گی۔''
''مسٹر کرن!یقیناً تم غلطی کر رہے ہو۔''لورا جان چھڑانے کی کوشش میں لگی رہی۔
''غلطی تو تم کر چکی ہو بے بی۔اب خمیازہ بھگتو۔اور یہ غلط فہمی بھی دل سے نکال دو کہ شکلا صاحب تمھاری مدد کر پائیں گے۔''
''پچھتاؤ گے۔''لورا ہار ماننے پر تیار نہیں تھی۔

اخلاقیات سکھاؤ گے۔"

میں ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گیا تھا۔ کم ظرف دشمن سے اچھائی کی توقع عبث تھی۔

لفٹ کی حرکت رکنے پر میری خلاصی ہو پائی تھی۔ دروازے کی طرف دھکا دے کر اس نے میری تشریف پر لات رسید کی، میں بہ مشکل گرنے سے بچا تھا۔

اپنی بے عزتی اور میری ٹھکائی کرا کر لورا براؤن کے منہ پر بھی ڈھکن لگ گیا تھا۔

ہمیں لیے وہ پارکنگ میں پہنچے جہاں کالے شیشوں والی ویگن کھڑی تھی۔ اندر بٹھا کر انھوں نے ہمارے سروں پر موٹے کپڑے کے نقاب چڑھائے، یوں کہ کچھ بھی نظر آنا ممکن نہیں رہا تھا۔

ہلکے سے جھٹکے سے ویگن آگے بڑھی اور نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہم گھنٹا بھر سفر میں رہے، اس دوران ٹریفک کی آواز، ہارن کا شور، انسانوں کی چیخ و پکار تسلسل سے ہماری سماعتوں میں گونجتی رہی۔ ویگن رکی اور لوہے کا بھاری دروازہ کھلنے کی آواز ابھری۔ ویگن آگے بڑھی، ہلکی سی چڑھائی کے بعد تھوڑا سا رینگی اور دوبارہ رک گئی۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر بے دردی سے باہر گھسیٹا۔ میرا گھٹنا بری طرح سیٹ سے ٹکرایا تھا۔

ایسا ہی کچھ لورا کے ساتھ بھی ہوا تھا کیوں کہ اس کا زوردار انداز میں۔ "وحشی، جانور۔" کہنا میری سماعتوں تک پہنچ گیا تھا۔ بے چاری کو دہری اذیت کا سامنا تھا۔ ایک جوان عورت جو خوب صورت بھی ہو، اسے قیدی بننے کے بعد کیا کچھ سہنا پڑ سکتا ہے اس کا اندازہ کرنے کو زیادہ عقل مند ہونا نہیں، صرف بالغ ہونا کافی ہے۔ اور جب قید کرنے والے اخلاقی اقدار اور شرم و حیا کے تقاضوں سے ناواقف ہوں تب تو تبصرے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

"تمھیں بدتمیزی کرنے کا کوئی حق نہیں۔" لورا نے جھلائے ہوئے لہجے میں احتجاج کیا تھا۔ یقیناً کسی کم ظرف شہدے نے ہاتھوں کی آوارگی سے اپنی غلیظ سوچوں کو اجاگر کیا تھا۔

ہلکے سے قہقہے کے ساتھ مکروہ ارادہ ظاہر ہوا۔ جو یقیناً لورا کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ ہندی میں کیا گیا تھا۔

"کتی کے بچے، غلیظ سور......" لورا کے ہونٹوں سے مغلظات نکلیں۔ جو ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ فراخ دلی سے اوباش فطرت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ مجھے لورا براؤن سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ دھیر ندر شکلا جیسے بڑے شخص کو دھتکارنے والی نچلے درجے کے ملازموں میں پھنس گئی تھی۔ گو ان کا حوصلہ دست درازی سے آگے نہ بڑھتا، مگر ایسی گھٹیا حرکتوں کو برداشت کرنا بھی تو کسی عورت کے لیے کاردار ہوتا ہے۔ اور ان کے بڑوں کو تو یقیناً کوئی روک ٹوک نہیں ہونا تھی۔

دو تین موڑ مڑ کر ہمیں سیڑھیاں اترنا پڑیں۔ احتیاط سے قدم لیتے ہوئے میں سیڑھیاں گنتا رہا۔ بارہ قدمچوں کے بعد ہموار فرش شروع ہو گیا۔ دس پندرہ قدموں کے بعد ہمیں رکنے کی ہدایت ملی، تالے میں چابی گھومی اور دروازہ کھلنے کی آواز ابھری۔ کسی نے میری ہتھکڑی کھول کر سر سے غلاف ہٹایا، اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوا۔

میری آنکھوں کے سامنے قریباً چھے فٹ چوڑا اور دس فٹ لمبا کمرہ تھا۔ جس کے ایک کونے میں تین مربع فٹ کا پانچ فٹ بلند بیت الخلاء بنا تھا۔ باقی کمرہ ہر قسم کے ساز و سامان سے عاری تھا۔ میں پیچھے مڑا۔ داخلی دروازہ حوالات کی طرح لوہے کی مضبوط سلاخوں کا بنا تھا اور پوری دیوار جتنا چوڑا تھا۔ میرے محبس (قید خانہ) کے سامنے ہی لورا کا زندان تھا۔ دونوں کوٹھڑیاں ایک ہی حجم، ساخت اور ہیئت کی تھیں۔ درمیان میں تین فٹ کی گلی تھی۔ جو اتنی چوڑی تھی کہ ہم سلاخوں سے ہاتھ نکال کر ایک دوسرے کو با آسانی چھو سکتے تھے۔

وہ مجھے گھور رہی تھی۔ بھوری آنکھوں میں فکر مندی اور تشویش اس کی اندرونی حالت کا پتا دے رہی تھی۔ ہمیں لانے والے واپس جا چکے تھے۔

وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی اور پھر سلاخوں کے قریب کمرے کی داخلی دیوار سے ٹیک لگا کر پاؤں پسارتے ہوئے متنفر ہوئی۔ '' مجھے پھانسنے کی سازش میں تم بھی شریک تھے۔''

میں ہنسا۔ '' پھانسا مجھے گیا ہے محترمہ۔''

'' تو تم ایس ایس ہو۔'' اس کی نظریں کمرے کی چھت سے میرے چہرے پر منتقل ہوئیں۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ '' میرا نام راجا ذیشان حیدر ہے۔''

'' میجر ہیڈ ہنڈ سلے سے تمھاری بابت کافی معلومات ملی تھیں۔''

'' وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔''

وہ معنی خیز انداز میں بولی۔ '' صرف دوست۔''

'' ہاں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ '' ایسی مخلص دوست جس پر میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتا ہوں۔ جس کے میری ذات پر کئی احسان ہیں۔ اور جو مجھے اتنی ہی پیاری ہے جتنا کسی کو محبوبہ ہو سکتی ہے۔''

'' تم نے مجھے زندہ کیوں چھوڑا تھا، حالاں کہ تمھارے نشانے پر تھی۔'' یہ سوال اس نے مجھ سے تب بھی پوچھا تھا جب میں نک کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔ بلکہ بہ قول جینی میرا یہ فعل لورا کے نزدیک کسی خاص احساس کے تابع تھا۔

میں صاف گوئی سے بولا۔ '' کیوں کہ تم پر گولی نہ چلانے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اور ایک مسلمان کو وعدہ خلافی زیب نہیں دیتی۔''

اس نے انکشاف کیا۔ '' مجھے تم سے نفرت ہے۔''

میں نے صفائی دی۔ '' کیا لگتا ہے، میں نک کو چھوڑ دیتا تو موقع ملنے پر وہ بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کر پاتا۔''

'' یہ فلسفہ میرے دل سے تمھاری نفرت کا گراف کم نہیں کر سکتا۔''

'' مجھے تمھاری نفرت سے مسئلہ ہے نا محبت سے غرض۔ اتفاقاً ایک کشتی میں سوار ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہماری منزل بھی ایک ہے۔''

اس نے ارادہ ظاہر کیا۔ '' جب بھی موقع ملا میں نک کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

'' کوئی اور بات کرو۔'' بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے میں نے بھی دیوار سے ٹیک لگائی اور پاؤں پسار لیے۔

وہ برہم ہوئی۔ '' میری دھمکی تمھیں گیدڑ بھبکی لگ رہی ہے۔''

میں نے اسے موجودہ صورت حال کی طرف متوجہ کیا۔ '' تمھارے ساتھ آخر کیا مجبوری تھی کہ اس دلدل میں گردن پھنسالی۔''

وہ طعنہ زن ہوئی۔ '' تمھیں میری فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ شاید لفٹ میں طبیعت صاف نہیں ہوئی تھی۔''

میں نے اگلا سوال کیا۔ '' فوج کی نوکری کیوں چھوڑی۔''

اس نے دانت پیسے۔ '' تاکہ تمھیں ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا سکوں۔''

میں ہنسا۔ '' ڈھونڈا تو تمھیں میں نے ہے۔ بلکہ اپنا استاد بھی بنا لیا ہے۔''

اس نے منہ بنایا۔ '' تربیت کی شروعات سے جانتی تھی کہ تم سنائپر ہو۔''

میں نے طعنہ کسا۔ '' جھوٹی۔''

'' بکواس بند کرو۔''

'' ٹھیک ہے مادام! اب جھگڑا چھوڑو اور اس صورت حال سے نکلنے کا حل سوچو۔''

اس کے چہرے سے ہٹا کر میں نے نظریں گھمائیں، دیواروں پر ایذا رسانی کے مختلف آلات لٹکے ہوئے تھے۔ چھت میں
کے مضبوط کڑے لگے تھے جن کے ساتھ زنجیریں لٹک رہی تھیں، جو قیدی کو لٹکانے کے لیے تھیں۔ چاروں طرف
دیکھ کر میں دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔
میری نظروں کو ... گفتگو کی ابتدا اس نے یوں کی گویا میرا انٹرویو لے رہا ہو۔
''کیا حال ہے جوان؟'' ... کا نقاب اتارنا غنیمت جانا تھا۔
''الحمدللہ۔'' میں نے منہ بسور کر بڑا کا نقاب اتارنا غنیمت جانا تھا۔
''الحمدللہ۔'' میں نے منہ بسورنے کے بجائے بس اتنا کہا، ''دو کر تمھاری انڈیا آمد کا مقصد کیا ہے؟''
''لمبی چوڑی تفصیلات میں پڑنے کے بجائے بس اتنا کہوں گا کہ''
''بتانے کا فائدہ، جب تم نے یقین ہی نہیں کرنا۔''
وہ ... متبسم ہوا۔ ''کوشش تو کرو۔''
وہ دوستانہ انداز میں ... ''ذاتی کام سے یہاں آیا ہوں۔ جاسوسی کا ارادہ ہے، نہ دہشت گردی مقصود ہے۔''
''ذاتی کام سے یہاں آیا ہوں۔ جاسوسی کا ارادہ ہے، نہ دہشت گردی مقصود ہے۔''
وہ مزاحیہ لہجے میں بولا۔ ''اور ذاتی کام کی نوعیت انڈین آرمی چیف کا قتل ہے۔''
''اگر میں تمھاری نظر میں تھا تو یقیناً اصل وجہ سے بھی واقف ہو گے۔''
''بدقسمتی ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''البتہ تمھارے مشن سے لاعلم ہوں۔''
''مجھے اپنے دشمن کی تلاش یہاں کھینچ لائی ہے۔''
''کون ہے؟''
''راج پال۔'' (راج پال امریکہ کورس میں ہمارے ساتھ تھا، بعد میں سردار کے ہاتھوں وزیرستان میں قتل
ہوا اب میں نے اسی کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا)
''راج پال؟'' اس نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔
میں نے کہانی گھڑی۔ ''شری کانت کے ساتھ یہ صاحب بھی امریکہ کورس میں ہمارے ساتھ تھا۔ بعد میں افغانستان
محاذ پر اس کی وجہ سے میری بیوی معذور ہوئی۔ اور اسے معلوم تھا کہ پلوشہ میری بیوی ہے تبھی اس نے گھٹیا حرکت کی۔
یقیناً بدلہ لینا میرا حق بنتا ہے۔''
مجھے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے اس نے نشست چھوڑی اور عقوبت خانے سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد
واپس آکر اس نے نشست سنبھالی۔
''کہانی اچھی گھڑی ہے۔''
میں پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔ ''کہا تھا، یقین نہیں کرو گے۔''
وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''اگر تمھارا خیال ہے، راج پال کی موت کی خبر بھارت سرکار تک نہیں پہنچی تو اسے سادگی کے
علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتا۔''
''راج پال کی موت؟؟؟'' میں نے گہرے تعجب کا اظہار کیا تھا۔
اس نے تنبیہ کی۔ ''جان بچانے کی کوشش میں خود کو مزید پھنسا رہے ہو۔ راج پال کا ذکر تمھیں اس کی موت کا ذمہ دار
ٹھہرا رہا ہے۔''
میں نے ڈینگ مارتے ہوئے ارادہ ظاہر کیا۔ ''اگر مر چکا ہے تو اللہ پاک کی قسم میرے ہاتھوں قتل نہیں ہوا۔ اور زندہ
ہے تو میری زندگی کی صورت میں اس کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہے۔''
وہ فلسفیانہ لہجے میں بولا۔ ''برخوردار! خالی خولی قسموں کو ثبوت نہیں مانا جاتا، بلکہ تمھارے مذہب میں بھی ملزم کو قسم

کھانے کے بل بوتے پر بے گناہ تصور نہیں کیا جاتا۔"

میں نے پوچھا۔" کیسے یقین آئے گا؟"

وہ اطمینان سے بولا۔" سچ سن کر۔"

میں نے اختیار کی مار دینا چاہی۔" سچ تو بتا دیا ہے، اب کون سا جھوٹ سننا ہے اس بارے رہنمائی کر دو، ویسے نا

دیدہ تسلیم کر دوں گا۔"

" سلطان دادا سے کیا تعلق ہے؟"

" کوئی نہیں، صرف سر چھپانے کو ٹھکانہ چاہیے تھا۔"

" جانتے ہو تم نے کتنے افراد کو قتل کیا تھا۔"

" قتل میرے مرنے والے ساتھی نے کیے تھے، میں بے قصور ہوں۔"

وہ کھل کھلا کر ہنسا۔" جس کے ہاتھ میں تم نے پستول پکڑا یا تھا اس کے گرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ گولی چلانے والا

نہیں ہے۔ ایک نظر ڈال کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اصل قاتل کوئی اور ہے۔ تبھی تمھیں وہاں سے نکلنے کا موقع دیا تاکہ

تمھارا مشن کھل جائے۔"

" آپ جو سمجھیں، میرا بیان یہی ہے کہ گولی چلانے والا میں نہیں ہوں۔"

" عام آدمی یوں درست فائر نہیں کر سکتا، ایسا کوئی پیشہ ور سنائپر ہی کر سکتا ہے۔ جو تم ہو۔"

میں نے رد کیا۔" سنائپر مخصوص رائفل سے اچھا فائر کر سکتے ہیں، پستول سے نہیں۔"

" میں نہیں مانتا عام مجرم اتنے منضبط طریقے سے ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں۔ تمھیں یہاں

پہلے سے موجود جاسوسوں کی مدد حاصل تھی۔ اور بہتر ہوگا تمام جاسوسوں کے ٹھکانے اگل دو۔"

" جب جاسوس پکڑا جاتا ہے تو کیا اس کے ساتھی اپنے ٹھکانوں پر ٹکے رہتے ہیں۔"

معنی خیز مسکراہٹ سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔" یقیناً ایسا نہیں ہوتا۔ البتہ اپنے قتل ہونے والے ساتھیوں کی خبر پر

ٹھکانے تبدیل کرنے کی ضرورت کم ہی محسوس کی جاتی ہے۔"

میں نے سلطان دادا کے اڈے اور اس سے متصل ہوٹل کے بارے صاف گوئی سے اگل دیا۔ اس کے ساتھ ہی

دماغ میں ممتا باجی کا معصوم چہرہ لہرایا اور میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ یقیناً میرے وہاں چھپنے سے وہ ناواقف نہیں

تھے۔ اور اگر تفتیش کے نام پر وہ باجی کو بھی پکڑ لیتے تو یقیناً اس سادہ گھریلو عورت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اور

اس پر یہ مصیبت میری وجہ سے ٹوٹنا تھی۔

" تمھارے اور گوپال (ڈینو) کے ٹھکانے جانتے ہیں۔ ہمیں دیپک کا ٹھکانہ بتاؤ۔" ڈینو کے ساتھ شہید ہونے

والے مجاہد کا شناختی نام دیپک تھا۔ یقیناً اس کے اصل نام سے کرن بھی ناواقف تھا۔ بلکہ اسے تو ڈینو کا نام بھی معلوم نہیں

تھا۔ البتہ میرا نام اسے شری کانت سے معلوم ہو گیا تھا۔ وہ منحوس جانے کہاں سے ٹپکا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔" معلوم ہوتا تو بتا دیتا۔"

کرن کا استفسار جاری رہا۔" تمھارے پاس ان کے رابطہ نمبر ہوں گے۔"

میں نے بے دھڑک پیش کش کی۔" میرے موبائل فون کو کھنگال سکتے ہو۔"

گردن ٹیڑھی کر کے اس نے ہاتھوں کو آپس میں مسلا، ترچھی نظر سے دیوار پر لٹکے چمڑے کے ہنٹر کو لمحہ بھر گھورا اور

پھر گہرا سانس لے کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔" تو تم نے طے کر لیا ہے۔"

میں نے بے چارگی ظاہر کی۔ ''ملے تو تم نے کرنا ہے۔ مجھے تو سہنا ہوگا۔'' البتہ دلی طور مجھے اطمینان محسوس ہونے لگا تھا
کہ اس نے ستارہ دیدی کے ٹھکانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔
وہ زہرخند ہوا۔ ''تم چند منٹوں میں سب کچھ اگل دیتے، مگر میں بے بس ہوں۔''
اس کی بات نے مجھے چونکا دیا تھا، لیکن بے نیازی ظاہر کیے بیٹھا رہا۔
''گوتم۔'' وہ نشست چھوڑتے ہوئے کھڑا ہوا۔
''جی سر۔'' دیوار کے ساتھ کھڑا مضبوط تن و توش کا کرخت صورت شخص ہوشیار (اٹن شن) ہو گیا تھا۔
''یار! میرے ہاتھ تو بندھے ہیں، تمھی کسی طریقے سے اگلوا لینا۔ ہدایت یہی ہے کہ پیار محبت سے پوچھنا۔ بلکہ یہ
درخواست سمجھو کہ اسے جسمانی اذیت نہ دینا۔ میرا مطلب میں درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ تم میرے نہیں سرکار کے
ملازم ہو۔'' وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''ذیشان صاحب اجازت چاہوں گا۔'' اور لمبے ڈگ رکھتا باہر نکل گیا۔
گوتم کی تیز نظریں مجھ پر گڑی تھیں۔ نپے تلے قدم رکھتا ہوا وہ میرے قریب پہنچا۔ ''پہلا مجرم دیکھا ہے جس پر کرن
صاحب اتنے مہربان نظر آ رہے ہیں۔'' میں خاموش رہا کہ ان کے رویے کا سرپیر میری سمجھ سے باہر تھا۔
''خیر یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ ان کی مجبوری میرے قدموں کی زنجیر نہیں بن سکتی۔ اس لیے ہم کھیل جاری رکھتے
ہیں... تمھارا نام۔''
میں شرافت سے بولا۔ ''ذیشان حیدر۔''
''عہدہ؟'' (رینک)
''سپاہی۔''
''انڈیا آمد کا مقصد؟'' اس کے سوال جاری رہے۔
''اپنے دشمن کا خاتمہ۔''
وہ برہم ہوا۔ ''دوبارہ پوچھ رہا ہوں۔ انڈیا آمد کا مقصد؟''
''جتنی بار پوچھو گے یہی جواب ملے گا کہ اس کے علاوہ بتانے کو کچھ نہیں ہے۔''
اس کا ہاتھ گھوما۔ ''چٹاخ۔'' کی آواز سے عقوبت خانہ گونج اٹھا تھا۔ ''اب بتاؤ انڈیا کیوں آئے ہو۔''
''بتا چکا ہوں۔''
''حقیقت تیرا باپ بھی اگلے گا چتر۔'' اس نے مجھے مسلسل تھپڑوں پر رکھ لیا تھا۔ میں نے سختی سے دانت بھینچ لیے تھے
ورنہ خدشہ تھا کہ میرے جبڑے اتر جاتے۔ ہونٹوں کی اندرونی کھال پھٹ گئی تھی اور منہ میں نمکین ذائقہ پھیل گیا
تھا۔ تھپڑوں کی بارش رکتے ہی میں نے خون ایک طرف تھوک دیا۔ ہونٹ اندر سے پھٹ گئے تھے۔
''سربن! زنجیر نیچے کرو۔'' اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی۔
''جی استاد جی۔'' کہہ کر وہ ایک چرخی گھمانے لگا جس کے ساتھ زنجیر لپٹی تھی۔
زنجیر نیچے آتے ہی اس نے کرسی کے ہتھوں سے میری کلائیاں آزاد کر کے زنجیر کے حلقوں میں جکڑ دیں۔ چھت میں
جڑے کڑے کرسی سے ہٹ کر جڑے تھے۔ میرے پاؤں بھی آزاد کر کے انھیں عین کڑوں کے نیچے کھڑا کیا اور سربن
چرخی گھمانے لگا۔ جلد ہی میرے ہاتھ اوپر اٹھ گئے تھے۔
گوتم نے میری قمیص پھاڑ کر میرا بالائی جسم برہنہ کر دیا تھا۔
''روی تمھاری باری۔'' اس نے کالے ڈشکرے کو آواز دی۔

لذت بھرے انداز میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے دیوار پر لگا ہنٹر اتارا اور لہرا
میں لہرایا۔ "شڑاپ... شڑاپ..." کی بھیانک آواز نے مجھے آنے والے پر اذیت لمحات کی آگاہی دی۔ لیکن وہ عذاب
مقدر میں تھا۔ مجھے ذرا بھی یقین ہوتا کہ اصل بات اگل کر میں اپنا پیچھا چھڑا سکتا ہوں تو بتا دیتا۔ مگر یہ خام خیالی
تھی۔ بلکہ اتنا مجھے جان کے لالے پڑ چکے تھے۔

روی کے ہنٹر پکڑنے کا انداز واضح کر رہا تھا کہ وہ اس میدان کا کھلاڑی تھا۔

گوتم کا۔ "انکار کس بات کا ہے۔" سنتے ہی اس نے چند قدم دور سے ہاتھ لہرا کر میری طرف بھاکا۔

اذیت کی شدید لہر اٹھی، کوشش کے باوجود میں اپنی کراہ نہیں روک سکا تھا۔ ہنٹر کی رسائی پیٹھ کے ساتھ پیٹ کے کچھ حصے تک پہنچی تھی۔ عقب کا تو معلوم نہیں البتہ پیٹ پر گہرے سرخ رنگ کی لکیر ثبت ہو گئی تھی۔ لگتا تھا کسی نے خنجر کی نوک سے لکیر کھینچ کر اندر سرخ مرچیں بھر دی ہوں۔

روی کا ہاتھ تسلسل سے چلنے لگا۔ ظالم کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا مجھ سے پرانی دشمنی ہے۔ میں نے سختی سے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، لیکن رہ رہ کر سسکی و کراہیں ہونٹوں سے پھسل جاتی تھیں۔ چند منٹوں میں میرے پیٹ پر بھی بھائیں (کوڑے لگنے کے نشان جو سرخ لکیروں کی صورت ظاہر ہوتے ہیں) پھیل گئی تھیں جن سے ہلکا ہلکا خون رسنے لگا تھا۔ پیٹھ کا تو جانے کیا حال تھا۔

اور پھر درد سے بے حال ہو کر میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ لیکن مدہوشی کا یہ وقفہ بہت مختصر تھا۔ ایک دم لگا پیٹھ پر تیزاب پھینکا گیا ہو۔ درد بھری کراہ سے میری آنکھ کھلی۔ وہ میری پیٹھ پر نمک چھینک رہے تھے۔ زخموں میں پہلے مرچیں بھری تھیں اب نمک نے تکلیف کو زیادہ کر دیا تھا۔

"کچھ یاد آیا۔" گوتم نے سامنے آ کر پرسکون انداز میں پوچھا۔

ہونٹ بھینچے ہوئے میں ناک سے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"جوان یاد رہے، سب کچھ اگلنا پڑے گا۔ اس سے پہلے تمھیں مرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ تو بہتر ہے اذیت جھیلنے کے بغیر ہی سب کچھ بک دو۔"

میں کراہتے ہوئے بولا۔ "تم صرف اذیت رسانی کا شوق پورا کر رہے ہو۔"

وہ اطمینان سے بولا۔ "تمھیں جھٹلا نہیں سکتا، البتہ سچ بتا دو تو تھوڑے ہی پر اکتفا کر لیں گے۔ ضروری تو نہیں ہمیشہ شوق پورا ہو۔"

میں نے بے بسی ظاہر کی۔ "سچ، جھوٹ کی پہچان کیسے ہوگی۔"

"اتنا تجربہ تو رکھتے ہیں بالک۔"

"سچ تو بتا چکا ہوں جو تم مان ہی نہیں رہے۔"

وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہوا۔ "بھائیو اب تک رسی ہی نہیں جلی تو بل کیا دیکھوں۔"

سربن زہر خند ہوا۔ "رسی جلے نہ جلے بل ضرور نکلیں گے۔"

گوتم نے دعوت دی۔ "تو تمھاری باری۔"

وہ الماری کی طرف بڑھا واپسی پر ہاتھ میں لوہے کا گولا تھا جس کے ساتھ دو تین فٹ زنجیر جڑی تھی۔ زنجیر کے سرے پر حلقہ بنا تھا۔

"بندش ڈھیلی کرو۔" اس نے روی کو آواز دی۔ اور انتظار کیے بغیر میرے بالوں سے پکڑ کر بے دردی سے نیچے جھکا

دیا۔ جب تک زنجیر ڈھیلی نہ ہوئی وہ بالوں کو مسلسل [illegible] اس نے بہت اچھی [illegible]
جک کا تھا میرے بالوں [illegible]

مرہن نے فوراً ہی حالت میرے گلے میں ڈال [illegible]
گردن بند ھا تھا اور پیچھے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ [illegible]

مرہن دوبارہ الماری کی طرف بڑھا اور ایک [illegible]
بڑی تھی۔ میرے سر پر تھیلے کا [illegible]

سو چا تھیلے میں موجود ہوا جلد ہی ختم ہو جائے گی اور مجھے میرا سانس گھٹنے لگے گا [illegible]
ظالم پکا اور سوچے ہوئے تھا۔ اس نے احتیاطاً پہلے سے ہی [illegible]

پیندے میں پلاسٹک کے ساتھ جڑی زنجیر کھول کر اس نے ٹین کو اس کے اندر [illegible] اور زنجیر کو چڑھا دی۔ دو منٹ کے بعد ہی گولیوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا۔ جب انکشاف ہوا کہ وہ آنسو گیس پیدا کرنے والی گولیاں تھیں۔ مختلف آرمی کورسوں کے دوران ہمیں کیمیائی ماحول کا اور اس کے علاوہ آنسو گیس کے بارے میں بھی پتا چلتا تھا جہاں یہی گولیاں جلا کر یہ پانی گیس کی تباہ کاری کے بارے سمجھایا جاتا تھا۔ مگر وہاں پر ایک دو منٹ کا کھیل ہوا کرتا تھا۔ پہلے تو میں نے سانس روک کر دو منٹ اذیت کو ٹالا مگر کب تک سانس روک پاتا۔ گولیاں تیزی سے دھواں اگل رہی تھیں۔ وہی تھیلے میں گنجائش بھی کم تھی اس لیے دھواں گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ جونہی میں سانس لینے پر مجبور ہوا میرے تنفس کی نالی میں مرچیں بھر گئی تھیں۔ آنکھیں بند کرنے کے باوجود آنسو تسلسل سے بہنے لگے۔ ساتھ ناک سے پانی بہہ نکلا۔ میں بری طرح کھانس رہا تھا جھٹکے دے کر تھیلے سے سر نکالنے کی کوشش کی مگر وہ نہ گئی گوا۔ مجھے گردن اٹھانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں زیادہ دیر اس اذیت کو برداشت نہ کر سکا اور بے دم ہو کر زنجیر سے جھول گیا۔ ناک میں گھسنے والا زہریلا دھواں مدہوش بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اگر چند لمحے مزید یہ حالت رہتی تو یقیناً مر جاتا مگر وہ یہ سہولت دینے پر بھی تیار نہیں تھے۔ میرے تڑپنے کی شدت میں کمی آتے ہی انھوں نے گردن کی بندش ڈھیلی کر کے تھیلے کو اوپر سے پکڑ لیا تاکہ دھواں کمرے کی فضا کو آلودہ نہ کر دے۔

تازہ ہوا ملتے ہی میں گہرے سانس لینے لگا۔ ناک سے رینٹ اور منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ تنفس کی نالی اور پھیپھڑوں میں جیسے مرچیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک ظالم نے میری کھال ادھیڑ کر جلد کو اذیت پہنچائی تھی تو دوسرے نے اندرونی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔

اس نے مجھے زیادہ آرام کا موقع نہیں دیا تھا۔ تین چار گہرے سانس ہی لے پایا تھا کہ اس نے پھر میرے سر پر تھیلا چڑھا دیا۔ کھانس کھانس اور چھینک چھینک کر میں بے حال ہو گیا تھا۔ لگ رہا تھا صدیوں سے اس اذیت میں پھنسا ہوں۔ اور یہ کھیل تب تک شروع رہا جب تک میں زنجیر سے جھول نہیں گیا تھا۔

پانی کا جگ میرے چہرے پر انڈیل کر وہ ہوش میں لائے تھے۔ اندرونی اذیت میں مجھے جسمانی تکلیف بھول گئی تھی۔

گوتم نے کہا: "بتا دے شہزادے۔ کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو۔"
مگر میں جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ گہرے سانس لے کر آنسو گیس کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔
وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ "دونوں ہی ڈھیلے ہو مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"
میں ذہنی طور پر نئی اذیت کا سامنا کرنے پر تیار ہو گیا تھا کہ اب یوں بھی یہی میرا مقدر تھا۔ اس نے بہت سادہ

طریقہ اپنایا تھا۔ میری کلائیوں سے بجلی کی ننگی تار لپیٹ کر کرنٹ دینا شروع کر دیا۔ پہلے جھٹکے کے ساتھ میری حلق سے جو چیخ نکلی تھی۔ اور پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے ہاتھ دل پسند مشغلہ آ گیا تھا۔ جس شخص کو ظلم کر کے سکون ملے وہ کس قدر سفاک ہوتا ہے۔

بجلی کے جھٹکوں سے میرا بدن رعشے کے مریض کی طرح کانپ رہا تھا۔ یہ سلسلہ بھی میری بے ہوشی تک جاری رہا۔ دوبارہ آنکھ زندان میں کھلی تھی۔ میں اوندھے منہ لیٹا تھا اور سماعتوں میں لورا براؤن کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھی۔ ''ریجا ریجا ''(راجا)

میں نے سیدھا ہونا چاہا اور ہونٹوں سے بے ساختہ کراہ خارج ہوئی۔

''آرام سے آرام سے ''اس کی آواز میں فکر مندی و ہمدردی گھلی تھی۔

میرا بالائی بدن برہنہ تھا۔ اور اب تک زخموں پر نمک لگا تھا۔ حد درجے کی کمزوری و نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ گھڑی پر نگاہ دوڑائی، رات کے تین بج رہے تھے۔ آزمائشی رات کی چند گھڑیاں اب تک باقی تھیں۔

''نہالو۔'' لورا براؤن نے میرے زخموں پر لگے نمک کی وجہ سے مشورہ دینے میں تساہل نہیں برتا تھا۔ اچھی خاصی گرمی تھی۔ بلب کی پیلی روشنی ماحول کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔

مجھے اس کا مشورہ مناسب لگا تھا۔ میں دیوار کے سہارے کھڑا ہوا اور آہستہ روی سے بیت الخلاء کی طرف بڑھ گیا۔ تین مربع فٹ کے بیت الخلاء کے کونے میں کموڈ لگا تھا۔ ساتھ ہی جستی لوٹا رکھا تھا۔ پتلون و زیر جامہ اتار کر میں نے دیوار پر رکھا اور پانی کا لوٹا بھر کر جسم پر بہایا۔ اذیت کی تازہ لہر جسم میں دوڑ گئی تھی۔ میں درد کو خاطر میں لائے بغیر لوٹے بھر بھر کر جسم پر بہاتا رہا۔ نہانے سے طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ میں پتلون پہن کر باہر نکل آیا۔

''مجھے نہیں لگتا یہ انسان ہیں۔'' میرے بیٹھتے ہی لورا نے زبان کھولی۔ نفرت کی دعوے دار میری حالت دیکھ کر ہمدردی کرنے لگی تھی۔

میں پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔ ''اچھا ہوا تمھیں تو سکون پہنچا۔''

اس نے صفائی دی۔ ''اتنی ظالم نہیں ہوں۔''

''میں تو باری بھگتا چکا ہوں لگتا ہے اگلی باری تمھاری ہے۔''

''لاوارث نہیں ہوں کہ تشدد کا نشانہ بنائیں گے۔'' بہ ظاہر اس نے بے پروائی ظاہر کی تھی مگر اس کا لہجہ اعتماد سے خالی تھا۔

میں نے حقیقت اگلی۔ ''بے وقوف ان کے پاس ہمارے خلاف ثبوت موجود ہیں۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''مجھے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میرے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھری۔ مجھے برہمی سے گھورتے ہوئے اس نے جلدی سے تصحیح کی۔ ''میرا مطلب انھیں سب کچھ بتا دوں گی۔''

''تمھارا کیا خیال ہے میں نے سب کچھ نہیں بتایا۔''

وہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ اسے ڈرانے کا ارادہ نہیں تھا، مگر حقیقت یہی تھی کہ اسے مجھ سے زیادہ خطرہ درپیش تھا۔ حوا کی بیٹی جب درندوں میں گھر جائے تو اس کی بے بسی سے یہ ظالم کیسے کھیل سکتے ہیں، وہ انجان نہیں تھی۔ شاید اسے اپنی کمپنی ''ڈبلیو اے ایس'' سے تھوڑی بہت امید تھی ورنہ وہ سرکاری دورے پر نہیں آئی تھی کہ برطانیہ حکومت اس معاملے میں دخیل ہوتی۔ گو بڑے ممالک اپنے شہری کو آزاد کرانے کی خاطر کافی حد تک چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایسا تب ہوتا ہے

کل رات سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ تشدد یا اذیت انسان کی بھوک کو ختم نہیں کرسکتی۔ سخت بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پہلے بیت الخلاء میں جا کر ہاتھ منہ دھویا اور پھر ناشتا کرنے لگا۔ ناشتے میں دو توس ایک ابلا ہوا انڈا اور چائے کی پیالی تھی۔ اتنی سخت بھوک کے سامنے اس ناکافی غذا کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ میں سب کچھ چٹ کر گیا تھا۔ لورا براؤن نے صرف ایک توس کو ہلکا سا کاٹ کر چھوڑ دیا تھا۔ شاید پریشانی نے اس کی بھوک ختم کردی تھی۔

''کھاؤ گے؟'' میری پلیٹ میں جھاڑ و پھر اد یکھ کر وہ مستفسر ہوئی۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے ٹرے میری طرف دھکیل دی تھی۔ دروازے کے نیچے سے ہاتھ گزار کر میں نے پلیٹ پکڑی اور اس کا ناشتا بھی چٹ کر گیا۔

بمشکل ناشتے سے فارغ ہوا تھا کہ چند افراد کے قدموں کی چاپ ابھری۔ لمحہ بھر بعد وہ ہمارے سامنے تھے۔ مجھ پر سرسری نظر ڈال کر انھوں نے لورا براؤن کا دروازہ کھولا۔ وہ بدک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

تین ہتھیاروں کے دہانے اس کی طرف سیدھے ہوئے۔ چوتھا جس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی، انگریزی میں بولا۔

''مادام جانا تو پڑے گا، چل کر نہیں جاؤ گی تو اٹھا کر لے جائیں گے۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ خوفزدہ تھی۔

''اگر یہ حرکت کرے تو ٹانگ میں گولی مار دینا۔'' اپنے ساتھیوں کو کہہ کر اس کے قدم لورا کی طرف بڑھے۔ وہ دیوار کے ساتھ سٹ گئی تھی۔ اس نے زبردستی لورا کو ہتھکڑی پہنادی۔

جونہی دروازے کی طرف دھکیلا وہ مچلتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔

سرغنہ نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ ہتھیار کندھے پر لٹکا کر انھوں نے لورا کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا تھا۔

''تم زبردستی نہیں کر سکتے.... تم پچھتاؤ گے.... میں برطانیہ کی آزاد شہری ہوں بغیر کسی ثبوت کے تم مجھے زدوکوب نہیں کر سکتے۔'' لورا برہمی سے بولتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر دونوں ڈشکروں کے سامنے اس کی ایک نہیں چلی تھی۔

''ریجا! مجھے بچاؤ...ریجا....'' اچانک وہ مجھے مدد کو پکارنے لگی۔ اسے یہ بھول گیا تھا کہ راجا بے چارہ خود کو نہیں بچا سکا اسے کیا چھڑائے گا۔ لیکن اس کے بار بار پکارنے پر میں سلاخیں پکڑ کر کھڑا ہوا۔

''سر! آپ کو ایک لڑکی کا احترام مدنظر رکھنا چاہیے۔'' میں ان کے سرغنہ کو مخاطب ہوا تھا۔

''اپنی فکر کرو بالک۔'' مجھے جھڑکتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔

مچلتی، بدکتی لورا کو وہ سیڑھیوں سے اوپر لے جانے لگے۔ یقیناً کسی سے ملوانے جا رہے تھے۔ یا کم از کم لے جانے کا مقصد تفتیش نہیں تھا، کیوں کہ عقوبت خانے میں جانے کو تو مزید نیچے اترنا پڑتا تھا۔

اگلے ایک گھنٹے میں میرا بھی بلاوا آ گیا تھا۔ مجھے لے جانے والے وہی پرانے جلاد تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں اسی منحوس کرسی پر بندھا بیٹھا تھا۔

''جوان رات کو تم جیت گئے تھے۔ اور میں تمھیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔'' زہریلے لہجے میں کہتے ہوئے گوتم تالیاں پیٹنے لگا۔ سربن اور روی نے بھی استہزائی ہنسی سے اس کا ساتھ دیا تھا۔

''لیکن کیا ہے کہ مقابلہ ختم نہیں ہوا۔ اور اب اگلا مرحلہ آن پہنچا۔'' وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم لوگ تیار ہو دوستو۔''

"چنداں استاد جی۔" دونوں یک زبان بولے تھے۔
"تمہارا جواب تو معلوم ہے۔ لیکن مقابلہ شروع کرنے سے پہلے پوچھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ کچھ یاد آیا کہ نہیں۔"
"جواب تو میں شروع سے دے چکا ہوں۔ اس کے علاوہ جو سننا ہے بتادو، میں دہرادوں گا۔"
"جوان ڈھیٹ ہے جی۔ کرن چاولہ صاحب کہہ رہے تھے کہ موصوف ستائیر ہے اور ستائیر بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ ہماری صلاحیتوں کو للکارا ہے۔"
بھیا کرن صاحب نے ہماری ظلم و ستم اور شقی القلبی کو صلاحیتیں گردان رہے تھے۔ اور وقت ان کے ہاتھ میں تھا اس لیے میں بحث و تکرار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنے خاطر خواہ جواب دینے کی حالت میں تھا۔ ان بڑھکیں دیکھیں ایک بندھے ہوئے قیدی کے لیے نہ ہی ان کی ہار تھی۔
مجھے خاموش پاکر وہ اپنے مشغلے کو جڑ گئے۔ ابتداء روبن سے ہوئی تھی۔ مجھے الٹا لٹکا کر پانی کے بھرے ٹب میں میرا سر بار بار ڈبویا گیا۔ جب سانس اکھڑنے لگتا تب اوپر اٹھا دیتے۔ روی نے اپنی باری پر نئی گولیاں استعمال کی تھیں جن کا اثر کل والی گولیوں سے بھی زیادہ تھا۔ میں نے صبح کا ناشتا بھی الٹی کر دیا تھا۔ وہ باری باری مختلف عذاب آزماتے رہے۔ میں کئی بار بے ہوش ہوا۔ نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ بے ہوشی ہی کی حالت میں وہ مجھے زندان میں پھینک گئے تھے۔

پھر مجھے پلوشہ دکھائی دی۔ میرا سر گود میں رکھ کر موہنی مسکراہٹیں نچھاور کر رہی تھی۔
"اب تک خفا ہو۔" اس وقت بھی میرے دماغ سے اس کی خفگی کا احساس زائل نہیں ہوا تھا۔
"اپنے راجو سے خفا ہوسکتی ہوں۔" ماتھے پر مہر محبت ثبت کرتے ہوئے اس نے مجھے خوشی سے ہمکنار کیا۔
میں شاکی ہوا۔ "موڈ جو بنایا ہوا تھا۔"
"تنگ کر رہی تھی نا آپ کی لاڈلی جو ہوں۔"
"اگر تمہاری خفگی میری جان لے لیتی پھر؟" میں نے اسے ڈرانے کی کامیاب کوشش کی۔
"ایسا تو نہ بولیں، سچ میں خفا ہو جاؤں گی۔" وہ میرے چہرے پر جھک گئی تھی۔
"دوبارہ اذیت دو گی۔"
"کبھی نہیں۔" اس نے منہ بسورا۔ "مگر جلدی آئیں نا، کب سے آپ کی آواز نہیں سنی۔ ذرا سا مذاق کرنے پر اتنی بڑی سزا تو نہ دیں۔"
میں دھیرے سے مسکرایا۔ اس نے چاہت سے پوچھا۔ "راجو، پلوشے کا ہے نا؟"
میرے دل سے آواز نکلی۔ "اللہ پاک کی قسم ایسا ہی ہے۔"
"میرے راجو میرے راجو ..... میرے راجو" وہ وارفتگی سے پکارنے لگی۔ اور میں سرشاری کی کیفیت میں پڑا اس کے روشن چہرے کو گھورتا رہا۔ اچانک روشنی مدہم ہونے لگی، اس کا پیارا چہرہ دھندلانے لگا تھا۔ آواز و انداز بھی تبدیل ہونے لگا۔ "ریجا ..... ریجا ..... ریجا ..... ریجا ....." میرا شعور بیدار ہوا۔ میں اوندھے منہ فرش پر پڑا تھا اور ساعتوں میں لورا براؤن کی تشویش بھری آوازیں آ رہی تھی۔ بے وقوف نہیں جانتی تھی اس کی ہمدردی نے مجھ سے راحت و سکون کے کیسے لمحات چھینے تھے۔ بہت عرصے بعد جانِ حیات خواب میں آئی تھی۔ جسمانی طور پر بدحال ہونے کے باوجود روحانی طور پر میں بہت آسودگی محسوس کر رہا تھا۔ جی چاہتا تھا دوبارہ آنکھیں میچ کر اس کی گود میں پہنچ جاؤں، لیکن لورا کی "ریجا ریجا" کی گردان مجھے بے چین کر رہی تھی۔

میں نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی، ہونٹوں سے بے ساختہ کراہ خارج ہوئی تھی۔
لورا ہمدردی سے بولی۔''آرام سے۔''
میں نے زندہ دلی ظاہر کی۔''یہ نصیحت انھیں کرو تا کہ آرام سے درگت بنایا کریں۔''
اس نے مشورہ دیا۔''جو پوچھ رہے ہیں، انھیں بتا کیوں نہیں دیتے۔''
میں نے منہ بنایا۔''یہی تو معلوم نہیں کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''
''کیا مطلب؟''اس نے حیرانی ظاہر کی۔
میرے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔''تمھاری سمجھ میں نہیں آتا۔اس تشدد کے پس پردہ طویل وجوہات ہیں۔انیس سو سینتالیس کی آزادی، اڑتالیس کی جنگِ کشمیر، پینسٹھ کا معرکہ، اکہتر کی لڑائی، کارگل کا جھگڑا اور بہت ساری سرحدی جھڑپیں ہیں۔''
''اگر سیدھے انداز میں وضاحت کر دیتے تو تمھارا کیا جاتا۔''
''چھوڑو مادام!
میری بات اتنی ضروری نہیں ہے
تسلی سے تم بات اپنی سنا لو
میں نے ایک دم اردو کا شعر پڑھا۔اور ساتھ وضاحت کی۔''میرے مسائل تمھارے پلے نہیں پڑنا اس لیے اپنی سناؤ، کیا ہوا تھا؟''
وہ نفرت انگیز لہجے میں بولی۔''مسٹر شکلا سے ملاقات ہوئی ہے، بے غیرت، گھٹیا انسان بلیک میل کر رہا ہے۔''
''ذرا تفصیل سے مادام۔''
گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے دیوار سے ٹیک لگائی۔''سارے ڈرامے کے پسِ پردہ اس منحوس کے دو مقاصد ہیں۔ایک تو وہ ایس آر ون کی خریداری کوڑیوں کے مول کرنا چاہتا ہے۔ذرا سوچو پانچ ہزار پاؤنڈ کی رائفل کے پانچ سو پاؤنڈ لگا رہا ہے۔''
میں مستفسر ہوا۔''دوسرا مطالبہ؟''
''مجھے ایک ماہ اس کا کھلونا بننا ہوگا۔''لورا کے چہرے پر گہری نفرت پھیل گئی تھی۔
گو دوسرا مطالبہ پورا کرنا کسی آزاد خیال یورپین لڑکی کو اتنا مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔مگر ہر کسی کی عزت نفس، انا اور خودداری ہوتی ہے۔یورپ فریقین کی رضامندی سے جسمانی تعلقات کی آزادی کا علم بردار سہی، مگر زبردستی کرنے یا کسی عورت کو بلیک میل کرنے کی اجازت ان کا قانون بالکل بھی نہیں دیتا۔
میں نے مشورہ دیا۔''تم ڈیوڈ کو بیچ میں لا کر اس پر مقدمہ کر سکتی ہو۔''
''اس کے پاس کافی وڈیو کلپس موجود ہیں، جن میں میں تمھیں تربیت دے رہی ہوں۔چند جگہوں پر یہ بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ تمھاری تربیت کا مقصد مسٹر بکرم سنگھ کا قتل ہے شری پتی آرکیڈ کا فلیٹ جہاں سے ہم نے فائر کرنا تھا وہاں بھی خفیہ کیمرے نصب تھے۔اور ہماری گفتگو بھی بالکل واضح ہے کہ ہم کیا کر رہے تھے۔رائفل پر ہماری انگلیوں کے نشان ثبت ہیں۔اس قصے میں سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ تم پاکستانی جاسوس ہو اور انڈیا میں تمھاری آمد غیر قانونی ہے۔باقی اتنا تو تم اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وڈیو میں سے ہمارے حق میں جانے والی باتیں کاٹ دی گئی ہیں۔''
میں نے حیرانی ظاہر کی۔''مگر ہمارا منصوبہ تو چھت سے فائر کرنے کا تھا۔پھر انھوں نے کمرے میں کیوں کیمرے

لگے تھے۔''

انھوں نے چھت اور کمرہ دونوں جگہوں پر کیمرے نصب کیے تھے، کیوں کہ وہ ہماری ہر وقت کی گفتگو ریکارڈ کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ میرے خلاف زیادہ سے زیادہ ثبوت حاصل کر سکیں۔''

''اب کیا سوچا ہے؟''

وہ برہم ہوئی۔ ''سوچنے کے قابل غلیظ سور نے چھوڑا کہاں ہے۔''

میں نے چوٹ کی۔ ''سچ کہتے ہیں، لالچ بری بلا ہے۔''

وہ جیسے تڑپ اٹھی تھی۔ زخمی لہجے میں بولی۔ ''ریحا! تم میرے حالات سے ناواقف ہو۔''

ایسا ہی کچھ ایاد پہلے بھی کہہ چکی تھی۔ میں نے طعنہ زنی سے گریز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''ڈیوڈ سے مشورہ کیا ہے؟''

وہ افسردگی سے بولی۔ ''اسے شکلا سب کچھ بتلا چکا ہے۔ مجھ سے بھی مختصر گفتگو ہوئی۔ چپکے لہجے میں تسلی دینے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔''

''اب کیا ہوگا؟'' میں نے الفاظ بدل کر سوال دہرایا۔

''اس کا مطالبہ تسلیم کرنے کی صورت ہم صرف فٹ پاتھ پر نہیں آئیں گے بلکہ سلاخوں کے پیچھے جانا پڑے گا۔ ہمارے پاس پانچ ہزار تیار شدہ رائفلیں موجود ہیں اور شکلا دس ہزار رائفلوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ جو ناممکن ہے۔ کیوں کہ پہلی کھیپ کی تیاری ہی میں کمپنی گردن گردن قرض کی دلدل میں دھنس چکی ہے۔ مزید پانچ ہزار رائفلیں کیسے تیار ہو سکیں گی۔'' لورا نے شکلا کے صرف پہلے مطالبے پر روشنی ڈالی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''ڈیوڈ تمھارے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔''

وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔ ''عملی زندگی میں ماضی کے دعوں کو کم ہی پورا ہوتے دیکھا گیا ہے۔''

''پھر بھی تمھارا ساتھی ہے، یقیناً کچھ سوچ کر ہی تم نے حصے دار (پانٹر) بننا قبول کیا ہوگا۔''

اس کے ہونٹوں پر مجبوبانہ تبسم ابھرا۔ ''محبت کا دعوے دار ہے۔''

''پھر تو اچھے کی امید رکھنا چاہیے۔''

''شکلا کا مطالبہ اس کے بس سے باہر ہے۔ وہ بے چارہ تو میری کامیابی کا منتظر تھا۔ اور ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''بکرم سنگھ کے بارے اسے اعتماد میں لیا تھا۔''

لورا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر اس کا گلہ کرنا نہیں، نقصان میں شامل ہونا بنتا ہے۔''

وہ افسردگی سے بولی۔ ''وہ انکار نہیں کر رہا، بس پریشان لگ رہا تھا۔ ہم پہلے ہی مالی پریشانی کا شکار تھے، شکلا نے نیا بم سر پر پھوڑ دیا ہے۔''

میرے منہ سے پھر حقیقت پھسلی۔ ''سچ کہوں تو یہ بے صبری کا انجام ہے۔''

وہ خفگی سے بولی۔ ''جب اصل بات معلوم نہ ہو تو بکواس نہیں کرنا چاہیے۔''

''مجھے سخت بھوک لگی ہے۔'' میں نے موضوع تبدیل کیا۔

''میں شکلا کے ساتھ زہر کھا کر آئی ہوں، مگر چند نوالے سے زیادہ نہیں لے پائی کہ بھوک ہی اڑ گئی ہے۔''

میں نے پھل جھڑی چھوڑی۔ ''کہیں دوسرے مطالبے پر عمل درآمد تو شروع نہیں ہو گیا۔''

''تذلیل کے علاوہ کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔''

بھر سوچ کر اس نے مشورہ دیا۔ ''تم بھاگنے کی کوشش کر سکتے ہو۔''

میں بے بسی سے بولا۔ ''میری حالت ایسی نہیں ہے کہ ایک ساتھ تین آدمیوں کا مقابلہ کر سکوں، البتہ کوئی ساتھ دے تو دوسری بات ہے۔''

میرا [illegible] سنتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فی الحال مجھے تو بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تو تم نے ثلا کی شرائط ماننے کا ارادہ کر لیا ہے۔''

وہ تلخی سے بولی۔ ''ایسا کب کہا۔''

میں نے حقیقت کھولی۔ ''کیا خیال ہے وہ تمھاری مرضی کا منتظر رہے گا، پہلے مطالبے کی تکمیل تمھارے ہاتھ میں سہی دوسرا مطالبہ وہ بہ زور بازو پورا کر سکتا ہے۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''برطانیہ کی آزاد شہری ہوں، جواب دہی اسے مشکل میں ڈال دے گی۔''

''مگر تمھیں آزاد کرنے کا ارادہ ہوا تو تم سچ کہہ رہی ہو۔''

''کہنا کیا چاہتے ہو۔'' اس کے چہرے پر تفکر ابھرا۔

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''جن کے پاس ضمیر نہ ہو ان کا کچھ بھی کرنا غیر متوقع نہیں ہوتا۔''

''یہ ہونا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے جھٹلا دیا تھا۔

میں خاموش ہو گیا۔ وہ بھی گہری سوچ میں کھو گئی تھی۔ کھانا کھانے کی وجہ سے مجھ پر خماری چھانے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پلوشہ دھم سے کود کر نگاہوں کے سامنے آئی اور میرا سر گود میں رکھ لیا۔ ساتھ ہی ملائم ہاتھ میرے بالوں پر پھیرنے لگی۔ اس عنایت کے بعد نیند کس کم بخت کو نہ آتی۔

— ● —

"تو ... تمھارے ہاتھ میں ہیں"

"... سے بولی۔ "ایسا کب کہا۔"

"... حقیقت کھولی۔ "کیا خیال ہے وہ تمھاری مرضی کا منتظر رہے گا، پہلے مطالبے کی تمیل

... پورا کر سکتا ہے۔"

"... مطالبہ وہ بہ زور بازو پورا کر سکتا ہے۔ ... مشکل میں ڈال دے گی۔"

"... سے بولی۔ "برطانیہ کی آزاد شہری ہوں، جواب دہی اسے مشکل میں ڈال دے گی۔"

"... تمھیں آزاد کرنے کا ارادہ ہوا تو تم سچ کہہ رہی ہو۔"

... پر تفکر ابھرا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو۔" اس کے چہرے پر تفکر ابھرا۔

... گولی سے بولا۔ "جن کے پاس ضمیر نہ ہو ان کا کچھ بھی کرنا غیر متوقع نہیں ہوتا۔"

"ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" اس نے سختی سے جھٹلا دیا تھا۔

... خاموش ہو گیا۔ وہ بھی گہری سوچ میں کھو گئی تھی۔ کھانا کھانے کی وجہ سے مجھ پر خماری چھانے لگی۔ میں نے

... بند کر لی تھیں۔ پلوشہ دھم سے کود کر نگاہوں کے سامنے آئی اور میرا سر گود میں رکھ لیا۔ ساتھ ہی ملائم ہاتھ میرے

... پر پھیرنے لگی۔ اس عنایت کے بعد نیند کس کم بخت کو نہ آتی۔

—— ● ——

صبح طلال تو صبح مجھے بلا لایا تھا۔ شاہ جی [illegible]
تھا۔ [illegible] نے کہا تھا
[illegible] گزر رہا [illegible]
مگر میرا [illegible] گزر رہا تھا [illegible]
جاری تھی۔ ایسی جلدی نہیں تھی کہ بے صبری کا مظاہرہ کرتے۔ [illegible]
میرے [illegible] ساتھ چھوڑ جاتے۔ [illegible]
پہلے کرن چاولہ نے مجھے اسی لیے آزاد چھوڑا تھا کہ میرے [illegible]
رسائی پالے۔ لیکن بعد میں جانے کیوں مجھے [illegible] معاملے میں الجھا [illegible]
نہیں لگا سکا تھا۔

عقوبت خانے سے وہ ابھی بے ہوشی کی حالت ہی میں ہوئی تھی۔ آنکھیں [illegible]
مکمل تھیں۔ وہ مجھے کافی خوش نظر آئی۔ میں نقاہت سے لیٹا اس کی باتیں سننے لگا۔ [illegible]
تھی۔ [illegible] نے ایس آر ون کو اس کی اصل لاگت میں فروخت کرنے کا عندیہ دے دیا تھا۔ [illegible]
تھا۔ اور رائفلوں کی تعداد بھی پانچ ہزار کر دی تھی۔

"اور دوسرا مطالبہ؟" میں پوچھے بنا نہیں رہ پایا تھا۔

وہ اطمینان سے بولی۔ "میں نے سختی سے انکار کر دیا ہے۔"

"اور وہ مان گیا؟" مجھے حیرانی ہوئی تھی۔

"جانتے ہو اس سودے میں کتنا منافع مل رہا ہے۔ پانچ ہزار پاؤنڈ کی رائفل دو ہزار پاؤنڈ میں فروخت ہو رہی ہے۔ اور آر ون سے وہ پانچ ہزار پاؤنڈ ہی وصول کرے گا۔ گویا تین ہزار پاؤنڈ ایک رائفل میں [illegible] پانچ ہزار رائفلوں میں کتنی بچت ہوگی۔" بلاشبہ ہندوستانی کرنسی میں وہ معاوضہ [illegible] کروڑ سے بھی زیادہ بنتا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "ڈیوڈ سے بات ہوئی؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اصل لاگت کی وصولی ہی پر مطمئن ہے۔"

دوپہر کا کھانا وہ کھا کر آئی تھی۔ میرے نصیب میں تو صرف صبح ہی کا ناشتا لکھا تھا اس لیے پیٹ [illegible] ادھر سے بغیر خاموشی سے لیٹا رہا۔

رات کے کھانے سے پہلے حسب معمول جلاد مجھے لینے پہنچ گئے تھے۔ یوں جیسے نالائق طالب علم کو ساتھی طلبہ زبردستی مکتب لے جاتے ہیں۔ عقوبت خانے تک وہ ان نئی ایذاؤں کے بارے بحث و تکرار میں مگن رہے جو انھوں نے آج کے

پکھ سوئی تھیں۔ میرا زخموں سے چور بدن نت نئے مصائب اور تکالیف سے آشنا ہو رہا تھا۔ مگر نا احتیاط کا حوصلہ تھا اور نہ
بچنے کی تدبیر۔ چیخنے چلانے سے بھی کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ البتہ پیار بات کر کے یہ اگلا ایلے جا تا تھا۔ اور یہ
جینے کے لیے باعث سکون واطمینان ہوتی تھی۔

دوران تفتیش میں کئی بار بے ہوش ہوتا۔ ان کے غیر انسانی تشدد نے اب میری مدافعانی قوت کمزور کی تھی۔ صرف زندہ
رہنے کا حوصلہ اور دوبارہ سے اپنی پلوشے کو ملنے کی امید تھی کہ میں ڈٹا ہوا تھا۔ اب وہ باقاعدگی سے خوابوں میں آنے لگی
تھی۔ شاید بچھڑنے کا وقت قریب تھا یا حوصلہ بڑھانے آتی تھی۔ اس رات بھی میری واپسی ہوش وخرد سے بیگانہ حالت میں
ہوئی تھی۔

پلوشے حسب معمول خوشی سے چہکتے وکھل کھلاتے میرے پاس پہنچی تھی۔ میں جسم پر چادر لپیٹے لیٹا تھا۔ مجھے کبھی
کبھی وہ میرے کانوں میں رس انڈیلتی رہی۔ جانے کون کون سے پرانے قصے اسے یاد آرہے تھے۔ دوران گپ شپ
اچانک میرے جسم سے کپڑا اہٹا، میرے زخم دیکھتے ہی وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"کیا ہے راجو" وہ ہکلا گئی تھی۔

"کچھ نہیں چندا، معمولی سے زخم ہیں۔" میں نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"وہ اتنا ظلم کر رہے ہیں میرے راجو پر، میں انھیں چھوڑوں گی تو نہیں۔" دانت پیسے ہوئے وہ سسک پڑی تھی۔ اور
پھر اس کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

"پلوشے... پلوشے" اسے پکارتے ہوئے میں نے ہاتھ بڑھایا، نجانے کس زخم میں کھاؤ آیا تھا کہ میرے
منہ سے بلند کراہ خارج ہوئی اور آنکھ کھل گئی۔ لیکن پلوشہ کی سسکیاں اب تک کانوں میں گونج رہی تھیں۔ آج لورا کا۔" ریحا
ریحا" نے بغیر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ شاید وہ نیند میں تھی۔

بازوؤں پر زور دے کر میں اٹھ بیٹھا، تبھی سسکیوں کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی۔ وہ لورا تھی، گھٹنوں میں سر
دیے سسک رہی تھی۔

"کیا ہوا... رو کیوں رہی ہو؟" سلاخوں کے قریب ہو کر میں نے آواز دی۔

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر مظلومیت سے مجھے گھورا۔ میرا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔ سفید گالوں پر دانتوں
کے نشان یوں ثبت تھے جیسے کسی درندے سے پالا پڑا ہو۔ یقیناً میری غیر حاضری میں اس پر قیامت بیت چکی تھی۔ میرا
اندیشہ غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ شکلا جیسے گھٹیا انسان سے اس کے علاوہ امید بھی کوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟" گو اس کا چہرہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ اس پر کون سی قیامت ٹوٹ چکی ہے، لیکن اس کے علاوہ
مجھے کچھ سوجھا ہی نہیں تھا۔

"میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔ کسی بھی قیمت، کسی بھی صورت اسے قتل ضرور کروں گی۔" دانت پیتے ہوئے وہ غضب
ناک ہوئی۔

اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اپنے اندازوں کی درستی پر داد طلب کر سکتا۔ میں پچکار کر اس کا حوصلہ بڑھانے
لگا۔ عورت مشرقی ہو یا مغربی، مرد کی درندگی کا سامنا کرتے ہوئے بے چاری ٹوٹ، بکھر جاتی ہے۔ شکلا جیسے مرد ذہنی
مریض ہوتے ہیں۔ اور اس کے مرض کی شدت مجھے لورا کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔ نجانے باقی جسم کے ساتھ
درندے نے کیا کچھ سلوک کیا ہوگا۔

میرے مسلسل تسلی دینے اور حوصلہ بڑھانے پر وہ کچھ سنبھلی۔ اور جو کہانی سنائی اس کا لب لباب یہی تھا کہ میرے

جانے کے تھوڑی دیر بعد اس کا بلاوا آ گیا تھا۔ اس نے معمول کی ملاقات تصور کیا۔ نمرا سے لے جا کر ایک بیٹھک پہ اذیت
گیا۔ بعد میں نشے میں وحشت [illegible] آیا اس کے ماضی کا روپ یاد دلا کر اپنی ہر من مانی پوری کی۔ اور ساتھ یہ بھی اعلان کر
اگلے ایک ماہ سے مسلسل [illegible] کی درندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔
اب لورا کو وہاں سے بھاگنے کی سوجھ رہی تھی۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ ہمارے پاس کوئی منصوبہ نہیں تھا۔
قید خانے کے دروازے وہ ایک ساتھ نہیں کھولتے تھے کہ ہم مل کر محافظوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ لورا کو بھی
مجھ سے بہتر تھی کہ ہاتھا پائی کر سکتی تھی۔ میرے بدن میں تو مقابلے کی سکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بقیہ رات ہم غور
منصوبے سوچتے اور رد کرتے رہے۔ تالے کھولنے کے ہمیں کئی طریقے سکھائے گئے تھے، لیکن اس کے لیے کم از کم ایک
مضبوط تار کا حصول ضروری تھا۔ ہمارے پاس تو انھوں نے لوہے کی کوئی چیز ہی نہیں چھوڑی تھی۔ کھانا بھی پلاسٹک کے
برتنوں میں آتا تھا۔

کافی دیر مغز ماری کے بعد ہم نے وقتی طور پر ہار مانی اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ صبح کے چار بج چکے
تھے۔ بھوک کی شدت، اور جسمانی تکالیف میں سونا تو محال تھا، بس ہلکی غنودگی آ جاتی تھی۔ جو چند لمحوں کے لیے درد سے
افاقے کا باعث بنتی۔ سونے جاگنے کی کیفیت میں ناشتا لانے والوں کے قدموں کی چاپ ابھری۔ میں اٹھ کر بیت الخلا کی
طرف بڑھ گیا۔ تازہ دم ہو کر آیا اور ناشتے کو جت گیا۔ لورا نے اپنی ٹرے میری طرف کھسکائی اور صرف چائے کی پیالی اٹھا کر
چسکیاں لینے لگی۔ بدمزہ چائے پینا بھی اس کی مجبوری بن گئی تھی۔
پیٹ میں کچھ جانے کے بعد مجھ پر خماری چھانے لگی۔ لورا نے بھی دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔
تھوڑی دیر بعد جلادوں نے آ جانا تھا۔ لیکن نہ سونے سے ان کا آنا ٹل نہیں سکتا تھا اس لیے میں نے آنکھیں بند کر لی
تھیں۔

قدموں کی چاپ سنتے ہی میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ شاید جلاد پہنچ گئے تھے۔ لیکن آنکھیں کھلتے ہی میرا دل اچھل کر
حلق میں آ گیا تھا۔ میرے اندیشے بے بنیاد ثابت نہیں ہوئے تھے۔

وہ ممتا دیدی تھی۔ تین افراد کے گھیرے میں زندان کے قریب آئی۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ درندے معصوم لڑکی
تک پہنچ گئے تھے۔ یقیناً اب میں اپنی ہٹ پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ مظلوم لڑکی کو بچانے کو میرا سچ اگلنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور
سچ کا پتا چلتے ہی دھیر ندر شکلا پہلی فرصت میں میرا عدم آباد کا ٹکٹ کٹوا دیتا۔ ایک لمحے میں، دماغ نے مستقبل کا تجزیہ کر لیا
تھا۔ میں بے قرار ہو کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سلاخوں کے سامنے آ کر رکی۔ نظریں میرے وجود پر گڑی تھیں۔ وہ کالے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں تھی جو
اس پر خوب جچ رہا تھا۔ نجانے درندے ان کا کیا حشر کرنے والے تھے۔ ایک پاکستانی جاسوس کو پناہ دینے والی کسی رعایت
کی حق دار نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کی معذوری بھی ظالموں کے لیے کوئی معنی نہ رکھتی۔ میں نے دل ہی دل میں ان کی مدد کا فیصلہ
کر لیا تھا۔ انھیں بچانے کی خاطر میں نے کرن کے سامنے سارا راز کھولنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

''دروازہ کھولو۔'' مجھے گھورتے ہوئے اس کی پراعتماد آواز ابھری۔ میرے دماغ کو جھٹکا لگا، کیوں کہ وہ تو اندھی تھی
اندھے یوں کسی سے نظریں نہیں ملا سکتے۔ اس کے عقب میں کھڑے افراد کا انداز بھی مودبانہ تھا۔ کسی کے ہاتھ میں
ہتھیار تھا اور نہ ممتا دیدی ان کی قیدی لگ رہی تھیں۔

ایک دم جیسے انکشاف ہوا، وہ تو اس ڈرامے کا خصوصی کردار تھیں۔ ورنہ کیسے ممکن تھا کہ اتنا عرصہ ان کے
را ایجنسی کی نظر سے اوجھل ہوتا۔ انھوں نے مہینا بھر مجھے نظر میں رکھا، حقیقت اگلوانے کی کوشش کی، بہن بن کر اتنا

[illegible] کی گھڑی پر پڑی۔ یقیناً وہ راکھی نہیں، نشان دہی کرنے کا آلہ (انڈیکیٹر) تھا۔ جس کی وجہ سے
[illegible] وجہ تھی کہ گھڑی مجھ سے نہ لی گئی۔ ورنہ قیدی کے پاس گھڑی کون چھوڑتا ہے۔ یہ
[illegible] نہیں دے سکا تھا۔
[illegible] آنکھوں کی نظروں میں [illegible] تھی لیکن [illegible] نہیں دے سکا تھا۔
[illegible] میں [illegible] کھیں۔ "راج۔" وارفتگی سے کہتے ہوئے اس نے میرا چہرہ ہاتھوں کے
[illegible] ہے کہاں سے اندر [illegible]
[illegible] شفقت بھرا انداز میری روح تک کو گھائل کر گیا تھا۔ اتنے مقدس رشتے کی آڑ میں
[illegible] نے کر [illegible] پر بوسہ دیا۔ وہ [illegible]
[illegible] میں بس چلتا تو [illegible] آنکھوں سے انھیں گھورتا رہا۔
[illegible] جسم پر پہلے چھانٹوں پر پڑیں۔ سیاہ آنکھوں میں اضطراب و اذیت ہلکورے لیتی محسوس ہو رہی تھی۔
"[illegible] تشدد کون کر رہا ہے؟" انھوں نے مڑ کر دیکھا۔
"سدھیر!
"یہ حکم مادام!"
"تشدد کسی [illegible] نے کرنا تھی نا؟" ان کے لہجے میں دکھ و اذیت بھری تھی۔
[illegible] انھوں نے ایک نمبر ملا کر موبائل فون کان سے لگا لیا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔" لہجے میں
[illegible] نے سر جھکا لیا تھا۔
[illegible] پوشیدہ تھا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا۔"
[illegible] دوسری طرف سے کیا کہا گیا، وہ چلائیں۔ "تم صرف بکواس کر سکتے ہو اور کچھ نہیں۔" اور الوداعی کلمات کہے
[illegible] منقطع کر لیا۔
میری طرف رخ موڑتے ہی ان کی آنکھوں میں پشیمانی بھرا اضطراب نمودار ہوا۔ ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے
[illegible] لہجے میں بولیں۔ "تمھارے لیے کھانا لائی تھی۔ سوچا اپنے ہاتھوں سے راج کو کھلاؤں گی۔"
"[illegible] حرکت کیوں کی۔" مجھے اپنی آواز بے گانی لگی تھی۔
"پہلے تم کھانا کھا لو۔ [illegible] سب بتاؤں گی۔" ٹفن اٹھائے شخص کو قریب آنے کا اشارہ کر کے وہ میرے
نزدیک ہوئیں۔
"دور ہو۔" میں نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انھیں پیچھے دھکیلا۔
"یہ مادام سے بدتمیزی کرتا ہے۔" سدھیر جھپٹا، مگر اس کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے ممتا باجی کی ٹانگ حرکت میں
[illegible] بھرپور لات کھا کر وہ دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔
[illegible] دھاڑیں۔ "کسی نے چھونے کی بھی کوشش کی تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ دفع ہو جاؤ تینوں۔"
وہ کان دباتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔
"اپنی دیدی سے بدتمیزی کرو گے۔" شفقت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ دوبارہ قریب ہوئیں۔
"پلیز مادام آپ چلی جائیں۔" میں نے رخ موڑ لیا تھا۔
"اپنی دیدی کو رلا کر خوشی ملے گی۔" انھوں نے مجھے بازو سے پکڑ کر زبردستی سیدھا کیا۔
"آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے، جذباتی استحصال کیا ہے میرا۔ کم از کم بہن کر دھوکا نہ دیتیں۔"
وہ دکھی ہوئیں۔ "دیدی تم نے بنایا تھا چھوٹے! بھول گئے۔"
"آپ حقیقت بتا سکتی تھیں۔" کوشش کے باوجود میں انھیں تم نہیں کہہ پا رہا تھا۔ مجھے ہزاروں گلے شکوے
[illegible] ہم دو ازلی دشمن تھے۔ مگر نادانستگی میں غلط رشتہ جوڑ بیٹھے تھے۔ اور جس طرح وہ میری حالت دیکھ کر پیچ و تاب کھا
[illegible] صاف ظاہر تھا کہ انھیں چھوٹے بھائی کی تکلیف پر اذیت ہو رہی تھی۔ اب میری الجھن بھی دور ہو گئی تھی کہ کرن

ممتا دیدی کی صورت میرے سامنے کھڑی تھیں۔ یقیناً ان کے درمیان
چاولہ کس سفارش کا ذکر کر رہا تھا۔ اس کی مجبوری ممتا دیدی کی سخت الفاظ میں برا بھلا کہا تھا۔
خاص تعلقات تھے۔ جبھی تو ممتا جی نے اسے اتنے سخت الفاظ میں برا بھلا کہا تھا۔
"اپنی دیدی کو مجبور سمجھ کر معاف کر دو۔"
میں نے چپ سادھ لی۔ وہ نادم ہو گئیں۔
میں کراہتے ہوئے بولا۔ "آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"
"مجبور ہو گئی تھی۔ تمھیں دیکھنے کو دل کر رہا تھا، کسی اور کی تسلی سے مطمئن نہیں تھی جبھی چلی آئی۔"
"ٹھیک ہے، دیکھ لیا، اب چلی جائیں۔"
وہ ہٹ دھرمی سے بولیں۔ "کھانا کھلا کر پھر چلی جاؤں گی۔"
"بھوک نہیں ہے۔"
"نہیں۔" انھوں نے منہ بسورا۔
"آپ ایک ناپائیدار رشتے کے قیام پر مصر ہو رہی ہیں۔" میں نے انھیں آئینہ دکھایا۔
"زبردستی تو نہیں کر رہی، دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ جانتے ہو نا میرے راجیو نے تمھارے روپ میں دوسرا جنم لیا
ہے۔" انھوں نے کئی بار کی کہی بات دہرائی۔ میں اس کے چھوٹے بھائی کی تصویر دیکھ چکا تھا۔ ہلکی سی مشابہت ضرور تھی مگر وہ
میرے جیسا نہیں تھا۔ بلکہ وہ بارہ تیرہ سال کا تھا کہ ایک حادثے میں گزر گیا تھا۔ وہ آج تک اسے نہیں بھلا پائی تھی۔
"آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں پاکستانی ہوں۔"
وہ خفگی سے بولیں۔ "پاکستانیوں سے محبت کرنا جرم ہے کیا۔"
"دیدی سمجھنے کی کوشش کریں۔"
ان کے چہرے پر فاتحانہ تبسم ابھرا۔ "جتنا کوشش کر لو، اپنی دیدی کی محبت کو دل سے نہیں کھرچ سکتے۔"
میں معترض ہوا۔ "آپ میرے انجام سے واقف ہیں، پھر کیوں ایک نئے غم کو اپنا سینہ کشادہ کرنا چاہتی ہیں۔"
وہ تیقن سے بولیں۔ "تمھیں مرنے تو نہیں دوں گی۔"
میری زبان پر حقیقت آگئی۔ "مجھے نہیں لگتا آپ اتنی با اختیار ہیں۔"
مسکراتے ہوئے انھوں نے امید ظاہر کی۔ "ماؤں، بہنوں کی پرارتھنا (دعا) میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔"
ہمارے سامنے کھڑے مصروف گفتگو تھے۔ ممتا دیدی امید بھری نظروں سے مجھے گھور رہی تھیں۔ اپنے غلط عمل
کی کوئی توجیہہ نہیں تھی۔ لیکن رویہ چیخ چیخ کر ان کی محبت و بے بسی کا اعلان کر رہا تھا۔ ان کی شفقت کے سامنے
ہتھیار ڈالتے ہوئے میں دھیرے سے بولا۔
"بھوک لگی ہے۔"
وہ خوشی سے بولیں۔ "بیٹھو نا؟ دیدی اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلائے گی۔"
وہ میری پسند کا کھانا بنا لائی تھیں۔ انھوں نے خود بھی میرے ساتھ ہی کھانا کھایا اور پھر درد کش گولیوں کی
ساتھ ہی بعد میں کھانے کو بھی گولیوں کا ایک پتا دے دیا تھا۔
"شکریہ۔" میں نے رسم نبھائی۔
"بدتمیز ہو۔" متبسم ہو کر انھوں نے میرا کان پکڑ لیا تھا۔ ان کی پختہ عادت تھی۔ خفگی و محبت ہر دو صورت وہ

"گستاخی کر سکتا ہوں۔"

کہتے ہوئے وہ میری گھڑی کھولنے لگیں۔
"یہ گھڑی واپس کرو۔" کہتے ہوئے وہ میری گھڑی کھولنے لگیں۔
میں کہا۔ "آج ہی اس گھڑی کا راز افشا ہوا ہے۔"
کچھ دیر وہ ایک کالا دھاگا میری کلائی پر باندھنے لگیں۔ شاید ادھوری رسم کو اب پورا کر رہی تھیں۔
دھاگا باندھ کر انھوں نے خفیف انداز میں پوچھا۔ "ایک بات مانو گے۔"
"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کیا منوا سکتی ہیں۔"
مصر ہوئیں۔ "جو نہیں منوا سکتی اب وہ منوانا چاہتی ہوں نا۔"
میں نے تحمل سے کہا۔ "بولیں، سننے کے بعد ہی کچھ طے کر سکوں گا۔"
"سچ بتا کیوں نہیں دیتے۔ وعدہ کرتی ہوں تمھیں بچا لوں گی۔"
"یہ وعدہ حکومت کے ایسے عہدہ دار کا ہے جو ذاتی وعدوں کو پورا کروانے کا اختیار نہیں رکھتا۔"
"اپنی دیدی سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔"
میں تلخی سے بولا۔ "حقیقت تو یہ ہے کہ میں سچ بتا چکا ہوں۔ اب یہ بتائیں آپ کو کیسے یقین آئے گا میرے پاس بتانے کو کچھ اور نہیں ہے۔"
"کہا تھا نا اپنے دیش لوٹ جاؤ...... اچھی طرح سمجھایا تھا مگر تم نہ مانے۔" لگا وہ گڑے مردے اکھیڑ رہی ہیں۔
"اب پچھتانے سے گیا وقت نہیں لوٹ سکتا دیدی۔" میں نے بظاہر غلطی کا اعتراف کرنا ضروری سمجھا۔
"چلتی ہوں...... اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا۔ اور میں بات کر کے تمھاری جان چھڑانے کی کوشش کرتی ہوں۔ کچھ فرصت میں اپنے آدمیوں سے رابطہ کر کے پاکستان لوٹنے کی کرو۔" وہ بین السطور مجھے کرید رہی تھیں کہ اگر میرے رابطے کسی سے ہیں تو اعتراف کر لوں۔
"کرن آپ کا کیا لگتا ہے؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
"کچھ نہیں لگتا کمینہ......" ان کے ہونٹوں پر مدہم تبسم ابھرا جو باور کر رہا تھا کہ وہ ان کا سب کچھ تھا۔
میں نے تصدیق چاہی۔ "روہن گجرال ایک فرضی نام تھا نا؟"
"کرن کا اصل نام روہن ہی ہے۔" مجوب انداز میں کہتے ہوئے انھوں نے قریب ہو کر میرے ماتھے پر بوسا دیا اور جونھی مڑیں، میری نظر ان کے بالوں میں اڑسی لوہے کی باریک تار کی بنی چمٹیوں پر پڑی۔ میں ایک دم بولا۔
"ممتا دیدی!"
وہ رک کر پلٹیں۔ آنکھوں میں استفسار اور چہرے پر خفت تھی، جو اعلان کر رہی تھی کہ وہ میری ہر قسم کی مدد سے قاصر تھیں۔
میں نے قریب ہو کر دونوں ہاتھ ان کے سر پر رکھے۔ "پلیز، یہاں آ کر خود کو تکلیف نہ دیا کریں۔ جانتا ہوں آپ بے بس ہیں۔ جب تک زندگی ہے، آپ میری دیدی ہی رہیں گی۔ پاکیزہ، مقدس، معصوم اور بہت زیادہ شفقت کرنے والیں۔ میں چاہوں بھی تو آپ سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی جانتا ہوں میری گرفتاری میں آپ کا کوئی کردار نہیں ہے۔ نہ آپ کے بس میں میری آزادی ہی ہے۔ خود کو کبھی قصور وار اور دوشی نہ سمجھنا۔ کیوں کہ ضروری نہیں جو آپ چاہتی ہیں، سب ویسا ہی چاہیں۔ اپنا بہت سا خیال رکھنا۔" ان کے بالوں پر بوسا دے کر میں پیچھے ہو گیا۔ اس دوران میرے ہاتھ کی انگلیاں اپنا کام کر چکی تھیں۔
آنکھوں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ ایک دم مڑیں اور باہر نکل گئیں۔ یقیناً وہ دہرے احساسات کا شکار

تھیں۔ بھارت ماتا سے محبت و وفاداری ان کے خون میں شامل تھی۔ اور مجھے نادانستگی میں اس بھائی کا درجہ سے نکل کر جس نے کبھی ان کے ہاتھوں میں دم توڑا تھا۔

جدید ساخت کی بالوں کی چٹی میرے دائیں ہاتھ سے جیب میں منتقل ہو گئی تھی۔ چٹی کی بناوٹ میں مضبوط تار استعمال ہوئی تھی۔ امید تھی اس سے قفل کھل جاتا۔

تینوں محافظ انتظار کر رہے تھے۔ ان کے نکلتے ہی ایک نے دروازہ قفل کر دیا۔ لورا پر انھوں نے سرسری نظر ڈالنا گوارا نہیں کی تھی۔

''کیا معاملہ تھا۔'' ان کے جاتے ہی لورا نے بے صبری ظاہر کی۔ میں نے مختصر الفاظ میں مستادیوی کا تعارف کروایا۔ وہ مایوسی سے بولیں۔ ''موقع تھا تم اسے یرغمال بنا کر بھاگنے کی کوشش کر سکتے تھے۔''

میں نے منہ بنایا۔ ''انھیں اعتماد تھا تو اپنے آدمیوں باہر بھیجا، ورنہ دشمن ملک کے جاسوس کے ساتھ اکیلا بیٹھنے کا خطرہ کون مول لیتا ہے۔''

لورا وثوق سے بولی۔ ''وہ بہن بن کر تم سے راز اگلوانے آئی تھی۔ تبھی اسے تم تک آنے کی اجازت ملی۔''

''یقیناً ایسا ہی ہے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا کہ لورا کی بات سے رتی بھر اختلاف نہیں تھا۔

''اسے نقصان پہنچائے بغیر ہم اپنا کام کر گزرتے۔'' لورا نے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔

میں نے جیب سے چٹی نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ لورا کی آنکھوں میں خوشگوار حیرانی نمودار ہوئی۔ ''یہ ... یہ ... کیسے؟''

''انھیں بہن سمجھنے کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی فکر چھوڑ دوں۔''

وہ مسکرائی۔ ''بلاشبہ تمھاری خیر خواہ نکلی۔''

''وہ دل سے چاہتی ہیں میں فرار ہو کر پاکستان لوٹ جاؤں، مگر مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ ان کی حب الوطنی سے لگتا ہے میرے فرار کو روکنے کو پہلی گولی انھی کے پستول سے نکلے گی۔''

وہ عزم سے بولی۔ ''تم فرار ہو کر جو چاہے کرو، مگر میں شکلا کو موت کے گھاٹ اتارے بغیر انڈیا نہیں چھوڑنے والی۔''

میں بہ ظاہر سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر اس کام میں مددگار بنوں تو پرانا وعدہ پورا ہوگا۔''

''کون سا وعدہ۔'' اسے حیرانی ہوئی تھی۔

میں شرارتی تبسم سے بولا۔ ''وہ ڈیٹ والا ''

اس نے دانت پیسے۔ ''ریچا انڈین ایجنسیوں نے تمھارے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا ہوگا جو میں کروں گی۔''

میں نے موضوع تبدیل کیا۔ ''پہلے یہاں سے نکلنے کا سوچو۔''

''صبح ناشتا لانے والے صرف دو آدمی ہوتے ہیں، اپنے ہتھیار بھی انھوں نے کندھوں پر لٹکائے ہوتے ہیں۔''

''گویا آج رات بھی تم شکلا کی میزبانی کو تیار ہو۔''

''نن نہیں ... تو'' وہ گھبرا گئی تھی۔ ''ہمیں ابھی کوشش کرنا ہوگی۔''

''مجھے لے جانے والے کافی بے پرواہ ہوتے ہیں جب زندان میں داخل ہوں گے، تب حملہ کر دوں گا۔ مجھ پر جھپٹنے کو وہ تم سے غافل ہو جائیں گے۔ تب تم ٹوٹ پڑنا۔ ایک بار انھیں بے ہوش کر لیا تو باقی کام مشکل نہیں رہے گا۔ بیرونی دروازہ بھی کھلا ملے گا۔''

اس نے تشویش ظاہر کی۔ "مجھے نہیں لگتا تم خاطر خواہ مزاحمت کر پاؤ گے۔"
میں اعتماد سے بولا۔ "ایک بندے کو ناکارہ کرلوں گا، دو کا بندوبست تمہیں کرنا ہوگا۔"
"ہم گر ناکام ہوئے تو ...."
"تو کیا؟" میں نے قطع کلامی کی۔ "جو ہو چکا اس سے زیادہ کیا کرلیں گے، زندگی کی امید میں یوں بھی کھو چکا ہوں۔"
اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور ہم منصوبے کی نوک پلک درست کرنے لگے۔
منصوبے کے مطابق لورا کو زندان کا قفل کھولنا تھا۔ وہ تجربہ کار سائپر اور تربیت یافتہ کمانڈو تھی۔ تار کے ذریعے قفل کھولنے کا شعبدہ اس کے لیے انوکھا یا مشکل نہیں تھا۔ میں نے چمٹی اس کی طرف بڑھا دی۔
"قفل کھول دو کیوں کہ وہ کسی بھی وقت ٹپک سکتے ہیں۔ دیدی کے آنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجھے آج دن کو آرام کا موقع دینے والے ہیں۔"
وہ چمٹی کو ادھیڑ کر تار کو سیدھا کر چکی تھی۔ اجازت ملتے ہی قفل کے ساتھ مصروف ہوگئی۔ ڈیڑھ دومنٹ کی ملغز ماری کے بعد اسے کامیابی مل گئی۔
ایک بار کنڈا کھول کر اس نے دروازہ کھلنے کی تصدیق کی اور پھر کنڈے میں تالا پھنسا کر بیٹھ گئی۔ اب ہمیں ساتھیوں کا انتظار تھا۔ گو جلادوں کی ٹولی سے پہلے کوئی لورا کو لے جانے بھی آسکتا تھا۔ اور ایسا ہونے کی صورت ہمارا منصوبہ ناکام ہو جاتا کہ قفل کھلا ہوا دیکھ کر وہ نہ صرف چونک جاتے بلکہ ہماری نگرانی سخت کر دیتے۔ اب تو انھیں ہماری بے بسی کا یقین ہو چکا تھا۔ اور اس کے برعکس کرنے کی صورت یہ قباحت تھی کہ جلادوں کی آمد کے بعد لورا قفل کھول کر یورش نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن ایسے منصوبوں میں اتنا خطرہ تو مول لینا پڑتا ہے۔
ہم سخت بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ ذرا سی لغزش ہماری مصیبتوں میں کئی گنا اضافہ کر دیتی۔ کشیدہ اعصاب کے ساتھ ہم لموں کے گزرنے کا ادراک کرتے رہے۔ انتظار کے لمحات طویل ہو کر گھڑیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر کسی بھی شئے کی طوالت اس کے دوام پر دال نہیں ہے۔ وصل کے اوقات جلدی گزرتے ہیں، ہجر و انتظار طول کھینچتے ہیں لیکن گزرنا ہر دو کا مقدر ہے۔
انتظار کا اختتام قدموں کی چاپ پر ہوا تھا۔ لورا اضطرابی انداز میں کھڑی ہوگئی تھی۔ میں نے فوراً ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ جس سرعت سے اٹھی اتنی ہی تیزی سے بیٹھ گئی۔
"سائپر پتر! آج ہمیں آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی ہے، لیکن تیرے لیے ایسا علاج سوچا ہے کہ آئندہ کم از کم باپ نہیں بن سکو گے۔" روی استہزائی انداز میں کہتا ہوا اندر گھسا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔ عقب میں سربن تھا جس نے رسی کا سرا پکڑا ہوا تھا۔ گوتم دروازے ہی پر کھڑا ہوگیا۔ میں نقاہت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے لگا۔
"استاد سنا ہے چھمک چھلو مجرا سے ملنے آئی تھی۔" یقیناً روی نے ممتا دیدی کا ذکر کیا تھا۔
گوتم بولا۔ "کرن صاحب نے اسے کچھ زیادہ ہی سر پر چڑھایا ہوا ہے۔"
"سر پر تو نہیں البتہ ...." روی نے ممتا دیدی کے لیے نہایت لچر، غلیظ اور بے ہودہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ دونوں مردوں نے قہقہہ لگا کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ ان لمحات میں روی، سربن کی جانب متوجہ ہوا۔ ان پر حملہ کرنا میرے منصوبے کا حصہ تھا۔ لیکن اس کی گھٹیا بات نے میرے دماغ میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔ یوں لگا میری سگی بہن کے خلاف بکواس کی گئی ہو۔ پوری قوت استعمال کرتے ہوئے میں نے گھٹنا اس کی ٹانگوں کے بیچ اٹھا دیا۔

''وہ کراہتے ہوئے جھکا، اس کے ہاتھ مضروب مقام کی طرف بڑھے تھے۔
''اُف...''
میرا گھٹنا دوبارہ اٹھا، اب نشانہ اس کی ٹھوڑی بنی تھی۔ زوردار کراہ کے ساتھ وہ لمبا لیٹ گیا تھا۔
''تم کتے...'' سربن مغلظات بکتا ہوا بڑھا۔ جسمانی تکلیف کو خاطر میں لائے بغیر میں قدم آگے بڑھا
اچھلا، میرا گھٹنا بکرے کے سر کی طرح اس کے پیٹ کی طرف بڑھا تھا۔
ایک تو وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ دوسرا میں بھی دو قدم لے کر زور سے اچھلا تھا۔ ''دھپ۔'' کی زوردار
ابھری۔ گھٹنا اس کی بائیں پسلیوں کے نیچے لگا تھا۔ وہ ڈکراتا ہوا نیچے گرا اور اذیت سے تڑپنے لگا۔
گوتم ہکا بکا کھڑا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی وہ صورت حال نہیں تھی۔ اس نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول
نکالنا چاہا، لیکن اس کی بدقسمتی کہ تب تک لورا قریب پہنچ چکی تھی۔ اسے آخری لمحات میں گڑبڑ کا ادراک تو ہو گیا تھا مگر اس کے
سنبھلنے سے پہلے لورا نے کھڑی ہتھیلی کا وار گردن پر کیا، وہ بلبلاتا ہوا اوندھے منہ گر گیا تھا۔

تینوں ہماری توقع سے بھی نرم ہدف ثابت ہوئے تھے۔ لورا نے فوراً گوتم کے پستول پر قبضہ جما لیا تھا۔
رودی اور سربن کی تلاشی لے کر میں نے دونوں کے پستول نکالے اور بیلٹ کھول کر ان کے ہاتھ پشت پر باندھنے
لگا۔

گوتم کی جسامت مجھ سے ملتی تھی۔ اس کے جوتے اتار کر میں نے پاؤں میں ڈالے اور قمیص اتار کر پہن لی۔ اس کی
جیبوں سے نکلنے والی تھوڑی بہت نقدی بھی اپنی جیب میں منتقل کی۔ اور گوتم کے ہاتھ بھی جکڑ دیے۔ اتنی دیر میں کسمسا کر
تینوں ہوش میں آنے لگے تھے۔

میں لورا کو مخاطب ہوا۔ ''شاید تم سے دیکھا نہ جائے، بہتر ہو گا داخلی دروازے پر چلی جاؤ۔''
''ہمیں جلدی کرنا ہوگی۔'' اس نے بے صبری ظاہر کی۔
''مقدر نے موقع دے ہی دیا ہے تو سینہ ٹھنڈا کرنے دو۔'' اپنا لہجہ مجھے بھی بیگانہ لگا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے ان کی
درندگی کا نشانہ بن رہا تھا، اب بدلہ لیتا تو بنتا تھا۔
''جلدی کرنا۔'' سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔
''تمھارا انجام بہت برا ہوگا۔'' ہوش میں آتے ہی گوتم نے دھمکی دی تھی۔
''اب میری باری۔'' گوتم کی جیب سے برآمد ہوئے چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میں زہرخند ہوا۔
گوتم نے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔ ''تم ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔''
''ایسا بس تم سوچتے ہو۔'' میں نے اس کے بالوں کو مٹھی میں بھرتے ہوئے چاقو کی نوک اس کی آنکھ میں گھونپ دی
تھی۔ اس کے حلق سے لرزہ خیز چیخ برآمد ہوئی۔ ایسی ہی کئی چیخیں گزشتہ دو تین دنوں سے میرے حلق سے برآمد ہو رہی
تھیں۔ چیخنے کے ساتھ اس کے منہ سے مغلظات کا چشمہ ابل پڑا تھا۔ توجہ دیے بغیر میں نے اس کی دوسری آنکھ میں بھی چاقو
گھونپ دیا۔ تکلیف کی شدت سے وہ ذبح ہوئے جانور کی طرح پھڑک رہا تھا۔ پتلون سامنے سے گیلی ہوئی اور پانی نیچے
تک پھیل گیا۔

رودی اور سربن کی آنکھوں میں ہراس پھیل گیا تھا۔
''ب... بھگوان کے لیے، معاف کر دو......'' دونوں گھگیائے۔
''اسی کے پاس بھیجنے لگا ہوں۔'' اطمینان سے کہتے ہوئے میں نے باری باری دونوں کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں۔ مگر
اس کے میں زیادہ دیر ان کے تڑپنے کا دلکش منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تینوں مجھے گالیاں بک رہے تھے۔ خطرناک انجام کی

اور ساتھ بری طرح کروٹیں بدل رہے تھے۔
ہچکیاں لے رہے تھے۔ ''تمھارا تو پتا نہیں لیکن مجھے بہت مزا آ رہا ہے۔''
میں اطمینان سے بولا۔ تینوں کے حلق سے گٹر کی گندگی کے مانند بدبودار اور گلی سڑی گالیاں برآمد ہو رہی تھیں۔
''تم زیادہ سے زیادہ تکلیف کا ڈ لیکن وقت کی کمی کے باعث یہ دلکش نظارا دیکھ نہیں سکتا۔'' افسوس کا
''میں چاہتا ہوں تم زیادہ سے زیادہ تینوں کی کلائیوں کی رگیں کاٹ دیں۔ خون تیزی سے فرش رنگین کرنے لگا تھا۔ ان کے لباس پر ہرگز
اظہار کرتے ہوئے میں تینوں کی کلائیوں ... جیب میں ڈال لیا۔ وہ کبھی گالیاں بکتے، کبھی زندگی کی بھیک مانگنے لگتے۔
کریں نے دھار صاف کی اور چاقو جیب میں ڈال لیا۔ وہ بے رحم نہیں رہا کہ کسی کے تڑپنے پر لطف اندوز ہوسکوں، مگر ان تینوں نے مجھ پر ظلم کے
میں بھی اتنا قسی القلب اور بے رحم نہیں ... کہ میں سرتا پا انتقام میں ڈھل گیا تھا۔ میں نے تالے کی چابی لورا والے دروازے
پہاڑ ڈھائے تھے۔ اتنی اذیتیں دی تھیں کہ میں سرتا پا انتقام میں ڈھل گیا تھا۔ میں نے ان تینوں کو ہلاک کر کے لورا کو آزاد کرایا ہے۔ یوں
کے قفل میں گھسیڑ کر چھوڑ دی، تا کہ تفتیش کرنے والے سمجھیں میں نے ان تینوں کو ہلاک کر کے لورا کو آزاد کرایا ہے۔ یوں
ستارہ دیوی پر کسی کو بھی شک نہ گزرتا۔ لورا نے ستارہ دیوی کی چٹی وہیں پھینک دی تھی۔ وہ میں نے اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔
کچھ لوگ جو عزیز ہوتے ہیں انسان ہر حال میں پہلے ان کے بھلے کا سوچتا ہے۔ اس وقت بھی میرے دماغ میں ستا
دیوی کی حفاظت کا خیال جاگزیں تھا۔ تبھی احتیاطی تدابیر پر عمل کر گزرا تھا۔ ورنہ وہ پھنس جاتیں۔ ان کا میرے ساتھ
ہونا ان کے بڑوں کی نظر سے اوجھل نہیں تھا۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ انھیں ذرا بھر تکلیف پہنچے۔
لورا بے چینی سے منتظر تھی۔ ہم عمارت سے انجان تھے۔ نامعلوم وہاں کتنے افراد موجود تھے۔ اور ان کے پاس کون
کون سے ہتھیار تھے۔ کیوں کہ مرنے مارنے کا مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ آنے کا مطلب دردناک موت کو

گلے لگانا ہوتا۔
وہ برہم ہوئی۔ ''اتنی دیر لگا دی۔''
اس کے واویلے کو درخور اعتنا نہ جانتے ہوئے میں نے پستول کاک کیا۔ ''کوشش کرنا کسی کی جان ضائع نہ ہو۔''
وہ طعنہ زن ہوئی۔ ''ان تینوں کے ساتھ کیا رہے تھے۔''
''وہ اسی قابل تھے، باقی کسی کے ساتھ ہماری دشمنی نہیں ہے۔''
اس نے منہ بنایا۔ ''مجھے صرف شکلا کی گردن اتارنے میں دلچسپی ہے۔''
''مجھے شانہ بہ شانہ پاؤ گی۔'' اس پر احسان دھرتے ہوئے میں نے دروازے کو آہستگی سے اندر کی جانب کھینچا۔ وہ
کچھ کہنے لگی تھی، مگر مجھے دروازے کھولتے دیکھ کر ہنکارا بھر کر رہ گئی تھی۔
دروازے میں جھری کر کے میں نے باہر جھانکا۔ سامنے سامان سے عاری کمرہ نظر آیا۔
''چلو۔'' میں سرعت سے باہر نکلا۔ لورا نے میری تقلید کی تھی۔ وہ تربیت یافتہ کمانڈو اور پیشہ ور سنائپر تھی۔ کوئی عام
لڑکی نہیں کہ مجھ پر بوجھ ہوتی۔ کمرے کے داخلی دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اسے داہنی جانب کا خیال رکھنے کا

اشارہ کیا۔ اس نے سر ہلا دیا تھا۔
ہم نے ایک ساتھ دروازے کے دونوں پٹ کھولے اور سرعت سے باہر نکلے، دونوں جانب طویل راہداری تھی۔
''اس طرف۔'' سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے میں بائیں جانب بڑھ گیا۔ لورا میرے پیچھے ہولی۔ میں مکمل سامنے
کی طرف متوجہ تھا، جبکہ لورا الٹے قدموں بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ عقب کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔ ہم نے کسی بھی
کمرے میں جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہماری اولیں ترجیح وہاں سے بہ خیریت نکلنا تھا۔ موڑ کے قریب پہنچتے ہی
ہم دیوار سے ٹیک لگا کر رکے اور پھر ایک ساتھ سامنے ہوئے۔

چند قدموں کے فاصلے پر دو مسلح افراد خراماں خراماں تشریف لا رہے تھے۔دونوں کے ہتھیار کندھے پر لٹکے ہوئے
''ہاتھ اوپر۔''میں نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا تھا۔ لہجے سے زیادہ میرے پستول نے انھیں ڈرایا تھا۔
ہوئے دونوں نے ہاتھ بلند کر لیے تھے۔
ہم نے بجلی کی سی سرعت سے درمیانی فاصلہ طے کیا۔زندگی و موت کا کھیل جاری تھا،ایسے حالات میں مجھے
تکلیف بھولی ہوئی تھی۔
''الٹا گھومو۔''قریب جاتے ہی میں نے حکم دیا۔
مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے وہ مڑ گئے۔لورا کی سوالیہ نظریں میری جانب اٹھیں۔میں نے اوپر نیچے
ہلاتے ہوئے پستول کو نال سے پکڑا۔اور دستہ پوری قوت سے سامنے والے کے سر میں جڑ دیا تھا۔لورا بھی پیچھے نہ رہی
نے کافی سخت وار کیا تھا۔مضروب دھڑام سے پختہ فرش پر گر پڑے۔
دونوں نے گلے میں ''نائین ایم ایم کاربائن ون اے ون'' لٹکائی ہوئی تھیں۔جس کی میگزین میں چونتیس گولیوں
گنجائش ہوتی ہے۔وہ انڈیا کی ایجاد کردہ سب مشین گن تھی۔اور کارکردگی میں پستول سے بہتر ہے۔ہم نے اپنے
پتلون کے عقب میں اڑسے اور کاربائن قبضے میں کیں۔ان کے فولڈنگ بٹ سیدھے کر کے ہم نے کاک کیا اور آگے بڑھ
گئے۔

راہداری کا اختتام ایک کھلے ہال میں ہوا،جس ایک کونے میں آمنے سامنے صوفے رکھ کر ڈرائینگ روم کی شکل
گئی تھی۔وہاں دو افراد شیشے کے گلاس تھامے پینے میں مصروف تھے۔ہم پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے
''ہاتھ اوپر۔''میں نے کاربائن کی نال سے بھی اشارہ کر دیا تھا۔
ایک آدمی اعتماد سے بولا۔''جوان اپنی سختیوں میں اضافہ کر رہے ہو۔اگر سوچ رہے ہو چھپ جاؤ گے تو یہ غلط فہمی دل
سے نکال دو۔ممبئی کا کوئی کونہ تمھیں پناہ نہیں دے گا۔''
میں دبنگ لہجے میں بولا۔''تمھارا مسئلہ اپنی جان بچانا ہے،جو تم ہاتھ اٹھا کر ہی بچا سکتے ہو۔''
انھوں نے ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔
''آگے بڑھو۔''ان کی پیٹھ سے کاربائن کی نالیں جوڑ کر ہم نے دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔
دو قدم لیتے ہی لورا کے سامنے والے نے تیزی کا مظاہرہ کیا اور ایک دم مڑ کر ہتھیار پر ہاتھ ڈال دیا۔بیرل پر ہاتھ
ڈالتے ہوئے اس نے دھانے کا رخ خود سے ہٹایا،مگر لورا کے جوابی ردعمل کا توڑ نہیں سوچا تھا۔اس نے لورا کو کمزور
سمجھا ہوگا،وجہ یقیناً اس کا لڑکی ہونا تھا۔
لورا نے کاربائن کھینچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔جونھی مخالف نے بیرل کو پکڑا،قدم بھرتے ہوئے وہ قریب ہوئی اور
ایک دم اپنا گھٹنا اٹھا دیا۔
''اوغ۔''کی بلند آواز سے وہ جھکا،اس کی گرفت کاربائن کی نال پر ڈھیلی ہو گئی تھی۔لورا نے کاربائن کھینچتے ہوئے
بٹ کو مضبوطی سے پکڑا اور نال پوری قوت سے اس کے سر پر رسید کر دی تھی۔
وہ لہراتے ہوئے زمین بوس ہو گیا تھا۔
اسی وقت دو افراد دندناتے اندر آئے۔جانے کیسے انھیں خطرے کا احساس ہوا تھا کہ دونوں نے ہتھیار فائرنگ
پوزیشن میں پکڑے تھے۔
''خبردار ہاتھ اوپر۔''ایک درشت لہجے میں چلایا۔اس کا فقرہ بہ مشکل پورا ہوا تھا کہ میں نے گھٹنا نیچے ٹیک کر دو مرتبہ

لبلی دبا گئی۔

اتنی تیزی سے چلائی ہوئی گولیاں رائفلوں پر لگی تھیں۔ ان کے ہاتھوں سے ہتھیار گر گئے تھے۔ ایک کے بازو پر ہتھیار سے اچٹ کر گولی گہری خراش ڈال گئی تھی۔

میں دھاڑا۔ "ہاتھ اٹھا کر جان بچا سکتے ہو۔" انھوں نے گھبرا کر ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔

گولی چلنے پر اندرونی عمارت سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی تھی۔ نہ جانے وہاں کتنے افراد موجود تھے۔ اگر سب اکٹھے ہو جاتے تو ہمارا بچ نکلنا ناممکن ہو جاتا۔ میں لمحے کے بیسویں حصے میں فیصلہ کیا اور کاربائن کی نال پوری قوت سے اپنے قیدی کے سر پر رسید کر دی۔ وہ تیز کراہ کے ساتھ نیچے گر گیا تھا۔

اس دوران لورا گن تانے دونوں محافظوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"انھیں قبضے میں لو۔" کاربائن سیدھی کرتے ہوئے میں لورا کو مخاطب ہوا۔

میرے چوکس ہونے کا یقین کرتے ہی لورا نے دونوں ہتھیار قبضے میں لے لیے۔ ان کے پاس کلاشن کوفیں تھیں۔

"گھوم جاؤ ...." قریب ہوتے ہی میں دھاڑا۔ ہمیں طیش بھری نظروں سے گھورتے ہوئے انھوں نے رخ تبدیل کیا۔ لورا اور میری کاربائن ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔ ان کے سر کی سختی کا اندازہ کاربائن کی فولادی نال سے کر کے ہم نے عارضی طور پر چھٹکارا پایا۔ لورا نے ایک کلاشن کوف میری جانب بڑھا دی تھی کہ کارکردگی کے لحاظ سے کلاشن کوف کاربائن سے بہتر ہے۔ دونوں کلاشن کوفوں کے ساتھ دہری میگزینیں لگی تھیں۔ (دو میگزینوں کو ایک دوسرے کے مخالف رکھ کر درمیان سے شکنجے میں کس دیتے ہیں۔ اور پھر ایک میگزین کے خالی ہونے پر دوسری میگزین لگائی جاتی ہے)

حفاظتی لیور کو اکیلی گولی (سنگل فائر) پر لگا کر میں نے کاک کیا۔ گن پہلے سے کاک ہو سکتی تھی اور ایسا ہونے کی صورت چیمبر میں پڑی گولی باہر نکل جاتی۔ لیکن ہتھیار کے کاک ہونے کی تصدیق کرنا ہر تربیت یافتہ کا پہلا اصول ہے۔ کاکنگ ہینڈل چھوڑتے ہی چیمبر سے گولی باہر نہیں نکلی تھی۔ جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ ان سورماؤں نے اب تک کلاشن کوفوں کو کاک نہیں کیا تھا۔

یہی حرکت لورا بھی دہرا چکی تھی۔ گنیں کاک کرتے ہوئے ہمارے قدم بہرحال رکے نہیں تھے۔ ہال سے نکلتے ہی ہم طویل برآمدے میں پہنچے۔ لورا نے لکڑی کا دروازہ بھیڑا اور کنڈوں میں ون اے ون کاربائن کی میگزین پھنسا کر عارضی رکاوٹ کھڑی کر دی۔ میں داخلی دروازے پر کھڑے چوکیدار کی طرف متوجہ تھا۔ جس نے ہمیں دیکھتے ہی کلاشن کوف سیدھی کر لی تھی۔

"نیچے ...." زور سے چیختے ہوئے میں نے لورا پر چھلانگ لگائی اور اسے ساتھ لیے ڈھیر ہو گیا۔

"تڑ .... تڑ .... تڑ" کی بھیانک آواز سے گولیاں لکڑی کے دروازے سے ٹکرائی تھیں۔ مجھے ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو لورا چھلنی ہو گئی ہوتی۔ کلاشن کوف میرے ہاتھ سے نیچے گر گئی تھی۔ پہلو زمین سے اتصال ہوتے ہی میرے منہ سے زوردار کراہ خارج ہوئی تھی۔

"ریحا......" لورا متوحش ہو کر چلائی۔ وہ میرے بازوؤں میں تھی۔ اسے لگا مجھے گولی لگی ہے۔

"ٹھیک ہوں۔" اسے گرفت سے آزاد کرتے ہوئے میں لڑھک کر اپنی کلاشن کوف کے نزدیک ہوا۔ اس دوران لورا دو مرتبہ لبلبی دبا چکی تھی۔ دونوں گولیاں چوکیدار کی ٹانگوں میں لگی تھیں۔ وہ چیختا ہوا نیچے گرا۔ لیکن اس نے کلاشن کوف کو نہیں چھوڑا تھا۔ کہنی کے بل لیٹتے ہوئے اس نے کلاشن کوف کو سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے میری گن گولی اگل چکی تھی۔ گولی لکڑی کے فرنٹ ہینڈ گارڈ سے ٹکرائی اور گن اس کے

ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔
لورا کے منہ سے بے ساختہ تحسین آمیز انداز میں برآمد ہوا۔ ''تم واقعی شارپ شوٹر ہو۔'' میرے نام ایس ایس کا ... نے خود ساختہ معنی پہنائے۔
''گاڑی لاؤ۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔'' اسے ہدایت دیتا ہوا میں بھاگ پڑا۔ چوکیدار زخموں کی پروا کیے بغیر گیٹ کی طرف رینگ رہا تھا۔ ڈرائینگ روم کے دروازے پر بھی کھٹ پٹ شروع ہو گئی تھی۔ یقیناً لورا کا کنڈوں میں ٹکر لگا کر ... مفید رہا تھا۔
چوکیدار کے کلاشن کوف تک پہنچنے سے پہلے میں اس تک پہنچ گیا تھا۔ میرے پاؤں کی بھرپور ٹھوکر اس کے سر پر لگی۔ ماتھا پختہ فرش سے ٹکرایا اور اسے عارضی طور پر ساری تکالیف سے چھٹکارا مل گیا۔ اسے پاؤں سے گھسیٹ کر میں نے دروازے کے سامنے سے ہٹایا اور کنڈا کھول کر دروازے کے پٹ کھول دیے۔
اندرونی عمارت کا دروازہ زور زور سے دھڑدھڑایا جا رہا تھا۔ وہ دروازہ کھولنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ ... ہونے پر ہماری مشکلات میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ انھیں دروازے سے دور رکھنا نہایت ضروری تھا۔ کلاشن کوف سیدھی کر کے میں نے دروازے کے نچلے حصے پر برسٹ مار دیا، تاکہ گولی کسی کی موت کا سبب نہ بنے۔ لکڑی کا انچ دو انچ موٹا دروازہ گولی کو نہیں روک سکتا تھا۔ اس متعلق میں پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں کہ دو تین انچ موٹی لکڑی کلاشن کوف وغیرہ کی گولی کہاں روک سکتی۔
تین چار گولیاں ضائع ہوتے ہی دروازے کا دھڑدھڑانا رک گیا تھا۔
اسی وقت نئے ماڈل کی ڈبل کیبن دروازے کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر لورا بیٹھی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا لورا صحن میں گاڑی روکے اس لیے فوراً گلی میں نکل گیا۔ کسی بھی جانب سے گولی چل کر ہمیں نقصان پہنچا سکتی تھی۔ ہم نہ صرف عمارت کے حدود اربعہ سے انجان تھے، بلکہ وہاں موجود آدمیوں کی تعداد سے بھی ناواقف تھے۔ وہ پوش علاقہ تھا گلی کافی کشادہ اور صاف ستھری تھی۔
باہر آتے ہی اس نے ایک لمحے کو بریک دبائی اور میں سرعت سے اگلی نشست پر منتقل ہو گیا۔
لورا نے اگنیشن کی تاریں توڑ کر گاڑی کو سٹارٹ کیا تھا۔
''یہ سمت ٹھیک ہے۔'' گاڑی آگے بڑھاتے ہی اس نے تصدیق چاہی۔
''ممبئی میرے لیے بھی اتنا ہی انجان ہے جتنا تمھارے لیے۔'' میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے پیچھے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''وہاں اور گاڑیاں نہیں تھیں؟''
''کھڑی تھیں۔'' گلی کا موڑ تیزی سے کاٹ کر اس نے نسبتاً کھلی گلی میں رفتار بڑھا دی تھی۔
میں برہم ہوا۔ ''ان کے ٹائروں کو پنکچر نہ کرنے کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔''
وہ نادم ہوئی۔ ''معذرت، خیال نہیں رہا۔''
میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''بے خیالیاں زیادہ عرصہ راس نہیں آیا کرتیں۔''
''معذرت کر تو دی ہے۔'' میرا طنز کرنا اسے برا لگا تھا۔
''معذرت کرنا، خطا کا اعتراف ہے۔ اور ضروری نہیں کہ غلطی کے اقرار پر معافی مل جایا کرے۔''
وہ برہم ہوئی۔ ''تمھارے زیر کمان (انڈر کمانڈ) نہیں ہوں۔''
''تمھاری غلطی سے وہ ہمارا تعاقب بھی کر سکتے تھے۔''
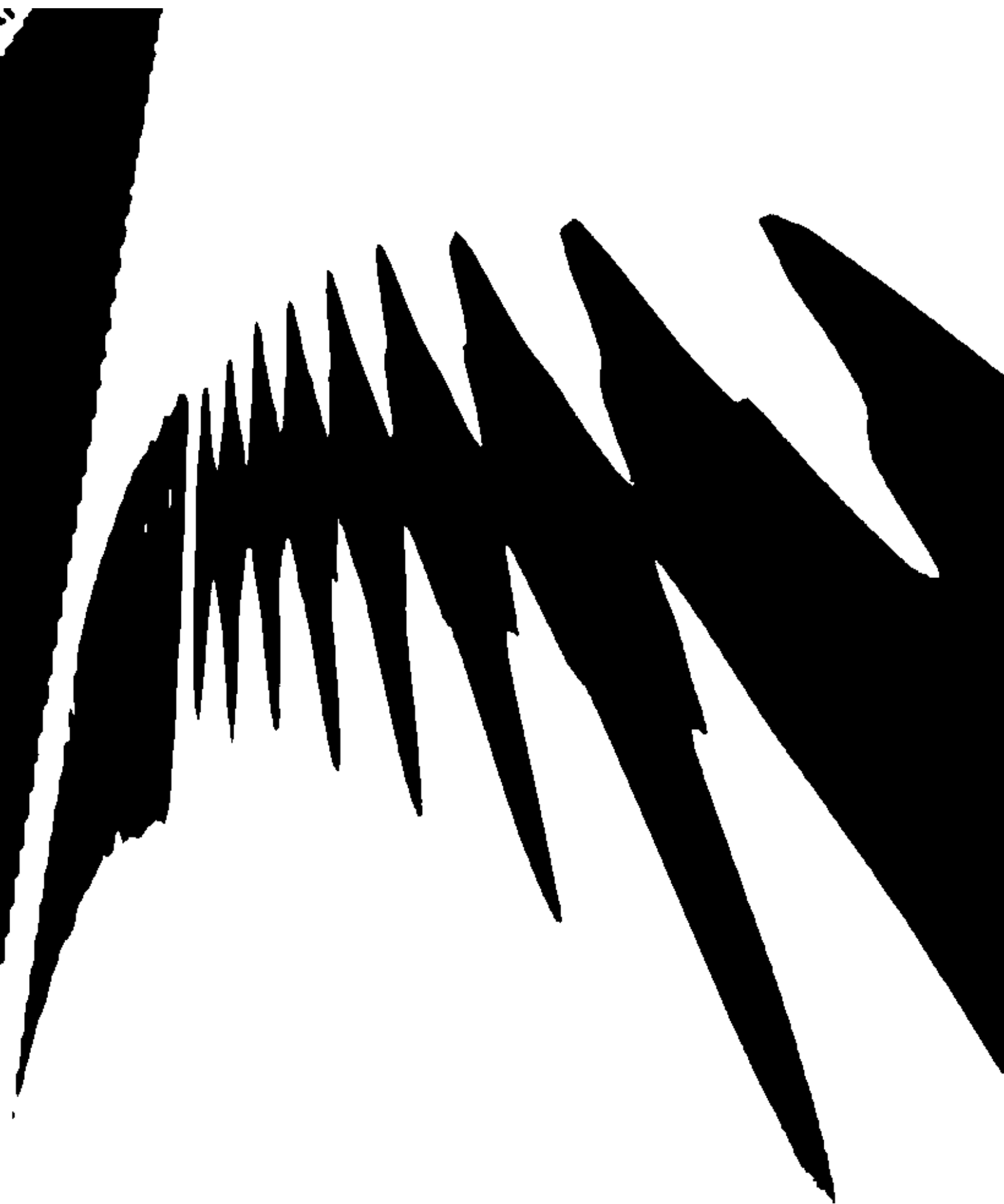
لورا نے کار آگے بڑھائی، دیر ژ ہست چکا تھا۔ میری سماعتوں میں کسی کے چیخنے کی آواز پڑی۔ مڑ کر دیکھا تو ساتھ کم
گئے تھے۔ اور کاروں کا ر... نہ ہونے کی وجہ... باہر نکل کر دوڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ساتھ ہی وہ پکار
والوں کو ہمیں روکنے کی ہدایت کر رہے تھے۔

میں چیخا۔ "تیز چلو۔" لورا میری ہدایت سے پہلے ہی ایکسی لیٹر دبا چکی تھی۔ اسی وقت دیر ژ پیچھے کو جھکا کر آخری لمحات
میں وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

میں عقبی جانب متوجہ ہوا۔ دیر ژ پیچھے ہو گیا تھا۔ غالباً وہ پولیس والوں کو اپنی پہچان کرا رہے تھے۔

اس دوران ہم فرلانگ بھر آگے آ گئے تھے۔ تبھی ناکے سے تین گاڑیاں آتی دکھائی دیں۔ ان میں دو گاڑیاں
ہمارے دشمنوں کی تھیں اور تیسری پولیس کی جیپ تھی۔

"بغلی سڑک (لنک روڈ) کو نظر میں رکھنا۔" میری ہدایت پر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

کلومیٹر بھر آگے ہی چوک آیا۔ لورا دائیں مڑ گئی۔ وہ سڑک مضافات کو جا رہی تھی۔ تبھی رش نسبتاً کم تھا۔ لورا نے
ہونٹ بھینچتے ہوئے رفتار بڑھا دی تھی۔ مگر دشمن بھی تیز رفتاری سے تعاقب کر رہے تھے۔

میں نے عقبی شیشہ کھول کر کلاشن کوف کی نال کھڑکی پر ٹکا دی، لیکن مجھے گولی ضائع کرنے کا شوق نہیں تھا۔ اور یہ بھی
خطرہ تھا کہ گولی غلطی سے کسی بے گناہ کو بھی لگ سکتی تھی۔

لورا نے مشورہ دیا۔ "بے شک نہ لگے مگر گولی چلانا مفید رہے گا۔" اسے عقبی شیشے (بیک مرر) میں میری کارروائی
نظر آ گئی تھی۔

دشمن نے شاید اس کے الفاظ سن لیے تھے تبھی تڑتڑاہٹ کی آواز سے فضا گونج اٹھی تھی۔ انھوں نے دو تین لمبے برسٹ
فائر کیے مگر ہم محفوظ رہے تھے۔

لورا کا جھلایا ہوا استفسار گونجا۔ "ریحا! فائر کیوں نہیں کر رہے؟"

میں اطمینان سے بولا۔ "گولی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ بیزاری سے بولی۔ "گولیوں کے بجائے جان بچاؤ۔"

"گولی چلانے سے جان نہیں بچا کرتی مادام! گولی ہدف پر مارنے سے جان چھوٹتی ہے۔ اور ایسی حالت میں
ATGM (اینٹی ٹینک گائیڈنگ میزائل) ہی سے کارآمد فائر کیا جا سکتا ہے۔" (یہ بکتر شکن میزائل ہوتا ہے جو فائر ہونے
کے بعد بھی فائرر کے قابو میں ہوتا ہے۔ اور وہ جدھر چاہے میزائل کو موڑ سکتا ہے)

"نک، ایسے ہی فائر کیا کرتا تھا کہ لگتا گولی فائر ہونے کے بعد بھی اس کے قابو میں ہے۔"

"تو میں نے کب نک سے اچھا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔" مجھے مرے ہوئے دشمن کے خلاف بولنا بہتر نہیں لگا تھا۔ اور
یہ تو تعریف کرنے والی بھی جانتی تھی کہ اس کی بات میں کہاں تک سچائی تھی۔

دشمنوں کی جانب سے تسلسل سے فائر کیا جا رہا تھا۔ مگر درمیانی فاصلہ، متحرک ہدف اور چلتی گاڑی سے ہمیں نشانہ بنانا
ممکن نہیں تھا۔ البتہ کسی بھولی بسری گولی کا ہدف تک پہنچ جانا اچنبھے کا باعث نہیں تھا۔

ایک لمبا چھٹا فائر ہوا۔ کم بخت نے پوری میگزین ہی فائر کر دی تھی۔ دو تین گولیوں نے ڈبل کیبن کی چھت
بجائی۔ لورا نے رفتار بڑھا دی تھی۔ کشادہ سڑک پر گاڑی یوں فراٹے بھرتی رہی تھی جیسے رن وے پر جہاز دوڑتا ہے۔
گاڑیوں کے درمیانی خلا سے مہارت سے ڈبل کیبن آگے نکالے جا رہی تھی۔ ہاتھ اسٹیرنگ کی چرخی کو دودھ بلونے والی
مدھانی کی طرح گھما رہے تھے۔ تین چار اشارے اس نے بلا جھجک توڑے تھے۔ اگر شہر کی اندرونی سڑک ہوتی تو یقینا

اشارہ توڑنا بھی ممکن نہ رہتا، مگر یہ کشادہ سڑک شہر سے باہر جا رہی تھی تبھی سرخ اشارے پر گاڑیوں کا اتنا کٹھ نہیں ہوتا تھا کہ گاڑی آگے نہ نکالی جا سکتی۔ البتہ یہ لاقانونیت چند پولیس والوں کو متوجہ کرنے کا باعث بنی تھی۔ تبھی دو موٹر سائیکل سوار تیزی سے ہمارے قریب پہنچ رہے تھے۔

ایک موٹر سائیکل سوار نے دائیں طرف سے ہو کر آگے گزرنا چاہا، لورا کی نظر بیک وقت عقبی شیشے اور سامنے تھی۔ جونہی موٹر سائیکل کا اگلا پہیہ ڈبل کیبن کے عقبی حصے کے قریب پہنچا، اچانک ہی لورا نے اسٹیئرنگ کو مہارت سے موڑتے ہوئے ایک دم بریک کھینچی۔ پہیوں کی چرچراہٹ ابھری، موٹر سائیکل کا اگلا پہیہ گاڑی سے ٹکرایا، موٹر سائیکل پھسلی اور سوار سڑک پر جا گرا تھا۔ لورا نے فوراً ہی بریک سے پاؤں ہٹا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ دوسرا سوار بائیں جانب سے آگے نکلنے کی تگ و دو میں تھا۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے کلاشن کوف کی نال باہر نکالی۔ ایک دم موٹر سائیکل سوار نے رفتار کم کر کے جان بچانے کا سوچا تھا۔

اب دشمنوں اور ہمارے بیچ درجن بھر کاریں موجود تھیں تبھی وہ فائر نہیں کر پا رہے تھے۔

مسلسل ادھ پون گھنٹے ہم آگے پیچھے حرکت میں رہے۔ مجھے نہیں لگتا تھا کہ وہ پیچھا چھوڑنے پر آمادہ ہوں گے۔ سڑک شہر سے باہر جا رہی تھی اور مجھے خطرہ تھا کسی بھی لمحے ہمارا واسطہ پولیس ناکے یا چیک پوسٹ وغیرہ سے پڑ سکتا تھا۔ یوں مسلسل ایک سڑک پر سفر کرنا مناسب نہیں تھا۔ ان کے پاس ملاپ کے ذرائع موجود تھے۔ اور اگلی چوکیوں کو باخبر کرنا حماقت و بے وقوفی ہوتی۔ یقیناً دشمن ایسی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

شاید لورا نے میری سوچ پڑھ لی تھی کہ اچانک رفتار میں کمی ہوئی، میں نے سامنے دیکھا۔ ایک بغلی سڑک دائیں جانب نکل رہی تھی۔ ایکسی لیٹر پر دباؤ ہلکا کرتے ہوئے لورا نے ایک دم موڑ کاٹا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا گاڑی الٹ جائے گی مگر لورا نے مہارت سے موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی کو سنبھال لیا تھا۔ سیدھا ہوتے ہی لورا نے رفتار دوبارہ بڑھا دی۔ بغلی سڑک کمان کی طرح خم دار تھی۔ اور تسلسل سے دائیں اور ہلکا سا پیچھے گھوم رہی تھی۔ موڑ سے دو تین سو قدم دور آتے ہی میں چلایا۔

"بریک لگاؤ۔"

"کیا ہوا؟" لورا نے گھبراتے ہوئے ایکسی لیٹر سے پاؤں ہٹا کر بریک دبا دی تھی۔ ٹائر زوردار آواز میں چیخے، میں جھٹکے سے اگلی نشست سے ٹکرایا اور پھر سنبھل کر سرعت سے باہر نکل گیا۔

تعاقب کرنے والے موڑ کاٹ چکے تھے اور تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ گھٹنا زمین پر ٹیک کر میں نے شست لی۔

متحرک ہدف کو نشانہ بنانے کو ہمیشہ لیڈ لی جاتی ہے۔ جو ہدف کی رفتار کو مدنظر رکھ کر لی جاتی ہے۔ کیوں کہ براہ راست ہدف پر شست لی جائے تو جب تک گولی ہدف تک پہنچتی ہے، متحرک ہدف آگے نکل چکا ہوتا ہے۔ لیکن کاروں کا رخ ہماری ہی جانب تھا، اس لیے مجھے لیڈ لینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ شست سادھنے میں مجھے ایک دو سیکنڈ سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ لبلبی دباتے ہی گولی کی آواز کے بعد ٹائر پھٹنے کا زوردار دھماکا ہوا۔ تیز رفتار کار ڈرائیور سے نہیں سنبھلی تھی۔ البتہ اس نے کار کو الٹنے سے بچا لیا تھا۔ کار سڑک سے اتر کر ایک درخت سے جا ٹکرائی۔

اس دوران میں عقبی کار پر شست سادھ چکا تھا۔ جو کافی قریب آ چکی تھی۔ اگلی گولی نے اس کا ٹائر پھاڑا۔ یہ ڈرائیور زیادہ ماہر نہیں تھا، تبھی کار لڑھکتے ہوئے سڑک سے دور جا گری تھی۔ سب سے آخر میں پولیس کی جیپ تھی۔ انھوں نے شاید خطرہ بھانپ لیا تھا۔ تبھی دور ہی رک گئے تھے۔

میرے پاس؟ اگر گاڑی کچھ کا وقت نہیں تھا۔ ان کے راستے کے پار ہوا میں نے جیپ کے اگلے [illegible]
ایک ایک گولی مجھ سے لگی تھی۔ کان پھاڑ دینے والے دھماکے ہو رہے۔ میں مڑ کر دوڑ پڑا۔ دشمن کی جانب سے [illegible]
ہوا۔ گولیاں "ٹھس ٹھس" کی آواز سے میرے سر کے اوپر سے گزری تھیں۔ دو تین گولیاں ائل کیبن کی [illegible]
پیوست ہو گئی تھیں۔

میں نے اگلی سیٹ پر نشست سنبھالی۔ لورا تیار بیٹھی تھی۔ بریک سے پاؤں ہٹاتے ہوئے اس نے ایکسی لیٹر دبا دیا۔ گاڑی جو جھٹکا کھا کر آگے بڑھی۔ میں بمشکل سر ونڈ سکرین بورڈ سے ٹکرانے سے بچا سکا تھا۔ ائل کیبن، کمان سے نکلے تیر کی طرح اڑنے لگی۔

بظاہر ہم خطرے کی حدود سے نکل آئے ہیں۔ مگر اسی وقت موڑ کی جانب سے پولیس گاڑیوں کے [illegible] سائرن کی آواز گونجنے لگی۔

میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔ "پیکاریں عام گاڑیوں سے تیز رفتار ہوتی ہیں۔ زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔"

وہ مستفسر ہوئی۔ "بھاگنے کے بارے کیا خیال ہے، تکلیف برداشت کر لو گے؟"

میں نے سنجیدہ لہجے میں شرارت اگلی۔ "تکلیف کیا چیز ہے، لوگ جان بچانے کو دشمن کا ساتھ برداشت کر لیتے ہیں۔"

"طنز کر رہے ہو؟" وہ سچ میں سنجیدہ ہو گئی تھی۔

میں اطمینان سے بولا۔ "ہاں۔"

وہ کھلکھلائی۔ "رہنما! تمھیں اس حالت میں بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"ڈر انسان کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ نہ تو مناسب سوچنے کا چھوڑتا ہے اور نہ کچھ کرنے کی ہمت دیتا ہے۔ سیانے کہتے ہیں 'جو ڈر گیا وہ مر گیا۔' موت کا فیصلہ تو کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ ڈرنے سے تو بچا جا سکتا ہے۔"

وہ مسکرائی۔ "مرنے سے بچنے کی بھی کوشش کی جا سکتی ہے۔" اور ایک دم کار کچے میں اتار دی۔ کار ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ چھوٹے سے میدان کے بعد تعمیراتی علاقہ تھا۔ لورا نے گاڑی ایک عمارت کے بغل میں موڑ کر روکی، یوں کہ اب سڑک سے گزرنے والے ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

چند لمحوں بعد ہی پولیس کی گاڑیاں سائرن بجاتے ہوئے آگے گزر گئی تھیں۔ میں نیچے اتر کر موڑ کے پاس پہنچا اور محتاط انداز میں جائزہ لینے لگا۔ تین گاڑیاں تیز رفتاری سے آگے گزر گئی تھیں۔ میں واپس گاڑی میں لوٹا۔ لورا نے اسٹیرنگ ویل نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے گھورتے ہوئے اس نے سوالیہ انداز میں سر ہلایا۔

تین گاڑیاں تھیں، شاید پیچھے مزید گاڑیاں بھی پہنچ جائیں۔ یہاں چھپنا مناسب نہ ہوگا۔ کیوں کہ سیدھی سڑک پر ہمیں نہ پا کر اس جگہ پر شک کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے ہینڈ بریک ہٹا کر گاڑی ریورس کی، کیوں وہاں سے آگے نہیں بڑھا جا سکتا تھا۔ گاڑی جونہی مکان کی آڑ سے نکل کر چھوٹے میدان ہوئی، سڑک پر پولیس کی دو جیپیں نمودار ہوئیں۔ یہ صورت حال امکان سے بعید تو نہ تھی، کہ ہمیں چھپنا ہوتا۔ لورا نے دائیں موڑ کاٹتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ پولیس کی جیپیں آگے نکل گئی تھیں، مگر ہم دیکھ لیے گئے تھے۔ لورا نے گاڑی گلی میں دوڑا دی۔ گلی چونکہ فرلانگ بھر لمبی تھی، ابھی پہلے یہاں نہیں گھسے تھے، ورنہ پولس کی کاروں کو [illegible] دینے میں کامیاب نہ ہو پاتے۔

میں نے پیچھے دیکھا، جیپیں سڑک سے میدان کی طرف مڑ گئی تھیں۔

لورا نے گلی میں گاڑی بھگا دی تھی۔ جب تک دشمن میدان سے گلی میں داخل ہوتے ہم گلی عبور کر چکے تھے۔ گلی کے
اختتام پر نالا تھا جس پر پل موجود نہیں تھا، لورا نے دائیں جانب اسٹیئرنگ کاٹا اور ستہ زیادہ کشادہ نہیں تھا مگر ڈبل کیبن آسانی
سے آگے بڑھ سکتی تھی۔ عقب سے فائرنگ کا درمیانی برسٹ ابھرا مگر ہم مڑ چکے تھے۔ البتہ اس فائرنگ نے مکینوں کو ضرور
ہڑبڑا دیا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں عموماً دوپہر ڈھلے تک آرام کیا جاتا ہے۔ سورج اب نیچے جھک رہا تھا۔ لورا نے تھوڑا
آگے جاتے ہی دوبارہ دائیں جانب اسٹیئرنگ کاٹا اور گلی میں گھس گئی، کیوں کہ راستہ پکا نہیں تھا۔ اور ناہموار راستے پر تیزی
سے گاڑی نہیں بھگائی جا سکتی تھی۔

میں عقبی نشست پر منتقل ہو گیا تھا۔ دشمنوں کی کاریں گلی میں موڑ کاٹتی نظر آ گئیں۔ اکا دکا گھروں کی بالائی منزل سے
متوحش سر گلی میں جھانکتے نظر آئے، مگر کسی نے داخلی دروازہ کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تڑ... تڑ... تڑ...'' کی بھیانک آواز ابھری، ایک دو گولیاں گاڑی کی باڈی میں گھس گئیں۔ تبھی لورا نے ایک دم
بائیں موڑ کاٹا۔ میں چیخا ''بریک لگاؤ۔''

میرا سابقہ اقدام اسے یاد تھا، بغیر سوال کے اس نے بریک دبا دی تھی۔ نیچے اترتے ہی میں بھاگ کر موڑ کے قریب
پہنچا۔ وہ پچاس ساٹھ گز دور تھے اور آندھی و طوفان کی طرح بڑھتے آ رہے تھے۔

سیفٹی لیور کو سنگل راؤنڈ پر سیٹ کرتے ہوئے میں نے گھٹنا نیچے ٹکایا۔ مسلسل دو مرتبہ لبلبی دبا کر میں نے اگلی کار کے
سامنے والے ٹائر ناکارہ کر دیئے تھے۔ کار بری طرح لہرائی اور ایک گھر کے دروازے سے ٹکرا کر ایک جانب آدھی الٹی ہو
گئی تھی۔ دوسری کار اس سے بیس پچیس گز پیچھے تھی۔ اگلی کار کو ہٹائے بغیر اس کا وہاں سے گزرنا ممکن نہیں تھا۔ میں بھی گولی
چلانے کے بعد سیکنڈ بھر سے زیادہ نہیں رکا تھا اور فوراً بھاگ کر ڈبل کیبن میں بیٹھ گیا۔ لورا تیار تھی۔ بریک سے پاؤں ہٹا کر
اس نے ایکسی لیٹر دبا دیا۔ پندرہ بیس آگے دائیں جانب ایک اور گلی نکل رہی تھی۔

''دائیں موڑو۔'' گلی نظر آتے ہی میں چیخا۔ کیوں کہ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ ہمیں عقب سے نشانہ بنا سکتے تھے۔

گلیاں اتنی کشادہ نہیں تھیں کہ زیادہ تیز رفتاری سے موڑ کاٹا جا سکتا، اس کے باوجود لورا کافی مہارت اور تیز رفتاری
سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے موڑ کاٹنے تک عقب سے تڑتڑاہٹ کی آواز ابھر چکی تھی۔

لورا نے ہونٹ بھینچتے ہوئے ایکسی لیٹر دبایا، ڈبل کیبن غرا کر بھاگنے لگی۔ ذرا سی بے احتیاطی سے گاڑی کا پہیہ نالی
وغیرہ میں پھنس سکتا تھا۔ گلی کی چوڑائی اتنی زیادہ نہیں تھی، مگر مصیبت یہ تھی کہ احتیاط برتنے میں بھی بچت نظر نہیں آ رہی تھی۔
دشمن موت کے فرشتے کے روپ میں تعاقب میں تھے۔

اگلا موڑ ملنے تک دشمن گلی کے سرے پر نمودار ہو چکے تھے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ اور فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ
ہمیں نشانہ نہ بنا پاتے۔ میں تیار بیٹھا تھا، جونہی انھوں نے ساکن ہو کر کلاشن کوفیں سیدھی کیں، ان سے پہلے میں نے مسلسل
تین چار بار لبلبی دبا کر انھیں حواس باختہ کر دیا تھا۔ میں نے ان کی ٹانگوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ اور صرف ایک ہی
گولی نشانے کو چھو پائی تھی کہ متحرک گاڑی میں نشانہ سادھنا دشوار ترین ہے۔

ایک کے گرتے ہی باقی دو بوکھلاتے ہوئے آڑ میں ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں لورا کو موڑ مل گیا تھا۔ رفتار ہلکی سی کم کر
کے اس نے دائیں جانب گاڑی موڑی اور دوبارہ رفتار بڑھا دی۔ دشمنوں کی طرف سے ایک دو چھوٹے فائر ہوئے، مگر وہ فقط
اضطراری فائر تھا۔

گلی کشادہ تھی۔ لورا گاڑی کو سیدھا بھگائے گئی۔ میں عقب کی طرف متوجہ تھا۔ دشمن کسی بھی وقت نمودار ہو سکتے
تھے۔ اچانک لورا کی متفکر آواز ابھری۔

"ریجا بری خبر ہے۔"

میں نے منہ بنایا۔"بری خبر براہ راست سنایا کرو، اطلاع دے کر دہری اذیت نہ دیا کرو۔"

وہ جھٹ سے بولی۔"فیول گیج کی سوئی منہ چڑھا رہی ہے۔"

میں منہ بناتے ہوئے بولا۔"ایسے منہ کو چڑھانے کے علاوہ کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔"

مجھے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے اس نے دانت پیسے۔"شاید تمھیں انڈین ایجنسیوں کے ہاتھوں سے مرنے کا شوق ہے۔"

میں مسکرایا۔"سامنے دیکھو کہیں مروا نہ دینا۔ اور مذاق برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔"

اسی وقت ایک مکان سے کار برآمد ہوئی اور ہمارے سامنے چلنے لگی۔ چوکیدار کے دروازہ بند کرنے سے پہلے ہم قریب پہنچ چکے تھے۔ ایک دم لورا نے گاڑی مکان کے داخلی دروازے کی طرف موڑی، چوکیدار ایک پٹ بند کر چکا تھا۔ پٹ کو ٹکر مار کر ڈبل کیبن اندر گھس گئی۔ لورا نے فوراً بریک دبائی، چوکیدار ہکا بکا کھڑا تھا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں نیچے چھلانگ لگا چکا تھا۔

"دروازہ بند کرو۔" میں نے کلاشن کوف اس کی جانب سیدھی کی۔ اس کی رائفل دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ کن اکھیوں سے اپنی رائفل کو دیکھتے ہوئے اس نے تھوک نگلی۔ شاید ہیرو بننے کے چکر میں تھا۔

میں نے اطمینان بھرے انداز میں مشورہ دیا۔"گولی سے زیادہ تیز رفتاری سے حرکت کر سکتے ہو تو رائفل تک پہنچنے کی کوشش کرنا مفید ہو سکتا ہے۔"

"کک.....کیا چاہتے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"بتا تو دیا ہے کہ دروازہ بند کر دو۔"

اس نے مرے مرے انداز میں دروازہ بند کیا، اسی وقت اندرونی عمارت سے ایک جواں سال عورت برآمد ہوئی۔ اس نے گود میں بچہ اٹھایا ہوا تھا۔ لورا کلاشن کوف تانتے ہوئے بولی۔

"ہینڈز اپ۔" (ہاتھ اوپر)

میں نے چوکیدار کے قریب ہوتے ہوئے لورا کو جھڑکا۔"عقل کے ناخن لو، بے چاری کی گود میں بچہ نظر نہیں آ رہا۔"

لورا نے دھمکی تبدیل کی۔"غلط حرکت یا چلانے کی کوشش تمھیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

میں نے فوراً اسے تسلی دی۔"محترمہ! تمھیں ہم سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا البتہ تمھاری آواز پر ہمارا تعاقب کرنے والے یہاں پہنچ گئے تو ان کی گولیوں سے بچنے کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔"

لورا کی سمجھ میں ہندی وار دو نہیں آتی تھی تبھی خاموش رہی۔ میں نے چوکیدار کو کلاشن کوف سے ٹہوکا دیتے ہوئے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

عورت ہکلاتے ہوئے مجھے مخاطب ہوئی۔"گگ..... گھر میں کچھ ایسا موجود نہیں جسے تم لوٹ سکو۔"

"بی بی! ہم تمھیں لوٹنے نہیں آئے، دشمنوں سے بچنے کو بھاگ رہے ہیں۔ اب بہتر ہوگا تم اندر گھس کر دروازہ کنڈی کر لو۔"

وہ گھبراتے ہوئے پوچھنے لگی۔"تت..... تم شمبھو کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔" یقیناً چوکیدار کا نام شمبھو تھا۔

"یہ بھی تمھارے ساتھ ہی ہوگا۔ اور اب جلدی سے اندر گھسو۔" آخری الفاظ میں نے قدرے غصے سے بولے۔ وہ جلدی سے اندر گھس گئی۔ چوکیدار کو بھی اس کے پیچھے دھکیل کر میں نے ڈرائینگ روم کا دروازہ باہر سے کنڈی

وہ چند قدم آگے نکل گئی تھی۔ میرا پیچھے رہنا محسوس کرتے ہی وہ قدموں میں سستی لاتے ہوئے بولی: "... کہیں پیچھے ڈالنا ہے گا۔"

میں تحمل سے بولا۔ "تمھارا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

وہ مصر ہوئی۔ "جلد ہی وہ علاقے کو گھیر لیں گے۔ اور اس سے پہلے ہمیں زیادہ سے زیادہ دور جانا ہوگا۔"

میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ بہ مشکل غصے پر قابو پاتے ہوئے میں نے تجویز دی۔ "مناسب ہے تم چلی جاؤ۔ تنہا ... میں ہماری بچت کے امکان بڑھیں گے۔"

ایک دم قریب ہوتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھاما۔ "ریحا نگی نے ... تم نے وعدہ کیا تھا ... مارنے میں میری مدد کرو گے۔"

"تم میری جسمانی حالت سے واقف ہو پھر ایسی بکواس کا مقصد؟"

اس نے سرعت سے صفائی دی۔ "جلد بازی میں دھیان نہ کر سکی۔"

میرے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا۔ "اتنی بے دھیانیاں اچھی نہیں ہوتیں۔"

وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ "شروع ہو گئی ریحا کی بکواس۔ یقین کرو افغانستان کے محاذ پر تم سے اتنا متاثر ہوئی تھی ... تمھاری تلاش میں پاکستان جانے پر تل گئی تھی۔ وہ تو شکر ہے میجر جینیفر ہنڈسلے سے ملاقات ہوئی اور پتا چلا تم ... ہو۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ "وہاں کئی بار تم سے گفتگو ہوئی تھی۔ اور ہر بار میں نے ڈیٹ کا وعدہ لیا تھا۔ عجب انداز ... تھا۔"

اس نے منہ بسورا۔ "میں نے سوچا مذاق کر رہے ہو۔"

"اور کب لگا کہ میں سنجیدہ ہوں۔" میں اسے کریدنے پر تل گیا۔

اس نے صفائی سے موضوع تبدیل کیا۔ "کیا یہ وقت ان باتوں کا ہے؟" ہم گلی کے سرے پر پہنچنے والے تھے۔ وہ گلی ایک چوڑی گلی میں ضم ہو رہی تھی۔ اور چوڑی گلی آگے جا کر اس گلی سے مل رہی تھی جہاں سے ہم گھر میں گھسے تھے۔ دو لڑکے سامنے سے نمودار ہوئے۔ لورا کو اشتیاق بھری نظروں سے گھورتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔

لورا دو قدم آگے تھی۔ جونہی اس نے چوڑی گلی میں قدم دھرے، فوراً الٹے قدموں پیچھے ہوئی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

وہ پریشانی سے بولی۔ "دو مسلح پولیس والے اسی طرف آ رہے ہیں۔"

"تمھیں دیکھا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "شاید نہیں۔"

جتنی دیر گزرے گی، ان گلیوں میں دشمنوں کی نفری میں اضافہ ہوتا جائے گا۔"

وہ متفکر ہوئی۔ "کیا کریں؟"

میں نے مشورہ دیا۔ "قریبی مکان میں گھس کر تھوڑا انتظار کرتے ہیں، ان کے گزرنے کے بعد آگے بڑھیں گے۔"

مکان کا دروازہ بہ مشکل پانچ فٹ اونچا تھا، لورا با آسانی اندر گھس کر میرے لیے دروازہ کھول سکتی تھی۔

وہ متفق ہوتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ "جلدی کرنا پڑے گی۔"

مگر اس کی تیزی کام نہ آئی کہ ہم پہلے ہی دیر کر چکے تھے۔ پولیس وردی کی جھلک نظر آئی۔ وہ ہماری تلاش میں گھوم

بنے اور ممکن تھا کہ ذیلی گلیوں میں نہ جا نکلتے ۔لورا کی شناخت نہایت آسان تھی اس میں چند قدموں کا فاصلہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتا تھا۔
نہیں، پکڑنے ہی میرے نے ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے پستول کے دستے پر قبضہ جمایا ،انھوں نے بھی لورا کو پہچانتے ہی کوشش کی، لیکن اس دوران میں ہیمر کو پیچھے کھینچ کر سیفٹی ہٹا چکا تھا۔پستول پہلے سے کاک تھا۔ کلاشن کوفیں سیدھی کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے دو راؤنڈ فائر کیے، اتنی سرعت سے فائر ہوئی گولیاں کلاشن کوفوں کے فرنٹ ہینڈ گارڈ سے ٹکرائی تھیں۔ فائر کے جھٹکے سے ان کی کلاشن کوفیں نیچے گر گئی تھیں۔ایک گولی اچٹ کر ایک پولیس والے کے بازو سے ٹکرائی تھی، مگر کلاشن کوف کے فرنٹ ہینڈ گارڈ سے ٹکرانے کی وجہ سے گولی کی طاقت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔وہ خراش ڈالنے کے علاوہ نقصان نہیں پہنچا سکی تھی۔
ہلکی سی چیخ کے ساتھ مضروب نے اپنا بازو تھام لیا تھا۔
میں دھاڑا۔''ہاتھ اوپر۔''
زخمی تو اپنے بازو کو ہاتھ سے دبا کر ترحم آمیز نظروں سے مجھے دیکھنے لگا البتہ دوسرے کے ہاتھ بلند ہو گئے تھے۔
لورا دو قدم بھرتے ہوئے ان کے قریب پہنچی ،کلاشن کوفیں اٹھا کر اس نے ایک سلنگ اپ (کندھے سے لٹکا نا) کی اور دوسری پولیس والوں پر تان لی۔
''چلو۔''اس نے بچ جانے والے کی پیٹھ میں نال چبھوئی۔
دونوں تنگ گلی میں آ گئے تھے۔
''مار دوں۔''لورا نے مشورہ چاہا۔ پولیس والوں کو اس کے ہونٹوں پر پھیلا شرارتی تبسم نظر نہیں آ رہا تھا۔اور اتنی انگریزی تو وہ بھی جانتے تھے کہ انھیں قتل ہونے کے مشورے ہو رہے تھے۔
زخمی گڑگڑایا۔''بھگوان کے لیے مت مارو، ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''
میں پستول کی نال لہراتا ہوا بولا۔''وہ تمھارے بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے۔''
وہ ملتجی ہوا۔''ہم تمھارے بارے کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔''
لورا نے بے صبری ظاہر کی۔''ریچا وقت ضائع کر رہے ہو۔''
میں نے کہا۔''مکان کا دروازہ کھولو۔''
وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھی ،دروازے پر ہاتھ رکھ کر اچکی اور دروازہ عبور کر گئی۔
اچانک کسی مرد کی کرخت آواز ابھری۔''کون ہو اوے۔''
جواباً لورا نے انگریزی میں گٹ مٹ کی ،آواز اتنی مدہم تھی کہ میرے کانوں تک مفہوم نہیں پہنچا تھا۔للکارنے والا شاید چوکیدار تھا۔اور چوکیدار عموماً ان پڑھ یا واجبی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔یقیناً اس کے پلے لورا کا جواب نہیں پڑا تھا تبھی وہ دوبارہ بولا۔
''تم غیر قانونی طور پر گھر میں گھسی ہو، میں تمھیں پولیس کے حوالے ...... افف'' فقرہ مکمل کرنے سے پہلے اس کے منہ سے زوردار کراہ خارج ہوئی۔لمحہ بھر بعد دروازہ کھل گیا۔ پولیس والوں کو آگے لگا کر میں اندر گھس گیا۔دروازے کے سامنے مختصر سا صحن اور اس سے ملحق گیراج بنا تھا۔گاڑی موجود نہیں تھی ،شاید صاحب خانہ دفتر وغیرہ گیا تھا۔چوکیدار گیراج کے سامنے ہی پلاسٹک کی کرسی کے ساتھ لمبا پڑا تھا۔ایک جدید ساخت کا''ریپیٹر'' دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔بے چارے کو اپنا ہتھیار استعمال کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔

ہمارے اندر آتے ہی لورا نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

''اب کیا کریں؟'' لورا نے اگلے اقدام کے بارے میری رائے لی۔

سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے میں نے پولیس والوں کو حکم دیا۔''وردیاں اتارو۔''

''کک.....کیا.....؟'' وہ ہکلا گئے تھے۔

میں درشتی سے بولا۔''یقین کرو لاشوں سے وردیاں اتارنا مشکل نہیں مگر خون کے دھبے سے وردیوں کے خراب ہونے کا خدشہ مجھے روکے ہوئے ہے۔'' وہ کانپتے ہوئے قمیص کے بٹن کھولنے لگے۔

''جلدی کرو۔'' پستول کی نال لہراتے ہوئے میں نے ہدایت دی۔

انھوں نے فوراً سے وردیاں اتار دی تھیں۔

''گھوم جاؤ۔'' میں نے انھیں دیوار کی طرف رخ کرنے کا کہا اور ان کے مڑتے ہی لورا کو مخصوص اشارہ کیا۔

لکڑی کے بٹ والی کلاشن کوف کو نال سے پکڑتے ہوئے اس نے باری باری دونوں کے سر بجائے، وہ چوکیدار کے قریب اوندھے منہ نیچے گر گئے تھے۔

انھیں وردیاں اتارتے دیکھ کر لورا میرا منصوبہ جان گئی تھی۔ان کے بے ہوش ہوتے ہی اس نے بے باکی سے اپنا لباس اتار دیا۔اسے مختصر لباس میں دیکھنا، نیا یا انوکھا نہیں تھا۔وہ کئی بار تیراکی کے مختصر لباس میں خوشنما بدن کے نشیب و فراز کا تعارف کرا چکی تھی۔البتہ کسی عورت کو ایک سے زائد بار مختصر لباس میں دیکھنا، بدنظری کے جائز ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔بے شک اس کی تہذیب و ثقافت اسے شرم و حیا نہیں سکھا سکی تھی،لیکن میرا مذہب و معاشرت میرے لیے ایک دائرہ کار و حدود مقرر کرتا ہے۔ہوش و خرد سے بیگانہ کرنے والے بدن سے نظریں چرا کر میں پولیس وردی اٹھانے لگا۔اس نے میرے لیے زخمی شخص والی وردی چھوڑی تھی۔اس کے بازو پر خون لگا تھا۔گیراج کی دیوار کی آڑ لے کر میں نے جلدی سے لباس اتار کر وردی پہنی۔پولیس والے کا قد مجھ سے بڑا تھا بھی پتلون ذرا لمبی تھی۔پائینچے اندر کی طرف موڑ کر میں نے پولیس والے کے جوتے اتار کر پہن لیے تھے۔

لورا بھی تیار ہو گئی تھی۔اس کا قد تقریباً میرے برابر ہی تھا۔ایک ادھ انچ کا فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔میرا قد پانچ فٹ نو انچ ہے۔اور مردوں میں یہ درمیانی قامت سمجھی جاتی ہے،لیکن عورتوں کے لحاظ سے یہ لمبا قد سمجھا جاتا ہے۔اسے پولیس والے کی وردی فٹ آئی تھی۔جوتے البتہ اس نے اپنے ہی پہنے رکھے کیوں کہ عورتوں کے پاؤں مردوں سے کافی چھوٹے ہوتے ہیں۔

پولیس والوں اور چوکیدار کی مشکیں کس کر ہم نے اصل عمارت اور بغلی دیوار کے درمیانی خلا میں لٹا دیا۔ان کے منہ باندھنے بھی ہمیں نہیں بھولے تھے۔وہاں وہ آسانی سے نظر نہیں آسکتے تھے۔گھر کے مکین آرام سے سوئے تھے۔بند کمرے اور اے سی کی ٹھنڈک نے انھیں اپنے چوکیدار کی حالت سے بے خبر رکھا تھا۔یوں بھی گیراج میں گاڑی کی غیر موجودی ظاہر کر رہی تھی کہ گھر کا مالک موجود نہیں تھا۔خاتون خانہ اور زیادہ سے زیادہ معصوم بچوں کی موجودی کا احتمال ا۔وہاں چھپنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔کلاشن کوفیں اٹھا کر ہم محتاط انداز میں گھر سے باہر نکل آئے۔

ساری کارروائی میں چند منٹ ضائع ہو گئے تھے۔ایک عام آدمی اور تربیت یافتہ سپاہی میں یہی بنیادی فرق ہوتا ے۔ایسے حالات میں عام آدمی حوصلہ چھوڑ کر رونے دھونے بیٹھ جاتا ہے۔کوئی مضبوط اعصاب کا ہو تو فرار کی کوشش تو تا ہے،مگر اسے دشمنوں سے بچنے، جان بچانے اور اپنی حفاظت کے طریقہ کار سے واقفیت نہیں ہوتی۔وہ بروقت فیصلہ ا کر پاتا۔جبکہ تربیت یافتہ سپاہی ہمت و حوصلے سے کام لیتا ہے۔اسے اپنی حرکات و سکنات پر قابو ہوتا ہے۔گو دشمنوں

سے بچنے اور نبرد آزما ہونے کے لیے بندھے اصول تو نہیں ہیں کہ ہر کسی کو ایک سے حالات پیش آئیں۔ دوران تربیت ہمیں بھی مختلف حالات سے روشناس کرایا گیا تھا۔ بے شک عملی زندگی میں تربیت میں سیکھے ہوئے مسائل سے واسطہ نہ پڑے مگر ہماری اصولوں کو جاننے کے بعد نت نئے مسائل سے نبٹنا ناممکن نہیں رہتا۔

غربی جانب تھوڑے فاصلے پر فائرنگ کی تیز آواز ابھری۔ شاید کوئی بے چارہ ہماری تلاش میں سرگرداں ٹولی کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کوئی اور گروہ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ یہ موقع بھاگنے کے لیے نہایت غنیمت تھا۔ اس سے پہلے میں نے پستول سے دو گولیاں فائر کی تھیں، پستول اتنی زیادہ آواز پیدا نہیں کرتا کہ آواز زیادہ دور تک جائے۔ یقیناً اسی وجہ سے کوئی سن گن لینے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ مگر اب کلاشن کوفیں گرجی تھیں۔ اور پانچ چھے چھٹے (برسٹ) اکٹھے فائر ہوئے تھے، ناممکن تھا ہماری تلاش میں سرگرداں ٹولیاں اس جانب کا رخ نہ کرتیں۔ لورا نے اپنی زلفوں کو لپیٹ کر ٹوپی کے اندر قید کر دیا تھا، یوں وہ دور سے مرد ہی نظر آنے لگی تھی۔ ہم نے جانے کی سمت میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ چوڑی گلی میں نکلتے ہی بائیں جانب سے ہیوی بائیک کی مخصوص آواز ابھری۔

وہ جوش سے چلائی۔ ”ریچا!...... اسے روکو۔“ اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر سر سے ٹوپی اتار کر سنہری بال لہراتے ہوئے گلی کے درمیان میں ہو گئی۔ موٹر سائیکل پر دو لڑکے سوار تھے۔ ان کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ویسے بھی اتنی قیمتی موٹر سائیکل خریدنا عام لوگوں کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ ایسے بگڑے رئیس زادے کبھی پولیس کے اشارے پر نہ رکتے، مگر روکنے والی کی صورت ایسی نہیں تھی کہ کسی جوان لڑکے کا بریک پر دھرا پنجہ نیچے کو نہ دبتا۔

موٹر سائیکل چلانے والا ہیلمٹ اتارتا ہوا عاشقانہ لہجے میں بولا۔ ”ہائے، ایسی کڑک پولیس والی پہلی بار نظر آئی ہے۔“

لورا کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی۔ وہ انھیں روکنے کا سبب بتانے لگی۔ ”جانتے نہیں اس موٹر سائیکل پر ڈبل سواری منع ہے۔“

موٹر سائیکل چلانے والا اوباشانہ انداز میں بولا۔ ”بے بی تم ہمارے درمیان بیٹھ جاؤ، تین افراد پر تو پابندی نہیں ہے نا۔ اور بے فکر رہو تمھیں ایسی عیش کرائیں گے کہ کبھی نہیں کی ہوگی۔“ اس نے انگریزی ہی سہارا لیا تھا۔ یوں بھی انگریزی اس طبقے کے لوگوں کی پسندیدہ زبان ہوتی ہے۔

”اچھا مشورہ ہے۔“ لورا قریب ہوئی، اس کا دایاں مکا بجلی کی سی سرعت سے موٹر سائیکل چلانے والے کی کنپٹی سے ٹکرایا، اس نے جھولتے ہوئے ہنڈل پر سر ٹیک دیا تھا۔

”تت...... تم جانتے نہیں ہم کون ہیں۔“ ساتھی کو اتنا غفیل ہوتے دیکھ کر دوسرے نے گھبرائے ہوئے انداز میں دھمکی دی۔ بدحواسی میں اسے انگریزی بولنا بھول گیا تھا۔ لورا کا دوسرا مکا اس کی گردن پر لگا تھا۔ اپنے ساتھی کو تو اس نے سہارا دیا تھا۔ لیکن اسے روک میسر نہ ہوئی۔ وہ گلی کے پختہ فرش پر جا گرا تھا۔ گود میں رکھا ہیلمٹ بھی نیچے گر کر لڑھکتا ہوا گلی کے وسط میں پہنچ گیا۔

دوسرے کو بھی نیچے دھکیل کر لورا نے ڈرائیونگ سنبھال لی۔

میرا ایسی موٹر سائیکل کی سواری کا پہلا موقع تھا۔ لیکن لورا کا جوش دیکھ کر ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نہ صرف اچھی طرح موٹر سائیکل چلا سکتی ہے بلکہ وہ اس کی پسندیدہ سواری بھی ہے۔ اس نے ہیلمٹ پہن کر شیشہ اٹھایا۔

”بیٹھو۔“ ہنڈل پکڑتے ہی اس نے خالی ریس دی۔ انجن کی مخصوص آواز نے اس کے ہونٹوں پر خوب صورت تبسم

پار کرنے سے پہلے ہم دور ہو چکے تھے۔ سہ پہر ہو گئی تھی اور گلیوں میں لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ عام لوگوں کو بچانے کو وہ
اندھا دھند فائر نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی تھی۔ افراد، رکشوں اور ریڑھیوں سے موٹر سائیکل کو
بچاتے ہوئے لورا کمال مہارت سے آگے بڑھتی رہی۔ اسے سڑک کی تلاش تھی۔ اور اس بار ہمیں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ گلی کا
اختتام سڑک پر ہوا تھا۔

سڑک پر آتے ہی لورا نے رفتار خطرناک حد تک بڑھا دی تھی۔ ہمارے عقب میں دو تین کاریں بھی نمودار ہوئیں، مگر
سڑک پر وہ ہیوی موٹر سائیکل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ لورا موٹر سائیکل کو لہراتے ہوئے گاڑیوں کے درمیانی خلا سے یوں
گزر رہی تھی جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ اور مجھے ہر لمحے یہی لگ رہا تھا کہ وہ موٹر سائیکل کسی گاڑی میں ٹھوک دے
گی۔ عام موٹر سائیکل کے پچھلے سوار کو ڈر لگا رہتا ہے، وہ تو ہیوی بائیک تھی۔ مگر میرے اعصاب مضبوط تھے تبھی برداشت
کیے بیٹھا رہا۔ بلاشبہ میں اس مہارت سے کبھی موٹر سائیکل نہ چلا پاتا۔ بلکہ اس موٹر سائیکل کو تو شاید چلا ہی نہ پاتا۔
وہ چند کلومیٹر سے زیادہ سڑک پر نہیں چلی تھی، کیوں کہ سڑک پر ہمیں گھیرنا زیادہ آسان ہو جاتا۔ رفتار کم کرتے ہوئے
اس نے ایک گلی میں موٹر سائیکل موڑ دی۔ ہر طرف چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ لورا نے رفتار دھیمی کر لی تھی، مگر اب لباس
مسئلہ پیدا کر رہا تھا۔ پولیس کی وردی لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتی ہے۔

میں نے کہا۔ ''ہمیں کپڑے تبدیل کرنا ہوں گے۔''

اس نے تیار شدہ (ریڈی میڈ) کپڑوں کی دکان کے سامنے بریک دباتے ہوئے کہا۔ ''چلو۔''

موٹر سائیکل کھڑی کر کے ہم اندر گھس گئے۔ آج میڈیا بہت تیز ہو گیا ہے۔ اور مجھے ڈر تھا کہ شاید ہمارے بارے خبر
چل رہی ہو۔ دکان میں ٹی وی کو نہ پا کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔ ہم نے دیر کیے بغیر اپنے لیے ایک ایک لباس کا انتخاب
کیا اور ''ٹرائی روم'' میں گھس گئے۔ دونوں نے جینز کی پتلون اور نصف بازو کی بنیان منتخب کی تھی۔ وردیاں ہم نے ٹرائی روم
ہی میں چھوڑ دی تھیں۔ میرے پاس گوتم لوگوں کی جیب سے نکالی ہوئی نقدی موجود تھی۔ اس لیے میں نے دکان دار کا
نقصان نہ ہونے دیا۔

''اب کہاں جائیں گے؟'' دکان سے نکلتے ہوئے لورا مستفسر ہوئی۔

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''میری جسمانی حالت علاج و آرام کی متقاضی ہے۔''

وہ شوخی سے ہنسی۔ ''میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں کہ کچھ کر سکوں۔''

میں ترکی بہ ترکی بولا۔ ''جو تمھارے بس میں ہے اسی کا اقرار کر لو کافی ہے۔''

''بکواس کرنا کوئی ریچا سے سیکھے۔'' منہ بناتے ہوئے اس نے چابی میری طرف بڑھائی۔ ''ڈرائیونگ کرو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ موٹر سائیکل کبھی نہیں چلائی۔''

مجھے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے وہ شکی لہجے میں بولی۔ ''جھوٹ نہ بولو۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیسے یقین آئے گا۔''

''رہنے دو۔'' وہ تلملاتے ہوئے موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اپنی جگہ سنبھالی۔ اگنیشن میں چابی گھما کر اس
نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور آگے بڑھ گئی۔

لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ ''بتایا نہیں کدھر جانا ہے۔''

''ممبئی، ہمارے لیے ایک جیسا انجان ہے۔''

''کوئی مشورہ تو دے سکتے ہو نا۔''

[illegible] جو خطرے سے خالی نہ ہوگا، کرائے کا مکان ہی ڈھونڈنا پڑے گا۔"
[illegible] پولیس کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔"
[illegible] نے ظاہر کیا۔
مجھے حل سوجھا۔ "موٹر سائیکل بیچنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔"
وہ تلخی سے بولی۔ "موٹر سائیکل چوری کی ہے۔"
میں ہنسا۔ "یہاں چوری کا مال خریدنے والوں کی کمی نہیں ہے۔"
وہ متفق ہوئی۔ "تو رہنمائی کرو، یوں بھی موٹر سائیکل کو مزید ساتھ رکھنا مناسب نہ ہوگا۔"
میں نے اسے ایک رکشے والے کے قریب رکنے کو کہا، جو رکشا گلی کی ایک جانب روکے سواری کا منتظر تھا۔ [illegible] تھا، میں چادر کھینچے کھڑے تھے۔
ہمارے رکنے پر وہ متوجہ ہوا۔ میں نے ہیلمٹ کا شیشہ اٹھا کر کہا۔ "مہاراج! کسی اچھی موٹر سائیکل ورکشاپ کی رہنمائی کر دیں۔"
وہ لورا پر گہری نگاہ ڈال کر میری طرف متوجہ ہوا۔ "وہ ہے مگر جانا پڑے گا۔"
اس کے انداز سے لگا ہے مگر تھوڑی دور ہے۔ میں نے پوچھا۔ "نزدیک میں کوئی ورکشاپ نہیں ہے؟"
وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ "تم نے اچھی ورکشاپ کا پوچھا ہے۔ ورنہ سو قدم آگے بھولے استاد کی ورکشاپ ہے، البتہ اس کی ایمان داری کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"
"کیا مطلب؟" میں نے حیرانی ظاہر کی۔
اس نے منکشف کیا۔ "تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور نئی موٹر سائیکل سے اصل پرزہ نکال کر دوسرا جوڑ دے گا۔"
ہمیں بھی ایسے ہی استاد کی تلاش تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے لورا کو چلنے کا کہا۔ اس نے ہیلمٹ اتارنے کی غلطی نہیں کی تھی، کیوں کہ اپنی رنگت و شباہت کی وجہ سے وہ آسانی سے پہچان لی جاتی۔ البتہ ہیلمٹ اس کے صنف نازک ہونے کو نہیں چھپا سکتا تھا۔ نصف بازوؤں کی چست بنیان فراخ دلی سے دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ تبھی رکشے والا مخاطب مجھ سے اور متوجہ اس کی جانب رہا۔ البتہ انڈیا میں عورتوں کا موٹر سائیکل چلانا اتنا انوکھا بھی نہیں کہ خصوصی توجہ کا حامل بن سکے۔ آج کل تو پاکستان میں بھی خواتین موٹر سائیکل کی سواری کرتی نظر آ جاتی ہیں۔ اگر ستر پوشی و پردے کا اہتمام کیا جائے تو اس پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیوں کہ ماضی بعید میں مسلمان خواتین بڑے شوق سے گھڑ سواری کیا کرتی تھیں۔ موٹر سائیکل اور گھڑ سواری میں خاصی مشابہت ہے۔ البتہ کھلا لباس اور بے پردگی کی چھوٹ شریعت نہیں دیتی۔ اور نقاب میں موٹر سائیکل چلانا چنداں دشوار نہیں ہے، کہ نقاب ڈرائیونگ پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہیلمٹ بہ ذات خود بہترین نقاب ہے۔
ورکشاپ ایک بغلی گلی میں تھی جو بھولے استاد کی دکان پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ وہاں سے آگے جانے کا رستہ نہیں تھا۔ ایک پرانی موٹر سائیکل سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے لڑکے سے رہنمائی لے کر ہم بھولے استاد کی جانب گئے۔ تیل سے چپڑی شلوار قمیص میں ملبوس وہ ادھیڑ عمر کا صحت مند شخص تھا۔ آنکھوں میں سفاکی و مکاری کی چمک اس کے کرتوتوں کی مظہر تھی۔
اس نے بھی لورا پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ "کیسے آنا ہوا باؤ؟"
میں سید ھا مدعے پر آیا۔ "موٹر سائیکل بیچنا ہے۔"
وہ رکھائی سے بولا۔ "یہ ورکشاپ ہے بار کین نہیں ہے۔"

میں ابھر کی پھنی بولا ''موٹر سائیکل چوری کی ہے، کسی نے آپ کا پتا بتایا تو یہاں آگئے۔ نہیں خریدو گے تو چلے جائیں گے۔''

وہ مچر ہوا۔ ''ہوش میں ہو۔''

میں اعتماد سے بولا۔ ''بھولے استاد! اتنے بھولے نہ بنو۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

وہ نظریں چراتے ہوئے مشکوک لہجے میں بولا۔ ''تمھیں شاید کسی نے غلط پتا بتا دیا ہے۔''

میں نے اسے تسلی دی۔ ''درست، ہمارا تعلق خفیہ پولیس وغیرہ سے نہیں ہے۔ بلکہ ہم خود پولیس سے چھپتے پھر رہے ہیں۔''

اس نے چھاتی پھلائی۔ ''بھولے استاد کو ڈرانے والا اب تک پیدا نہیں ہوا۔''

اسی وقت لورا نے اپنا ہیلمٹ اتارتے ہوئے لوچ دار آواز میں کہا۔ ''باؤلا اسٹاڈ، وٹس پرابلم۔'' (بھولے استاد کیا مسلہ ہے) یقیناً ہماری تکرار کی اسے سمجھ نہیں آئی تھی، البتہ اتنا اندازہ اسے ضرور ہو گیا تھا کہ بھولا اڑی کر رہا تھا۔

لورا براؤن کی صورت اور بدیسی لہجے میں بھولا استاد کہنا اسے لٹو کر گیا تھا۔ وہ ریشہ خطمی ہوتے ہوئے بولا۔

''حکم کرو میڈم۔''

وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ ''کیا بک رہا ہے؟''

''تمھاری ترجمانی کرنے کا وقت میرے پاس نہیں ہے۔ مجھے سودا کرنے دو۔'' اسے خاموش ہونے کا کہتے ہوئے میں بھولے کی طرف متوجہ ہوا۔ ''مادام کہہ رہی ہے مجھے کس ڈرپوک کے پاس لے آئے ہو۔''

وہ کڑے لہجے میں بولا۔ ''جوان، بھولے کو دھوکا دینے والا دوسرا سانس لینے کا حق دار نہیں ہوتا۔''

''بھولے استاد، عقل کو ہاتھ مارو، میں صاف گوئی سے بتا چکا ہوں کہ موٹر سائیکل چوری کی ہے۔ اس کے علاوہ کون سی دھوکا دہی ڈھونڈ رہے ہو۔''

اس نے اندیشہ واضح کیا۔ ''اگر تمھارا تعلق کسی ایجنسی یا خفیہ پولیس سے ہوا تو بھولا تمھیں نرگ میں بھیج کر ہی گرفتاری دے گا۔''

میں نے اس کی ہمت بندھائی۔ ''بے فکر رہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے ریس گھمائی، انجن وغیرہ کا جائزہ لیا، چند اور پرزوں کو چھیڑ کر بولی لگائی۔ ''پچاس ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا۔''

مجھے موٹر سائیکل کی قیمت کا سرسری اندازہ تھا تبھی برہمی ظاہر کی۔ ''سولہ، سترہ لاکھ کی موٹر سائیکل کو پچاس ہزار میں بیچنے کے بجائے آگ لگانا زیادہ بہتر رہے گا۔''

''باؤ یہ چوری کی ہے۔''

''تو چوری کا مال نصف یا تہائی میں خریدو استاد۔ اس کے پچاس ہزار تو تول کر خریدنے والا کباڑی بھی دے دے گا۔''

''زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ۔'' اس نے بہ ظاہر آخری دام بتائے۔

لورا مستفسر ہوئی۔ ''کتنے دے رہا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''ایک لاکھ۔''

''اسٹاڈ باؤلا ڈبل ڈن۔'' لورا نے بھولے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دو لاکھ میں سودا مکمل کر دیا۔ (یعنی

بھولے کی بتائی ہوئی قیمت کے دگنے میں سودا طے ہو گیا)
بھولے کوئی اعتراض تھا بھی سہی تو لورا سے ہاتھ ملانے کی سعادت نے باقی نہ رہنے دیا تھا۔
لورا کا نازک ہاتھ، بھدے ہاتھ میں تھامتے ہوئے اس نے دانت نکوسے۔ ''ٹھیک ہے مادام۔''
لورا کی سوالیہ نظریں میری طرف اٹھیں، میں شوخی سے بولا۔ ''غلام قوم کا باشندہ، حکمراں قوم سے تکرار تو نہیں کرسکتا۔''
''چھوٹے بھاگ کر ٹھنڈی بوتل پکڑ لا۔'' بھولا شاگرد کو حکم دے کر ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ''آئیں بیٹھیں۔''
''استاد بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ ہماری رقم لائیں اور اپنی چیز سنبھالیں۔''
سر ہلاتے ہوئے اس نے لورا کو میٹھی نظروں سے گھورا اور ورکشاپ کے اندر گھس گیا۔ اس کی واپسی دو ہزار والے نوٹوں کی گڈی کے ساتھ ہوئی تھی۔ (انڈیا میں، دس، بیس، پچاس، سو، دو سو، پانچ سو اور دو ہزار کے نوٹ مستعمل ہیں)
پیسے لے کر میں نے گنے بغیر جیب میں ڈالے اور ہم بھولے استاد سے الوداعی مصافحہ کر کے چل پڑے۔
لورا نے خجالت ظاہر کی۔ ''شاید ہمیں ان بے چاروں کی موٹر سائیکل نہیں بیچنا چاہیے تھی۔''
میں نے ڈھارس بندھائی۔ ''ان بے چاروں نے تمھارے بارے جو تبصرہ کیا تھا وہ بھول گیا ہے۔ ایسے اوباشوں کو سبق سکھانا ضروری ہوتا ہے۔ باقی ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی، موٹر سائیکل کو لاوارث چھوڑ دیتے تو کسی اچکے کے ہاتھ لگ جاتی۔ اور وہ لڑکے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، یہ ان کے لیے بڑا نقصان نہیں ہوگا۔''
اس نے موضوع تبدیل کیا۔ ''اب شب بسری کا سوچو۔''
شام کا ملگجا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ''پہلے پیٹ بھرتے ہیں، بھاگ دوڑ و اچھل کود میں سب کھایا پیا ہضم ہو چکا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے ایک خالی رکشے کو اشارہ کیا۔ اندر گھستے ہی میں نے کسی درمیانہ درجے کے معیاری ہوٹل پر جانے کا کہا۔
آدھے گھنٹے بعد اس نے ایک درمیانہ درجے کے ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔ ہم نسبتاً تاریک گوشے کی طرف بڑھ گئے۔ میری نظریں ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں۔ اندازہ تھا کہ ہمارا ذکر خبروں میں ضرور ہوگا۔
بیرا قریب آیا۔ لورا سے ان کی پسند پوچھ کر میں نے مچھلی کے بنے دو پکوان بتائے اور ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میرا نصف اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ میرا تعارف بہ طور دہشت گرد کرایا گیا تھا۔ تصویر بھی دکھائی جا رہی تھی۔ البتہ لورا براؤن کا ذکر تھا نہ میرا پاکستانی ہونا ظاہر کیا گیا تھا۔
میں نے کہا۔ ''خبروں میں تمھارا کوئی ذکر نہیں ہے۔''
وہ بھناتے ہوئے بولی۔ ''میرا ذکر کرنے پر برطانوی حکومت متوجہ ہو جائے گی اور انھیں جواب دہی مشکل ہو گی۔''
میں نے مشورہ دیا ''تمھیں برطانوی سفارت خانے جانا چاہیے۔''
''میرے خلاف ان کے پاس مضبوط ثبوت موجود ہیں۔ ایسی صورت میں سفارت خانہ زیادہ سے زیادہ مجھے برطانیہ واپس بھجوا سکتا ہے۔''
میں منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''کسی ایک نقطہ نظر پر تو قائم رہو۔''
وہ متبسم ہوئی۔ ''تمھاری سمجھ ہی میں کچھ نہیں آ رہا۔''
میں معترض ہوا۔ ''متضاد باتیں کرو گی تو کیسے سمجھ پاؤں گا۔''
وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''مسٹر ایس ایس، اگر میڈیا میرا ذکر اچھالے گا تو برطانوی حکومت اپنے شہری کے

...لے میدان میں اتر آئے گی، کیوں کہ جب مسئلہ اپنی ناک کٹنے سے بچانے کا ہوگا۔ دوسری صورت میں [illegible] اہم
کرنے سے زیادہ میری مدد نہیں کرسکتی۔ کیوں کہ بظاہر میں مجرم ہوں۔ اور سچ کہوں تو میں اپنی جان بچانے سے زیادہ [illegible] کی ہلاکت کی متمنائی ہوں۔"

"گویا تم حکومت کو بیچ میں نہیں لانا چاہتیں۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس میں اور وجوہات بھی شامل ہیں۔"

"مثلاً" میں نے جاننے میں دلچسپی لی۔

"بعد میں بتاؤں گی۔" وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی جو بیرا ہمارے سامنے چن رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "تم ڈیوڈ کو کال کیوں نہیں کرلیتیں۔"

"اس کا موبائل فون نمبر مجھے یاد ہے۔ فارغ ہو کر بات کرتی ہوں۔"

میں تلی ہوئی مچھلی کے پارچوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کھانے کے دوران میں ٹی وی اسکرین کو بھی دیکھتا رہا۔ مجھ سے کافی خوفناک باتیں منسوب کر کے مشتہر کیا جارہا تھا۔ انڈین میڈیا یوں بھی رائی کو پہاڑ دکھانے کا ماہر ہے۔ میری تازہ تصویری دکھائی جارہی تھی۔ مگر میرا حلیہ بالکل عام سا ہے۔ قد و قامت، رنگ، شکل و صورت میں کوئی نمایاں نشانی نہیں کہ جلد پہچانا جاسکوں۔ دوسرا لورا براؤن کا ساتھ بھی کافی فائدہ مند رہا کہ اکثریت کی نظریں کرامت صورت مردوں... خوش نما و ملاحت بھرے چہرے کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ اور اس کی موجودی میں مجھ غریب پر سرسری اور اچاٹتی ہوئی نظر ہی پڑتی تھی۔

کھانے کے بعد ہم نے چائے پی اور باہر نکل آئے۔ فی الحال تو خطرے کی حدود سے باہر تھے، البتہ آگے کا پتا نہیں کہا جاسکتا تھا۔

اب کسی ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ ایک رکشے میں بیٹھ کر میں نے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"دوست! تمھاری نظر میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے جہاں شب بسری کا ٹھکانہ مل جائے۔"

وہ خوش دلی سے بولا۔ "ایسے کئی مکان ہیں باؤ، اچھے بھی، درمیانہ اور سستے بھی۔"

"تو بس باری باری دکھانا شروع کردو۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رکشا آگے بڑھا دیا۔ اگلے گھنٹے ڈیڑھ میں ہم نے چند مکانوں اور حویلیوں کا جائزہ لیا اور بظاہر تمام کو مسترد کر کے اسے کسی اچھے ہوٹل چلنے کا کہا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں اور رکشا والا چاہے سواری۔ ناک بھوں چڑھائے بغیر وہ ہمیں ایک اچھے سے ہوٹل میں لے آیا۔ اسے منہ مانگا کرایہ ادا کر کے رخصت کیا اور ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ داخلی دروازے تک پہنچنے تک رکشا دور جاچکا تھا۔ میں لورا کا بازو تھام کر واپس مڑ گیا۔

"کیا ہوا؟" وہ حیران ہوئی۔

"احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے ہوئے میں نے ایک خالی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور نشست سنبھالتے ہی ہدایت دی

"کسی اچھے میڈیکل اسپیشلسٹ کے پاس لے جاؤ۔" اپنی ناگفتہ بہ حالت کسی ڈاکٹر کو دکھانا ضروری تھا۔

ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ لورا کی سمجھ میں میڈیکل اسپیشلسٹ کا لفظ پڑ گیا تھا تبھی متبسم ہو کر پوچھا۔

''بڑی دیر بعد علاج کا خیال آیا ہے۔''

میں فلسفیانہ انداز میں بولا۔ دیر آید درست آید۔''

کلینک پر کافی مریض موجود تھے۔ اگر نمبر کا انتظار کرتے تو دو تین گھنٹے ضائع ہو جاتے۔ استقبالیہ کو زہ کو بیمار ہونے کا جھانسا دے کر ہم اندر گھس گئے۔ اس ضمن میں جھوٹ سے زیادہ لورا براؤن کا غیر ملکی ہونا کام آیا تھا۔ ڈاکٹر چند منٹ پہلے ہی آیا تھا اور اب تک اس نے مریضوں کو دیکھنا شروع نہیں کیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میں نے کنڈی کر دیا تھا۔

ڈاکٹر نے حیرت و برہمی سے ہمیں گھورا۔ ''تم بغیر اجازت اندر کیسے آئے؟''

میں نے پستول برآمد کرتے ہوئے میز پر رکھا۔ ''ڈاکٹر صاحب! سوال و جواب کا وقت نہیں ہے۔ بہتر ہو گا اپنی توانائی و درشتی ضائع نہ کرو۔''

وہ ہکلایا۔ ''تت... تم... کیا چاہتے ہو؟'' پستول کی شکل نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''صرف اپنا بھلا، تمھارا ذرا سا بھی نقصان نہیں ہو گا۔'' اور قمیص اتارنے لگا۔

میرے زخموں کو دیکھ کر ڈاکٹر ششدر رہ گیا تھا۔ ''تشدد کا شکار ہوئے ہو۔'' اس کے خوف پر مسیحائی غالب آگئی اور وہ میرے زخموں کا جائزہ لینے لگا۔

''ہاں ڈاکٹر صاحب! چند درندوں سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ نرگ واسی (جہنمی) تین چار دن مسلسل زدوکوب کرتے رہے ہیں۔''

اس نے اچھی طرح معائنہ کر کے لمبا سا نسخہ لکھ کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''لگانے کے مرہم اور کھانے کی دوائیاں لکھ دی ہیں۔ میڈیکل اسٹور والا کھانے کا طریقہ کار سمجھا دے گا۔ باقی دو تین دن چار پائی سنبھالو ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' اس کے ان شاء اللہ سے پتا چلا اپنا مسلمان بھائی ہے۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحب!'' نسخہ پکڑ کر میں نے قمیص ڈالی اور دو ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اپنے روپے پر معذرت خواہ ہوں، یہ آپ کی فیس ہے۔''

اس کے لبوں پر پیشہ ورانہ تبسم ابھرا۔ ''کوئی بات نہیں۔ اور فیس استقبالیہ پر جمع کرا دیں۔''

ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کر کے ہم باہر نکل آئے۔ استقبالیہ پر فیس کے پانچ سو جمع کرا کے ہم نے میڈیکل اسٹور سے دوائیں لیں اور کلینک سے نکل آئے۔ دروازے کے قریب ہی چند ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ہم ایک میں بیٹھ گئے۔

ڈرائیور نے پوچھا۔ ''کہاں جانا ہے باؤ۔''

رکشا ڈرائیور کے ساتھ جن مکانات کا جائزہ لیا تھا ان میں ایک عمارت مجھے اچھی لگی تھی۔ میں نے اس کے قریب واقع ایک مشہور مقام کا نام بتا دیا۔

بیس منٹ بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں مطلوبہ جگہ اتار دیا تھا۔ ڈرائیور کو فارغ کر کے ہم آگے بڑھ گئے۔ بازار کا تھا۔ ایک دکان سے چند ضرورت کی چیزیں اور دو تین فالتو لباس خرید لیے۔ لورا کے لیے میں نے مشرقی لباس بھی خرید لیا تاکہ کہیں جاتے ہوئے اس کی شناخت چھپا سکوں۔ بازار سے نکل کر ہم مطلوبہ مکان کی طرف بڑھ گئے۔

رکشا ڈرائیور کے ساتھ میں نے اسی لیے مختلف مکانوں کا جائزہ لیا تھا تاکہ اپنی پسند کی جگہ تلاش کر سکوں۔ اور بطور احتیاط رکشا ڈرائیور کے سامنے ان مکانوں کو مسترد بھی کر دیا تاکہ پولیس یا کسی ایجنسی کے بندے کی ہم تک رہنمائی نہ کر سکے۔

دشمن ملک میں ایک جاسوس کو شناخت چھپانے اور پوشیدہ ہونے کو کئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ درجنوں احتیاطیں برتنا پڑتی ہیں۔ آنکھیں چار نہیں، آٹھ رکھنا پڑتی ہیں۔ کسی اجنبی پر بھروسا نہیں کیا جاتا، کسی انجان کو اعتبار کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ جیسے زخمی شیر کا تعاقب کرنے والا شکاری پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے، یونہی ایک جاسوس کو ہر قدم اٹھانے سے پہلے ہزاروں امکانات کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ بہ قول میرے ''عاشق و جاسوس میں ایک قدر مشترک ہے کہ دونوں کو کم ہی بچہ رکھا گیا ہے۔''

گو میں پختہ جاسوس نہیں ہوں اور نہ میری تربیت اس نہج پر ہوئی تھی۔ ایک سنائپر اور جاسوس کے مقاصد اور ذمہ داریوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے، مگر ایک سنائپر کی تربیت میں جاسوسی کے طریقہ کار کو زیر بحث ضرور لایا جاتا ہے۔ گو جاسوس کو سنائپر بننے کی نہ ضرورت پڑتی ہے اور نہ اس متعلق کچھ سکھایا جاتا ہے مگر سنائپر کا ہر فن مولا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اچھا نشانہ باز ہوتا ہے بلکہ، جاسوس، جنگجو، کمانڈو اور اچھا لڑاکا بھی ہوتا ہے۔ اسے صرف جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں کی خاک چھاننا نہیں ہوتی بلکہ شہروں اور حساس مقامات سے بھی واسطہ پڑ سکتا ہے۔ آبادی میں زندگی بچانے کے اصول دشت و بن سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ مجھے پہلے بھی چند بار جاسوس بننے کا موقع مل چکا تھا۔ اس لیے تربیت سے زیادہ میرا عملی تجربہ ہو چکا تھا۔

وہ عمارت کافی کشادہ تھی۔ دروازے پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ گھنٹی کے جواب میں ایک خرانٹ بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ ہمارا سر سے پاؤں تک نظر جانچ کر داخل ہونے کی اجازت ملی۔ وہ بیوہ تھی اور دو بیٹیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ بیٹیوں ہی کی وجہ سے وہاں کسی چھڑے کو رہنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ لورا کو میری بیوی سمجھی تھی۔ میں نے بھی اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی۔ ہدایتوں، نصیحتوں اور مختلف احکامات سے بھرا بھاشن دے کر اس نے ایک ماہ کا پیشگی کرایہ وصول کیا اور ہمیں ایک کمرہ مل گیا، جس میں ملحقہ بیت الخلاء (اٹیچ باتھ) کی سہولت موجود تھی۔ کھانے پینے کے اخراجات علیحدہ تھے۔ ہمارے علاوہ وہاں تین اور کرایہ دار بلکہ کنبے بھی موجود تھے۔

رات گہری ہو گئی تھی، جسم تھکن سے چور تھا۔ ناگفتہ بہ حالت کے ساتھ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور بے آرامی نے نڈھال کر دیا تھا۔ ایک سنائپر کی سخت جانی اور برداشت ہی تھی جو میں اب بھی قدموں پر چل رہا تھا۔ اگر جسمانی لحاظ سے تندرست ہوتا تو یہ بھاگ دوڑ مذاق سے بڑھ کر نہ لگتی۔

جلادوں نے سامنے سے زیادہ میری پشت کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا تبھی مرہم لگوانے کو مجھے لورا کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔ وہ خوش دلی سے تیار ہو گئی۔ میری پیٹھ پر مرہم ملتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

''خرانٹ بڑھیا نے کافی لمبی تفتیش کی ہے۔''

میں مسکراتے ہوئے اسے بڑھیا کے اندیشے بتانے لگا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ وہ ہمیں میاں بیوی سمجھ رہی ہے۔

''ریجا، سدھر جاؤ۔'' وہ میری پیٹھ پر مکا رسید کرتے ہوئے برہم ہوئی۔

''اُف'' میری کراہ نکل گئی تھی۔ ''عقل کی دشمن، میں نے بڑھیا کی سمجھ بتائی ہے۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''تمھاری نیت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔''

میں خاموش ہو رہا کہ فضول موضوع پر بحث کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اور نہ کسی آزاد خیال مغربی عورت کو سمجھانا ممکن تھا۔

مرہم سے کافی فرق پڑا تھا۔ رہی سہی کسر درد کش گولیوں اور طاقت کے شربت نے پوری کر دی تھی۔ میزبان خاتون سے دودھ کا کلو بھی مل گیا تھا۔ وہاں دو سنگل بیڈ ملا کر انھیں ڈبل بیڈ کی شکل دی گئی تھی۔ میں نے ایک جانب لیٹ کر آنکھیں

بند کر لیں۔پورا بے تکلفی سے دوسرے بیڈ پر لیٹ گئی۔اس نے اپنا بیڈ دور کھینچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آ...
شاید سکون آور دوا بھی شامل تھی جبھی ،نیند کی آمد میں دیر نہیں ہوئی تھی۔
منظر ایک باغ کا تھا جہاں میں پلوشہ کے زانو پر سر ٹیکے موہنے چہرے کو تک رہا تھا۔اس کا ریشمی لمس مجھے ہوش و حواس
سے بے گانہ کر رہا تھا۔ہلکی نیلی آنکھوں میں چاہت کے دیپ جلائے وہ بھی میری طرف متوجہ تھی۔آسمان پر گہرے سرمئی بادل
چھائے تھے۔ہلکی ہوا سکون آور مشروب کی طرح حواس چھیننے پر تلی تھی۔
اس نے ہاتھوں کے پیالے میں میرا چہرہ تھاما۔''راجو مجھے کتنا چاہتے ہو؟''
میں چاہت سے بولا۔''بہت زیادہ۔''
وہ مصر ہوئی۔''پھر بھی کتنا،کوئی حد شمار تو ہو گا ناں۔ ہر شیئے کی پیمائش کی کوئی نہ کوئی اکائی مقرر ہوتی ہے تو آپ کی
چاہت کی بھی ہونا چاہیے۔''
''محبت وزن نہیں کہ تولی جائے ،فاصلہ نہیں کہ ناپی جائے ،گنتی نہیں کہ شمار کی جائے۔یہ تو ایک جذبہ ہے جو
احساسات کے مرہون منت ہوتا اور احساس وجذبات کو ناپنے کا کوئی آلہ نہیں بنا۔''
وہ شوخی سے بولی۔''یہ تو کہہ سکتے ہیں ناں جتنے آسمان پر تارے ہیں،سمندر میں قطرے ہیں،صحرا میں ریت کے
ذرے ہیں،دنیا بھر کے درختوں کے پتے ہیں،جتنا آسمان سے زمین تک فاصلہ ہے اتنی محبت کرتے ہیں۔''
''آسمان کے تارے،سمندر کے قطرے،صحرا کے ذرے،درختوں کے پتے جتنی تعداد میں بھی ہوں انھیں لامحدود
نہیں کہہ سکتے۔جبکہ میری محبت کا شمار یا پیمائش ممکن نہیں ہے۔''
وہ لاڈ سے بولی۔''نہیں ناں مجھے حد جاننا ہے۔''
میں ہنسا۔''جتنا مجھے تم چاہتی ہو،اس سے تھوڑی زیادہ کرتا ہوں۔''
''کھائیے قسم۔''اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا۔
میں خلوصِ دل سے بولا۔''مجھے جہانوں کے پروردگار کی قسم ایسا ہی ہے۔''
خوشی ومسرت سے اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔آنکھوں میں امڈتی بے پناہ چاہت اس سے چھپائے نہیں چھپ رہی
تھی۔''اب آپ کو کہیں بھی نہیں جانے دوں گی۔''
''کہیں جانے کو کس بے وقوف کا دل چاہتا ہے۔''
وہ کھل کھلا کر ہنسی۔''میرے راجو کا۔''
میں نے آنکھیں نکالیں۔''پلوشے بدتمیزی کی تو مار کھاؤ گی۔''
اس نے مجھے چڑاتے ہوئے للکارا۔''دھمکیاں دیتے رہیے،کبھی ہاتھ اٹھانے کی زحمت نہ کرنا۔''
''تمھاری پٹائی کو پھول کی پتیوں سے بنی چھڑی ڈھونڈ رہا ہوں،جس دن مل گئی خوب تواضع کروں گا۔''
محبوبیت کا گہرا احساس لیے اس نے وارفتگی بھرے لہجے میں پوچھا۔''اتنا نازک سمجھ رکھا ہے۔''
میں نے اثبات میں سر ہلایا۔''اس سے بھی زیادہ۔''
وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔''اچھا کتنا۔''
ایک شاعر اپنی محبوبہ کو کہتا ہے ناں
اس کو باہر چھوڑ کے آؤ شہزادی
جگنو سے نہ ہاتھ جلاؤ شہزادی

تلی کے ہیں کان یقینا کچھوں کا
پہلے پوری بات بتاؤ شہزادی
بارش کی بوندوں میں پھرنا ٹھیک نہیں
لگ جائے نہ کوئی گھاؤ شہزادی

پلوشہ کے موہنے رخ پر حیا آلود تبسم نمودار ہوا۔اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے موضوع تبدیل کیا۔
''راجو بارش ہونے کو ہے۔''ایک دم ہلکی پھوار شروع ہوگئی تھی۔
منظر معدوم ہوا، میں میری سماعتوں میں لورا کی آواز گونجی۔''ریچا اب اٹھ بھی جاؤ۔''زلفیں جھٹک کر اس نے میرے چہرے پر پانی کی پھوار پھینکی تھی۔وہ نہا کر ایک دم تازہ و کھلی کھلی لگ رہی تھی۔شکلا کی درندگی کے نشانات اس کے چہرے پر سے معدوم ہوگئے تھے۔
میں انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔پلوشہ کی موہنی صورت کے خوش کن نظارے نے لورا کی اہمیت صفر کر دی تھی۔
''اب طبیعت کیسی ہے؟''وہ بالوں پر تولیہ رگڑتے ہوئے مستفسر ہوئی۔
''الحمد اللہ بہتر ہے۔''
وہ الحمد اللہ کی وضاحت چاہنے لگی۔''آدھی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''
میں نے کہا۔''مسلمان ہر کام کا ہونا اللہ پاک کی منشا کے تابع سمجھتے ہیں۔''
اس نے طنزیہ لہجے میں چوٹ کی۔''تو گزشتہ چند دن تمھیں جو پھینٹی لگی،اس میں تمھارے اللہ (پاک) کی مرضی شامل تھی۔''
میں فخریہ لہجے میں بولا۔''بے شک،کوئی کام اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔''
وہ بپھرتے ہوئے بولی۔''تو اللہ (پاک) اپنے بے گناہ بندے کو پھینٹی لگوانے پر کیوں خوش ہے۔اور جو بندہ اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اس کی مدد کیوں کر رہا ہے۔ایک عورت کبھی اپنی تذلیل پر راضی نہیں ہوتی،تو کیوں کسی درندے کو عورت پر دسترس پانے کی ہمت دیتا ہے۔''
''تصویر کا ایک رخ دیکھو گی تو ایسے احمقانہ سوال تمھارے ذہن میں پیدا ہوں گے۔اور یاد رکھنا ایک چھوٹا سا سوال بہت بڑے اور تفصیلی جواب کا متقاضی ہوتا ہے۔زندگی گزارنے کا ڈھنگ کسی ایک فقرے میں ذہن نشین نہیں ہو سکتا۔مختصراً یہ سمجھ لو کہ دنیا دارالعمل ہے،دارالجزا نہیں ہے۔اچھائی برائی کا بدلہ ضروری نہیں کہ انسان کو زندگی ہی میں مل جائے۔البتہ ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔اللہ پاک نے انسان کو دو راستے بتا دیے ہیں۔نیکی و بدی کی تمیز سمجھا دی ہے۔جو غلط کرے گا وہ ناکام و نامراد ہوگا اور جو اللہ پاک کے بتائے طریقے پر زندگی گزارے گا وہ کامیاب و کامران ہوگا۔بے شک بہ ظاہر وہ ناکام،مفلس،نادار اور ستم رسیدہ نظر آئے۔ہماری کامیابی کے معیار اور ہیں۔فتح کا حصول کامیابی کو ظاہر نہیں کرتا۔جیسے سیدنا عیسیٰؑ کو سولی پر لٹکانے والے ظاہری طور پر کامیاب نظر آ رہے ہیں تو کیا انھیں حق پر سمجھا جا سکتا ہے۔یونھی بہت ساری سزائیں انسان کو اپنے اعمال و گناہوں کی وجہ سے بھی ملتی ہیں۔بلاشبہ اللہ پاک حکیم و خبیر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔''
''جب تمھارا اللہ (پاک) ہر چیز پر قادر ہے تو وہ ظالم کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتا۔اس سے توفیق کیوں نہیں سلب کرتا۔اور تمھارے قاعدے کے مطابق تو ہم دونوں کو اپنے کیے کی سزا ملی۔شاید تم نے گناہ کیے ہوں،لیکن مجھے اپنی زندگی میں ایسا کام نظر نہیں آتا جسے میں گناہ سمجھ سکوں۔''

"دنیا کی زندگی بہ طور آزمائش ملی ہے۔اللہ پاک نے اپنی مخلوق کا امتحان لینا ہے۔اگر ظالم کو اسی وقت بدلہ مل جائے
مظلوم کی دادرسی ہو جائے تو امتحان کیسا؟ یوں تو ہر شخص ولی بن جائے گا۔کوئی برا دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔جبکہ
پاک کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے زندگی و موت کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھارے اعمال و افعال جانچ سکوں کہ کون
اچھائی کرتا ہے اور کون برا رستہ اختیار کرتا ہے۔اور پھر اسی بل بوتے پر آخرت میں حساب کتاب ہوگا۔باقی ضروری نہیں
کہ ہر کسی کو گناہ کی وجہ ہی سے دنیا میں آزمائش کا سامنا ہو۔اللہ پاک کے نیک بندوں پر زیادہ مصیبتیں اور آزمائشیں آتی
ہیں۔اور سچ کہوں تو تم جانتی ہی نہیں ہو گناہ کیا ہے تو ایسا دعویٰ کیسے کر سکتی ہو۔"

وہ للکارتے ہوئے بولی۔"چلو، تمھی بتا دو میں نے کیا غلط کیا ہے؟"

"تم ننگے سر، نصف بازوؤں کی بنیان میں ایک غیر مرد کے سامنے کھڑی ہو، اسلامی نقطہ نظر سے یہ گناہ ہے۔شاید
ماضی میں اپنی مرضی سے تم نے کئی مردوں سے جسمانی تعلقات قائم کیے ہوں وہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔شراب پینا، خنزیر کا
گوشت کھانا، جوا کھیلنا، یہ تمام وہ گناہ ہیں جو یقیناً تم کرتی رہی ہو۔"

وہ کھل کھلا کر ہنسی۔"اپنی مرضی سے میں صرف نک کے ساتھ سوئی تھی۔مگر وہ گناہ کیسے ہوا۔میرا اپنا جسم ہے جسے
چاہے سونپ دوں۔تمھاری بھی دو بیویاں ہیں کیا وہ تمھارے قریب نہیں آتیں۔شراب پینا مجھے اچھا لگتا ہے تو غلط ہے
ہوا، تم بھی تو پیپسی، سیون اپ، مرنڈا اور جانے کون کون سے مشروب پیتے ہو۔گائے بکری کا گوشت تم بھی کھاتے ہو تو خنزیر
کا گوشت کیوں گناہ ہوا۔اور جواء کھیلنے والا فائدہ حاصل کرنے کو کھیلتا ہے، تو فائدے کے حصول میں ممانعت کیسی۔باقی
نقصان تو کاروبار میں بھی ہو جاتا ہے تو کیا تجارت بھی گناہ ہے۔"

"تم برطانوی فوج کی آفیسر رہ چکی ہو کبھی پاکستان آرمی کی وردی پہننے کا اتفاق ہوا؟"

وہ استہزائی انداز میں بولی۔"موضوع سے نہ بھاگو۔"

"بھاگ نہیں رہا۔جواب اُدھار ہے، پہلے تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"پاکستان آرمی کی وردی میں کیوں پہنوں گی۔وہ برطانوی فوج کی وردی سے بہتر تو نہیں ہے۔باقی قانوناً بھی میں
نہیں کر سکتی تھی۔"

"اللہ تمھارا بھلا کرے میں بھی یہی سمجھانا چاہتا تھا۔جیسے برطانوی فوج کا سپاہی ہونے کی وجہ سے تم پر کچھ ایسے
قوانین لاگو تھے جو عام آدمی پر نہیں ہوتے۔اور ان قوانین کی مخالفت کرنے پر سزا بھی ملتی ہے۔بلکہ تمھیں تو کورٹ مارشل
کی صورت مل بھی چکی ہے۔اور یقیناً اس کی وجہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی۔بعینہ ایک مسلمان کلمہ پڑھنے کے بعد اللہ
کے احکامات کے تابع ہو جاتا ہے۔اس کے لیے اللہ پاک کے ممانعات سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے۔گناہ و ثواب
کی بڑی حکمت اللہ پاک کی مرضی ہے۔اللہ پاک نے اجازت دی کہ نکاح پڑھانے کے بعد ایک عورت تمھارے
لیے حلال ہو گئی تو اب اس عورت کی قربت گناہ کے بجائے ثواب ہوگی۔اسی طرح ہر وہ مشروب جو نشہ دے وہ حرام
ہے۔کچھ جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے کچھ کی اجازت ہے۔ایسا کیوں ہے اس کا جواب تفصیل طلب ہے۔ایک
مسلمان کے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ پاک نے فلاں کی اجازت دی ہے اور فلاں سے منع فرمایا ہے۔جیسے فوج
بتاتا ہے اس کی حکمت واضح نہیں کرتا۔چند ٹکوں کے حصول کی خاطر فوج کے قانون پر اعتراض نہیں کرتی ہو اور اللہ
نے پیدا کیا، اتنی نعمتوں سے نوازا اس کا منع کرنا تمھارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔"میں اللہ (پاک) کو نہیں مانتی۔اگر وہ واقعی موجود ہے تو مجھے سزا کیوں نہیں دیتا۔"

"اللہ پاک خود آ کر کسی کو سزا نہیں دیتا۔وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو مسلط کرتا ہے، جیسے تم پر شکلا کو مسلط کیا۔" مجھ

غصہ آیا اور جوش میں آیا اگل دیا۔
''دیکھو اس بند کرو ریجا!'' اس نے تولیہ کھینچ مارا۔
اور میں مسکراتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔ کسی بے دین کو سمجھانا مجھ جیسے کم علم کے لیے ممکن نہ تھا۔ اپنے تئیں میں نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے سوالوں کے تسلی بخش جواب دے سکوں، مگر اللہ پاک کو نہ ماننے والوں کا مرض اتنا معمولی نہیں ہوتا کہ ہلکے پھلکے وعظ سے دور ہو سکے۔ اللہ پاک کو ماننا بھی اس کی بخشی ہوئی توفیق سے ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہی پر رکھے۔ یہ اس کے اپنے فیصلے ہیں اور اس کے فیصلوں میں انبیاء کرام کے قدسی نفوس مخل نہیں ہو سکتے تو مجھ جیسے گناہ گار کی کیا اوقات۔

میں نہا کر صرف تولیہ لپیٹے باہر نکل آیا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

میں نے درخواست کی۔ ''مرہم تو لگا دو۔''

وہ بدتمیزی سے بولی۔ ''اپنے اللہ (تعالیٰ) کو بلا لو۔''

میں نے درشتی سے گھورا، اس نے نظریں نہیں چرائی تھیں۔ افسوس بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے میں خود ہی مرہم لگانے لگا۔ ایک بار تو جی چاہا کہ بوڑھی مالک مکان کو کہہ دوں مگر پھر اپنے زخمی ہونے کا راز افشا کرنا مناسب نہ لگا۔

وہ چند لمحے مجھے گھورتی رہی اور پھر اٹھ کر قریب آ گئی۔ ''سوری، مجھے غصہ آ گیا تھا۔'' اس نے میرے ہاتھ سے مرہم لینے کی کوشش کی۔

''شکریہ'' روکھائی سے کہتے ہوئے میں نے اس کی مدد ٹھکرا دی۔

''ادھر دو ناں۔'' اس نے زبردستی مرہم چھیننے کی کوشش کی۔

''کہہ دیا ناں ضرورت نہیں۔'' اسے دور دھکیلتے ہوئے میں درشت لہجے میں بولا۔

''سوری ناں۔'' اس نے مفاہمتی لہجہ اختیار کیا۔

''مس لورا براؤن! مذہب تمھارا ذاتی مسئلہ سہی، مگر تمھیں کسی دوسرے کے عقیدے پر طنز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھ سے خفگی ہے تو میری ذات کو طنز و تنقید کا نشانہ بناؤ، میرے رب کے بارے گندا منہ کھولو گی تو مجھے تم جیسی کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔''

میری برہمی کو خاطر میں لائے بغیر وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''اچھا اگر ڈیٹ پر جانے کی ہامی بھروں پھر بھی صلح نہیں کرو گے۔''

''کسی غیر عورت پر میں تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا، اللہ پاک نے مجھے دو حوریں روما و پلوشہ کی شکل میں عطا فرمائی ہیں۔ جن کی صورت ہی نہیں سیرت بھی بہت اچھی ہے۔''

وہ بھناتے ہوئے بولی۔ ''افغانستان میں منتیں کرتے تھکتے نہیں تھے، یہاں بھی کئی دفعہ منت کر چکے ہو عقیدے کا سئلہ چھڑا تو پارسا بننے کا ڈراما کر رہے ہو ڈھونگی۔ بھول گئے کل موٹر سائیکل پر کیسے چپک کر بیٹھے تھے، اس وقت تمھاری رسائی کہاں گم تھی۔''

''میں نے ہیوی موٹر سائیکل کبھی نہیں چلایا، ورنہ تمھیں نہ چلانے دیتا، باقی میرے مذاق کو حقیقت سمجھنا تم جیسی کوڑھ مغز کو مشکل نہیں ہے۔''

اس نے دھمکی دی۔ ''زیادہ ڈراما بازی کی ضرورت نہیں ورنہ چھوڑ کر چلی جاؤں گی، میں انتقام لینے کو تمھاری محتاج نہیں ہوں۔ شکلا جیسے غلیظ کو میں اکیلے سنبھال لوں گی۔''

میں چڑ کر بولا۔ ''زیادہ کا کس نے بولنے کے کہا ہے۔ تم شوق سے اٹھ کر یہاں سے جا سکتی ہو۔''

اس نے ڈرایا۔ ''چلی گئی تو پھر بڑھیا تمہیں ایک منٹ یہاں نہیں رہنے دے گی۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔''

اس نے آخری وار کیا۔ ''سو روپے کا کمرہ میں نے دلوایا تھا۔ اس رقم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔''

میں نے نوٹوں کی گڈی اس کی طرف اچھالی۔ ''یہ سنبھالو اور دفع ہو جاؤ۔''

وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ شاید میں مذاق کر رہا ہوں۔ میرا اور لہجہ اور سخت الفاظ نے اسے اس سوچ میں ڈال دیے تھے۔ روہانسا ہوتے ہوئے بولی۔

''زیادہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ بھول گئے وعدہ کیا تھا کہ ملالہ کو تلاش کرنے اور اسے بچانے میں میری مدد کرو گے۔''

میں بیزاری سے بولا۔ ''بس نورا! براہ مہربانی یہاں سے چلی جاؤ۔ نہیں تو مجھے جانا پڑے گا۔''

میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ لجاجت سے بولی۔ ''میں وعدہ کرتی ہوں آئندہ تمہارے مذہب کے بارے کوئی بات نہیں کروں گی۔ پلیز معاف کر دو۔''

ہاتھ چھڑا کر میں تپائی کی طرف بڑھا اور جگ اٹھا کر منہ کو لگا لیا۔ پانی نے مجھے جو راحت پہنچائی وہ ناقابل بیان تھی۔ چارپائی پر ٹک کر میں ٹھنڈے دماغ سے سوچنے لگا۔ یقیناً نا نشاس کے ساتھ اتنی سختی مناسب نہیں تھی۔ وہ ایک مظلوم لڑکی تھی۔ وہاں میرے علاوہ اس کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ مقامی زبان سے نا واقفیت اس کی راہ کی سب سے بڑی دیوار تھی۔ اور اللہ پاک جتنا میرا تھا اس کا بھی تھا۔ وہ بھی تو اسی کی بندی، اسی کی مخلوق تھی۔ ممکن تھا میرے سخت رویے سے رحیم و کریم رب سے مزید دور ہو جاتی۔

میں مزید تکرار کیے بغیر خاموش ہو گیا۔ چند لمحے میرے بولنے کی منتظر رہ کر وہ دھیرے سے میری چارپائی کی طرف ہتھیلی پر سر جما کر میری پائنتی پر ٹکنے لگی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دھیرے سے بولی۔ ''قسم سے بہت کٹھور اور سنگ دل ہو۔''

میں تحمل سے بولا۔ ''مذاق کو ذاتیات تک محدود رہنا چاہیے۔ جب عقائد پر بات ہو گی تو جھگڑے ہوں گے۔''

وہ شاکی ہوئی۔ ''یار! بس بھی کرو، معذرت کر تو چکی ہوں۔''

میں نے موضوع تبدیل کیا۔ ''ناشتے کے بارے کیا خیال ہے؟''

''قسم سے سخت بھوک لگی ہے۔''

چونکہ بڑھیا نے واضح کر دیا تھا کہ ہمیں مہیا ناشتا اور کھانا درکار ہو گا ملے گا، البتہ ادائی ہمیں کرنا پڑے گی۔ اس لیے

میں نے بے تکلفی سے انٹرکام اٹھا کر اسے دگنا ناشتا لانے کا کہہ دیا۔ ناشتا اس کی بیٹی لائی تھی۔

ناشتا کر کے میں نے دوائی کھائی اور دوبارہ لیٹ گیا۔ نورا نے کرسی سنبھالتے ہوئے پاؤں چارپائی پر رکھ دیے۔

''اب کیا ارادہ ہے۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''ظاہر ہے سوؤں گا۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''زیادہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔''

''پہلے تم ڈیوڈ سے رابطہ کرو، تا کہ وہ ہتھیار ادھر نہ بھیجے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ضرورت نہیں۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''مجھے لگتا ہے تم کچھ چھپا رہی ہو۔''

میں فرق آنے لگا تھا۔ جو سو گولیوں تک اتنا بڑھ گیا کہ رائفل سو میٹر پر بھی درست فائر ۔۔۔ تا نہ رہتی۔ مجھے ۔۔۔
یہ ہوئی تھی کہ میں بھی کبھار ہی تین چار گولیاں فائر کرتی تھی۔ ورنہ رائفل کی خامی بہت پہلے سامنے آ جاتی۔ ۔۔۔
ماہرین کو بھاری فیس دے کر مسئلہ حل کرانا چاہا، مگر ایس آروان کی یہ خامی دور نہ ہو سکی۔ اپنی پہلی مصنوعات ۔۔۔
اے ایس کمپنی دھڑام سے زمین پر آ گری تھی۔ اگر شروع میں معلوم ہو جاتا تو ہم اتنی بڑی تعداد میں ۔۔۔
بناتے۔ رائفل میں چند تکنیکی تبدیلیاں کر کے اس خامی کو دور کیا جا سکتا تھا۔ مگر ہتھیار کے تیار ہونے سے ۔۔۔
تھی۔ ہمیں بس بیرل کا جوڑ ختم کرنا تھا۔ ایمونیشن میں بارود کی مقدار کم نہ تھی، چیمبر کو تھوڑا مضبوط کرنا تھا۔ ۔۔۔
تھا۔ یوں کہ یہ 65.8 ایم ایم کے بجائے روایتی قطر 7.12 ایم ایم کی بن جاتی۔ اصل میں رائفل میں خرابی پڑتی ۔۔۔
بیرل کے جوڑ کی وجہ سے۔ کیوں کہ رائفل کا وزن گھٹانے کو چیمبر کی موٹائی کم رکھی گئی تھی۔ اور ۔۔۔
میں بارود کے گرین بڑھائے گئے تھے۔ تکنیکی طور پر چیمبر اتنے بارود کے دباؤ کو مسلسل برداشت نہیں کر سکتا تو ۔۔۔
پچاس ساٹھ گولیاں چلنے کے بعد چیمبر اور بیرل کا قطر معیاری نہیں رہتا۔ چند اور تکنیکی خامیاں بھی سامنے ۔۔۔
بڑی نہیں تھیں کہ ہماری محنت پر پانی پھرتا۔ خیر اس افتاد سے ہم پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ ہم کمپنی سے نٹ ہاتھ ۔۔۔
تھے۔ بھی ایک دوسرے کو خطاوار کہنے لگے۔ ڈیوڈ کے تئیں یہ میری وجہ سے ہوا تھا کہ میں نے رائفل استعمال ۔۔۔
کی تھی۔ اور میں کہہ رہی تھی کہ اس کی وجہ سے میں اس جنجال میں پھنسی۔ قصہ مختصر آخر سوچا، جو ہو گیا سو ہو گیا ۔۔۔
مصیبت سے کیسے چھٹکارا ہو۔ رائفل کی مشہوری ہو چکی تھی اور شوقین حضرات خریدنے کے بھی خواہاں تھے۔ لیکن ۔۔۔
رائفلیں فروخت کر کے اپنا پول نہیں کھول سکتے تھے۔ کافی سوچ بچار کے بعد طے ہوا کوئی ایسا گاہک ڈھونڈا جائے جو ۔۔۔
رائفلوں کو اکٹھا خرید لے۔ چند ملک زیر غور آئے اور آخر انڈیا کو منتخب کیا۔ اس کی ایک وجہ تو جنرل شکلا کا ۔۔۔
تھا۔ امید تھی ایسے شخص سے سودا بازی آسان رہے گی۔ دوسرا انڈیا کے پاس بہت بڑی تعداد میں فوج ہے ۔۔۔
یہاں رائفلوں کی ضرورت بھی زیادہ ہوگی۔ پس میں یہاں آ گئی۔ شکلا نے پہلے دن تو آمادگی ظاہر کی مگر جب ۔۔۔
پارٹی میں جانا ہوا تب اس نے آرمی چیف کے انکار کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ وہ مصر تھا کہ میں چیف پر ڈورے ڈالوں۔ مجھے ۔۔۔
ہوئی کیوں کہ ایک بار ایسے معاملے میں گردن پھنسا چکی تھی۔ مگر شکلا نے اس شرط کے علاوہ رائفلیں خریدنے سے معذوری
ظاہر کر دی۔ تب میں نے اس کے آدمی کو تربیت دینے کی پیش کش کر کے درمیانی راہ نکالی۔ اور وہ مان گیا۔ مگر اسے ۔۔۔
میں مخلص سمجھنا میری بھول تھی۔ وہ صرف مجھے پھانسنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ جب پہلے دن مجھ سے بات ہوئی اس کے بعد ۔۔۔
شخص نے لندن میں اپنے آدمیوں کے ذریعے میرے بارے معلومات حاصل کیں۔ اور میری سابقہ شہرت سے فائدہ
اٹھانا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ پہلے بھی بڑی مشکل سے میری جان چھوٹی ہے۔ اور اب برطانیہ عدالت میں ۔۔۔
کارنامہ پہنچا تو پچھلا کیس بھی کھل جائے گا۔ اور یہی دھمکی اس نے مجھے قید کے پہلے دن دی تھی۔"

تفصیل سن کر مجھے لورا کی مجبوری آشکارا ہوئی۔ بلاشبہ وہ گردن تک دلدل میں دھنس چکی تھی۔ شکلا کے پاس ۔۔۔
خلاف ثبوت موجود تھے۔ شکلا نے ایک تیر سے کئی شکار کھیلے تھے۔ ایک پاکستانی جاسوس کی طرف داری نے ۔۔۔
مشکلات میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ اس کہانی سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ مجھے سنائپنگ کی تربیت دلانا سراسر سوچے سمجھے
منصوبے کے تحت تھا۔ اور یہ کہ وشال گپتا میری اصلیت سے واقف تھا۔ یوں شکلا کا میرے بارے جاننا بھی ۔۔۔
نہیں رہا تھا۔ البتہ وہ اس سے لاعلم تھا کہ میں اس کی نواسی کو اغواء کرنے وہاں پہنچا تھا۔ یقیناً شکلا کا آرمی چیف پر حملہ ۔۔۔
کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ایک سودے کے لیے اتنا بڑا قدم اٹھانے کے بجائے آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ کا انتظار کرنا ۔۔۔
بہتر سمجھتا۔ انڈین چیف، عہدہ سنبھالنے کے بعد قریباً دو سال کمانڈ کرتا ہے۔ اور بکرم سنگھ کو عہدہ سنبھالے ڈیڑھ سال ۔۔۔

زیادہ ہوگیا تھا۔ چند ماہ میں اس نے یونہی ریٹائرڈ ہو جانا تھا۔

وہ میری سوچوں میں مخل ہوئی۔ ''پریشان ہوگئے نا۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''پریشانی صرف پلوشہ کی ناراضی پر ہوتی ہے۔''

وہ حیران رہ گئی تھی۔ ''کیا؟''

''الجبراء کا کلیہ تو نہیں بتایا کہ تمھیں سمجھنے میں دشواری ہو۔''

وہ ہنسی۔ ''یہ وہی کھان لڑکی ہے نا جس نے میجر جینیفر کی پٹائی کی تھی۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر وہ تو تمھاری بیوی ہے نا۔''

میں نے منہ بنایا۔ ''کیا بیویاں ناراض نہیں ہوسکتیں۔''

وہ شوخی سے بولی۔ ''اگر بیوی کی ناراضی کا رونا رو کر اور اس سے خوش نہیں ہوں کا چارہ ڈال کر مجھ پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے تو تمھیں ناکامی ہوگی۔''

میں نے گہرا سانس لے کر سر کو تھاما اور کراہتے ہوئے بولا۔ ''برطانیہ کی چڑیل، آخر میری کس حماقت سے تمھیں یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ پلوشہ کی وجہ سے میں نے میجر جینیفر جیسی مخلص، وفادار اور پرکشش لڑکی کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا تو تم کس باغ کی مولی ہو۔''

وہ کھلا کھلا کر ہنسی۔ ''ڈرامے بازی کی ضرورت نہیں، کھل کر اظہار کرو۔''

میں مضمحل ہوا۔ ''مطلب، تم سے مذاق کرنا اتنا بڑا گناہ ہوگیا کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔''

وہ شرارت سے بولی۔ ''افغانستان میں بار بار ڈیٹ پر جانے کی منتیں کرنا، یہاں بھی وہی واویلا کرنا اگر محبت نہیں تو کیا ہے۔''

میں نے سر پکڑا۔ ''دھت تیرے کی، کیپٹن صاحب ہمارے ہاں ڈیٹ پر جانا محبت نہیں بے غیرتی کہلاتا ہے۔''

اس نے آنکھیں نکالیں۔ ''تو بے غیرتیوں کے لیے تمھیں میں ہی ملی تھی۔''

میں نے کہا۔ ''تمھیں چھیڑنے میں مزا آتا تھا۔ اور سچ کہوں تو بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔''

''مثلاً۔'' اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''انگریزی زبان کی وہ گالیاں، کوسنے اور لغویات سنیں جو کسی کتاب میں پڑھنے کا اتفاق ہوا نہ کسی فلم ڈرامے میں۔ یقین مانو اس موضوع پر تم متخصص (اسپیشلسٹ) ہو۔''

وہ تپتے ہوئے بولی۔ ''اور تم لڑکیوں کو چھیڑنے کے اسپیشلسٹ ہو۔''

میں سنجیدہ ہوا۔ ''اچھا فضول بکواس کو چھوڑ دو اور آگے کا لائحہ عمل بتاؤ۔''

''شکلا سے ''ایس آر ون'' کا مکمل معاوضہ وصول کر کے اس کی گردن اتارنا چاہتی ہوں۔''

میں ہنسا۔ ''ایسا بھی کیا غلط کر دیا بے چارے نے کہ تم گردن اتارنے پر تل گئیں۔''

''ریحا کہا نا مزید بکواس نہیں۔''

میں نے تجویز دی۔ ''شکلا کے بارے ہمیں وشال گپتا سے کافی کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ دو تین دن آرام کر کے اس پر ڈالتے ہیں۔''

اس نے اپنی الجھن دور کرنا چاہی۔ ''تم میرا ساتھ کیوں دے رہے ہو۔''

''تمھیں ڈیٹ پر لے جانے کے لالچ میں یہ خطرہ مول لے رہا ہوں۔''

اس نے آنکھیں نکالیں۔ ''تمھارے ساتھ مسئلہ کیا ہے ریچا۔''

میں متبسم ہوا۔ ''شکلا کے ہاں دعوت میں اس کی نواسی کو دیکھا تھا۔''

اس نے تصدیق چاہی۔ ''تمھاری مراد پری سے ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بس مجھے وہ چاہیے۔''

وہ متحیر ہوئی۔ ''کیوں؟''

''ایک مسلمان چار شادیاں کر سکتا ہے اور میں نے اب تک دو کی ہیں۔''

وہ بے بسی سے مسکرائی۔ ''تم نہیں سدھرو گے۔''

''مجھے نیند آرہی ہے۔'' میں نے تکرار ختم کرنے کا اعلان کیا۔ یقیناً نسخے میں سکون آور دوا شامل تھی کہ لمبی نیند لینے کے بعد بھی مجھے نیند کی حاجت ہو رہی تھی۔

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''مالک مکان کی بیٹی تعلیم یافتہ ہے۔ امید ہے اس کے پاس انٹرنیٹ کی سہولت موجود ہو۔ میں ڈیوڈ کو ای میل کر کے اپنی خیریت کا بتا دوں۔''

میں نے جواب دیے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

— ● —

تمھارا ناٹک کرنا بالکل برحق تھا۔ پتا نہیں کیوں غصہ آ گیا تھا۔ شاید بہت زیادہ اچھا آدمی جب جھوٹ موٹ بھی بداخلاق بنا ہے تو برداشت نہیں ہوتا۔ تم سے کوئی رشتہ، واسطہ نہیں۔ نہ کوئی ایسا تعلق ہے کہ حق جتا سکوں۔ نہ تم میرے احسان مند ہو۔ اس کے باوجود نجانے کیوں تم پر بہت زیادہ اعتبار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور تمھاری توجہ جائز حق سمجھتی ہوں۔''

''کچھ زیادہ نہیں ہو گیا۔''

''جتنا تم نے ساتھ دیا اس لحاظ سے تو بہت کم اظہار کیا ہے۔''

میں شرماتے ہوئے بولا۔ ''بس کرو یار! اب رلاؤ گی کیا۔''

اس نے کھل کھلاتے ہوئے موضوع تبدیل کیا۔ ''سمجھ میں نہیں آ رہا انھوں نے ہمیں ڈھونڈا کیسے؟''

میں نے اندازہ ظاہر کیا۔ ''ہمیں وشال کی کار چھوڑنے میں جلدی کرنا چاہیے تھی۔''

لورا متفق ہوئی۔ ''شاید کار سے نکلتے وقت کسی کی نظر پڑی اور ہمارے تعاقب میں چل پڑا۔''

''قسمت اچھی تھی جو بروقت اطلاع مل گئی۔''

لورا مستفسر ہوئی۔ ''اس لڑکی کو کیسے پتا چلا؟''

میں نے وجہ بیان کی، کہنے لگی۔ ''آپ مشرقی لوگ ناحق محبت کو برا سمجھتے ہو، دیکھ لو اس کی محبت نے ہمیں بچا لیا۔''

میں ترکی بہ ترکی بولا۔ ''اور اپنی سرکار کا کتنا نقصان کیا کہ دو مجرموں کو فرار کی راہ مل گئی۔''

وہ ہنس کر خاموش ہو گئی۔

ہم دو تین فرلانگ سڑک ہی پر چلتے رہے۔ اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر سڑک کو چھوڑ دیا۔ عجیب سا محلہ تھا، رات گئے بھی اکثر گھروں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ گلی میں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کراہت آمیز چہرے نظر آئے۔ چند ادھیڑ عمر و جوان خواتین بھی سرخی پاؤڈر کے ساتھ دکھائی دیں۔ یوں لگ رہا تھا کسی کی منتظر ہوں۔ ایک دو عورت سے۔ ''آیئے ناں بابو......'' سن کر مجھے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ انھوں نے لورا کی پروا بھی نہیں کی تھی جو میرے ساتھ چل رہی تھی۔

''یہ ساری کال گرلز (طوائفیں) ہیں۔'' لورا نے بھی پہچان لیا تھا۔

میں نے خیال ظاہر کیا۔ ''لگتا ہی کسی ایسے ہی محلے میں آن پھنسے ہیں۔ اور شاید یہ جگہ محفوظ بھی ہے۔''

اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ ''ریجا! تمھاری نیت کیا ہے؟''

میں نے اسے مطعون کیا۔ ''تھوڑی دیر پہلے اتنی تعریفیں کر رہی تھیں، اتنی جلدی اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔''

وہ کھل کھلائی۔ ''مرد کو بگڑتے دیر تو نہیں لگتی ناں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور اکٹھے ہی رہیں گے۔''

وہ اطمینان سے بولی۔ ''جو مناسب سمجھو۔''

اسی وقت ایک مکروہ صورت مرد دو قدم لے کر قریب ہوا۔ ''شاید یہ نقاب والی تمھیں خوش نہ کر سکے۔ ہمارے پاس ہر عمر، ہر رنگ، ہر نسل کا مال دستیاب ہے بابو۔ ایک بار موقع دے کر دیکھیں۔''

میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان کا خوف کرو یار، اتنی مشکل سے اپنی محبت پائی ہے۔''

اس نے پیلے دانتوں کی نمائش کی۔ ''کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کو باہر کا کھانا بھی چکھ لینا چاہیے۔''

''اس کے بہت مواقع ملیں گے۔ اور یہ بتاؤ رہائش کا بندوبست ہو جائے گا، جہاں میں سکون سے اپنی محبوبہ کے ساتھ رات گزار سکوں۔''

وہ مکاری سے بولا۔ ''نئے نویلے جوڑے کے لائق ایک کمرہ ہے تو سہی۔ بالکل محفوظ، جہاں پولیس کیا چڑیا بھی پر

نہیں مار سکتی۔ البتہ کمرے کا کرایہ سن کر لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔''

میں ڈینگ مارنے کے انداز میں بولا۔ ''تم کرایہ بتاؤ، اپنی محبوبہ کے لیے اتنی قربانی تو دے سکتا ہوں۔''

''دو ہزار خرچ کرنا پڑیں گے۔''

میں بدکتے ہوئے بولا۔ ''اتنی زیادتی تو نہ کریں، فائیو سٹار ہوٹل تو نہیں ہے کہ ایک رات کا دو ہزار لگے۔''

''سو کم دے دینا۔'' اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

''زیادہ سے زیادہ پندرہ سو دے سکتا ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر سودے بازی کی تا کہ ہم اسے مشکوک نہ لگیں۔

''ٹھیک ہے، نکالو پیسے۔'' وہ فوراً مان گیا تھا۔

میں نے کہا۔ ''جگہ تو دکھاؤ۔ اگر اچھی لگی تو ہو سکتا ہے ہم شادی کے بعد بھی چند دن وہاں گزارنا پسند کریں۔''

''چلو۔'' وہ خوش دلی سے سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس کی معیت میں ہم ایک پرانے مکان میں داخل ہوئے۔ جس میں کافی کمرے تھے۔ کچھ کمروں کے دروازے اندر سے بند تھے، کچھ کے دروازوں کے پٹ کھلے تھے، غالباً وہ مہمانوں کے منتظر تھے۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے مختلف کمروں کے اندر سے چوڑیوں کی کھنکھناہٹ اور دبی دبی ہنسی سنائی دیتی رہی۔

وہ ہمیں کونے کے ایک کمرے میں لے گیا۔ کمرے کی اندرونی حالت توقع سے زیادہ بہتر تھی۔ پرانا سا ڈبل بیڈ جس پر صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ دو تکیے جن کے غلاف نئے تو نہیں البتہ دھلے ہوئے ضرور تھے۔ دو فوم والی کرسیاں، ملحقہ بیت الخلاء و غسل خانہ۔ کھڑکی پر لٹکے رنگ دار پردے، چھت کا پنکھا، روشنی کا خاطر خواہ انتظام۔ مجموعی طور پر وہ رہنے کے قابل تھا۔

''کیسا ہے بابو۔'' اس نے داد چاہنے والے انداز میں پوچھا۔

''بہتر ہے۔'' میں نے پانسو والے تین نوٹ اس کی جاب بڑھا دیے۔

اس نے آنکھ میچی۔ ''پینے پلانے کا شوق ہے تو بندوبست ہو سکتا ہے۔''

''تمھارا کا نام کیا ہے؟''

''جگنیش۔''

میں رکھائی سے بولا۔ ''جگنیش صاب، تھوڑی تنہائی درکار ہے۔''

وہ معنی خیز قہقہہ بلند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

دلال کے نکلتے ہی لورا نے نقاب اتارتے ہوئے کراہیت آمیز لہجے میں کہا۔ ''کتنی گندی جگہ پر لے آئے ہو۔''

میں نے پیش کش کی۔ ''تمھاری نظر میں اس سے بہتر جگہ ہے تو وہاں چلتے ہیں۔''

وہ معترض ہوئی۔ ''ایک ہی بستر پر کیسے لیٹیں گے؟''

''کمرے میں چارپائی لگانے کی گنجائش ہے، میں منگوا لیتا ہوں۔'' میں نے پیش کش کی۔

وہ بیڈ پر گرتے ہوئے بولی۔ ''خیر اتنے بے اعتبارے بھی نہیں ہو کہ چارپائی منگوانے پر زور دو۔''

میں معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''گویا اسے ڈیٹ کی دعوت سمجھوں۔''

وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''غالباً تم چارپائی لانے جا رہے تھے۔''

میں نے عذر پیش کیا۔ ''ویسے وہ سوچے گا تو ضرور کہ دو پریمی پنچھی علیحدہ علیحدہ کیوں سو رہے ہیں۔''

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''کہہ دینا اب تک شادی نہیں ہوئی۔ اور مشرقی لڑکیاں تو شادی سے پہلے قریب نہیں آنے دیتی

تمھارا ناٹک کرنا بالکل برحق تھا۔ پتا نہیں کیوں غصہ آ گیا تھا۔ شاید بہت زیادہ اچھا آدمی جب جھوٹ موٹ بھی بداخلاق بنتا ہے تو برداشت نہیں ہوتا۔ تم سے کوئی رشتہ، واسطہ نہیں۔ نہ کوئی ایسا تعلق ہے کہ حق جتا سکوں۔ نہ تم میرے احسان مند ہو۔ اس کے باوجود نجانے کیوں تم پر بہت زیادہ اعتبار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور تمھاری توجہ جائز حق سمجھتی ہوں۔"
کچھ زیادہ نہیں ہو گیا۔"
"جتنا تم نے ساتھ دیا اس لحاظ سے تو بہت کم اظہار کیا ہے۔"
میں شرماتے ہوئے بولا۔ "بس کر دیار! اب رلاؤ گی کیا۔"
اس نے کھل کھلاتے ہوئے موضوع تبدیل کیا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا انھوں نے ہمیں ڈھونڈا کیسے؟"
میں نے اندازہ ظاہر کیا۔ "ہمیں وشال کی کار چھوڑنے میں جلدی کرنا چاہیے تھی۔"
لورا متفق ہوئی۔ "شاید کار سے نکلتے وقت کسی کی نظر پڑی اور ہمارے تعاقب میں چل پڑا۔"
"قسمت اچھی تھی جو بروقت اطلاع مل گئی۔"
لورا مستفسر ہوئی۔ "اس لڑکی کو کیسے پتا چلا؟"
میں نے وجہ بیان کی، کہنے لگی۔ "آپ مشرقی لوگ ناحق محبت کو برا سمجھتے ہو، دیکھ لو اس کی محبت نے ہمیں بچا لیا۔"
میں ترکی بہ ترکی بولا۔ "اور اپنی سرکار کا کتنا نقصان کیا کہ دو مجرموں کو فرار کی راہ مل گئی۔"
وہ ہنس کر خاموش ہو گئی۔
ہم دو تین فرلانگ سڑک ہی پر چلتے رہے۔ اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر سڑک کو چھوڑ دیا۔ عجیب سا محلہ تھا، رات گئے بھی اکثر گھروں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ گلی میں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کراہت آمیز چہرے نظر آئے۔ چند ادھیڑ عمر و جوان خواتین بھی سرخی پاؤڈر کے ساتھ دکھائی دیں۔ یوں لگ رہا تھا کسی کی منتظر ہوں۔ ایک دو عورت سے۔ "آیئے ناں بابو......" سن کر مجھے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ انھوں نے لورا کی پروا بھی نہیں کی تھی جو میرے ساتھ چل رہی تھی۔
"یہ ساری کال گرلز (طوائفیں) ہیں۔" لورا نے بھی پہچان لیا تھا۔
میں نے خیال ظاہر کیا۔ "لگتا ہی کسی ایسے ہی محلے میں آن پھنسے ہیں۔ اور شاید یہ جگہ محفوظ بھی ہے۔"
اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ "ریجا! تمھاری نیت کیا ہے؟"
میں نے اسے مطعون کیا۔ "تھوڑی دیر پہلے اتنی تعریفیں کر رہی تھیں، اتنی جلدی اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔"
وہ کھل کھلائی۔ "مرد کو بگڑتے دیر تو نہیں لگتی ناں۔"
"ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور اکٹھے ہی رہیں گے۔"
وہ اطمینان سے بولی۔ "جو مناسب سمجھو۔"
اسی وقت ایک مکروہ صورت مرد دو قدم لے کر قریب ہوا۔ "شاید یہ نقاب والی تمھیں خوش نہ کر سکے۔ ہمارے پاس ہر عمر، ہر رنگ، ہر نسل کا مال دستیاب ہے بابو۔ ایک بار موقع دے کر دیکھیں۔"
میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کا خوف کرو یار، اتنی مشکل سے اپنی محبت پائی ہے۔"
اس نے پیلے دانتوں کی نمائش کی۔ "کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کو باہر کا کھانا بھی چکھ لینا چاہیے۔"
"اس کے بہت مواقع ملیں گے۔ اور یہ بتاؤ رہائش کا بندوبست ہو جائے گا، جہاں میں سکون سے اپنی محبوبہ کے ساتھ رات گزار سکوں۔"
وہ مکاری سے بولا۔ "نئے نویلے جوڑے کے لائق ایک کمرہ ہے تو سہی۔ بالکل محفوظ، جہاں پولیس کیا چڑیا بھی پر

نہیں مار سکتی۔ البتہ کمرے کا کرایہ سن کر لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔''
میں ڈینگ مارنے کے انداز میں بولا۔''تم کرایہ بتاؤ، اپنی محبوبہ کے لیے اتنی قربانی تو دے سکتا ہوں۔''
''دو ہزار خرچ کرنا پڑیں گے۔''
میں بدکتے ہوئے بولا۔''اتنی زیادتی تو نہ کریں، فائیو سٹار ہوٹل تو نہیں ہے کہ ایک رات کا دو ہزار لگے۔''
''سو کم دے دینا۔'' اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔
''زیادہ سے زیادہ پندرہ سو دے سکتا ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر سودے بازی کی تاکہ ہم اسے مشکوک نہ لگیں۔
''ٹھیک ہے، نکالو پیسے۔'' وہ فوراً مان گیا تھا۔
میں نے کہا۔''جگہ تو دکھاؤ۔ اگر اچھی لگی تو ہو سکتا ہے ہم شادی کے بعد بھی چند دن وہاں گزارنا پسند کریں۔''
''چلو۔'' وہ خوش دلی سے سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس کی معیت میں ہم ایک پرانے مکان میں داخل ہوئے۔ جس میں کافی کمرے تھے۔ کچھ کمروں کے دروازے اندر سے بند تھے، کچھ کے دروازوں کے پٹ کھلے تھے، غالباً وہ مہمانوں کے منتظر تھے۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے مختلف کمروں کے اندر سے چوڑیوں کی کھنکھناہٹ اور دبی دبی ہنسی سنائی دیتی رہی۔
وہ ہمیں کونے کے ایک کمرے میں لے گیا۔ کمرے کی اندرونی حالت توقع سے زیادہ بہتر تھی۔ پرانا سا ڈبل بیڈ جس پر صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ دو تکیے جن کے غلاف نئے تو نہیں البتہ دھلے ہوئے ضرور تھے۔ دو فوم والی کرسیاں، ملحقہ بیت الخلاء و غسل خانہ۔ کھڑکی پر لٹکے رنگ دار پردے، چھت کا پنکھا، روشنی کا خاطر خواہ انتظام۔ مجموعی طور پر وہ رہنے کے قابل تھا۔
''کیسا ہے بابو۔'' اس نے داد چاہنے والے انداز میں پوچھا۔
''بہتر ہے۔'' میں نے پانسو والے تین نوٹ اس کی جاب بڑھا دیے۔
اس نے آنکھ میچی۔''پینے پلانے کا شوق ہے تو بندوبست ہو سکتا ہے۔''
''تمھارا کا نام کیا ہے؟''
''جگنیش۔''
میں رکھائی سے بولا۔''جگنیش صاب، تھوڑی تنہائی درکار ہے۔''
وہ معنی خیز قہقہہ بلند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔
دلال کے نکلتے ہی لورا نے نقاب اتارتے ہوئے کراہیت آمیز لہجے میں کہا۔''کتنی گندی جگہ پر لے آئے ہو۔''
میں نے پیش کش کی۔''تمھاری نظر میں اس سے بہتر جگہ ہے تو وہاں چلتے ہیں۔''
وہ معترض ہوئی۔''ایک ہی بستر پر کیسے لیٹیں گے؟''
''کمرے میں چارپائی لگانے کی گنجائش ہے، میں منگوا لیتا ہوں۔'' میں نے پیش کش کی۔
وہ بیڈ پر گرتے ہوئے بولی۔''خیر اتنے بے اعتبارے بھی نہیں ہو کہ چارپائی منگوانے پر زور دردوں۔''
میں معنی خیز لہجے میں بولا۔''گویا اسے ڈیٹ کی دعوت سمجھوں۔''
وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔''غالباً تم چارپائی لانے جا رہے تھے۔''
میں نے عذر پیش کیا۔''ویسے وہ سوچے گا تو ضرور کہ دو پریمی پنچھی علیحدہ علیحدہ کیوں سو رہے ہیں۔''
اس نے قہقہہ لگایا۔''کہہ دینا اب تک شادی نہیں ہوئی۔ اور مشرقی لڑکیاں تو شادی سے پہلے قریب نہیں آنے دیتی

ناں۔"

میں ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔ جگنیش کے علاوہ کسی سے واقفیت نہیں تھی۔ نامعلوم اس نے کہاں ملنا تھا۔ ایک لڑکا سگریٹ کے کش لگاتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اترا۔

میں نے آواز دی۔ "لڑکے! جگنیش کہاں ملے گا؟"

وہ رکتے ہوئے بولا۔ "جگنیش، استاد کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔"

"اور استاد کا کمرہ کہاں ہے۔"

دوسری منزل پر سڑھیوں کے دائیں جانب پہلا کمرہ ہے۔"

"شکریہ دوست۔" کہہ کر میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ دوسری منزل پر پہنچتے ہی میں دائیں طرف کے پہلے کمرے کی طرف بڑھا۔ دستک کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ جگنیش کے الفاظ سن کر چونک گیا۔

"ماں قسم، استاد سچ کہہ رہا ہوں۔ سالے کے بیگ میں نقدی نہ بھی ہوئی زیور تو لازمی ملے گا۔ لڑکی بھی زبردست ہے۔ اتنے سفید ہاتھ ہیں سالی کہ چھونے سے میلے ہو جائیں۔ اور گھریلو مال کی تو مانگ بھی بہت زیادہ ہے۔"

ایک بھاری آواز ابھری۔ "کسی بڑے خاندان کی ہوئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

جگنیش نے غلیظ لہجے میں استاد کی ہمت بڑھائی۔ "آپ ڈرنے کب سے لگے ہیں استاد! اس کے یار کا گلا کاٹ کر پھینک دیں گے اور سالی نے تعاون نہ کیا تو چند بڑے گاہکوں کو پیش کرنے کے بعد یار کے پیچھے بھجوا دیں گے۔ اس دوران خود بھی مستفید ہو لیں گے۔ ایسا موقع کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔"

استاد نے مکروہ انداز میں کہا۔ "چلو پھر سہاگ رات اسی کمرے ہی میں منا لیتے ہیں۔"

بلاشبہ میں تیزی میں درستی بھول گیا تھا۔ اگر چار پائی کے لیے اس کے پیچھے نہ آیا ہوتا تو بے خبری میں بھاری نقصان اٹھانا بھی پڑ سکتا تھا۔ اب ان سے وہیں نبٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ ان کے باہر نکلنے سے پہلے میں دروازے کو دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ سائیلنسر لگے پستول کی جھلک دیکھتے ہی ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"کک......کیا بات ہے بابو۔" گفتگو کی ابتداء جگنیش نے کی تھی۔

"شاید میرے پاس جارہے تھے، تمھیں زحمت سے بچانے کو میں خود حاضر ہو گیا ہوں۔"

"نن......نہیں تو......" جگنیش نے صفائی دینا چاہی، مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے میری بھرپور لات اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ وہ اچھل کر لکڑی کی کرسی پر گرا اور اسے توڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

استاد سنبھل کر بولا۔ "جوان! ہمارے ساتھ پنگا لینا مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

"پنگا نہیں لے رہا استاد، قتل کرنے آیا ہوں۔ تمھارا بوجھ دھرتی کے سینے سے ہٹانا سب سے بڑا پن (نیکی) ہے۔" یہ کہتے ہی میں نے جگنیش کی کھوپڑی میں گولی ٹھوک دی۔

وہ اوندھے منہ گر کر ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگا۔

استاد نے دہشت زدہ لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔ "تت......تم......"

"بحث کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اگلی گولی اس کے سر میں اتار کر اسے جگنیش کے پاس بھیج دیا۔ ایسے غلیظ کردار معافی کے قابل نہیں ہوتے۔ نجانے حوا کی کتنی بیٹیوں کو نشان عبرت بنا چکے تھے، کتنے بے گناہوں سے جینے کا حق چھین چکے تھے تبھی تو اللہ پاک نے ان کی ڈھیلی رسی کھینچنے کو مجھے وہاں بھیجا تھا۔ بلاشبہ قانون ہاتھ میں لینا، یا لوگوں کی زندگی موت کے فیصلے کرنے کا اختیار میرے پاس نہیں تھا۔ نہ مجھے ایسا شوق ہی تھا۔ مگر دوران مشن ایسے کسی بھی کردار سے واسطہ

پڑنے پر خود پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔ پاکستان ہو یا انڈیا قانون بالکل بے بس اور لاچار ہے۔ پولیس کی اکثریت رشوت خور، بھتہ خور اور امراء کے گھر کی باندی ہے۔ آٹے میں نمک کے برابر جو ایمان دار ہیں ان بے چاروں کو سسٹم چلنے نہیں دیتا اور وہ خاموش تماشائی بننے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔ آئے روز قانون شکنی کی داستانیں، مظلوموں پر تشدد کے واقعات، صنف نازک سے زیادتی و عصمت دری کے لرزہ خیز حادثے، قتل و غارت، ڈکیتیاں اور معاشرے میں پھیلی ناانصافی سے ہر انسان کا دل و دماغ اتنا متاثر ہوا ہے کہ بس چلنے پر مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا نیکی خیال کیا جاتا ہے۔ اور یقیناً میرا شمار بھی نچلے طبقے سے ہے میں کیسے نیکی سے محروم رہتا۔

پہلے سوچا، ان کی لاشوں کو بیڈ کے نیچے چھپا کر وہیں رات گزاری جائے، مگر پھر خیال آیا ایسا کرنا نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ نہ معلوم ان خبیثوں کی رات کی مصروفیات کیا ہوتی ہوں گی۔ اگر ان کی ڈھنڈیا پڑ جاتی تو مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ کم از کم ایک گواہ ایسا موجود تھا جسے میرے وہاں آنے کی بابت پتا تھا۔ ان کی لاشیں چھپانے کا وقت نہیں تھا۔ کمرے سے نکل کر میں نے دروازہ باہر سے بند کیا اور نیچے اتر گیا۔

لورا آنکھیں بند کیے آرام سے لیٹی تھی۔ ”جلدی کرو جانا ہے۔“ اندر داخل ہوتے ہی میں نے اعلان کیا۔

وہ اچھل کر اٹھ بیٹھی۔ ”خیر تو ہے۔“

”فی الحال تو خیر ہے، مگر جونھی لاشیں ملیں ہم مشکل میں پھنس جائیں گے۔“

”کن کی لاشیں؟“ پاؤں میں جوتے ڈالتے ہوئے اس نے حیرانی ظاہر کی۔

بیگ کندھوں میں ڈالتے ہوئے میں مزاحیہ لہجے میں بولا۔ ”جو میرے قتل اور تم پر قبضے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔“

وہ شرارتی انداز میں بولی۔ ”تمھیں غصہ اپنے قتل کے منصوبے پر آیا یا مجھ پر قبضے کی جسارت پر۔“

”اچھا سوال ہے۔“ میں نے برقع اس کی طرف پھینکا۔

”مگر یہ بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔“ منہ بسورتے ہوئے وہ برقع ڈالنے لگی۔

دو تین منٹوں کے اندر تیار ہو کر ہم باہر آ گئے۔ عمارت کے احاطے میں چند افراد نظر آئے، مگر ہم سے کسی نے تعرض نہیں کیا تھا۔ عمارت سے نکل کر ہم تیز قدموں سے چلتے ہوئے محلے سے باہر آ گئے۔ جلد ہی خالی ٹیکسی مل گئی تھی۔ محلے سے چند کلومیٹر دور آ کر ہم نے ٹیکسی والے کو فارغ کر دیا۔

میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔ ”اب بتاؤ کیا ہوا تھا۔“

میں نے تفصیلاً سب کچھ دہرا دیا۔

وہ طعنہ زن ہوئی۔ ”میں تو پہلے ہی وہاں جانے سے منع کر رہی تھی۔“

میں نے صفائی دی۔ ”کیا پتا تھا، ایسے خبیثوں سے واسطہ پڑے گا۔“

”مجھے نیند آ رہی ہے۔“ منہ بسورتے ہوئے اس نے موضوع تبدیل کیا۔

”کوئی ٹھکانہ مل نہیں رہا اور اتنی ہمت مجھ میں نہیں ہے کہ تمھارا سر گود میں رکھ کر سڑک پر بیٹھ جاؤں۔“

اس نے شرارتی انداز میں طنز کیا۔ ”ہر کسی کے سامنے بیوی بنانے پر تُلے رہتے ہو اور گود میں نہیں سلا سکتے۔“

میں نے قہقہہ لگایا۔ ”تم بیوی کے حقوق کی بجا آوری والی بنو، گود میں سلانا مشکل نہیں ہے۔“

میری پیٹھ پر گھونسا رسید کرتے ہوئے وہ کھسیاتے ہوئے بولی۔ ”بکواس کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا۔“

میں نے مشورہ دیا۔ ”کسی گھر کی چھت پر چڑھ کر سوتے ہیں، باقی صبح دیکھا جائے گا۔“

کہنے لگی۔ ''کوئی خالی گھر مل جاتا تو مزہ آجاتا۔''
''خالی گھر تلاش کرنے کا وقت نہیں ہے، بھرے ہوئے گھر ہی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔''
''چلو پھر۔'' وہ نزدیکی گلی کی جانب مڑ گئی۔ گلی کے شروع ہی میں لوہے کے بورڈ پر ''ہنومان نگر'' لکھا ہوا نظر آرہا تھا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو کسی پارک یا فٹ پاتھ پر بھی سو جاتا، مگر لورا کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا۔

رات دو تہائی گزر چکی تھی۔ ہم مسلسل سفر میں تھے۔ گو سنا ئپر جسمانی لحاظ سے مضبوط ہوتے ہیں۔ تکالیف اور سختیاں جھیلنے میں عام لوگوں سے بہت بہتر ہوتے ہیں، لیکن ہوتے تو گوشت پوست کے انسان ہی ہیں۔ اور تھکاوٹ، بے آرامی، بھاگ دوڑ، انسان کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ تازہ دم ہونے کو بھرپور نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت ہمیں بھی نیند چاہیے تھی۔ گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت ختم ہو گئی تھی۔ البتہ ایک دو گھروں کے باہر چوکیدار بیٹھے نظر آئے۔ ایک دو گلیاں مڑنے کے بعد ایک مکان ہمیں مناسب لگا۔ گلی میں بھی کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف کتے کا خوف تھا کہ گھر میں کتے کی موجودی ہمارا بھانڈا پھوڑ دیتی۔ مگر خطرہ مول لینا ضروری تھا۔ بیگ لورا کے حوالے کر کے میں نے اچھل کر دیوار کا سرا پکڑا اور ہاتھوں کے بل پر اٹھ گیا۔ لحہ بھر دیوار کے اوپر گزار کر میں نے صحن میں نگاہ دوڑائی کوئی خطرہ نظر نہ آنے پر احتیاط سے اندر کود گیا۔ نیچے اتر کر ایک دو منٹ دیوار کی جڑ میں دبکا رہا۔ کوئی ردعمل ظاہر نہ ہونے پر داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مگر بڑے اور ذیلی دروازے پر لٹکے تالوں نے میرا منہ چڑایا تھا۔ مجبوراً مجھے دوبارہ دیوار پر چڑھنا پڑا۔ لورا دروازہ کھلنے کی منتظر تھی۔ میں نے ''شش'' کر کے اسے متوجہ کیا۔ وہ قریب آگئی۔ اس سے بیگ لے کر میں نے دیوار کے راستے اندر آنے کا کہا اور دوبارہ اندر کود گیا۔ منٹ بھر بعد وہ میرے پاس تھی۔

بیگ کندھوں میں ڈال کر میں کھڑا ہو گیا۔ برآمدے پر لگا بلب مختصر صحن میں اجالا کر رہا تھا۔ اندرونی عمارت کی بغل کے ساتھ لوہے کی سیڑھی لگی تھی۔ ہم محتاط انداز میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔ چھت کافی کشادہ تھی۔ جدید طرز کے مکان کے سارے کمروں کی ایک ہی چھت تھی۔ یہ کچے کوٹھے نہیں تھے کہ چھت پر چلنے والے کے پاؤں کی آواز اندر سنائی دیتی۔ اس کے باوجود ہم محتاط انداز میں چلتے ہوئے چھت کے درمیان میں پہنچے اور ایک دوسرے سے چند فٹ فاصلہ رکھ کر لیٹ گئے۔ بیگ میں نے لورا کے حوالے کر دیا تھا تاکہ بہ طور تکیہ سر کے نیچے رکھ سکے۔ برقع اتار کر اس نے نیچے بچھا دیا تھا۔ بلاشبہ وہ بھی تربیت یافتہ سنائپر تھی، مگر اس کا عورت پن کسی بھی سہولت پر پہلا حق اسے دیتا تھا۔ ہم دونوں کا ایک ساتھ سونا بھی مناسب نہیں تھا، اس وجہ سے میں نے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لورا البتہ اطمینان سے سو گئی تھی۔ جلد ہی بھاری سانسوں کی آواز اس کے گہری نیند میں ہونے کا پتا دینے لگی۔ میری پلکیں بھی بھاری ہونے لگیں، مجبوراً مجھے اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔ نیند بھگانے کو میں باری باری چاروں کونوں پر جا کر دائیں بائیں علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ مکان کے دائیں اور سامنے سے گلی گزر رہی تھی۔ دو جانب دوسرے مکانوں کی دیوار ملی تھی۔ بائیں جانب کے مکان کی چھت کا فاصلہ دو تین فٹ کے بہ قدر ہوگا۔ گھنٹا بھر کے جائزے کے بعد میں لورا کے پاس لوٹ آیا۔ وہ بے سدھ لیٹی تھی۔ میں نے آلتی پالتی مار کر آنکھیں بند کیں اور اپنی پلوشے کے پاس پہنچ گیا۔

ملگجا اجالا ہوتے ہی میں نے پانی کی ٹینکی کے ساتھ جا بیٹھا۔ لورا لیٹنے کی وجہ سے دور سے نظر نہیں آ سکتی تھی۔
طلوع آفتاب کے ساتھ لورا نے آنکھیں کھول دیں۔ بیٹھ کر تو بہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے اس نے میری طرف سر گھمایا اور بیگ و برقع اٹھا کر قریب آ گئی۔

''تمھیں نیند نہیں آئی۔'' میرے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے ٹینکی کی دیوار سے ٹیک لگالی۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مسکرائی۔ ''تمھارے خیال میں ایک کا جاگنا ضروری تھا ہے نا۔''

میں طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تمھارا خیال کیا کہتا ہے۔''

وہ بگڑ کر بولی۔ ''طنز کی ضرورت نہیں، نیند آئی تھی تو جگا دیتے، اتنی کمزور نہیں ہوں۔''

''شکوہ کس نے کیا ہے۔''

وہ خفگی سے بولی۔ ''اپنے لہجے پر غور کرو۔''

''میں نے طنز تمھارے سونے پر نہیں، تمھارے مشورے پر دیا ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں دونوں کا ایک ساتھ سونا کتنا نقصان دہ ہو سکتا تھا۔''

اس نے نرمی سے مشورہ دیا ''اچھا اب سو جاؤ۔ ٹینکی گھنٹا ڈیڑھ تو دھوپ سے بچائے گی نا۔''

اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہاں تک کہ دھوپ نے تیز ہو کر جاگنے پر مجبور کیا۔ گھنٹے ڈیڑھ کی نیند نے چاق و چوبند کر دیا تھا۔ ہم پانی کی ٹینکی کے غربی جانب بیٹھے تھے۔ مگر دھوپ سر پر آ گئی تھی۔ گو موسم کافی حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ اکتوبر میں دھوپ اتنی سخت نہیں ہوتی، پھر بھی بے آرام کر رہی تھی۔

لورا نے اطلاع دی۔ ''ساتھ والے مکان کی چھت پر ایک عورت گیلے کپڑے بچھا رہی تھی۔ ہم پر نظر پڑی، کافی غور سے دیکھ رہی تھی، مگر کچھ کہے بغیر نیچے اتر گئی۔''

میں فکر مندی سے بولا۔ ''کب...... میرا مطلب کتنی دیر ہو گئی ہے۔''

اس نے اندازہ لگایا۔ ''ادھ، پون گھنٹا ہو گیا ہو گا۔''

''احمق عوت مجھے جگا دیا ہوتا۔'' میں فوراً کھڑا ہو گیا۔

''کک...... کیوں۔'' وہ سراسیمہ ہوئی۔

میں نے وضاحت کی۔ ''بے شک وہ ہمیں نہ پہچان سکے، مگر اتنا اندازہ آسانی سے کر سکتی ہے کہ ہم اس گھر کے نہیں ہیں۔''

وہ معترض ہوئی۔ ''دوسری چھتوں پر بھی اکا دکا افراد نظر آ رہے تھے۔''

بیگ کندھوں میں پہنتے ہوئے میں نے اسے سمجھایا۔ ''باقی کسی کام کو چھت پر چڑھے ہوں گے۔ ہماری طرح ٹنکی سے ٹیک لگائے کوئی نہیں بیٹھا ہوگا۔''

اس نے تکرار کی۔ ''ایک لڑکی اور لڑکے کو جب کوئی پہلو بہ پہلو بیٹھا دیکھے گا تو اس کا دھیان کدھر جائے گا۔''

میں جھلاتے ہوئے بولا۔ ''جب کھوپڑی میں بھیجا نہ ہو تو ایسے ہی سوالات جنم لیتے ہیں۔''

وہ معترض ہوئی۔ ''یہ میری دلیل کا جواب نہیں ہے۔''

''بے وقوف! اتنے قریبی پڑوسی کیا گھر کے مکینوں سے واقف نہیں ہوں گے۔ انجان لڑکی ولڑکے کو دیکھ کر گھر والوں سے پوچھیں گے نہیں تمھاری چھت پر دو پریم پنچھی کیا کر رہے ہیں۔ اور جب مکین پہچاننے سے لاعلمی ظاہر کریں گے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔''

وہ نادم ہوئی۔ ''سوری، اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا۔''

میں نے اندازہ لگایا۔ ''یقیناً، چند منٹ بعد وہ دوبارہ بھی اوپر آئی ہوگی۔''

لورا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''آئی تو تھی، مگر ہماری طرف دیکھے بغیر کپڑوں کو درست کیا اور لوٹ گئی۔''

سیڑھی کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں تلملاتے ہوئے بولا۔ ''تمھاری عقل تب بھی گھاس چرتی رہی۔''

وہ روہانسی ہوئی۔ ''اچھا اب سوری کہہ دیا ناں۔ اور میرے خیال میں ....'' وہ فقرہ مکمل نہ کر پائی پولیس گاڑیوں کے سائرن نے اسے متوحش کر دیا تھا۔ ''کک......کیا......؟''

''ہاں۔'' میں نے اس کی سوچ اچکی۔ ''یہ ہماری میزبانی کو آرہے ہیں۔'' اور سیڑھیاں اترنے کے بجائے دوسرے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ اگر پولیس واقعی اسی مکان کی طرف آرہی تھی تو گاڑیوں کو وہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ وقت نہ لگتا۔ ہم مکان سے نکل کر زیادہ دور نہیں جا سکتے تھے۔ اس کے بجائے چھتوں پر بھاگ کر دور نکلنا زیادہ مناسب رہتا۔

دو تین فٹ کا فاصلہ پھلانگ کر ہم جونہی دوسری چھت پر کودے، اسی لمحے سیڑھیوں سے ایک عورت کا سر ابھرا، ہمیں دیکھتے ہی وہ سرعت سے واپس پلٹی، یقیناً ہماری مشکلات بڑھانے والی وہی تھی۔ ایک بار تو جی کیا کم از کم اسے ڈانٹ ہی دوں، مگر پھر وقت کی کمی آڑے رہی۔ یوں بھی اس کا فعل اصولوں کے خلاف نہیں تھا۔ ہم قانون کی نظر میں مجرم تھے اور ایسے انجان لوگوں کے بارے پولیس کو مطلع کرنا اس کا فرض تھا۔

جب تک ہم دوسرے مکان سے تیسرے مکان پر منتقل ہوتے پولیس کی گاڑیاں اس گھر کے سامنے پہنچ گئی تھیں۔

ایجنسیوں اور پولیس کے طریقہ کار میں بنیادی فرق یہی ہے کہ پولیس ساز باجے کے ساتھ مجرموں کی سرکوبی کو روانہ ہوتی ہے۔ یوں جیسے اعلان کرتی آرہی ہو کہ بھاگنا ہے تو نکل جاؤ ورنہ ہم پکڑنے آرہے ہیں۔ جبکہ ایجنسی والے ہدف کو خاموشی سے گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجھے لگ رہا تھا ہماری اچھی خاصی ورزش ہونے والی ہے۔ ایس آرون کا وزن تقریباً ساڑھے آٹھ کلوگرام تھا۔ اس کا ایمونیشن، سنائپنگ کا دوسرا سامان، بیس لاکھ کی رقم۔ یہ سب مل کر گیارہ بارہ کلوگرام کے بہ قدر بن رہا تھا۔ اور یہ وزن تیز رفتاری سے حرکت کرنے میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ تیسرے مکان کی چھت پر پلاسٹک کی دو چھوٹی ٹینکیاں پڑی تھیں۔ سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے میں نے ایک ٹینکی کا ڈھکن اٹھا کر بیگ اندر پھینک دیا۔ ایس آرون کا اپنا بیگ ''پن روک'' (واٹر پروف) تھا۔ اور پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ پانی ہتھیار کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ رقم بھی مومی لفافے میں تھی اور پھر پلاسٹک کا مضبوط بیگ بھی پانی کے خلاف بہترین ڈھال تھا۔ اور ہنومان نگر کا وہ مکان تلاش کرنا بالکل آسان تھا۔ یہ عوامل میرے فیصلہ کرنے کو آسان بنا گئے تھے۔

فی الحال جان بچانے کی ضرورت تھی سامان بعد میں وصول کیا جاسکتا تھا۔البتہ اتفاق سے گھر والے ٹینکی کو کھول کر دیکھ لیتے تو ان کے وارے نیارے ہو جاتے۔لورا نے میرے فعل پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔البتہ مجھے رکتے دیکھ کر اس کے قدم بھی تھم گئے تھے۔ٹینکی کا ڈھکن برابر کر کے میں بھاگ پڑا۔میرا ساتھ دیتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

''کہیں نکلنے ہی نہیں دے رہے۔''

میں طنز کرنے سے باز نہ آیا۔''تم بے وقوفی نہ کرتیں تو کم از کم آرام سے رخصت ہوتے۔''

وہ چپ ہوگئی۔پولیس کی گاڑیوں کے سائرن آگے بڑھ آئے تھے۔یقیناً انھیں ہمارے بھاگنے کی بابت اور سمت کا پتا چل چکا تھا۔

چوتھے مکان کی چھت عبور کرتے ہی آگے گلی کا خلا تھا جو پندرہ سولہ فٹ سے زیادہ تھا۔اور کوئی ''لانگ جمپ'' کا کھلاڑی ہی اسے پھلانگنے کا حوصلہ کر سکتا تھا۔

ہم چھت سے روشندان کے چھجے اور وہاں سے کھڑکی کے چھجے پر منتقل ہوئے۔اس کے بعد زمین پر کودنا مشکل نہ تھا۔وہ گھر ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہو سکتا تھا۔

''باہر نکلو۔''لورا کی سوالیہ نظروں کا جواب دیتے ہوئے میں دیوار کی طرف بڑھا۔اسی وقت سفید رنگ کا ایک چھوٹا سا کتا کسی کونے سے برآمد ہوا اور بھونکنے لگا۔ایک بار تو اسے چپ کرانے کا سوچا مگر پھر یہ فالتو لگا۔خواہ مخواہ اسے ہلاک کرنا مناسب نہ تھا۔اس کی ذمہ داری اجنبیوں کی نشان دہی کرنا تھا اور بے چارہ وہی تو کر رہا تھا۔

دیوار کی اونچائی سات فٹ کے قریب تھی۔ہمیں پھلانگنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔گلی میں کودتے ہی میری باچھیں کھل گئی تھیں۔سامنے دکانوں کی قطار تھی۔ایک مخنی سالڑکا موٹر سائیکل کی سیٹ پر بیٹھا آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔مجھے وہ غائبانہ امداد ہی لگی تھی۔وہ عام موٹر سائیکل تھی۔میں سرعت سے آگے بڑھا۔پولیس گاڑیوں کے سائرن گلی کی نکڑ تک پہنچ گئے تھے۔میں نے جیب سے پستول برآمد کیا۔

''تم تھوڑی دیر پیدل چلنے کا کشٹ (تکلیف) اٹھاؤ مہاراج۔''پستول کی نال سے میں نے لڑکے کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔فوراً اٹھ کر پیچھے ہوگیا۔چابی اگنیشن ہی میں تھی۔چابی گھما کر میں نے کک لگائی اور لورا کے بیٹھتے ہی گیئر لگا کر آگے بڑھ گیا۔تبھی پولیس کی جیپ نے موڑ کاٹا۔لوگوں کی چیخ پکار سے اندازہ ہوا کہ وہ انھیں ہماری طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

گلی کافی کشادہ تھی اور جیپ تیز رفتاری سے ہمارے قریب پہنچ سکتی تھی۔میں نے ''ریس'' گھما کر رفتار بڑھائی۔چوتھے گیئر میں موٹر سائیکل خطرناک انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔گلیوں میں زیادہ رکاوٹوں کی وجہ سے تیز رفتاری عموماً نقصان دہ ہوتی ہے۔لیکن وہ وقت سود و زیاں کی سوچ کا نہیں تھا۔پولیس جیپ کا سائرن اور ہارن بھی تسلسل سے بجنا شروع ہو گیا تھا۔

لورا نے فکر مندی سے مشورہ دیا۔''ریحا رفتار بڑھاؤ۔''

میں نے سامنے سے آنے والی موٹر سائیکل کو بچایا،اچانک ماحول تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھا۔لوگ بھاگ کر دکانوں میں گھسنے لگے۔ایک پھیری والا،اپنی ریڑھی گلی کے وسط میں لا کر پیچھے پلٹنے کو موڑ کاٹ رہا تھا۔فائرنگ سنتے ہی سراسیمہ ہو کر ریڑھی کو وہیں چھوڑ ا اور ایک دکان میں گھس گیا۔بڑی مشکل سے میں نے موٹر سائیکل کو ریڑھی سے ٹکرانے سے بچایا تھا۔ایک دم بریک لگانے کی وجہ سے موٹر سائیکل گرنے والی ہوگئی تھی۔ہینڈل موڑ کر میں ریڑھی کے عقب سے نکلا،ایک بار پھر۔''تڑ......تڑ''ہوئی۔لورا کے ہونٹوں سے زوردار کراہ خارج ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' رفتار بڑھاتے ہوئے میں متوحش ہوا۔

وہ بہ مشکل بولی۔ ''گولی لگی ہے۔''

''سنبھل کر بیٹھنا۔'' گھبراتے میں نے رفتار مزید بڑھا دی۔ تڑتڑاہٹ پھر گونجی، گولیاں ''شاں...... شاں'' کی آواز سے میرے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ پولیس والوں کی بوکھلاہٹ پر حیرانی ہو رہی تھی، کیوں کہ سرِ بازار گولیاں چلانا احمقانہ فعل اور اختیار سے تجاوز کرنا تھا۔ وہاں عام لوگ موجود تھے، فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی تھی کہ یوں فائر کھولا جاتا۔

لورا نے سر میرے کندھے پر ٹیک دیا تھا۔ اس کی آہیں آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

''گولی کہاں لگی ہے۔'' بغلی گلی میں موٹر سائیکل موڑتے ہوئے میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''آہ...... کمر پر۔'' وہ بہ مشکل بول پائی تھی۔

گولی لگنے کی تکلیف اور پھر موٹر سائیکل کی غیر آرام دہ سواری، وہ دہری مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ بغلی گلی میں بازار کی نسبت بہت کم بھیڑ تھی۔ رفتار آخری حد تک بڑھاتے ہوئے میں نے ہدایت کی۔

''میری کمر کس کر پکڑے رہو۔''

اس کا بایاں ہاتھ بغل سے نیچے، میرے پیٹ پر آ گیا، جبکہ دوسرا ہاتھ غالباً زخم پر دھرا تھا۔

''زخم کو دبا کر رکھنا۔'' میں نے بھی ہدایت دینا ضروری سمجھا تھا۔

موٹر سائیکل کی نسبت جیپ کو موڑ کاٹنے میں چند لمحے لگتے تھے۔ اس دوران میں ایک تنگ گلی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ جہاں جیپ کا داخلہ ممکن نہ تھا۔ میں فوراً اندر گھس گیا۔

دولڑکے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے آ رہے تھے، مجھے طوفانی رفتار سے آگے بڑھتا دیکھ کر دیوار سے لگ گئے تھے۔

جونھی تنگ گلی سے ملحق پہلی گلی آئی میں نے موٹر سائیکل اس میں موڑ دی، کیوں کہ تنگ گلی کی نکڑ پر کھڑے ہو کر پولیس والے ہمیں نشانہ بنا سکتے تھے۔ اس گلی میں تھوڑا آگے بڑھتے ہی ایک نوجوان لڑکی، لڑکے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مٹکتے ہوئے آتی دکھائی دی۔ اس کے گلے میں سرخ رنگ کا دوپٹا مفلر کی طرح جھول رہا تھا۔ اور یقیناً اس کی گردن سے زیادہ لورا کے زخم کو اس دوپٹے کی احتیاج (ضرورت، حاجت) تھی۔

موٹر سائیکل روکتے ہوئے میں نے سٹینڈ پر لگایا۔ میرا سہارا ہٹتے ہی لورا نے سیٹ پر ہاتھ ٹیک دیے تھے۔ گولی اس کے دائیں پہلو میں لگی تھی۔ اس کا دایاں پہلو، کولہے اور دائیں ٹانگ خون سے لال ہو گئے تھے۔ خون مسلسل نیچے ٹپک رہا تھا۔

''معذرت بہن، مگر آپ کا دوپٹا مجھے چاہیے ہو گا۔'' میں بغیر کسی تمہید کے لڑکی کو مخاطب ہوا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ لڑکے نے غیرت کا مظاہرہ کرنا چاہا......

''اوے تم......''

''بحث کا وقت نہیں ہے دوست۔'' میں نے نیفے سے پستول برآمد کیا۔

''ب...... بھائی یہ لیں۔'' لڑکی نے فوراً فیشنی دوپٹا میرے طرف بڑھا دیا تھا۔

''دوبارہ معذرت چاہتا ہوں، مگر میری ساتھی زخمی ہے۔'' میں نے صفائی دینا ضروری سمجھا کہ بعد میں بے چارے کڑھ کڑھ کر اپنا آدھا خون جلا لیتے۔

''ک...... کوئی بات نہیں دوست۔'' لڑکے نے بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا کہ ہتھیار مخالف کے غصے پر ٹھنڈے پانی سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

میں اس کی بات سننے رکا نہیں تھا۔ پستول نیفے میں اڑستے ہوئے میں لورا کے قریب ہوا۔ اپنی قمیص کا دامن سامنے سے پھاڑ کر میں نے تہہ کر کے گدی بنائی اور لورا کے زخم پر رکھ کر اوپر سے دوپٹا کس کر باندھ دیا۔ خون روکنا نہایت ضروری تھا۔ زخم کاری تھا یا نہیں، زیادہ خون بہہ جانا اسے ناکارہ کر سکتا تھا۔

وہ ہونٹ بھینچے درد بھری سسکیاں لے رہی تھی۔ درد کی شدت سے اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

''بھائی! قریب ہی ایک کلینک ہے۔'' نوجوان جوڑا ہمارے قریب رک گیا تھا۔ یہ مشورہ لڑکی نے دیا، یقیناً اپنے دوپٹے کا صحیح مصرف دیکھ کر اس کے دل پر سے غبار دھل گیا تھا۔

میں نے سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ بہن۔'' ان سے کلینک کا پتا دریافت کرنے کی زحمت نہ کی، کہ کلینک میں جانا اپنی گردن پھندے میں دینے کے مترادف تھا۔

لورا نے میرے کندھوں پر سر ٹیک کر میرے پیٹ پر ہاتھ باندھ لیے تھے۔ اب اس کی سسکیاں، کراہوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ سنائپر ہونے کے باوجود وہ صنف نازک ہی تھی۔ خون بہنے سے اس کا جسم نقاہت کا شکار ہو گیا تھا۔ اوپر سے درد و تکلیف اور پھر موٹر سائیکل کی بے آرام سواری۔

''ریجا، مجھے چھوڑ کر چلے کیوں نہیں جاتے۔'' نجانے مشورہ دے رہی تھی یا اس میں مزید موٹر سائیکل پر بیٹھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

میں جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ علاقہ میرے لیے بالکل انجان تھا۔ گلیاں طلسمی عمارت کی بھول بھلیاں لگ رہی تھیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ ایک بار خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا بھی سوچا، مگر پھر حوصلہ نہ ہوا۔ اب میں جاسوس سے بڑھ کر قاتل تھا۔ گو جنھیں قتل کیا تھا وہ اسی قابل تھے، کہ انھوں نے مجھے بڑی بے دردی سے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ لیکن انڈیا کا قانون مجھے ایسی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لورا کو وہیں چھوڑ دینا بھی مسئلے کا ایک حل تھا، بلاشبہ لورا نہ تو میرے لیے ضروری تھی اور نہ اس سے کوئی جذباتی وابستگی تھی۔ مگر میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ زخمی ساتھی کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے بھاگ جاؤں۔ شاید یوں جان بچ جاتی مگر ضمیر کی عدالت ہمیشہ کے پچھتاوے میرا مقدر کر دیتی۔

گاہے گاہے سماعتوں میں پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بھی گونجنے لگتے۔ انھوں نے پورے علاقے کو گھیر لیا تھا اور یقیناً ہمیں گرفتار یا ختم کیے بغیر ٹلنے والے نہیں تھے۔ کسی بھی ملک کے حساس ادارے اور پولیس وغیرہ، غیر ملکی دشمنوں کے لیے ایسے ہی باؤلے اور متشدد ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی ترجیحات، فوائد اور نقصان اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ یقیناً کسی انڈین جاسوس کو پاکستان میں دیکھ کر میری بھی یہی حالت ہونا تھی۔

میری کوشش تھی کہ موٹر سائیکل تنگ گلیوں میں بھگائے رکھوں، لیکن وہاں اتنی زیادہ تنگ گلیاں نہیں تھیں کہ ایک کے بعد ایک ایسی گلی ملتی رہتی۔ لورا کی برداشت بھی اختتام پذیر تھی۔ اس میں درد سہنے اور موٹر سائیکل پر مزید جمے رہنے کا حوصلہ مفقود ہو چکا تھا۔ وہ لجاجت و درد بھری آواز میں رکنے کی منت کر رہی تھی۔ یہ شکر تھا کہ اس نے موٹر سائیکل سے چھلانگ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید درد کی شدت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔

میں تنگ گلی سے کشادہ گلی میں نکلا۔ تبھی ایک مکان سے سفید کار نکل کر مخالف سمت کو بڑھ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری۔ نجانے کسے نشانہ بنایا گیا تھا۔

لورا نقاہت و بے چارگی سے بولی۔ ''ریجا میں گر جاؤں گی۔ مجھے کہیں اتار کر تم بھاگ جاؤ۔''

مجھ پر اس کی حالت مخفی نہیں تھی۔ وہ مزید موٹر سائیکل پر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ خطرہ مول لیتے ہوئے میں نے موٹر سائیکل

اس مکان کی طرف موڑ دی جہاں سے کار نکلی تھی۔ چوکیدار دروازہ بند کر چکا تھا۔

دروازے کے سامنے پہنچ کر میں نے ہلکا سا ہارن دیا۔ ذیلی دروازہ کھول کر چوکیدار نے باہر جھانکا۔

''جی کس کو ملنا ہے۔'' وہ باہر نکل آیا تھا۔ ذیلی دروازہ اتنا چوڑا ضرور تھا کہ موٹر سائیکل اندر چلی جاتی۔ جواب دیئے بغیر میں نے موٹر سائیکل آگے بڑھائی۔

''اوئے کیا بدتمیزی ہے۔'' موٹر سائیکل کی ٹکر سے بچنے کو وہ ایک جانب ہوا اور میں دروازے سے اندر ہو گیا۔

چوکیدار گالی بکتے ہوئے ہمارے پیچھے اندر آیا، تبھی میں موٹر سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کر کے نیچے اتر آیا تھا۔ سائیلنسر لگے گلاک کی بھیانک شکل دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رکا۔ مگر آنکھوں میں خوف کے بجائے حیرانی ابھری تھی۔ کافی مضبوط اعصاب کا لگتا تھا ورنہ عموماً ایسے ملازم ہتھیار دیکھتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

''کیا چاہتے ہو؟'' اس کی نظریں سنہری بالوں والی لورا پر گڑ گئیں۔

''پہلے دروازہ بند کرو۔'' اس کے اطمینان بھرے انداز نے مجھے مایوس کیا تھا۔

قدم پیچھے لے کر اس نے ذیلی دروازہ بند کر دیا۔ ''اب بتاؤ۔'' اس بار لہجے میں اعتماد زیادہ تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''گھر میں کون کون ہے؟''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''تمھیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنا مسئلہ بتاؤ۔'' اسی وقت گلی میں پولیس کی گاڑی سائرن بجاتے ہوئے گزر گئی تھی۔

''ڈر نہیں لگتا میں تمھیں نقصان پہنچاؤں گا۔'' میں نے حیرانی ظاہر کی۔ لورا کراہتے ہوئے موٹر سائیکل سے اتر کر پختہ فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی حالت کافی ناگفتہ بہ لگ رہی تھی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم اچکے یا ڈکیت نہیں لگتے، نہ یہ ڈاکے ڈالنے کا وقت ہے۔ تمھاری دوست زخمی ہے۔ مجرم ہو اور یقیناً پولیس سے بھاگتے پھر رہے ہو، تبھی وقفے وقفے سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن اور فائرنگ کی آواز بلند ہو رہی ہے۔''

میں پستول جھکاتے ہوئے بولا۔ ''مجرم ہیں یا نہیں، مظلوم ضرور ہیں اور ہمیں مدد چاہیے۔''

اس کے لبوں پر تبسم ابھرا۔ ''مدد لینے کو مجھ پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ اور تم پستول تان کر دشمنی کا آغاز کر چکے ہو۔''

میں فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ''کبھی کبھی ایسی افتاد پڑتی ہے کہ اجنبیوں پر اعتبار کرنا، ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور مدد کے وعدے پر اکتفا کر کے آنکھیں میچنا پڑتی ہیں۔''

''میرا نام سورج سنگھ ہے اور واہ گرو کی قسم دھوکا نہیں دوں گا۔ اب بتاؤ تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

''ہمیں چھپنے کی جگہ چاہیے۔''

وہ لورا پر نظریں جماتا ہوا بولا۔ ''کیا اتنا کافی ہوگا۔'' یقیناً لورا کی حالت اس کی نظر سے اوجھل نہیں تھی۔

میں نے دامنِ امید دراز کیا۔ ''پہلی ضرورت تو پناہ کی تلاش ہے۔ بعد کے مراحل بعد میں دیکھے جائیں گے۔''

اس نے اطمینان سے انکشاف کیا۔ ''صاحب دفتر چلے گئے ہیں، بچے کالج جا چکے ہیں۔ بیگم صاحب سوئی ہیں۔ کام والی کی آمد میں گھنٹہ ڈیڑھ رہتا ہے۔ اور میرے کوارٹر کی طرف کوئی نہیں آتا۔''

''ہمیں وہیں لے چلو، میری ساتھی کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''چلو۔'' اس نے موٹر سائیکل پکڑی۔ کلچ دبا کر گیئر نکالتے ہوئے بولا۔ ''تم اپنی ساتھی کو سہارا دو۔''

مگر لورا کی ضرورت سہارے سے بڑھ گئی تھی۔ میں نے قریب ہو کر اس کے کندھوں اور ٹانگوں میں ہاتھ ڈال کر اٹھا

لیا۔ کراہتے ہوئے اس کی پلکیں وا ہوئیں، آنکھوں میں حیرت اور موہوم سا احتجاج تھا، مگر زبان خاموش رہی۔

چوکیدار کی معیت میں چلتے ہوئے ہم مکان کے عقب میں پہنچے، جہاں دو کمروں کا چھوٹا سا کوارٹر بنا تھا۔ میں نے لورا کو احتیاط سے چارپائی پر لٹایا۔ گولی جسم میں ہونے کی وجہ سے لحظہ بہ لحظہ اس کے زخم نے بگڑتے جانا تھا۔ اگر گولی ٹانگ یا بازو وغیرہ میں لگی ہوتی تو میں نکالنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ پہلو جیسے نازک مقام کو چھیڑ کر میں اس کے خاتمے کو یقینی بنانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

سورج سنگھ نے جانے کی اجازت چاہی۔ ''خون کے دھبے صاف کرنا پڑیں گے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس پر اعتبار کرنے پر مجبور تھا۔ فقط اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ باہر نکل گیا۔ میں لورا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی تھی۔ ہونٹ بالکل خشک ہو گئے تھے۔ آنکھیں بند کیے وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔

اس کے کندھوں کے نیچے دو تکیے رکھ کر میں نے پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

وہ غٹا غٹ پورا گلاس پی گئی۔ میں نے ایک اور گلاس بھی اسے پلایا۔ اور پھر خود پانی پینے لگا۔

''ریجا، میں نہیں بچوں گی۔'' اس کی نحیف اور مایوسی سے بھرپور آواز میری سماعتوں میں پہنچی۔

میں اس کا حوصلہ بڑھانے کو ہنسا۔ ''زندگی و موت کے فیصلے میرے رب نے کرنے ہیں۔ تم اپنی محدود سوچوں کو زحمت نہ دو۔''

''تم بھاگ کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔''

''تمھیں چھوڑ کر چلا گیا تو ڈیٹ کا وعدہ کیسے پورا ہوگا۔''

وہ میرے مذاق پر مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ آنکھیں بند کیے بے تاثر چہرہ لیے لیٹی رہی۔

''ارے! پریشان نہیں ہوتے۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے سہلایا۔ ''ایسی مشکلات و تکلیفات تو زندگی کا حصہ ہیں۔ تم تو تربیت یافتہ سپاہی بلکہ سنائپر ہو۔ عملی زندگی میں کتنی ہی مشکلات کا سامنا کر چکی ہو، پھر حوصلہ ہارنے کی کیا تک۔ دل بڑا رکھو اتنی آسانی سے تمھیں مرنے نہیں دوں گا۔ اللہ پاک نے چھیننے کی جگہ عطا فرما دی ہے آگے بھی رحم کا معاملہ فرمائے گا۔''

وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ ''آپ کا اللہ مجرموں کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ فرماتا ہے۔ جانتے ہو ناں میں قاتل ہوں۔ اجرت لے کر ایک شخص کو ختم کر چکی ہوں۔''

میں نے انکشاف کیا۔ ''اللہ پاک اپنی مخلوق سے سگی ماں سے بھی ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔''

اس نے مجھے لاجواب کرنا چاہا۔ ''وہ اکیلا میرا اللہ تو نہیں ہے ناں، اس کا بھی اللہ ہے جسے میں قتل کر چکی ہوں۔ کیا مجھے معاف کرنے سے دوسرے کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔''

میں نے لمبی بحث میں پڑنے کے بجائے عام فہم مثال بیان کی۔ ''جب ایک شخص کے دو بچوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہو، تب جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو والدا سے کبھی کبھار کوئی قیمتی چیز یا رقم وغیرہ دے کر اس پر راضی کر لیتا ہے کہ وہ اپنے زیادتی کرنے والے بھائی کو معاف کر دے۔ یوں دونوں خوش ہو جاتے ہیں۔''

وہ مایوسی سے بولی۔ ''کبھی، زیادتی کرنے والے کی پٹائی کر کے بھی دوسرے کو خوش کرتا ہوگا۔''

میں وثوق سے بولا۔ ''توبہ کرنے والے کے ساتھ کبھی کبھار نہیں ہمیشہ ہی مہربانی کا معاملہ ہوگا۔''

اس نے حیرانی ظاہر کی۔ ''توبہ کیا ہوتی ہے؟''
''کیے پر پشیمانی، غلطی کا اعتراف اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔''
''پشیمان بھی ہوں، آئندہ نہ کرنے کا عہد کئی بار کر چکی ہوں۔ اور یقین مانو اگر عہد نہ کیا ہوتا تو تمھیں سنائپنگ کی تربیت نہ دیتی۔''
میں نے اس کے ہاتھ کی پشت تھپتھپائی۔ ''تو بس سچے دل سے تائب ہونا کافی ہے۔'' وہ موقع مسلم اور کافر کی بحث چھیڑنے کا نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی حوصلہ ہاری ہوئی تھی۔ اس کی دلجوئی اور ہمت بڑھانا ضروری تھا۔
اس نے موضوع تبدیل کیا۔ ''یہ ہماری مدد کرنے پر کیوں تیار ہوا ہے۔'' میری سورج سنگھ کے ساتھ ملی جلی ہندی و پنجابی میں بات ہوئی تھی تبھی اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔
''پتا نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمھارا مزید موٹر سائیکل پر بیٹھنا ممکن نہ تھا مجبوراً مجھے یہاں گھسنا پڑا۔ میری دھمکی کارگر نہ ہوئی، تب مدد کی درخواست کی اور موصوف مان گیا۔''
وہ فکر مند ہوئی۔ ''کیا اعتبار کے قابل ہے۔''
میں دھیرے سے ہنسا۔ ''میرے ناں کرنے پر تمھارے پاس کوئی اور انتخاب موجود ہے۔''
''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں تمھیں بھاگ جانے کا مشورہ دوں گی۔ تاکہ دونوں نہ پکڑے جائیں۔ یوں قید میں مجھے باہر سے مدد ملنے کی امید موجود رہے گی۔''
''جو تمھیں ابھی چھوڑ کر چلا گیا وہ بعد میں مدد کو کیسے آئے گا۔''
اس نے خفگی سے منہ پھلا لیا۔ ''تو نہ آئے منت کس نے کی ہے۔''
میں شاکی ہوا۔ ''خفا کیوں ہوتی ہو، میں تمھیں چھوڑ کر ہی نہیں جا رہا۔''
اس کے ہونٹوں پر خوب صورت تبسم ابھرا۔ ''ساری لڑکیوں کو یونھی نرمی، توجہ اور اخلاق سے پھانستے ہو۔''
''الزام لگا رہی ہو۔ تم اگر مرد ہوتیں تب بھی چھوڑ کر نہ جاتا۔''
اس نے ہنسنے کی کوشش کی مگر زخم میں درد اٹھا اور چہرے پر اذیت پھیل گئی۔
''گفتگو مت کرو بس آرام سے لیٹی رہو۔'' یہ الفاظ میرے ہونٹوں پر تھے کہ سورج سنگھ اندر داخل ہوا۔
''چند جگہوں پر خون کے دھبے لگے تھے۔ صاف کر دیئے۔ اب کسی کو تمھاری یہاں موجودی کا شبہ نہیں ہو سکتا۔'' یہ کہہ کر اس نے دیوار پر نصب ''ایل ای ڈی'' آن کی۔ اور ڈھونڈ کر خبروں کا چینل لگا دیا۔
ہمارے بارے تفصیل بیان ہو رہی تھی۔ لورا کے یورپین ہونے کا ذکر نہیں کیا جا رہا تھا۔ صرف پاکستانی جاسوس جوڑے کے بارے بتایا جا رہا تھا۔
بلاشبہ سورج سنگھ کا ٹی وی لگانے کا مقصد ہمیں اپنی آگاہی سے باخبر کرنا تھا۔ چند منٹ خبریں سننے کے بعد وہ ٹی وی بند کر کے میری طرف متوجہ ہوا۔
''کیا کہتے ہو۔''
''کہنا تم نے ہے دوست۔ ہم تو مدد کی درخواست کر چکے ہیں۔ البتہ ٹی وی کے ذریعے ہمیں یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں تھی کہ تم ہمارے بارے سب کچھ جانتے ہو۔''
اس نے صفائی دی۔ ''تمھیں تازہ صورت حال سے باخبر رکھنے کو ٹی وی چلایا تھا۔ اور کیا تم نہیں جانتے تمھیں پہچان چکا ہوں۔'' ایک لمحہ توقف کر کے بولا۔ ''باقی تمھارا مقصد اگر چھپنا ہے تو یقیناً وہ پورا ہو چکا ہے۔ مگر اپنی ساتھی کے لیے کیا

سوچا ہے۔ یہ زخمی ہے اور یہاں اس کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ میں تمھیں کھانا کھلا سکتا ہوں، پانی و چائے پلا سکتا ہوں، کپڑے دے سکتا ہوں اور بس۔''

''پہلے تو میرے حوالے کپڑے کرو۔'' مجھے پھٹی ہوئی قمیص تبدیل کرنے کا خیال آیا۔ کیوں کہ لورا کا خون روکنے کو میں نے اپنی قمیص کا دامن پھاڑ کر گدی بنائی تھی۔

اس نے لوہے کی الماری سے جینز کی پینٹ اور پھولدار قمیص میرے جانب بڑھا دی۔ کمرے کے ملحقہ غسل خانے میں گھس کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور باہر نکل آیا۔

نشست سنبھالتے ہوئے میں مطلب کی بات پر آیا۔ ''ہماری مدد کیوں کر رہے ہو، جبکہ جانتے ہو ہم بھارت سرکار کو مطلوب ہیں۔''

''میں ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ ایک بار ٹیکسی بڑے ٹرالر میں ٹھوک دی، زخمی ہوا، مگر واہ گرو کی کرپا (کرم) سے جان بچ گئی۔ علاج کے لیے جب جمع پونجی ناکافی ہوئی تو بیوی کوٹوٹی پھوٹی ٹیکسی ہی بیچنا پڑی۔ ٹھیک ہونے پر یہاں نوکری کر لی۔ چوکیدار، ڈرائیور، مالی، خاکروب تمام ذمہ داریاں سنبھالتا ہوں اور پندرہ ہزار تنخواہ ملتی ہے۔''

اس کے خاموش ہونے پر میں بے ساختہ بولا۔ ''تو......''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''مجھے ٹیکسی چاہیے۔''

میں نے پوچھا۔ ''گیراج میں شاید بیگم صاحب کی کار کھڑی ہے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی ہاں۔''

میں نے پیش کش کی۔ ''ہمیں ڈگی میں چھپا کر کسی ایسے کلینک پر لے جہاں غیر قانونی طور پر میری ساتھی کا علاج ہو سکے۔ پانچ لاکھ دوں گا۔''

''منظور ہے، رقم میرے حوالے کرو۔'' وہ فوراً تیار ہو گیا تھا۔

''پاس تو نہیں ہے۔ البتہ وعدہ کرتا ہوں ایک دو دن میں لا دوں گا۔''

اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔ ''کہاں سے لاؤ گے؟''

''ایک جگہ چھپائی ہوئی ہے۔''

''شاید تم مجھے ٹرخا رہے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔ بس ایک دو دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''نئی گاڑی کی خریداری پر شاید چھے سات لاکھ لگ جائیں۔''

''سات لاکھ دوں گا۔'' میں نے پیش کش بڑھا دی۔

اس نے بستر سے کمبل اٹھایا۔ ''چلو۔''

میں نے پوچھا۔ ''کمبل کو کیا کرو گے؟''

''ڈگی میں بچھاؤں گا تاکہ تمھاری ساتھی کو تکلیف نہ ہو اور اس کے خون سے ڈگی بھی خراب نہ ہو۔''

میں پسندیدگی سے سر ہلا کر لورا کی طرف بڑھا۔ جونھی اسے اٹھانے کو جھکا وہ بے چینی سے بولی۔ ''مجھے بھی بتاؤ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔''

اسے اٹھا کر میں اطمینان سے بولا۔ ''سودے بازی ہو رہی تھی۔ سورج سنگھ ہمیں ڈاکٹر تک لے جائے گا اور میں اسے سات لاکھ دوں گا۔''

عجیب سی نظروں سے مجھے گھور کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔البتہ میرے اٹھانے کی وجہ سے ایک بار پھر اس کی کراہیں نکلنے لگیں تھیں۔

سورج سنگھ ڈگی کھول کر اس میں کمبل بچھا چکا تھا۔میں نے احتیاط سے لورا کو اندر لٹایا اور پھر خود بھی اندر ہو گیا۔ہم دونوں یوں لیٹے تھے کہ من و تو کا فرق مٹ گیا تھا۔اس بے چاری کو زخمی ہونے کی وجہ سے خاصی تکلیف کا سامنا تھا۔البتہ میرے اتنے قریب لیٹنے پر اس کے چہرے پر انقباض یا ناپسندیدگی نہیں ابھری تھی۔یقیناوہ مجبوری سے ناواقف نہیں تھی۔

''کسی مناسب ڈاکٹر کا پتا معلوم کرنے کو راستے میں تھوڑی دیر ایک دوست کے پاس رکوں گا۔'' مجھے مطلع کر کے اس نے ڈگی بند کر دی۔چند لمحوں بعد کار اسٹارٹ ہو گئی۔

داخلی دروازہ اسے خود ہی کھولنا اور بند کرنا تھا اس وجہ سے چند لمحے رکنا پڑا۔اور پھر کار روانہ ہو گئی۔گاڑیوں کا شور،ہارن،لوگوں کی چیخ پکار راستے بھر ہماری سماعتوں میں گونجتی رہی۔اس کے ساتھ لورا کی کراہیں بھی تسلسل سے سنائی دیتی رہیں۔میں نے اسے آرام پہنچانے کی پوری کوشش کی تھی۔نجانے اس کی درد بھری کراہیں تھیں یا میرے دماغ ہی میں کوئی گرہ پڑی تھی کہ اتنی قربت کے باوجود میرے دماغ میں سفلی جذبات یا کوئی بے ہودہ خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ورنہ جس حالت میں ہم لیٹے تھے،اتنی قربت صرف زن و شو(بیوی و شوہر)ہی کو روا ہو سکتی ہے۔

راستے میں گاہے گاہے کار رکتی رہی۔آدھے گھنٹے بعد رکنے کا نسبتاً لمبا وقفہ آیا۔مگر دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں رکے تھے۔دوبارہ سفر شروع ہونے کے بعد منزل تک پہنچنے میں ادھ پون گھنٹا مزید لگا تھا۔رک کر وہ قریب آیا اور ڈگی کھولے بغیر اونچی سرگوشی میں بولا۔

''ڈاکٹر سے پوچھ کر آتا ہوں۔''

اس کی واپسی چند منٹ بعد ہوئی تھی۔ڈگی کھلنے پر سورج سنگھ کے ہمراہ دو کالے بھجنگ افراد بھی نظر آئے،جنھوں نے اسٹریچر اٹھا رکھا تھا۔دونوں شکل سے گنوار اور عقل سے فارغ دکھائی دے رہے تھے۔یقیناڈاکٹر صاحب نے ایسے ملازم اسی وجہ سے رکھے تھے کہ وہ جائز ناجائز کی سمجھ بوجھ سے عاری تھے۔

میں نے ڈگی سے نکل کر لورا کو ہاتھوں میں بھرا اور اسٹریچر پر لٹا دیا۔دونوں ملازموں کے پیچھے چلتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد چھوٹے سے آپریشن تھیٹر میں پہنچ گئے۔

ایک ڈاکٹر،ادھیڑ عمر کی دو نرسوں کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔ڈاکٹر کا نام اشوک تھا۔نرسوں نے لورا کو احتیاط سے آپریشن کی میز پر منتقل کیا اور ملازم اسٹریچر اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر اشوک نے لورا کی پٹی کھول کر جائزہ لیا۔''آپریشن پر ایک لاکھ بیس ہزار خرچہ ہوگا۔اگر دو تین دن دیکھ بھال کو یہاں رہنا ہوا تو ڈیڑھ لاکھ لگیں گے۔''میری طرف مڑتے ہوئے اس نے جذبات سے عاری لہجے میں اعلان کیا۔

میں نے بغیر بحث و تکرار کے رقم نکالی اور ڈیڑھ لاکھ گن کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

رقم گن کر وہ بولا۔''آپ باہر چلے جائیں۔''

میں اور سورج سنگھ باہر آ گئے۔وہ مزاحیہ انداز میں شاکی ہوا۔''ڈاکٹر کے حوالے تو فوراً مطلوبہ رقم کر دی۔اور مجھے مستقبل پر ٹرخا دیا۔''

میں نے صفائی دی۔''میرے پاس اتنی ہی رقم تھی،تمھیں نہ دی کہ ڈاکٹر کے لیے بچا کر رکھی تھی۔یقیناڈاکٹر رقم لیے بغیر علاج پر آمادہ نہ ہوتا۔اور تم پرسوں دن بارہ بجے اپنی مطلوبہ رقم لے جانا۔''

''مذاق کر رہا تھا یار۔''وہ مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔''چلتا ہوں،شاید بیگم صاحب نے گھر سر پر اٹھایا ہو۔جب تک

پیسے نہیں مل جاتے تو نوکری تو نہیں چھوڑ سکتا تھا ناں۔'' وہ مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔
آپریشن گھنٹا بھر جاری رہا تھا۔ پھر ڈاکٹر اشوک نے باہر نکل کر مجھے مبارک باد دی۔ میں نے درخواست کی۔ ''ہمیں ایسا کمرہ دیا جائے جہاں پولیس یا ایجنسی کا کوئی فرد نہ پہنچ سکے۔''
وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''میرے پاس دو تہہ خانے ہیں۔ آپ سے عام تہہ خانے کا معاوضا لیا ہے۔ اگر مزید احتیاط برتنا چاہتے ہو تو خصوصی تہہ خانے میں منتقل ہو جاؤ، مگر بیس ہزار مزید خرچ ہوں گے۔''
''اگر مطلوبہ فیس کل صبح آپ کے حوالے کروں کوئی مضائقہ تو نہیں۔''
''کل صبح تک انتظار کر لوں گا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے اپنے رستے ہو لیا۔
میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر یہ احتیاط برتی تھی۔ کیوں کہ ایسے ڈاکٹروں کی خبر ایجنسی والوں کو بھی ہوتی ہے۔
تھوڑی دیر بعد لورا کو تہہ خانے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہ خفیہ کمرہ تھا جہاں ڈاکٹر کی مرضی کے بغیر کوئی نہیں آ سکتا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں سیاہ فام شخص بھی ٹانگ پر پلستر چڑھائے لیٹا نظر آیا۔
لورا بے ہوش تھی۔ نرسیں اسے ڈرپ لگا گئی تھیں۔ میں نے ایک نرس کو کچھ رقم دے کر وہیں کھانا منگوا لیا تھا۔ کھانا کھا کر میں صوفے پر لیٹ گیا۔ اٹھنے پر لورا جاگتی نظر آئی۔ خوشگوار تبسم میری جانب اچھال کر وہ دھیرے سے بولی۔
''شکریہ ریچا۔''
شام ہو رہی تھی، میں نے پوچھا۔ ''کچھ کھانے کو دل کر رہا ہے۔''
''جوس پیا ہے، پھل بھی کھائے ہیں۔ البتہ پزا کھانے کا من کر رہا ہے۔''
نرس کو بلا کر میں نے پزا لانے کا کہا۔ اور خود تازہ دم ہونے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

●

دیر تک میں لورا سے گپیں ہانکتا رہا۔ رات گہری ہوتے ہی وہاں سے نکل آیا۔ ہنومان نگر جانے کو رکشا مل گیا تھا۔ گو وہاں خطرے کا اندیشہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ایک شب پہلے ہی وہاں واردات ہو چکی تھی۔ البتہ خفیہ اہلکاروں کی موجودی کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہم ہنومان نگر سے نکل کر نہرو نگر کی حد میں داخل ہو گئے تھے۔ (سورج سنگھ کے مالک کا مکان نہرو نگر ہی میں تھا)
مجھے آسانی سے مطلوبہ مکان کی چھت اور پانی کے ٹینک تک رسائی مل گئی تھی۔ بیگ نکال کر واپس لانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ مگر جونھی واپس کلینک کے قریب پہنچا پارکنگ میں دو کالی گاڑیوں اور ان کے قریب ٹہلنے والے افراد کو دیکھتے ہی چوکنا ہو گیا تھا۔ ان کے انداز سے واضح تھا کہ وہ کون لوگ تھے۔ ان کا دھیان کلینک کی عمارت کی طرف تھا۔ میرا واپس جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر وہ اتفاق سے مڑ کر دیکھ لیتے تو میرا پارکنگ میں آ کر واپس جانا انھیں چونکا سکتا تھا۔ سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے میں نیچے بیٹھا اور ایک کار کی آڑ پکڑ لی۔ میرا دل اندیشوں سے بھر گیا تھا۔ اگر وہ کسی مخبری پر وہاں پہنچے تھے تو ڈاکٹر اشوک سے اگلوانا ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔
میں بیٹھے بیٹھے کونے کی طرف کھسکنے لگا۔ جینز میں اڑسا ہوا پستول میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا تھا۔
راستے کے قریب والی دو تین گاڑیاں چھوڑ کر میں ایک کار کے نیچے گھس گیا۔ اب قریباً میں محفوظ ہو چکا تھا۔ گو پارکنگ میں روشنی تھی، مگر جب تک کار کے قریب پہنچ کر بہ غور جائزہ نہ لیا جاتا میرا نظر آنا ممکن نہ تھا۔ وہاں اوندھے منہ لیٹ کر میں دشمنوں کا جائزہ لینے لگا۔
تھوڑی دیر بعد ہسپتال سے جس شخصیت کو برآمد ہوتے دیکھا اس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ وہ ممتا دیدی تھیں۔ کالے

رنگ کا تھری پیس سوٹ ان پر خوب سجتا تھا۔ وہ دائیں بائیں کا جائزہ لیتے ہوئے تیز قدموں سے چلتے ہوئے قیمتی گاڑی کے پاس پہنچیں۔ ایک شخص نے مؤدبانہ انداز میں کار کا دروازہ کھول دیا۔ ان کے نشست سنبھالتے ہی ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ دوسری گاڑی بھی پیچھے بڑھ گئی تھی۔ ان کے ہمراہ لورا کو نہ دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان محسوس ہوا تھا۔ یقیناً وہ مشکوک جگہوں کا جائزہ لینے نکلی تھیں۔ لورا کے زخمی ہونے کی خبر یقیناً ان تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اور اس کے بعد ہسپتالوں اور خصوصاً ایسے پرائیویٹ کلینکوں کا جائزہ لینا جن کی شہرت منفی ہو نہایت ضروری تھا۔ یہ خطرہ میرے دماغ میں بھی موجود تھا تبھی تو زیادہ پیسے دے کر خصوصی سے بھی خصوصی کمرہ حاصل کیا تھا۔

پارکنگ خالی ہوتے ہی میں کار کے نیچے سے نکلا، کپڑے جھاڑے، پستول کو قمیص کے نیچے اڑسا اور کلینک کی طرف بڑھ گیا۔

چوکیدار کو پہچان کرا کے اندر داخل ہوا۔ ڈاکٹر اشوک اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس کی اپنی رہائش کلینک سے ملحق ہی تھی۔ اور غالباً اسے نیند سے جگا کر وہاں بلایا گیا تھا۔

میں صورت حال جاننے کو اس کے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر برہمی نمودار ہوئی۔

''آپ کو باہر نہیں گھومنا چاہیے۔ چند منٹ پہلے ہی سرکاری اہلکار پوچھ تاچھ، بلکہ تلاشی لے کر گئے ہیں۔''

''میں بقیہ رقم کی ادائی کو حاضر ہوا تھا۔'' میں نے مطلوبہ رقم ان کی طرف بڑھا دی۔

پیسے ایسی جادو کی چھڑی ہیں جو اپنی جھلک دکھا کر رویوں کو نرم کرنے کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس کی درشتی، نرمی میں تبدیل ہوئی۔ ''احتیاط کیا کرو۔ اور کوشش کرو دو دن تک باہر نہ نکلو، آپ کو ہر سہولت وہیں مہیا کر دی جائے گی۔''

''آئندہ احتیاط برتوں گا ڈاکٹر صاحب۔'' ادب سے کہتے ہوئے میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھنے سے اس نے اندازہ لگایا۔ ''کوئی کام ہے؟''

میں نے پوچھا۔ ''ہمیں مستقل یہاں رہنے کو کتنا خرچ کرنا پڑے گا۔ میرا مطلب جب تک میری ساتھی اپنے قدموں پر کھڑی نہیں ہو جاتی۔''

اس نے حیرانی بھرے لہجے میں مشورہ دیا۔ ''ہماری مانگ سے کئی گنا کم قیمت خرچ کر کے آپ چھپنے کی عارضی جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔''

میں بے نیازی سے بولا۔ ''مشورہ نہیں آپ کی مانگ پوچھی ہے۔''

وہ کندھے اچکاتا ہوا بولا۔ ''روزانہ کے دس ہزار خرچ ہوں گے۔ کھانے پینے کی ضروریات آپ کو اپنے پلے سے پورا کرنا پڑیں گی۔''

میں نے مطلع کیا۔ ''دو دنوں کا معاوضہ ادا ہو گیا ہے، اگر مزید رکنا ہوا تو روزانہ کی بنیاد پر پیشگی رقم ادا کر دیا کروں گا۔''

وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ ''خوش آمدید۔''

''اور امید کرتا ہوں، کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا کہ انتقام لینے کو مجھے اپنے چھپے ہوئے دوستوں کو سامنے لانا پڑے۔''

اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی ابھری، مگر بولتے وقت لہجے میں درشتی یا ناگواری شامل نہیں تھی۔ ''آپ کا نام نہیں جانتا اور نہ جاننے کی خواہش ہے۔ البتہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں، دھرم، قومیت، رنگ، نسل، زبان، کردار اور پیشے وغیرہ

کوبالائے طاق رکھ کر مسیحائی کرتا ہوں۔ بلاشبہ میرا معاوضا زیادہ ہے۔لیکن یہ معاوضا خصوصی مریضوں سے لیتا ہوں کیوں
کہ انھیں چھپانے کے انتظامات وغیرہ بھی مجھے کرنا پڑتے ہیں۔اور یہ بھی یاد رکھنا، جتنا معاوضا آپ مجھے دے چکے
ہیں۔اس سے دگنی رقم سنیتا جیسوال آپ کو پکڑوانے کے دے دیتی۔''

میں نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔''کون سنیتا؟''

''ابھی خفیہ ایجنسی کے لوگ سنیتا جیسوال کی سرکردگی میں آپ کی تلاش میں آئے تھے۔انھیں مطمئن کر کے بھیج
دیا۔کہ میں راجاذیشان نامی کسی شخص کو نہیں جانتا۔''

اس کے انداز سے لگا جیسے وہ دیدی کو پہلے سے جانتا ہے تبھی بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔''سنیتا جیسوال آپ کی واقف کار
ہیں؟''

اس نے گہرا سانس لیا۔''کبھی تھی۔''

''اگر وضاحت کر دیتے۔''میں نے اشتیاق ظاہر کیا۔

اس کے خشک چہرے پر تبسم ابھرا۔''شاید آپ اسے دیکھ چکے ہیں اور اس کے نمکین و ملیح چہرے کی کشش سے خود کو
بچا نہیں پائے۔''

بہ مشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے میں نے حقیقت اگلی۔''وہ میری دیدی ہیں۔اور اس میں ذرا بھر شبہ نہیں۔اس
لیے دوبارہ ان کے متعلق کچھ بھی بولتے وقت میرے جذبات آپ کے مدنظر رہنے چاہئیں۔اسی میں ہم دونوں کی بھلائی
ہوگی۔''

ڈاکٹر اشوک ششدر رہ گیا تھا۔''کچھ سمجھا نہیں۔را کی میجر ایک مسلم کی بہن کیسے ہوسکتی ہے۔''

''لمبی کہانی ہے کبھی فرصت میں سناؤں گا۔البتہ آپ ان کے متعلق کچھ جانتے ہیں تو سن کر مجھے خوشی ہوگی۔''

''کسی بھائی کے سامنے، اس کی بہن سے عشق و محبت کا اعتراف کرنا یقیناً نامناسب بلکہ بے ہودہ ہے۔تو رہنے ہی
دیتے ہیں۔''خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑی۔''اور میں آرام کرنا چاہوں گا۔''

''شکریہ ڈاکٹر صاحب۔''میں اس کے دفتر سے نکل آیا۔تہہ خانے میں پہنچا تو لورا خواب آور دوا کے زیر اثر نظر
آئی۔میں نے ڈیوٹی نرس کے حوالے ایک بڑا نوٹ کر کے چارپائی کا بندوبست کر لیا، کیوں کہ وہاں چند دن رہنے کا سوچ
لیا تھا۔ایجنسی والے تفتیش کر کے واپس جا چکے تھے اور وہ کلینک پہلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہو گیا تھا۔ڈاکٹر اشوک بھی اصول
پرست اور وضع دار شخص لگا تھا۔وہاں لورا کی بھی اچھی دیکھ بھال ہو جاتی اور اس کا زخم ٹھیک ہونے تک ہماری تلاش میں بھی
پہلی سی سرگرمی باقی نہ رہتی۔

— ● —

دو دن بعد سورج سنگھ معاوضا لینے پہنچ گیا تھا۔ میں کلینک سے باہر ہی اس کا منتظر تھا۔
اس نے حیرانی ظاہر کی۔ ''باہر کیوں کھڑے ہو؟''
''کیوں کہ اپنی ساتھی کا علاج ہونے کے بعد کلینک میں رہنا غیر مناسب لگتا ہے۔'' میں نے ذو معنی انداز اپنا کر اسے یہ تأثر دیا گویا ہم کلینک چھوڑ چکے ہیں۔
اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''رقم کا بندوبست ہو گیا؟''
''آؤ میرے ساتھ۔'' میں اسے پارکنگ کے ایک کونے میں لے گیا۔ آڑ میں ہوتے ہی میں نے نوٹوں کا بنڈل اس کی جانب بڑھایا۔ وصول کرتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ مسرت بھرے لہجے میں اس نے حقیقت اگلی۔
''یقین نہیں آ رہا، مجھے لگا تھا آپ دھوکا دیں گے۔''
''مسلمان دھوکا نہیں دیتا سردار جی! وعدہ خلافی کرنے والے کو اسلام میں منافق کہا جاتا ہے۔ اور ایسا شخص غیر مسلم سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔''
''آپ کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں عزت و احترام در آیا تھا۔
میں صاف گوئی سے بولا۔ ''ہماری ملاقات کو راز رکھ کر۔''
وہ عزم سے بولا۔ ''سورج سنگھ گردن کٹا دے گا، مگر آپ کا ذکر کسی سے نہیں کرے گا۔''
میں نے اسے جانے کا کہا۔ ''تم پہلے نکلو، ہمارا اکٹھا جانا مناسب نہ ہوگا۔''
الوداعی معانقہ کر کے اس نے میرے گالوں پر عقیدت بھرا بوسا دیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا رخصت ہو گیا۔ اس کے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر غائب ہوتے ہی میں واپس چل پڑا۔ لورا بے چینی سے میری منتظر تھی۔ یقیناً میں نے خواہ مخواہ کی مصیبت ہی اپنے سر مول لے لی تھی۔ نجانے میرے التفات اور توجہ کو وہ کیا سمجھتی تھی۔ مگر میرے دل و دماغ میں اس کے لیے سوائے ہمدردی کے کچھ بھی نہیں تھا۔ البتہ اسے چھوڑ کر جانا اس لیے بہتر نہ سمجھا کہ اس وقت ہماری تلاش عروج پر تھی۔ اور میں جانتا تھا کچھ دنوں زیر زمین رہنا بہتر رہے گا۔ یوں بھی ڈینو کی موت کے بعد مجھے کسی ساتھی کی ضرورت تھی اور مفت میں ایک پیشہ ور سنائپر کا مل جانا نعمت غیر مترقبہ ہی تھا۔ اس بے چاری کو معلوم نہیں تھا کہ شکلا اصل میں میرا ہدف تھا۔ گو اسے غلط فہمی میں رکھنے کا مقصد کسی فائدے کا حصول یا اس کی نظر میں اچھا بننے کی کوشش نہیں تھی۔ میں فقط اپنے مشن کی بھنک اسے نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ گرفتار ہونے پر تشدد کا سامنا ہوتے ہی اس نے حقیقت اگل دینا تھی۔ ممکن تھا وہ سخت جانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اذیت جھیل جاتی مگر مجھے کیا ضرورت تھی کہ خطرہ مول لیتا۔ اپنے مشن سے عارضی تعلق دار کو لاعلم رکھنا ہی احتیاط تھی۔
ایک ہفتہ میں نے تہہ خانے میں بتایا۔ اس دوران لورا کا زخم بہتر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اچھی دوائیوں کے استعمال اور

بہترین دیکھ بھال کی بدولت امید تھی اس نے جلد ہی بستر چھوڑ دینا تھا۔

فلموں، ڈراموں میں گولی لگنے کے دس منٹ بعد ہی ہیرو صاحب بالکل ٹھیک ہو کر دشمنوں کی ٹھکائی کرتا نظر آتا ہے، جبکہ حقائق اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ کوئی بھی زخم ٹھیک ہونے میں وقت لیتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ہیرو پن صرف فلموں ہی میں دکھانا ممکن ہے۔

ان دنوں کھلی فراغت تھی۔ میں اور لورا دیر تک گپیں ہانکتے۔ وہ افغانستان کے واقعات کئی بار دہرا چکی تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ نک سٹیورٹ مجھ سے بے حد متاثر، بلکہ ڈرا ہوا تھا۔ لورا بھی مجھ سے سخت نفرت کرتی تھی۔ کیوں کہ میں نے ان کی بادشاہت میں دخیل ہو کر انھیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ میرا نا معلوم ہونا انھیں مزید تپا رہا تھا۔ نک اسٹیورٹ مجھے افغانستان یا پاکستان کا باشندہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ سمجھتا تھا میں کسی ترقی یافتہ ملک کا سنائپر تھا اور معاوضہ لے کر مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا۔

ایک دن قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ ''یاد ہے جب تم نے کوبرا گرایا تھا۔ قسم سے اس دن تم جن بھوت لگے تھے۔ اور پھر ہمارے کئی آدمیوں کو تم نے جس طرح گھیرا تھا، کہ تین چار ہی جان بچا پائے تھے۔''

میں نے کہا۔ ''تمھیں بھی تو زندہ چھوڑ دیا تھا۔''

وہ خجالت سے بولی۔ ''میں بھی کتنی بے وقوف تھی، تم نے کہا کھڑی ہو جاؤ اور کھڑی ہو گئی۔''

میں نے ناک بھوں چڑھائی۔ ''بے وقوفی کیسی، کیا کھڑا ہونا باعث نقصان ہوا تھا۔''

وہ اداسی سے بولی۔ ''سچ تو یہ ہے کہ نک نے کہا تھا کھڑی ہو جاؤ وہ تمھیں گولی نہیں مارے گا...... کیا پتا تھا اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہا ہے۔''

''تمھیں پسند تھا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں، ہم شادی کرنے والے تھے۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''تمھاری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اپنی پلوشہ کی تلاش میں جانا تھا۔ ورنہ مزید دو تین ماہ وہاں ضرور گزارتا۔ اور دوسری بار موقع ملنے پر میری انگلی لبلبی دباتے ہوئے قطعاً نہ جھجکتی۔''

وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''ریچا! جھوٹ بولنے کی کوئی حد ہوتی ہے۔''

''جھوٹ کیسا۔'' میں سچ مچ حیران رہ گیا تھا۔

''میری تیمارداری میں یوں لگے ہو کہ میرا کوئی سگا بھی اتنی دیکھ بھال نہ کرتا۔''

''کہیں پڑھا تھا کہ عورت دل سے سوچتی ہے۔ اور بلاشبہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ بے وقوف! میں تمھاری تیمارداری نہیں کر رہا، خود چھپا ہوا ہوں۔ میں انڈیا کا شہری نہیں ہوں کہ آزادی سے گھوم پھر سکوں۔''

اس نے خفگی بھرے لہجے میں مجھے غلط ثابت کرنا چاہا۔ ''چھپنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ بھاگ جاؤ، میرے انتقام لینے سے تمھیں کیا مطلب۔''

میں ذومعنی لہجے میں بولا۔ ''کیا لگتا ہے، تمھارے انتقام کے لیے وقت ضائع کرتا پھر رہا ہوں۔''

اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''تو کس لیے کر رہے ہو۔''

میں شرارتی لہجے میں بولا۔ ''صرف اس امید پر شاید ڈیٹ پر جانے کو تیار ہو جاؤ۔''

''بے ہودہ۔'' اس نے مجھے تکیہ کھینچ مارا۔ اور میں ہنستے ہوئے باہر نکل گیا۔

ساتھ والے کمرے میں ایک سیاہ روٹا نگ پر پلستر چڑھائے موجود تھا۔ اس کا نام دھرمو دادا معلوم ہوا تھا۔ گوا یسے

غنڈوں کو پولیس والے نہیں چھیڑتے نہ ایجنسیاں ان سے دشمنی پالتی ہیں۔ مگر ان کی آپس کی دشمنیاں اور جھگڑے کچھ کم تباہ کن نہیں ہوتے۔ میں نے ایک دو بار گپ شپ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے اظہار ناگواری اور ناپسندیدگی کو دیکھ مجھے پیچھے ہٹنا پڑا۔ بس نرس سے سرسری سا معلوم ہوا تھا کہ وہ ممبئی کا دادا دھرمیش عرف دھرمو تھا۔ اور کسی دوسرے دادا سے جھگڑے کے بعد اس حال کو پہنچا تھا۔ عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ غنڈوں کے گروہ ایک دوسرے سے یوں برسرپیکار ہوتے ہیں کہ طاقتور گروہ مخالفین کا ایک بندہ بھی باقی نہیں چھوڑتا۔ آپس کی لڑائی میں دھرمو دادا کے گروہ کی اکثریت فنا ہو چکی تھی۔ اور بچنے والے منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ خود دھرمو دادا بھی مرتے مرتے بچا تھا اور اب ڈاکٹر اشوک کے پاس چھپا ہوا تھا۔ ڈاکٹر اشوک میں یہ خوبی دیکھی تھی کہ بات کا کھرا اور وعدے کا پکا تھا۔ دھوکا دہی اور راز فاش کرنے کے سخت خلاف تھا۔

دھرمو دادا کے ساتھ والے کمرے میں ایک لڑکی رچنا کماری ایڈمٹ تھی۔ اس کے پیچھے بھی کوئی بااثر لوگ پڑے تھے۔ بے چاری برے حال میں وہاں تک پہنچی تھی۔ اسے وہاں پہنچانے اور فیس وغیرہ ادا کرنے والا بھی کوئی سیٹھ ہی تھا۔ اصل معاملہ نرس کو بھی معلوم نہ تھا۔ چوتھے کمرے میں ادھیڑ عمر کا ایک شخص دو دن پہلے ہی پہنچا تھا۔ اس کا نام تو آنند پٹیل معلوم ہوا تھا۔ اور اس کی وہاں موجودی کے بارے بھی نرس کو کوئی اندازہ نہ تھا۔ بہ ظاہر وہ زخمی نہیں تھا۔ مگر مخصوص دوائیاں اسے باقاعدگی سے کھلائی جارہی تھیں۔

نرس کا نام ریتا کور تھا۔ وہ سکھ تھی۔ کافی باتونی اور خوش مزاج تھی۔ البتہ شکل وصورت بالکل گئی گزری تھی۔ میں اس سے بھی گاہے گاہے گپ شپ کر لیتا۔ رات گئے دو تین دفعہ باہر جا کر کلینک کی مکمل عمارت کا جائزہ بھی لے آیا تھا۔ اور ایسا کیوں کیا تھا، یقیناً اس بارے کئی بار وضاحت کر چکا ہوں کہ جاسوس ہر کمین گاہ میں سب سے پہلے فرار کا رستہ ڈھونڈتا ہے۔

ریتا کے ساتھ تھوڑی دیر گپ شپ کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ خود کو چاک و چوبند رکھنے کو میں کمرے کے اندر ہی ڈنڈ پیلتا، اٹھک بیٹھک کرتا اور ایک دو اور ایسی مشق کرتا جس کے لیے بھاگ دوڑ کی ضرورت نہ پڑتی۔

لورا اب غسل خانے و بیت الخلاء تک خود چلی جاتی۔ ابتدائی دو تین دن تک یہ خدمت مجھے ہی سرانجام دینا پڑی تھی۔

کمرے میں ٹی وی لگا ہوا تھا اب ہمارے بارے خال ہی کوئی خبر آتی تھی۔ دو تین دن ہمارا ذکر زور وشور سے ہوتا رہا تھا، نئے مسائل سامنے آتے ہی ہمارا ذکر کم ہونے لگا۔ امید تھی مہینا گزرنے تک ہم عوام کی نظر میں بھولے بسرے ہو جاتے۔ البتہ ایجنسیاں اتنی آسانی سے بھولنے پر تیار نہیں ہوتیں۔

وقت کا اندازہ گھڑی دیکھ کر ہی کرتے تھے۔ عشائیہ (ڈنر) میں نمازِ عشاء کے بعد ہی کرتا تھا۔ لورا ابھی میرا ساتھ دینا پسند کرتی۔ کھانے کے بعد میں تہہ خانے ہی میں تھوڑی چہل قدمی کرتا۔ گاہے گاہے مفلر سے چہرہ ڈھانپ کر باہر بھی نکل جاتا۔ سائیلنسر لگا پستول تو سوتے وقت بھی میرے پاس ہی ہوتا تھا۔

اس دن بھی باہر گھومنے کو دل چاہا اور میں محتاط انداز میں چلتا ہوا تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ تہہ خانے کا رستہ دوائیوں کی ایک الماری سے ہو کر گزرتا تھا۔ ڈاکٹر اشوک کے کلینک میں دو تہہ خانے تھے۔ ایک تہہ خانے سے اس کا سارا عملہ واقف تھا جبکہ دوسرے تہہ خانے کے بارے چیدہ چیدہ افراد ہی جانتے تھے۔

میں کلینک کے صحن سے ہو کر عقب میں پہنچا اور سیڑھیوں کے ذریعے چھت پر چڑھ گیا۔ کھلی فضا میں بہت مزا آرہا تھا۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے میں چھت پر گھومتا رہا۔ میں بالکل درمیان میں ٹہل رہا تھا تاکہ دور سے دیکھا نہ جا سکوں۔

اچانک پارکنگ کی طرف سے شور ابھرا۔ میں متجسس ہو کر کنارے کے قریب ہوا۔ کسی مریض کو لانے والے تیز

رفتار رکشے نے نئی ٹویوٹا کار کی عقبی بتی توڑ دی تھی۔ کار کا مالک با آواز بلند رکشے والے کو ڈانٹ رہا تھا۔ رکشے والے کا لجاجت بھرا لہجہ اور منت اس کی نظر میں کسی اہمیت کی حامل نہ تھی۔ بیمار کے لواحقین رکشا ڈرائیور کو آگے بڑھنے کا کہہ رہے تھے۔ رکشے والے کو اپنے مسئلے میں الجھا پا کر ایک مرد نے مریض کو بازوؤں میں بھرا اور کلینک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مریض دس بارہ سال کا بچہ تھا۔ اور یقیناً بے ہوش تھا کیوں کہ اس کے بازو بے جان انداز میں جھول رہے تھے۔

کار اور رکشے والے کا جھگڑا اتنا اہم نہیں تھا کہ میں مزید وہاں کھڑا رہتا۔ مڑنے ہی لگا تھا کہ نظر پارکنگ میں داخل ہوتی کھلی چھت والی جیپ پر پڑی۔ اس میں تین افراد سوار تھے۔ ٹویوٹا کار نے کلینک تک جانے کا رستہ بند کیا ہوا تھا۔ جیپ ڈرائیور نے تیز ہارن بجایا، کار والا جوشِ تکلم میں جیپ پر دھیان نہیں دے سکا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر براجمان شخص نیچے اترا اور اس کا تھپڑ ''چٹاخ'' کی آواز کے ساتھ کار والے کی گدی پر لگا تھا۔

وہ غصے میں بکتا جھکتا پیچھے مڑا، مگر جیپ والوں کا حلیہ دیکھتے ہی اس کے غصے کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔

نمستے کے انداز میں ہاتھ باندھتے ہوئے اس نے شاید معذرت کہی تھی۔ اور فوراً ہی کار میں بیٹھ کر جیپ کے لیے رستہ خالی کرنے لگا۔ رکشے والے نے موقع غنیمت جانتے ہوئے بھاگنے کی سوچی تھی۔

میری نظریں جیپ والوں پر گڑی تھیں۔ داخلی دروازے سے جیپ اندر کر کے انھوں نے مختصر سے صحن میں روکی اور دندناتے ہوئے بارہ دری میں داخل ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کا انداز خطرے کی نشان دہی کر رہا تھا۔ میں نے پارکنگ اور باہر کی جانب نگاہ دوڑائی نگران کا کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔

میں بھاگ کر سیڑھیوں کے قریب پہنچا۔ توقع تھی انھوں نے ڈاکٹر اشوک کے دفتر میں جانا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر میں محتاط انداز میں چلتا ہوا ڈاکٹر اشوک کے دفتر کی عقبی کھڑکی کے پاس پہنچا۔ وہاں کھیل شروع ہو چکا تھا۔ کھڑکی کے پٹ کھلے تھے۔ اور اس میں باریک جالی لگی ہوئی تھی۔ کمرے میں جاری گفتگو بڑی آسانی سے سنی جا سکتی تھی۔

میرے کانوں میں پہلی آواز ڈاکٹر اشوک کی پڑی تھی۔ ''آپ جائزہ لے سکتے ہیں جناب۔''

''تمھاری سمجھ میں شاید میری بات نہیں آ رہی۔'' کرخت لہجے میں دھمکایا گیا۔

ڈاکٹر اشوک عاجزانہ لہجے میں بولا۔ ''عرض کر چکا ہوں نا، میرے پاس صرف ایک تہہ خانہ ہے۔''

اچانک ''چٹاخ'' کی آواز ابھری، ساتھ ہی زہریلے لہجے میں پوچھا گیا۔ ''کچھ یاد آیا؟''

ڈاکٹر اشوک احتجاجی لہجے میں بولا۔ ''آپ زیادتی کر رہے ہیں۔''

ایک اور آواز ابھری۔ ''باس، اسے گولی مار کر نرگ میں بھیجو...... تہہ خانہ ڈھونڈ لیں گے۔''

''یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر اشوک انکار پر قائم تھا۔ تب مجھے اس کی جرأت پر حیرانی ہوئی تھی۔ ہتھیاروں کے سامنے انکار پر ڈٹنا خاصا دشوار ہوتا ہے۔ اور دو نمبر کاموں میں ملوث افراد تو ہلکا سے فائدہ پا کر بھی راز اگل دیتے ہیں اور وہ راز رکھنے کو جان دینے پر آمادہ نظر آ رہا تھا۔ ایسے بندے ضائع ہونے کے لیے نہیں ہوتے۔ میں اس کی مدد کو ذہنی طور پر تیار ہو گیا تھا۔ البتہ حملہ آوروں کی پہچان مجھے نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کون تھے اور کسے ڈھونڈ رہے تھے۔ آیا ان کا مطمح نظر میں اور لورا تھے یا کوئی اور تھا۔

سرغنہ مکروہ انداز میں بولا۔ ''درشن! تم ڈاکٹر کے بیٹے اور بیوی کو لے آؤ تاکہ اس کی یادداشت بہتر بنائی جا سکے۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتے میں.........'' ڈاکٹر نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔ اچانک ''چٹاخ...... چٹاخ'' کی بلند آوازیں ابھریں۔ ساتھ ہی سرغنہ پھنکارا۔

''ہم کیا کر سکتے ہیں یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمارا روز مرہ کا کام قتل و غارت ہے۔ اور یقیناً باقی سارے جرم قتل

سے کم درجہ ہوتے ہیں۔''

''وعدہ کریں میرے دوسرے مریضوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

سرغنہ اطمینان سے بولا۔

''تمھارے بیوی اور بچے کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

ڈاکٹر لجاجت سے بولا۔''میں نے آج تک کسی کا راز فاش نہیں کیا۔میری نظر میں یہاں آنے والے مجرم و بے گناہ ایک برابر ہوتے ہیں۔پلیز مجھے اپنی نظروں میں گرنے سے بچالو۔اگر تمھیں یقین ہے تمھارا دشمن یہاں چھپا ہے تو اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرو یہاں چند دن سے زیادہ کوئی نہیں ٹھہرتا۔''

سرغنہ دھاڑا۔''الو کے پٹھے، کیوں اپنی بیوی کی عزت اور بیٹے کی جان کے دشمن بن رہے ہو۔بھاڑ میں گئے تمھارے اخلاقیات۔چلو ہمیں رستہ دکھاؤ۔''اس نے شاید ڈاکٹر کو دروازے کی طرف دھکا دیا تھا۔

میں بھاگتے ہوئے سامنے پہنچا۔بارہ دری سے گزر کر راہداری میں گھسا۔لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ڈاکٹر اشوک مضمحل انداز میں تہہ خانے کی طرف جارہا تھا۔تینوں غنڈے اس کے عقب میں چل رہے تھے۔کسی بھی ذی شعور کو اندازہ لگانا مشکل نہ ہوتا کہ ڈاکٹر ان کے تینوں کے نرغے میں تھا۔البتہ ہسپتال وغیرہ میں پریشان لوگوں ہی کی آمد ہتی ہے۔بے چاروں کو اپنے مریض کے بارے اتنی تشویش ہوتی ہے کہ کسی اور کے مسئلے پر توجہ ہی نہیں دے سکتے۔

میں لاابالی انداز میں ان کے پیچھے چل پڑا۔راہداری کمروں کے اختتام پر بائیں جانب مڑ رہی تھی۔اور مڑنے کے بعد دو کمرے چھوڑ کر سب سے آخر والا کمرہ جس کا دروازہ راہداری کے بالمقابل بنا تھا دوائیوں کا اسٹور تھا۔وہیں ایک الماری اس مہارت سے دروازے میں ڈھالی گئی تھی کہ وہ بہ ظاہر صرف دوائیوں کی الماری نظر آتی۔اس میں مختلف دوائیں بھری ہوئی تھیں، مگر جونھی ایک خفیہ ہینڈل دبا کر الماری کو دھکیلا جاتا، پوری الماری گھوم جاتی اور نیچے جاتی سیڑھیاں نظر آنے لگتیں۔

ان کے غائب ہوتے ہی میں اسٹور روم میں گھسا۔الماری کو انھوں نے کھلا چھوڑ کر میرا کام آسان کر دیا تھا، ورنہ دوبارہ الماری کھلنے پر وہ چوکنا ہو جاتے۔اب تو رستہ صاف تھا۔

میں نے محتاط انداز میں اندر جھانکا۔ایک آدمی نے ریتا کور کے سر میں پستول کا دستہ رسید کیا تھا۔وہ بے چاری، میز پر ہی اوندھے منہ لمبی پڑ گئی تھی۔دو آدمی ڈاکٹر اشوک کے ہمراہ دھرمو دادا کے کمرے میں گھس گئے تھے، جبکہ ایک باہر رک گیا تھا۔اس کی توجہ ہمارے کمرے کے دروازے کی طرف تھی۔پھر میں نے اس کے قدم اس طرف بڑھتے دیکھے، جبھی اندر داخل ہوتے ہوئے میں نے سائیلنسر لگا گلاک سیدھا کیا۔ہلکی سی ''ٹھک'' ابھری۔گولی اس کی کھوپڑی کے عقب میں گھس گئی تھی۔اگر رائفل کی گولی ہوتی تو یقینا ماتھا پھاڑ کر نکل جاتی، مگر پستول کی گولی میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ اتنے فاصلے سے سر میں سوراخ کر کے باہر نکل جائے۔

وہ اوندھے منہ گرا، پختہ فرش پر اس کے گرنے اور پستول کے فرش سے ٹکرانے کی اچھی خاصی آواز ابھری تھی۔

سرغنہ نے پکارا۔''اوئے فضول قتل نہ کرو۔''مگر جسے پکارا گیا تھا وہ بے چارہ خود مقتول بن چکا تھا تو کیا جواب دیتا۔

میں سرعت سے سیڑھیاں اترا اور دروازے کے قریب ہو گیا۔ان کی باہمی گفتگو سے اصل معاملہ معلوم ہو سکتا تھا۔ساتھی کی خاموشی پر سرغنہ نے جواب کا اصرار نہیں کیا تھا۔وہ دھرمو دادا سے مکالمہ بازی میں مصروف تھا۔

''چچ...... چچ...... بے چارے دھرمو دادا کی تو کوئی حالت ہی نہیں رہی۔افسوس ہوا لنگڑے دادا کو دیکھ کر۔''

دھرمو بولا۔''گھنشام! ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔تمھیں صرف معاوضے سے غرض ہونا چاہیے۔اور میں تمھیں منہ

مانگی رقم دوں گا۔"

گھنشام کا بلند بانگ قہقہہ ابھرا۔ "تمھیں جرم کی دنیا کا قانون تو معلوم ہوگا۔ کہ کامیاب بے ایمانی کے لیے ایمان داری شرط ہے۔"

دھرمو نے احسان جتایا۔ "میں نے ایک بار تمھاری جان بچائی تھی۔"

"بچائی نہیں بخشی تھی۔ اور میں بھی تمھیں قتل نہیں کروں گا۔ زندہ ہی راجپوت دادا کے حوالے کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے گھنشام نے قہقہہ لگایا۔ "یوں بھی زندہ پکڑنے کا معاوضا تمھیں قتل کرنے سے دگنا ہے۔"

دھرمو نے لالچ دینا جاری رکھا۔ "اگر دگنے کو میں مزید دگنا کرنا چاہوں تو......؟"

"بتا تو دیا ہے۔" گھنشام انکار پر ڈٹا رہا۔

دھرمو نے پوچھا۔ "کیا راجپوت کو معلوم ہے تم نے مجھے ڈھونڈ لیا ہے؟"

گھنشام ہنسا۔ "یہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

دھرمو نے پیش کش کی۔ "اگر اسے نہیں پتا تو تم منہ مانگا معاوضا لے کر مجھے ایک دن کی مہلت دے سکتے ہو۔ اس کے بعد دوبارہ میری تلاش میں لگ جانا۔"

"ہا......ہا۔" گھنشام کا قہقہہ بلند ہوا۔ "چند ٹکوں کی خاطر اپنی کارکردگی کو سوالیہ نشان بنا دوں۔"

دھرمو نے لالچ دیا۔ "تمھیں اپنا دست راست بنا دوں گا۔"

گھنشام استہزائی انداز میں بولا۔ "تمھارے گروہ کے بچ جانے والے افراد ایسے کونوں کھدروں میں جا چھپے ہیں کہ انھیں اکٹھا کرنے کو سالوں لگ جائیں گے۔"

دھرمو مایوسی سے بولا۔ "تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"درشن آ جاؤ۔ اسے چلنے کو دو بیسا کھیاں چاہئیں ہوں گی۔" گھنشام نے اپنے ہلاک ہونے والے ساتھی کو آواز دی جو جواب دینے سے بہت دور جا چکا تھا۔

"دیکھو کنجر کہاں منہ مار رہا ہے۔" گھنشام نے دوسرے آدمی کو حکم دیا۔ میں نے فوراً اپنی پیٹھ دیوار سے جوڑ دی تھی۔

"درشن......" دروازے سے نکلتے وقت اس کے ساتھی نے آواز دی۔ درشن کی لاش ہمارے کمرے کے سامنے پڑی تھی۔ قدم باہر رکھتے ہی اسے لاش نظر آ گئی تھی۔ مگر اسے سنبھلنے یا گھنشام کو آگاہ کرنے مہلت میں نہیں دے سکتا تھا۔ لبلبی دبا کر میں نتیجہ دیکھے بغیر بگولے کی طرح کمرے میں گھسا۔ ڈاکٹر اشوک دھرمو دادا کے سرہانے سے دو قدم ہٹ کر کھڑا تھا۔ گھنشام پائینتی کے قریب کھڑا تھا۔ پستول ہاتھ میں تھا جو اس نے بے پرواہی سے پکڑا ہوا تھا۔ میری آمد کو اس نے اپنے ساتھیوں کی آمد پر محمول جانا تھا۔ مگر فطرتی تجسس نے اسے دروازے کی جانب دیکھنے کی ترغیب دی۔ اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ حیرانی و درشتی بھرے انداز میں بولا۔

"کون ہو تم؟" ساتھ ہی اس نے پستول سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں لبلبی دبا چکا تھا۔ "ٹھک" کی آواز کے ساتھ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ گولی نے شاید اس کی انگلی زخمی کی تھی کہ...... "سی" کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بغل میں دبا لیا تھا۔

میں نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔ "کیا گپ شپ ہو رہی تھی۔"

گھنشام کے ہونٹوں سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا تھا۔ "تم نہیں جانتے تمھارا انجام کتنا بھیانک ہوگا۔ "کتے کے......"

''اچھا......'' کہتے ہوئے میں دوبارہ لبلبی دبائی۔ گولی اس کے گھٹنے سے آر پار ہوگئی تھی۔ چیخ مارتے ہوئے وہ اوندھے منہ کے بل گرا۔ کرسی سنبھالتے ہوئے میں اطمینان سے بولا ''تم کچھ انکشاف کر رہے تھے گھشنام جی۔'' ساتھ ہی ڈاکٹر اشوک کو کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب! پلیز آپ تشریف رکھیں۔''

ڈاکٹر اشوک خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا جلدی سے بیٹھ گیا۔

''کک......کون ہو تم اور کیوں کر رہے ہو ایسا۔'' دوسری گولی نے اسے میرے ارادوں کی خبر دے دی تھی۔ اور موت کو سامنے پا کر اچھے اچھوں کی ہوا نکل جاتی ہے۔ اسے بھی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

''جلدی کا ہے کی ہے، پہلے تم اچھے سے بھونک لو، پھر اپنے کتوں کو آواز دو تا کہ ایک معذور کو گھسیٹتے ہوئے تیرے باپ راجپوت تک لے جائیں، بعد میں سوال جواب ہو جائیں گے۔''

''میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔'' ڈاکٹر اشوک نے مضطرب ہو کر اٹھنے کی کوشش کی۔ یقیناً ایک ڈاکٹر مریض دیکھ کر نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور طنزیہ انداز میں گھشنام سے پوچھا۔ ''دھر موداد اکی تم سے کیا دشمنی تھی؟''

گھٹنے کو دبا کر وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے، جھگڑا ختم کرتے ہیں، میں دھر موداد اکو کچھ نہیں کہتا اور ہم خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔''

وہ فوراً صلح صفائی پر آ گیا۔ ''جانے کی اجازت ملنے پر بھی تم اکیلے ہی واپس جا سکتے ہو، کیوں کہ تمھارے ساتھی اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی حالت میں نہیں رہے۔'' ایک چھوٹا سا وقفہ دے کر میں متبسم ہوا۔ ''خیر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں کون سا جانے کی اجازت دے رہا ہوں جو ساتھیوں کے بچھڑنے پر تمھیں دکھ ہوگا۔''

''تت......تم نے انھیں مار دیا۔'' غم و غصے کی شدت سے اسے بولا نہیں گیا تھا۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''اگر جلد ہی مرہم پٹی نہ کی گئی تو تم بھی ان کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

''سر پلیز مجھے اجازت دیں۔'' ڈاکٹر اشوک ملتجی ہوا۔

میں نے گھشنام کا ماضی قریب کا رویہ یاد دلایا۔ ''ڈاکٹر صاحب! یہ وہی کمینہ ہے جس نے آپ کے چہرے پر تھپڑ مارے تھے۔''

ڈاکٹر مصر ہوا۔ ''وہ اس کا ظرف تھا۔''

میں نے کندھے اچکائے۔ ''آپ کی مرضی۔''

ڈاکٹر اشوک مرہم پٹی کا سامان لانے باہر نکل گیا۔ دھر موداد اخاموش لیٹا میری جانب متوجہ تھا۔ اس نے دو تین بار میری پیش قدمی کو رکھائی و درشتی سے ٹھکرا دیا تھا اور اب اتنے مشکل مرحلہ میں اس کی جان بچانے کا باعث بنا تھا۔ اس کا شرمندگی محسوس کرنا بنتا تھا۔

میں گھشنام کو مخاطب ہوا۔ ''ڈاکٹر اشوک کا سراغ تمھارے ہاتھ کہاں سے لگا؟''

وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''دھر موداد اکا ایک آدمی ہاتھ چڑھ گیا تھا۔ جو اسے کلینک تک لایا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''تمھارا یہاں آنا کسی کے علم میں ہے؟''

وہ کھکھیاتے ہوئے بولا۔ ''میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے، وعدہ کرتا ہوں کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' تم تمھارا کہنا اسے بھول گیا تھا۔

میں مسکرایا۔ ''دھر موداد اسے کیا دشمنی تھی۔'' اسی وقت ڈاکٹر اشوک مرہم پٹی کے سامان کے ساتھ اندر آیا اور فرش پر

بیٹھ کر اس کی زخمی ٹانگ کی پتلون کاٹنے لگا۔

''ڈاکٹر پندرہ بیس منٹ میں تمھارے گھٹنے کی مرہم پٹی کرے گا اور میں ایک سیکنڈ میں دوسرے گھٹنے میں بھی سوراخ کردوں گا۔اس لیے جو پوچھا ہے اس کا جواب اگلو۔اور فکر نہ کرو میرے پاس تصدیق کے ذرائع موجود ہیں۔راجپوت کے چھوٹے بھائی وشال گپتا سے میری گہری واقفیت ہے۔''

یہ سن کر دھرمو دادا کی آنکھوں میں اضطراب جھلکنے لگا تھا۔میں اسے مخاطب ہوا۔''دھرمو دادا! فکر نہ کرو۔تمھیں ان کے حوالے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

اس نے حقیقت اگلی۔''میں راجپوت دادا کو'سرپرائز' دینا چاہتا تھا۔''

میں اشوک کو مخاطب ہوا۔''ڈاکٹر صاحب! بات سنیں۔''وہ میری طرف متوجہ ہوا۔''پیچھے ہو جائیں،یہ مرہم پٹی کسی کام نہیں آنے والی۔''

''کیا مطلب؟''وہ حیران ہو گیا تھا۔

میں نے لبلبی دبا کر گھنشام کے سر میں گولی اتاری۔''میرا مطلب ہے،ایک کرائے کے قاتل کو زندہ چھوڑ کر میں آپ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

پاؤں فرش پر پسارتے ہوئے ڈاکٹر اشوک نے بیڈ سے ٹیک لگائی تھی۔''یہ بہتر نہیں ہوا۔''

''اگر سوچتے ہو کہ دھرمو کے قتل کے بعد یہ آپ کو زندہ چھوڑ دیتا تو ایسا بس آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔''

وہ بے بسی سے بولا۔''ان لاشوں کا کیا کروں؟''

میں اطمینان سے بولا۔''ایمبولینس میں ڈال کر کسی ویران جگہ پر پھینک دیتے ہیں۔''

اس نے تجویز دی۔''اگر پولیس کو بلا لیں۔''

میں ہنسا۔''اپنی چھترول کرانے کا شوق ہے تو منع نہیں کروں گا۔''

ڈاکٹر نے تکرار کی۔''کیا وہ نہیں جانتے ہوں گے گھنشام کرائے کا قاتل ہے۔''

میں نے پوچھا۔''ان کے قتل کا ذمہ دار کسے ٹھہراؤ گے،ان کی آمد کس سلسلے میں ہوئی،کیا بتاؤ گے۔''

''ایمبولینس کے ڈرائیور کو راز دار بنانا بھی مناسب نہ ہوگا۔''ڈاکٹر اشوک کا دماغ چلنا شروع ہو گیا تھا۔

''میں ایمبولینس کو لے جاؤں گا۔البتہ تم اس کی پٹی کھول لو،کیوں کہ میں نہیں چاہتا۔ڈاکٹر شک کی زد میں آئیں۔گو ممبئی میں سیکڑوں،ہزاروں ڈاکٹر ہوں گے مگر اندازہ کرنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔شاید کسی کو آپ کے پٹی لپیٹنے کے انداز،گانٹھ لگانے کے طریقے،پٹی کی ساخت،زخم پر لگانے کے مرہم وغیرہ سے آپ تک پہنچنے کا سراغ مل جائے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے گھٹنے سے پٹی کھولنے لگا۔

دھرمو مجھے مخاطب ہوا۔''آپ کا نام نہیں جانتا،مگر دھنے واد آپ کی وجہ سے میری جان بچی۔''

میں نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے پوچھا۔''راجپوت دادا کے ساتھ تمھاری کیا دشمنی ہے؟''

وہ نفرت سے بولا۔''وہ دادا نہیں سرکار کا پٹھو ہے۔ایجنسیوں کے سر پر بدمعاشی کرتا ہے۔را کے بڑے بڑے آفسروں سے دوستی گانٹھ رکھی ہے۔ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ایک گھٹیا مخبر سے زیادہ حیثیت نہیں ہے اس کی۔''

میں نے پوچھا۔''سنا ہے تمھارے گروہ کا صفایا کر چکا ہے۔''

وہ دعوے سے بولا۔''ایسا بس وہ سوچتا ہے۔''

''حقیقت کیا ہے؟''

''کرائے کے قاتلوں کے سہارے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اگر اتنا ہی ہمت والا تھا تو یوں نہ کرتا۔''
میں نے پہلا سوال دہرایا۔''دشمنی کی وجہ پوچھی تھی۔''
وہ تفصیل بتانے لگا۔''اس کے آدمی میرے علاقے میں ناجائز تصرف کر رہے تھے۔ متوجہ کرنے پر وہ دھمکیاں دینے لگا۔ ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہنی تھیں، کہ چپکے بیٹھے رہتے۔ سختی سے متنبہ کر دیا کہ ان کے دوبارہ ایسا کرنے پر ہم بندوبستی کارروائی کریں گے۔ اور اس گھٹیا شخص نے اچانک ہی میرے اڈوں پر حملہ بول دیا۔ پولیس اور ایجنسیوں کی مدد بھی اسے حاصل تھی۔ سنبھلنے سے پہلے میرا ناقابل تلافی نقصان ہو چکا تھا۔ میری ذاتی رہائش پر اس نے بم بلاسٹ کروایا۔ میں براہ راست دھماکے کی زد میں تو نہیں آیا، البتہ لوہے کا مضبوط دروازہ ٹانگ پر گرنے سے پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ایک ساتھی ہمت کر کے یہاں پہنچا گیا۔ دو ماہ ہو گئے ہیں کہ یہاں چھپا ہوں۔ بھگوان کی کرپا سے ہڈی جڑ گئی ہے۔ مگر پلستر اترنے میں ابھی چند دن لگیں گے۔''
ڈاکٹر اشوک اپنا کام کر کے میرا منتظر کھڑا تھا۔
میں نشست چھوڑتا ہوا بولا۔''میں لاشوں کو ٹھکانے لگا دوں پھر گپ شپ کریں گے۔''
دھرمو نے خوش دلی سے سر ہلا دیا تھا۔
گھنشام کا پستول میں نے دھرمو کی طرف اچھالا۔''اپنے پاس رکھو کام آئے گا۔''
''دھنے واد۔'' پستول پکڑتے ہوئے اس نے شکریہ کہا۔ گھنشام کی جیبوں کی تلاشی لے کر میں نے نقدی اپنی جیبوں میں منتقل کی اس کا موبائل فون بھی بند کر کے جیب میں ڈالا اور اس کی لاش اٹھا کر چل پڑا۔
چند منٹ لگا کر میں نے تینوں لاشوں کو اسٹور روم میں لے گیا۔ اور پھر باری باری پہیوں والے اسٹریچر پر لاد کر ایمبولینس میں منتقل کر دیا۔
ڈرائیور آرام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر سے ڈپلی کیٹ چابی لے کر میں ایمبولینس باہر لے آیا۔ گھنٹے ڈیڑھ بعد ایک ویران سڑک پر لاشیں پھینک کر میں واپس لوٹ آیا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر اشوک نے نرس کو ہوش میں لا کر تہہ خانے سے خون وغیرہ کے نشانات صاف کرا دیے تھے۔
ڈاکٹر اشوک کو رازداری کی تاکید کر کے میں نے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود دھرمو دادا سے گپ شپ کرنے لگا۔ کہتے ہیں ہاتھی زندہ لاکھ اور مر کر سوا لاکھ کا ہو جاتا ہے۔ دھرمو پر بھی یہ مثل صادق آتی تھی۔ اس لحاظ سے کہ انتقام کے جوش میں اب کسی ضابطے کو خاطر میں نہ لاتا۔ راجپوت کے ساتھ سرکاری ادارے بھی اس کے دشمن تھے اور دشمنوں کے دشمن دوست ہوا کرتے ہیں۔
صبح کی اذان تک میں اس سے گپ شپ کرتا رہا۔ اور پھر اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ لورا سکون آور دوا کے زیر اثر سوئی تھی۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ کتنی بڑی واردات گزر چکی تھی۔ بعض اوقات بے خبری بھی بہت بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے۔
میں نماز فجر پڑھ کر سو گیا۔ البتہ لورا کے لیے تپائی پر پیغام چھوڑ دیا تھا کہ مجھے نہ جگائے۔ ورنہ تو اس نے اٹھ کر سب سے پہلے مجھے آواز دینا ہوتی تھی۔ اور ہوا بھی یہی......اس کے ''ریجا......ریجا'' پکارنے پر میری آنکھ کھلی۔ بہ مشکل گھنٹا ہی سویا تھا کہ کم بخت نے جگا دیا۔
''بندہ اٹھ کر پہلے دائیں بائیں بھی دیکھ لیتا ہے۔'' اسے تپائی پر رکھی چٹ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے میں نے ناک بھوں چڑھائی۔

''کیا ہے یہ۔''اوپر کھسک کر اس نے بیڈ کی ٹیک سے پیٹھ جوڑی اور چٹ سے مند جات پ [illegible]
لگی۔ پڑھ کر چٹ کو کچرہ دان میں پھینکا اور اطمینان سے بولی۔
''تو ساری رات جاگنا تمھارا مسئلہ ہے۔ مجھے کیوں کوس رہے ہو۔''
میں منہ بگاڑ کر بولا۔''میں نے اٹھ کر تمھیں ''سوسُو'' کرانا ہوتا ہے یا اپنے ہاتھوں سے ناشتا کراتا ہوں جو جاتے ہی ریجا......ریجا پکارنا شروع کر دیتی ہو۔''
میرے واویلے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے بے پروائی سے پوچھا۔''سوئے کیوں نہیں۔''
''فی الحال سونے دو اٹھ کر بتا دوں گا۔''سونے کی لالچ میں مجھے تکرار کرنا مناسب نہ لگا۔
اس نے منہ بنایا۔''کیا لگتا ہے، ایک عورت اتنا طویل وقت تجسس میں مبتلا رہ کر گزار لے گی۔''
میں جان چھڑاتے ہوئے بولا۔''رات دشمنوں نے حملہ کیا تھا، تین آدمیوں کو ہلاک کر کے ٹھکانے لگایا ہے۔اور فی الحال خطرے کی بات نہیں۔باقی اٹھنے پر بتاؤں گا۔''
وہ بے چینی سے بولی۔''ریجا شرافت سے تفصیل بتاؤ، ورنہ سونے تو نہیں دوں گی۔''
ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے میں اٹھ بیٹھا۔اسے تفصیل بتا کر تکیے پر سر ٹیکتے ہوئے بولا۔''اب آواز دی تو ٹینٹوا دبا دوں گا۔''
اس نے شرارتی انداز میں قہقہہ لگایا۔''پھر ڈیٹ پر کس کے ساتھ جاؤ گے۔''
مگر مجھے اتنی سخت نیند آئی تھی کہ ہنسی مذاق زہر لگ رہا تھا۔وہ بھی میری جان بخشی کرتے ہوئے تازہ دم ہونے غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔

—— ● ——

اگلے دو ہفتے سکون سے گزرے تھے۔گھشنام کی موت کی خبر ہم نے ٹی وی پر سنی تھی، مگر دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ان کا قتل پولیس کے کھاتے میں ڈالا گیا تھا۔متعلقہ تھانے دار نے سخت مقابلے کے بعد کرائے کے ان قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر انعام کا حق دار ٹھہرا تھا۔میں اس کے بعد کافی چوکس رہا اور رات کا ابتدائی حصہ عموماً کلینک کی چھت پر گزارتا۔دھرمو دادا میرا شکر گزار و احسان مند تھا۔میں اس کے ساتھ بیٹھ کر بھی کافی گپ شپ کرتا رہتا۔لورا کی کہانی میں نے اسے بتا دی تھی، البتہ اپنے مشن کی بھنک نہیں لگنے دی تھی۔میں نے دھیرندر شکلا سے دشمنی کی وجہ لورا براؤن بتائی تھی۔یوں بھی لورا براؤن کی صورت ایسی تھی کہ اس کی وجہ سے کسی سے دشمنی رکھنے کی بات پر سننے والے کو تعجب نہیں ہو سکتا تھا۔

دو ہفتے بعد دھرمو کا پلستر اتر گیا تھا۔مسلسل اڑھائی تین ماہ اس نے بیڈ پر گزارے تھے۔[illegible] چھپنے کا [illegible] نے بھاری معاوضا ڈاکٹر اشوک کو ادا کیا تھا۔مہینے سے زیادہ عرصہ تو ہمیں بھی ہونے والا تھا۔اور روزانہ کے دس ہزار [illegible] سے اچھی خاصی رقم بنتی تھی جو ہم ڈاکٹر اشوک کو ادا کر چکے تھے۔وشال گپتا سے لیے پیس [illegible] نے ہماری مشکل [illegible] تھیں۔لورا کا زخم بھر گیا تھا۔بس ذرا سی کمزوری تھی جو بتدریج ختم ہو جاتی۔
پلستر اتر جانے کے بعد بھی دھرمو دادا نے ایک دو دن وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔میں [illegible] دو [illegible] کرنی تھی، کیوں کہ وہاں ایسے مددگاروں کی سخت ضرورت تھی۔آخر ایک دن ہم جا [illegible] ڈاکٹر [illegible] الود [illegible] ملاقات کر کے اس کا شکریہ ادا کیا اور رات کے آخری پہر وہاں [illegible] نکل [illegible] دھرمو [illegible] نے بچپن کا دوست گاڑی لے آیا تھا۔دھرمو کے تمام آدمی اس کے زخمی ہونے کے بعد [illegible] ہر ایک نے جان بچانے کو چھپنا بہتر

سمجھا تھا۔ دھرمو دادا نے بھی اسی لیے ڈاکٹر اشوک کا کلینک نہیں چھوڑا تھا کہ وہاں وہ زیادہ محفوظ تھا اور کسی کا اس جگہ گمان نہیں جا سکتا تھا۔ رہا گھنشام تو وہ اتفاقاً دھرمو دادا کے اس کارندے سے جا ٹکرایا تھا جو اسے وہاں چھوڑ گیا تھا۔

امید تھی اب ان کی تلاش میں پہلی سی سرگرمی نہیں ہوتا تھی۔ گو راجپوت، دھرمو کی تلاش سے بالکل تو غافل نہیں ہو سکتا تھا، مگر پہلے والی بات نہیں رہی تھی۔ البتہ کرائے کے قاتلوں کا خطرہ نظر انداز نہیں کیا سکتا تھا۔

اپنی تلاش کے بارے بھی ہمارا اندازہ یہی تھا کہ اب پہلے والی بات نہیں رہی ہو گی۔

دھرمو کے دوست کا نام وشواس سنگھ تھا۔ اس کی حویلی ممبئی کے مضافات میں تھی۔ طلوع آفتاب ہمیں راستے ہی میں ہو گیا تھا۔

اگلا دن ہم نے سو کر گزارا۔ دھرمو جاتے ساتھ اپنے کارندوں سے رابطے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ راجپوت پر ہلہ بولنے کا تھا۔ اس کے کافی کارندے ہلاک ہو چکے تھے۔ کچھ حوالات میں تھے۔ اور جو کونوں کھدروں میں چھپے تھے انھیں جوں جوں اطلاع ملتی گئی، ان کی آمد شروع ہو گئی۔ دھرمو ممبئی کا مشہور دادا تھا۔ اس گئی گزری حالت میں بھی بیس پچیس آدمی اکٹھے ہو گئے تھے۔ وشواس سنگھ کی حویلی کافی وسیع تھی۔ دھرمو دادا نے اپنا اڈہ عارضی طور پر وہیں قائم کر دیا تھا۔ شام ڈھلے دھرمو دادا نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ تھانے پر دھاوا بولنے کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ وہاں ہماری حیثیت مہمان کی سی تھی۔ ہم سے کسی نے مشورہ بھی نہیں مانگا تھا۔ اس کے باوجود میں نے دھرمو دادا کو اپنے پاس بلا کر اکیلے میں کہا۔

''گوتم اپنا کام بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر برا نہ مناؤ تو ایک مشورہ دینا چاہوں گا۔''

وہ خوش دلی سے بولا۔ ''تمہید چھوڑ یار! تم براہ راست حکم کیا کرو۔''

میں انکساری سے بولا۔ ''شکریہ دادا، تمھارا بڑا پن ہے۔ بہ ہر حال پوچھنا یہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانے کے بعد تمھارا کیا ارادہ ہے؟''

اس نے ارادہ ظاہر کیا۔ ''راجپوت کو انجام تک پہنچانا ہی فی الحال میری زندگی کا مقصد ہے۔''

میں متبسم ہوا۔ ''جانتا تھا، کچھ ایسا ہی ارادہ ہو گا۔''

''شاید تم کوئی مشورہ دینا چاہتے ہو۔'' اس کا انداز استفسار کا عنصر لیے ہوئے تھا۔

میں نے تجویز پیش کی۔ ''تم آسانی سے اپنے ساتھیوں کو حوالات سے آزاد کرا لو گے، مگر اس کا نقصان یہ ہو گا کہ راجپوت کو چوکس ہونے کا موقع مل جائے گا۔ اگر پہلے راجپوت پر ہلہ بول سکو تو بے خبری میں اسے قابو کرنا آسان ہو گا۔''

اس کی آنکھوں میں تیز چمک ابھری۔ ''بڑا سیانا ہے رے......''

''میرا کام مشورہ دینا تھا۔'' آگے تمھاری مرضی۔''

وہ میری پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔ ''اتنا بہترین مشورہ کوئی احمق ہی ٹھکرائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''تو لگے ہاتھوں ایک پیش کش بھی سن لو، راجپوت کو پکڑنے میں ہم تمھاری مدد کریں گے۔ تم بس اس کی روزمرہ معلوم کرو۔ خاص کر یہ کہ وہ گھر سے نکلتے اور لوٹتے وقت کون سی سڑک استعمال کرتا ہے۔''

''اب دھرمو دادا ایک چھوکری کی مدد سے راجپوت پر قابو پائے گا۔'' شاید چھوکری کے ساتھ اس نے دل میں چھوکرا بھی بولا ہو، مگر بہ ظاہر میرا ذکر اس نے حذف کر دیا تھا۔

میں معترض ہوا۔ ''وہ چھوکری نہیں برطانوی فوج کی کیپٹن رہ چکی ہے۔''

''عہدے کی بڑائی سے عورت ہونے کی حقارت ختم نہیں ہوتی۔''

میں خفگی سے بولا۔ ''توکیا عورت ہونا ساری خوبیوں کو ختم کر دیتا ہے۔''

وہ ہنسا۔ ''کیا تم یہ نہیں مانتے۔''

ہم برآمدے میں کھڑے تھے۔ میں نے حویلی کے داخلی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ستون کے اوپر لگی بتی نظر آرہی ہے۔''

''اب تک چشمے کے استعمال کی نوبت تو نہیں آئی کہ بتی دکھائی نہ دے۔'' اس کے لبوں پر شرارتی استہزاء نمودار ہوا۔ ''ویسے میرے ہاں یا ناں کرنے میں عورت کا باصلاحیت ہونا تو مضر نہیں ہے نا۔''

اس کے طنز کو درخور اعتناء نہ جانتے ہوئے میں نے پوچھا۔ ''اس بتی کو کتنی گولیوں سے نشانہ بنالو گے۔''

وہ صاف گوئی سے بولا۔ ''ایک گولی سے، شاید تین چار بھی چلانا پڑ جائیں۔ دعوے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں دعوے سے بولا۔ ''وہ ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے سے اس بتی کو نشانہ بنالے گی۔ شک ہے تو شرط لگا سکتے ہو۔''

وہ غیر یقینی سے بولا۔ ''کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہو۔''

میں نے اگلا دعویٰ کیا۔ ''تمھارے آدمیوں میں شاید دو تین ہی ایسے ہوں، جو خالی ہاتھ لڑائی میں اس پر قابو پالیں ورنہ اکثریت کو وہ خاک چٹادے گی۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''تم شاید عورتوں کی بڑائی کے قائل ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کسی کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے وقت میں جنس کو زیر بحث نہیں لاتا۔ البتہ تمھیں ایک عورت کی مدد لینے میں عار محسوس ہو رہی ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''کیا نہیں ہونا چاہیے؟''

میں برہم ہوا۔ ''کلینک میں دو تین ماہ تم ایک نرس کے محتاج بنے رہے، تب تمھاری مردانگی کہاں سوئی تھی۔''

اس نے قہقہہ بلند کیا۔ ''لڑنے پر تیار ہو گئے ہو یار۔''

''میں تمھاری مدد کرنا چاہ رہا تھا۔ راجپوت پر قابو پانے میں تمھارے زیادہ تر کارندے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ جبکہ ہم، تمھارا جانی نقصان کرائے بغیر اسے پکڑوا سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''شروع ہی میں بتادیا تھا کہ اس کی روزمرہ معلوم کرو۔''

اس نے الجھن ظاہر کی۔ ''اس سے کیا ہوگا؟''

''بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' میں اسے کمرے میں لے گیا اور اپنا منصوبہ بتادیا۔

وہ متعجب ہوا۔ ''کیا یہ قابل عمل ہے۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''آزمالو...... ہماری ناکامی پر تمھارا نقصان تو نہیں ہوگا۔''

وہ جوشیلے لہجے میں بولا۔ ''ہاتھ آگے کرو۔'' میں نے ہتھیلی آگے کی۔ زوردار انداز میں میرا ہاتھ بجاتے ہوئے وہ کھڑا ہوگیا۔

پورا خاموشی سے ہماری گفتگو سنتی رہی۔ یہ علیحدہ بات کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔ دھرمو دادا کے نکلتے ہی مجھے پوری گفتگو دہرانا پڑی۔ وہ منصوبہ میں نے اس سے مشورے کے بغیر ہی طے کیا تھا۔ تفصیل جان کر اس نے ایک دو قابل قدر مشورے دیے۔ وہ ایک اچھی سنائپر تھی اور سنائپنگ کے میدان میں اس کی رائے کو رد کرنا آسان نہ تھا۔ ہم منصوبے کی نوک پلک سنوارنے لگے۔

ڈیڑھ ہفتے بعد ہم منصوبے پر عمل کرنے کو نہ صرف تیار تھے بلکہ سہ پہر کو نسبتاً ویران سڑک کے جوانب میں گھات لگائے لیٹے تھے۔ میں سڑک سے شمالی جانب چھے سو گز دور سہ منزلہ مکان کی چھت پر لیٹا تھا۔ جبکہ لورا برا اون مخالف جانب سڑک سے پانچ سو گز کے فاصلے پر ایک فارم ہاؤس کی چھت پر موجود تھی۔ میرے ساتھ دھرمو دادا خود اور لورا کے ہمراہ اس کا ایک اہم کارندہ موجود تھا۔ ہم دونوں کے پاس تھنڈر بولٹ سٹیل کور۔76 سنائپر رائفل تھی۔ انگلینڈ کی کمپنی سٹیل کور کی بنی ہوئی یہ عمدہ سنائپر رائفل ہے جس کی مار 1000 میٹر ہے۔ میں نے دھرمو دادا کو گلیل سنائپر رائفل یا ڈریگنو و لانے کا بتایا تھا۔ اپنے مخصوص اسلحہ ڈیلر کے پاس اسے دونوں رائفلیں نہیں ملیں تھیں ان کے بجائے تھنڈر بولٹ مل گئی تھی۔ یہ ڈریگنو و اور گلیل سے کارکردگی میں بہتر اور جدید رائفل ہے۔ آج کل تو پاکستان آرمی کے پاس بھی موجود ہے۔ البتہ اس کا وزن ڈریگنو و اور گلیل سے زیادہ ہے۔ 62x51.7 رائفل کا وزن نو کلوگرام ہونا میری نظر میں خامی ہے۔ گو یہ اتنی بڑی خامی نہیں کہ اس پر دوسری دونوں رائفلوں کو ترجیح دی جا سکے۔ البتہ لمبے فاصلوں تک اسے اٹھا کر چلنا اور ضرورت پڑنے پر دوڑنا ذرا دشوار بن جاتا ہے۔ ایس آر ون جان بوجھ کر استعمال نہیں کی تھی کہ میں اسے بچا کر رکھنا چاہ رہا تھا۔ لورا بھی مجھ سے متفق تھی۔

تھنڈر بولٹ ہمارے لیے نئی رائفل نہیں تھی کہ استعمال میں کوئی مسئلہ ہوتا۔ بلکہ اب تو ہر قسم کی سنائپر رائفل کو سمجھنے کو مجھے چند منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ گزشتہ کل کو ہم اپنی رائفلوں کو صفر کر چکے تھے۔ بلاشبہ سنائپر کسی بھی مشن پر جانے سے پہلے اپنے ہتھیار کو صفر کرنا فرض سمجھتا ہے۔

تھنڈر بولٹ، بولٹ ایکشن ہتھیار ہے۔ مطلب ہر بار گولی چلانے کو اسے کاک کرنا پڑتا ہے۔ بولٹ ایکشن سنائپر رائفلوں میں درستی، نیم خود کار سنائپر رائفلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ کیوں کہ نیم خود کار و خود کار (سیمی دفلی آٹو میٹک) ہتھیاروں سے فائر کرتے وقت جھٹکا زیادہ لگتا ہے۔ اور اس کی وجہ فائر کے علاوہ چال والے پرزوں کی حرکت ہوتی ہے۔

دھرمو کے موبائل فون پر کال وصول ہوئی۔ اس نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔ ایک مردانہ آواز ابھری۔ ''دادا! ہم تک پہنچ گئے ہیں۔''

''ان کے آگے بڑھتے ہی سڑک بند کر دو۔'' کہہ کر دھرمو نے رابطہ منقطع کر دیا۔ وہاں دھرمو دادا کے تین چار کارندے پولیس کی وردی میں موجود تھے۔ راجپوت کی کاریں گزرتے ہی انھوں نے سڑک کو عارضی طور پر بند کر دینا تھا۔ تاکہ ہماری کارروائی میں کوئی مداخلت نہ کر سکے۔ گو جہاں فائرنگ شروع ہو اور غنڈوں کے دو گروہ برسرپیکار ہوں وہاں سے عام لوگ تو کیا پولیس والے بھی دور بھاگتے ہیں، مگر کسی ناگفتہ بہ صورت حال سے نبٹنے کو ہم نے سڑک کو دونوں جانب سے بند کرنا مناسب سمجھا تھا۔ وہ اندرون شہر کی شاہراہ نہیں تھی کہ دس پندرہ منٹوں میں گاڑیوں کی بھیڑ لگ جاتی۔

میں نے لورا کا نمبر ملایا۔ ''تیار ہو جاؤ۔''

وہ اعتماد سے بولی۔ ''تیار ہوں۔'' میں نے رابطہ منقطع نہ کیا اور ہینڈ فری کان میں لگالی۔ تاکہ لورا ہماری باتیں سنتی رہے۔

دھرمو دادا نے ایک اور نمبر ملا کر کہا۔ ''شامو! شکار پہنچنے والا ہے سڑک بند کر دو۔'' اور جواب سنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔ شامو سڑک کے اس جانب موجود تھا جدھر راجپوت دادا کا رخ تھا۔ اور اب سڑک کا دو تین کلومیٹر کا علاقہ دونوں جانب سے بند کیا جا چکا تھا۔

سڑک کا وہ حصہ بالکل سیدھا تھا اور تقریباً کلومیٹر بھر علاقہ ایسا تھا کہ سڑک کے دونوں جانب کوئی ایسی رکاوٹ موجود نہیں تھی جہاں آڑ لے کر چھپا جا سکتا۔ سنگ میل کے ساتھ ایک بھکاری ٹیک لگائے یوں بیٹھا تھا گویا تھک کر چند لمحے ستانے کو بیٹھا ہو۔ پاؤں پسارے وہ دنیا و مافیا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔

کاروں نے میرے بائیں جانب سے نمودار ہونا تھا۔ راجپوت کل اسی سڑک سے گزر کر ''ناسک'' شہر گیا تھا۔ اسلحے کے بھرے چند ٹرک تھے جنھیں بہ خیریت پولیس ناکوں و چوکیوں سے گزارنا اس کا مقصد تھا۔ ان ٹرکوں نے دہلی تک جانا تھا مگر راجپوت کی ذمہ داری غالباً ناسک تک حفاظت کی تھی۔ اسلحے کے ٹرکوں کے بارے خبر ملنے پر مجھے ایک خیال یہ بھی آیا تھا کہ شاید ڈیوڈ نے ایس آرمی کی کھیپ بھجوادی ہے۔ مگر لورا نے تردید کر دی، کیوں کہ ڈیوڈ اسے بتائے بغیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اور لورا نے چند ہفتے پہلے ہی ڈیوڈ کو ہتھیار بھیجنے سے منع کر دیا تھا۔

آج راجپوت نے اسی سڑک سے واپس آنا تھا۔ دھرمو کے آدمی اس کے تعاقب میں تھے۔ جونھی وہ ناسک سے نکلے ہم گھات پوزیشن میں پہنچ گئے تھے۔ اور ابھی ہمیں کال آئی تھی کہ وہ دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ چکے تھے۔ منٹ بھر بعد ہی مجھے کاریں نظر آنے لگیں۔ سب سے آگے سیاہ رنگ کی جیکوار تھی۔ اس کے عقب میں کھلی چھت کی دو جیپیں تھیں۔ جگہ کا انتخاب کرتے وقت میں نے کوشش کی تھی کہ کوئی ایسی جگہ ہو جہاں رفتار شکن (سپیڈ بریکر) موجود ہو یا وہاں سڑک ٹوٹی پھوٹی ہوتا کہ کاروں کی رفتار قدرتی کم ہو جائے، مگر جہاں سڑک خراب تھی یا رفتار شکن موجود تھے وہ جگہ کارروائی کے لیے مناسب نہیں تھی، مجبوراً موجودہ جگہ کا انتخاب کر کے خطرہ مول لینا پڑا تھا۔ البتہ مجھے امید تھی کہ ناکام ہونا نہیں پڑے گا۔

گاڑیاں گھات کی جگہ سے دو سو گز کے دائرے میں داخل ہوئیں۔ میں نے جیکوار کے اگلے پہیے پر شست سادھی۔ پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ حرکتی ہدف کو نشانہ بنانے کو لیڈ کی ضرورت پڑتی ہے۔

چونکہ متحرک ہدف کی رفتار مختلف ہو سکتی ہے، اور ہدف کے نظر آنے پر اگر حساب کتاب کیا جائے تو یقینا حساب کے ختم ہونے تک ہدف سامنے سے گزر جائے گا۔ اس وجہ سے سنائپر حرکتی ہدف کے خلاف رینج ٹیبل بنا کر رکھتے ہیں۔ اس میں مختلف رفتار کے مطابق مطلوبہ لیڈ درج کر لی جاتی ہے۔ تاکہ ہدف کے نظر آتے ہی کاغذ پر ایک نظر دوڑا کر مطلوبہ لیڈ لگا لی جائے۔ ہدف کی سمت، فاصلہ تو ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔ گاڑیوں کی رفتار میں نے دھرمو کے ان آدمیوں سے معلوم کر لی تھی جو ناسک سے نکلتے وقت راجپوت کے تعاقب میں تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں پہنچنے پر گاڑیوں کی رفتار میں انیس بیس سے زیادہ فرق نہیں ہونا تھا۔ یوں بھی چلتی گاڑی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رفتار کتنی ہے۔ اور آج کل تو رفتار کو ناپنے والے آلے رفتار پیما بھی دستیاب ہیں۔ میں نے ڈیفلیکشن ناب کو گھما کر مطلوبہ لیڈ پہلے سے لگا دی تھی۔ اور انیس بیس کا فرق میں اندازے سے بھی دور کر سکتا تھا۔

مخصوص لیڈ لے کر میں نے سانس روکا اور لبلبی دبا دی۔ حسب معمول مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ اور سچ کہوں تو مسلسل عملی میدان میں سنائپنگ کرنے کے بعد میں خود کو جدید سہولیات کا محتاج نہیں سمجھتا تھا۔ کبھی اندازے سے فائر کرنا پڑ جاتا تب بھی کامیابی ہی میرا مقدر ٹھہرتی۔

تھنڈر بولٹ کی مزل پر عمدہ سائیلنسر لگا تھا، فائر کی ہلکی سی ''ٹھک'' کی آواز بلند ہوئی تھی۔ البتہ ٹائر پھٹنے کا دھماکا خاصا بلند تھا۔ ماہر ڈرائیور نے بڑی مشکل سے کار کو الٹنے سے بچایا تھا۔

''شاباش ایس ایس۔'' لورا کی تحسین آمیز آواز میرے کانوں میں ابھری۔ کہتے ہیں اہل فن ہی اپنے فن کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اور اہل فن کی تعریف ہی قابل فخر ہو سکتی ہے۔ ورنہ انجان کی شاباشی لائق فخر ہوتی ہے نہ

تنقیص (نقص نکالنا) قابلِ توجہ۔

متحرک کار کے پہیے کو پہلی گولی سے نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں ہے۔اور لورا سے زیادہ یہ بات کون جان سکتا تھا۔ وہ خود پیشہ ور سنائپر تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ میری کوشش میں کامیابی کا احتمال کتنے فیصد تھا۔

کار سنگ میل سے ٹیک لگائے بھکاری سے دس قدم دور رک گئی تھی۔دونوں جیپیں بھی فوراً رک گئی تھیں۔راجپوت کے محافظ چھلانگ لگا کر نیچے اترے اور کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر سڑک کے جوانب میں چوکس کھڑے ہوئے تھے۔چند لمحوں بعد جیکوار کا دروازہ کھول کر ڈرائیور باہر نکلا۔دوسری جانب سے راجپوت بھی باہر نکل آیا تھا۔گو اتنے فاصلے سے اس کی صورت بالکل واضح نظر نہیں آرہی تھی،البتہ قامت وغیرہ سے آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ راجپوت ہے۔

محتاط انداز میں دائیں بائیں کا جائزہ لے کر وہ اپنے آدمیوں کو کوئی ہدایت دینے لگا۔ایک محافظ نے بھکاری کے قریب جا کر بھی کچھ پوچھا تھا۔اور پھر اس کی تلاشی لے کر پیچھے ہٹ گیا۔تینوں ڈرائیور کار کا پہیہ تبدیل کرنے لگے۔دو محافظ اس کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے تھے جبکہ باقیوں نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔تین ڈرائیوروں اور راجپوت سمیت وہ بارہ افراد تھے۔

میں نے ڈیفلکشن ناب کو دوبارہ گھما کر صفر پر لگا دیا تھا کہ اب مجھے ساکن بلکہ انسانی اہداف پر فائر کرنا تھا۔اور انسان کی حرکت کے خلاف لیڈ سنائپر کے ذاتی تجربے کے مرہون منت ہوتی ہے۔

دھرمو نے نمبر ملا کر موبائل فون میری جانب بڑھایا۔دوسرے کان میں بھی ہینڈ فری لگا کر میں ٹیلی اسکوپ سائیٹ میں بھکاری کا جائزہ لینے لگا۔وہ دھرمو دادا ہی کا آدمی تھا۔اس نے موبائل فون کان سے لگا کر ''ہیلو'' کہا۔

''راجپوت کو فون دو۔'' گو اسے معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے۔اس کے باوجود میں نے ہدایت دینا مناسب سمجھا۔

''راجپوت دادا! آپ کی کال ہے۔'' بھکاری نے موبائل فون راجپوت کی طرف بڑھایا۔

راجپوت یقیناً ششدر ہو گیا تھا۔اس کے ساتھی محافظ بھوکے بھیڑیوں کی طرح بھکاری کی طرف بڑھے۔

''کون ہو تم، دادا کو کیسے جانتے ہو؟''

وہ اطمینان سے بولا۔''تمام سوالوں کا جواب راجپوت دادا کو کال وصول کرنے پر مل جائے گا''

راجپوت نے قدم بڑھا کر موبائل فون تھاما۔''ہیلو''اس کی محتاط آواز میری سماعتوں میں پہنچی۔

میں نپے تلے لہجے میں بولا۔''راجپوت دادا! میری ہدایات غور سے سننا۔اور جو کہوں بے چوں چرا کیے اس پر عمل کرنا کیوں کہ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔''

اس نے گردن گھما کر چاروں جانب نظر دوڑائی، ساتھ ہی میری سماعتوں میں اس کی برہم آواز پہنچی۔''یقیناً تم راجپوت دادا سے واقف نہیں ہو تبھی اس بھونڈے ڈرامائی انداز میں ڈرانا چاہ رہے ہو۔''

''پہلی بات، تم نے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں ہے۔کیوں کہ تم اس وقت ایک نہیں دو سنائپروں کے نشانے پر ہو۔اور ہمیں جانچنے کو اپنے کسی محافظ کی بلی چڑھانا بہتر رہے گا۔''

''[illegible]'' غیر متوقع طور پر اس نے جگہ چھوڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

[illegible] بتا چکا ہوں کہ ہلنا نہیں، دوسرا اپنے چیلوں کو کہو تم سے دور ہو جائیں، اگر میرے تین گننے تک یہ دور نہ [illegible] تم ہو گے ... ایک۔''

[illegible] بے خوف لہجے میں بولا۔''میں ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں۔'' شاید ہمیں آزمانا چاہ رہا تھا۔

''دو..... تین.....'' میں نے گنتی مکمل کی۔

''ٹھہرو۔'' وہ چیخا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہوا۔'' دور ہٹ جاؤ۔''

ایک محافظ نے شاید احتجاج کرنا چاہا تھا۔ وہ دھاڑا۔'' کہہ دیا نا دفع ہو جاؤ۔''

وہ محافظ جلدی سے دور ہو گیا تھا، جبکہ دوسرا کچھ زیادہ ہی وفاداری کا مظاہرہ کرتا ہوا اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔ میں خود چاہ رہا تھا کہ راجپوت کو عملی مظاہرے سے یقین دلاؤں کہ وہ ہماری مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے وہیں ڈٹا پا کر میں نے فوراً اس کی دائیں پنڈلی پر شست سادھی۔ اور سانس روک کر لبلبی دباتے ہوئے افسوس بھرے انداز میں بولا۔

''بے چارے کی پنڈلی۔''

وہ فوراً چیخ مار کر نیچے گر گیا تھا۔ محافظوں کو پہلے ہی خطرے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ اندھا دھند فائر کرنے لگے۔ ایک محافظ بھاگ کر زخمی ساتھی کے پاس پہنچا اور اسے سنبھالنے لگا۔ راجپوت چیخ چیخ کر اپنے کارندوں کو فائر بند کرنے کا کہنے لگا۔

ان پر مزید رعب جمانے کو میں لورا کو مخاطب ہوا۔'' کیپٹن! کار کے اپنی طرف والے دونوں پہیے ناکارہ کر دو۔'' اور خود اپنی جانب والے عقبی پہیے پر شست سادھ کر لبلبی دبا دی۔

دھماکے کی آواز سن کر پہیہ تبدیل کرنے والے ڈرائیور جھجک کر پیچھے ہو گئے تھے۔ اسی دوران وقفے وقفے سے دو اور دھماکے ہوئے۔ اب کار چاروں پہیوں سے فارغ ہو گئی تھی۔

''راجپوت دادا! یقیناً، تمھیں یقین آ گیا ہو گا۔ اور جان جاؤ میں یہ گولی تمھارے محافظ کے سر میں بھی مار سکتا تھا، لیکن فی الحال میری کوشش یہی ہے کہ تمھیں جانی نقصان پہنچائے بغیر اپنا مقصد حاصل کر لوں۔''

وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔'' کیا چاہتے ہو؟''

میں اطمینان سے بولا۔'' تمھارے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی گپ شپ کروں گا، کچھ معلومات کا تبادلہ کروں گا اور پھر میری طرف سے تم فارغ ہو گے۔''

وہ فوراً بولا۔'' ٹھیک ہے، جگہ بتاؤ میں پہنچ جاؤں گا۔''

''اتنا کشٹ (تکلیف) اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ناک کی سیدھ میں چلتے جاؤ تمھیں لینے کو گاڑی بھیج دی ہے۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔'' اتنا بے وقوف سمجھتے ہو کہ اپنی گردن خود پھنسا لوں۔''

میں اعتماد سے بولا۔'' تم پھنس چکے ہو راجپوت دادا! اگر شک ہے تو میں دور کر سکتا ہوں۔ اور اگر اگلے دو منٹ کے اندر تمھارے سارے آدمیوں کے سر میں روشن دان نہ کھول سکا تو تمھیں جانے دوں گا۔ منظور ہے؟''

اس نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔'' جو معلومات لینا ہے تم کال پر پوچھ لو، وعدہ کرتا ہوں حقیقت نہیں چھپاؤں گا۔''

میں نے کہا۔'' تمھیں کار کی سامنے والی بتی نظر آ رہی ہے۔''

''جی۔'' حیرانی بھرے استفسار سے کہتے ہوئے اس کی گردن جیگوار کی طرف مڑی۔ اس اثناء میں میں لبلبی دبا چکا تھا۔ بتی کے شیشے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

''جیپ کے ٹائروں کو دیکھو۔'' میں نے اگلی جیپ کے اپنی طرف والے دونوں ٹائر ناکارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''شک دور ہوا کہ مزید ثبوت دوں۔''

''دیکھو دوست! میری بات سمجھنے کی ....'' مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے میں عقبی جیپ کے ٹائروں کو

نشانہ بنا چکا تھا۔ دھماکوں نے اس کی زبان خاموش کردی تھی۔

''اگلے ثبوت تمھارے آدمیوں کے جسمانی اعضاء ہوں گے۔ تمھارے پاس میرے تین تک گننے کی مہلت ہے......ایک......'' دھمکی دیتے ہی میں نے گنتی شروع کر دی تھی۔

''دو......تین......اپنے سب سے عقبی محافظ کو......''

''ٹھہرو......'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے چلایا۔ ''کیا ہم سودا بازی نہیں کر سکتے ''

میں نے عقبی محافظ کی ران پر شست سادھ کر لبلبی دبادی۔ وہ چیخ مار کر نیچے گر گیا تھا۔ قریب موجود محافظ اسے سنبھالنے لگ گیا تھا، جبکہ باقیوں نے جیپوں کے دوسری جانب آڑ لے لی تھی۔

میں لورا کو مخاطب ہوا۔ ''کیپٹن! جیپوں کے ٹائر کیوں سلامت نظر آرہے ہیں۔'' اگلے ہی لمحے جیپ کا ایک ٹائر پھٹا اور وہاں دبکے محافظ فوراً جیپ سے دور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد باری باری تین دھماکے ہوئے، اب وہاں تینوں گاڑیوں کا کوئی ٹائر سلامت نہیں بچا تھا۔

''اب اپنے ڈرائیور کو دیکھو ''میں نے جیکوار کار کے ساتھ کھڑے حیران و پریشان ڈرائیور پر شست سادھی۔

''کہاں جانا ہے؟'' راجپوت نے فوراً ہی ہتھیار پھینک دیے تھے۔

''سامنے دیکھو، سولہ دور سڑک پر سفید رنگ کی کار نظر آرہی ہے۔ اس کی اگلی نشست پر بیٹھ جاؤ۔ اور اپنے آدمیوں کو بتادو، اگر کسی نے بھی تمھارا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو جان سے جائے گا۔''

اس نے اپنے محافظوں کو وہیں رکنے کا کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ دھرمو دادا بین آنکھوں سے لگائے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً کار والے سے رابطہ کر کے اسے پیچھے آنے کو کہا۔ کار میں عقبی نشست پر دو مسلح افراد موجود تھے۔ راجپوت کے پیچھے بھکاری نے بھی قدم بڑھا دیے تھے۔ راجپوت سے صرف ایک محافظ نے ہماری دھمکی کو قابل توجہ نہیں جانا تھا۔ ہتھیار سونتے وہ راجپوت دادا کے پیچھے دوڑا لیکن پانچواں قدم لینا اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ اوندھے منہ گرا اور زخمی ٹانگ سنبھالنے لگا۔ باقی اپنی جگہ پر جمے رہے۔ راجپوت دادا نے گردن موڑ کر وفادار محافظ کا جائزہ لیا، اس دوران کار اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس کے بیٹھنے سے پہلے، بھکاری بننے والے نے قریب ہو کر مہارت سے اس کی تلاشی لی۔ اس کا پستول قبضے میں لے کر وہ عقبی نشست پر منتقل ہو گیا۔ راجپوت دادا کے بیٹھتے ہی کار تیزی رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ میں لورا سے رابطہ منقطع کر کے سامان سمیٹنے لگا۔ راجپوت کو لے جانے والے آدمیوں کو ہم نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ دھرمو دادا سے تعلق کو ظاہر نہ کریں۔ کیوں کہ ایسا ہونے کی صورت میں ہمیں راجپوت سے تفتیش کرتے وقت دشواری پیش آسکتی تھی۔

دھرمو دادا نے میری پیٹھ تھپتھپائی۔ ''مان گئے استاد، بلاشبہ تم بہترین نشانے باز ہو۔''

تھنڈر بولٹ کو تھیلے میں منتقل کرتے ہوئے میں مسکرایا۔ ''واپسی پر لورا براؤن کا شکریہ بھی ضرور ادا کرنا۔''

اس نے فراخ دلی دکھائی۔ ''شاچاہتا ہوں، بے شک میں نے غلط کہا تھا۔ ہر لڑکی کمزور نہیں ہوتی۔''

ہم نیچے اترے، ڈرائیور تیار بیٹھا تھا۔ ہمارے نشست سنبھالتے ہی اس نے کار آگے بڑھا دی۔ دھرمو دادا نے موبائل فون پر سڑک بند کرنے والوں کو بندش کے خاتمے کا بتایا اور میری طرف متوجہ ہوا۔

''یقین نہیں ہو رہا راجپوت اتنی آسانی سے میرے قابو میں آگیا ہے۔''

میں سنجیدگی سے بولا۔ ''آسانی سے کہاں ہوا ہے دادا! دو سنائپروں کی موجودی تمھاری نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیا خیال ہے سنائپر ایک دن میں بن جاتا ہے۔ کبھی متحرک گاڑی کے پہیے کو چھ سو میٹر سے نشانہ بنانے کی کوشش کرنا معلوم ہو

جائے گا کہ آسان کام ہے یا مشکل۔اتنے ہی فاصلے پر کار کے شیشے کو بھی نشانہ بنانا،آدمی کی پنڈلی میں گولی مارنا اور کامیابی کے بعد دعویٰ کرنا کہ آسان کام ہے۔''

''درست کہا۔''اس نے متفق ہونے میں دیر نہیں کی تھی۔

''جب تک ہم راجپوت سے اپنے مطلب کی معلومات اگلوئیں تم تھانے پر دھاوا بول کر اپنے ساتھیوں کو آزاد کرا سکتے ہو۔مزید چھپنے کی ضرورت نہیں رہی۔''

''بہت اچھے۔''اس نے پسندیدگی سے سر ہلا دیا تھا۔

راجپوت کو دشواس سنگھ کی حویلی کے ایک اندرونی کمرے میں بند کر دیا گیا۔دروازے پر دو پہرے دار مقرر کر کے ہم بےفکر ہو گئے تھے۔رات کا کھانا کھا کر دھرمو دادا اپنے گروہ کے ساتھ اپنے قید ساتھیوں کو چھڑانے روانہ ہو گیا۔جبکہ میں اور لورا راجپوت سے تفتیش کرنے پہنچ گئے۔

وہ فرشی بستر پر لمبا پڑا تھا۔دھرمو کے آدمیوں نے اس کی مشکیں کس دی تھیں۔ہمارے بیٹھنے کو پہرے دار دو کرسیاں لے آئے۔ہم نے اطمینان سے نشست سنبھالی،راجپوت کینہ توز نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

''غصے میں لگ رہے ہو راجپوت دادا۔''میں نے مسکراتے ہوئے گفتگو کی ابتداء کی۔

وہ قہر آلود لہجے میں بولا۔''گوتم نے مقامی سہارے ڈھونڈ لیے ہیں مگر زیادہ عرصہ تک آزاد نہیں گھومو گے۔''

میں نے منہ بنایا۔''جلد ہی جان جاؤ گے کہ میں مقامی لوگوں کو سہارا دے رہا ہوں یا لے رہا ہوں۔''

''ایک پیش کش کر رہا ہوں،ٹھنڈے دماغ سے سوچ لو...... یہ تتلی ہمارے حوالے کرو،حفاظت سے پاکستان کی سرحد عبور کرو،منہ مانگے دام وصول پاؤ۔اور جن معلومات کے حصول کو جاسوس بن کر آئے ہو وہ بھی تمھیں مہیا کر دی جائیں گی۔''وہ ایک دم سودے بازی پر اتر آیا۔

میں نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔''قہقہہ لگانے کی اجازت ہے۔''

اس نے فلسفہ بگھارا۔''ہنس لو،مگر یاد رہے مسکراہٹیں تادیر سلامت نہیں رہتیں۔''

''اگر چاہتے ہو تمھارے ساتھ وہ کچھ نہ ہو جو میرے ساتھ تمھارے عقوبت خانے میں ہوا تھا تو میرے سوالوں کا درست جواب دینا شرط ہے۔''

وہ بےخوفی سے بولا۔''راجپوت،اذیتیں جھیلنے کا عادی ہے۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''آزمانے کی دعوت دے رہے ہو یا صرف مطلع کر رہے ہو۔''

''جو سمجھو۔''اس نے نظریں چرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ،کسی کے پاؤں کے نیچے موم بتی جلا کر رکھ دی جائے تو کیا ایک موم بتی تلوے میں سوراخ کر پائے گی یا خون گرنے سے بجھ جائے گی۔''

''تم مجھے ڈرا نہیں سکتے۔''

میں متبسم ہوا۔''دھمکا تو سکتا ہوں ناں،کیا پتا ڈر جاؤ۔''

وہ عزم سے بولا۔''غلط فہمی ہے تمھاری۔''

''جانتے ہو اس تتلی کے کیا ارادے ہیں۔''میں نے اسے لورا کی طرف متوجہ کیا جو بے تاثر چہرہ لیے اسے گھور رہی تھی۔

راجپوت نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے بے پروائی ظاہر کی، گویا لورا کے ارادے اس کی نظر میں کسی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ میں نے چھوٹا سا وقفہ دے کر انکشاف کیا۔ ''شکلا نے اسے زیادتی کا نشانہ بنایا اور ہر وہ شخص جو اس کا ذمہ دار ہے، یہ اسے اس قابل نہیں چھوڑے گی کہ آئندہ کسی غیر لڑکی تو کیا اپنی بیوی کے پاس بھی جا سکے......... ویسے آج کل سائنس کافی ترقی کر گئی ہے، لولے لنگڑوں کی طرح نامردوں کا علاج بھی ممکن ہے یا..........'' بات ادھوری چھوڑ کر میں نے کندھے اچکائے۔ راجپوت کی آنکھوں کی گہرائی میں اضطراب کی لہریں اٹھیں، مگر اس نے چہرے پر خوف ظاہر نہ ہونے دیا۔

شاید قارئین کو میری گفتگو فضول یاوہ گوئی لگے، مگر میں مذاق یا گپ شپ کے موڈ میں نہیں تھا۔ نہ میرا ارادہ وقت ضائع کرنے کا تھا۔ درحقیقت مضبوط اعصاب کے مالک افراد کی قوت ارادی توڑنے کو ایسے نفسیاتی حربوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پوچھ گچھ کے لیے کسی کو پیٹنے اور ایک دم تشدد کا نشانہ بنانے کے بجائے اسے ذہنی اذیت پہنچانا عموماً زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تکلیف جھیلنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا تکلیف جھیلنے کا انتظار ہوتا ہے۔

میری بات جاری رہی۔ ''اچھا یہ بتاؤ آری سے ٹانگ کٹنے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے یا کلھاڑی سے۔ نہیں پتا......'' میں نے سر کو دائیں بائیں جنبش دیتے ہوئے منہ بنایا۔ ''اور ہتھوڑے سے پنڈلی کو کچلا جائے تب بھی درد زیادہ ہوگا یا آگ میں جلانے سے...... بلکہ نہیں، آگ میں جلانے سے تو پوری ٹانگ کٹے گی نا۔ کیوں کہ کوئی ایسا طریقہ دریافت نہیں ہوا کہ صرف پنڈلی کو آگ سے جلا کر کاٹا جا سکے...... یا ایسا کوئی طریقہ ہے۔ کیا کہتے ہو؟''

''راجپوت ایسی باتوں سے خوف نہیں کھاتا۔'' بہ ظاہر اس نے بہادری دکھائی مگر اس کے لہجے میں پہلے والا دم خم باقی نہیں تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ زبان بند رکھنے کا تمھیں کیا انعام ملے گا۔ سرکاری آدمی تو ہو نہیں کہ کوئی اعزاز، سند یا تمغا ملے۔ (اس لفظ کو عوام میں تغما پڑھتے ہیں) البتہ تمھاری کٹی پھٹی لاش پولیس والوں کے کام آئے گی کہ تمھیں پولیس مقابلے میں مردار قرار دے کر انعام و ترقی کے حق دار ٹھہریں گے۔ اور تم سے تو تمھارا چھوٹا بھائی وشال گپتا عقل مند ثابت ہوا کہ سب کچھ اگل کر اپنی کھال و جان بچالی۔''

اس کی ہٹ دھرمی میں دراڑ پڑی۔ ''میں کیسے یقین کروں کہ معلومات لے کر تم مجھے کچھ نہ کہو گے۔''

''تمھارے بھائی وشال پر قابو پانے کے باوجود اسے کچھ نہیں کہا۔ نہ تمھیں کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے تمھارے ساتھ ہماری کوئی دشمنی ہی نہیں ہے۔ پوچھ گچھ کے بعد تمھیں ان مقامی غنڈوں کے حوالے کر کے اپنی راہ لیں گے۔ ان سے سودا بازی کرنا تمھاری اپنی صوابدید ہے۔ چند ہزار پر راضی ہوتے ہیں یا زیادہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔''

وہ بے یقینی سے بولا۔ ''اپنے اللہ کی قسم کھاؤ تم مجھے کچھ نہیں کہو گے۔''

میں خلوص دل سے بولا۔ ''اللہ پاک کی قسم، میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا، بلکہ لورا کی ذمہ داری بھی میں لیتا ہوں۔'' اور حقیقت بھی یہی تھی، میرا اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بلکہ میری حتی الوسع کوشش یہی تھی کہ انڈیا میں کسی کے ساتھ خواہ مخواہ پنگا بازی نہ ہو۔ میرا دشمن صرف دھیر ندر شکلا تھا۔ البتہ دھرمو کی ذمہ داری میں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ان کا آپس کا معاملہ تھا۔ میں نے اشارتاً بول بھی دیا تھا کہ اسے غنڈوں کے حوالے کروں گا تا کہ جھوٹ و دھوکے بازی سے بچ سکوں۔

''کیا پوچھنا ہے۔'' اس نے رضامندی ظاہر کی۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''شکلا کے بارے جو کچھ جانتے ہو اگل دو۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''یہ تتلی اتنی پسند آ گئی ہے کہ اس کی خاطر شکلا سے دشمنی گانٹھ لی ہے۔''

''محبت بہت کچھ کروا دیتی ہے یار۔'' میں نے ایسے انداز میں فلسفہ بگھارا کہ اس کی غلط فہمی دور ہو نہ جھوٹ بولا جائے۔

اس نے ڈرانے کی کوشش کی۔ ''خلوص دل سے مشورہ دیتا ہوں، سر شکلا کا خیال دل سے نکال دو۔ اس بلبل کو بھی سمجھا بجھا کر واپس بھیج دو یا راضی ہے تو اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤ، فائدے میں رہو گے۔''

میں ہنسا۔ ''تمھارے متعلق استفسار پر وشال گپتا نے انکشاف کیا تھا، بہتر ہوگا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالو اور طبعی عمر تک زندگی کے مزے لوٹو، اور دیکھ لو تم حقیر کیچوے کی طرح میرے سامنے بے بس لیٹے ہو۔''

اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا۔ ''بے خبری میں تمھارے ہاتھ آ گیا ہوں، کبھی دوبارہ سامنا ہوا تو دیکھ لو گے۔''

''میں شکلا کو چٹھی لکھ کر اپنے حملے کے بارے پہلے سے مطلع کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اور یقیناً تم بھی زبان دو گے کہ یہاں سے جا کر اسے باخبر نہیں کرو گے۔''

اس نے جان چھڑانا چاہی۔ ''میں شکلا صاحب کا ملازم ہوں اور میرے پاس ان کے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں تیں۔''

''خاص و عام کا تعین میں خود کروں گا تم تفصیل بتانا شروع کرو۔ اور انگریزی جانتے ہو تو میری ساتھی بھی تمھاری زبانی سب کچھ سننا پسند کرے گی۔''

''انگریزی پر اتنا عبور نہیں ہے۔'' نفی میں سر ہلا کر وہ شکلا کے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔ لب لباب یہی تھا کہ شکلا بہت اونچی شے تھی۔ انڈیا کے پانچ چھے بڑے شہروں میں اس کی محل نما کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے پاس ذاتی ہیلی کاپٹر موجود تھا جس سے دنوں کا فاصلہ گھنٹوں اور گھنٹوں کا منٹوں میں طے کرنا دشوار نہ تھا۔ مسلسل کام کی وجہ سے وہ شاذ و نادر ہی کسی جگہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ گزار پاتا تھا۔ البتہ عموماً اس کا قیام ممبئی میں ہوتا تھا۔ اس کا کاروبار نہایت منضبط بنیادوں پر قائم تھا۔ اس کی ٹیم میں قابل بھروسا اور اعلیٰ صلاحیتوں والے لوگ شامل تھے۔ اس کے محافظوں میں بڑی تعداد انڈین آرمی سے ریٹائرڈ کمانڈوز کی تھی۔ جنھیں وہ بھاری تنخواہیں دیتا تھا۔ بعض تو نوکری کے اختتام سے پہلے ہی مستعفی ہو کر اس سے آن ملے تھے۔ کہ اس نے انڈین آرمی سے زیادہ مراعات اور تنخواہ کی پیش کش کی تھی۔ اس کا جائز اور ناجائز کاروبار زیادہ تر سمندر کے راستے سے ہوتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا اور بیٹی تھی۔ بیٹی حادثے میں ہلاک ہو چکی تھی (بریگیڈیئر انصاری کی بیوی) اور اب فقط بیٹا بچا تھا۔ پرما انصاری اس کی لاڈلی نواسی تھی۔ اس کی ماں کسی حادثے میں فوت ہو چکی تھی وہ پڑھ رہی تھی اور شکلا اس پر جان دیتا تھا۔ اس سے زیادہ معلومات وہ پرما کے متعلق نہیں رکھتا تھا۔ البتہ پرما اسے انکل کہتی تھی اور اپنے نانا کے دوست کے حوالے سے جانتی تھی۔ شکلا کا بیٹا دنیش شکلا بہ ظاہر کاروباری شخصیت تھا مگر در پردہ باپ کے کالے کرتوتوں میں شامل تھا۔ اس کی کمزوری دولت و عورت تھی۔ حد درجہ کا عیاش تھا۔ کئی عورتوں کی عزت خراب کر چکا تھا۔ مگر اس کے گریبان تک عام آدمی کی رسائی نہیں تھی۔ اسلحے کی قانونی و غیر قانونی اسمگلنگ کے علاوہ خطرناک نشے کی اسمگلنگ میں بھی پیش پیش تھا۔ گو راجپوت اس کا خاص آدمی تھا مگر وہ اسے بھی راز دار بنانے پر تیار نہیں تھا۔ راجپوت کو وہ اتنا ہی بتاتا تھا جتنا اس سے کام لینا ہوتا تھا۔ کرن چاولہ سے بھی اس کے قریبی تعلقات تھے۔ اور کرن چاولہ اس کے بیٹے دنیش شکلا کا گہرا دوست تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ رندھیر شکلا اپنے لباس کے نیچے بہترین قسم کی بلٹ پروف جیکٹ پہنے رہتا تھا۔ خصوصی طور پر تیار شدہ جیکٹ وزن میں بہت ہلکی مگر کارکردگی میں عمدہ ترین تھی۔ اس کی کار بلکہ اس کے محافظوں کی کاریں بھی بلٹ پروف تھیں۔ میں کرید کرید کر راجپوت سے شکلا کے متعلق پوچھتا رہا۔ کچھ باتیں تو انصاری

صاحب سے مجھے معلوم ہوئی تھیں ان کی تصدیق ہوئی، بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس دوران لورا خاموش تماشائی بنی رہی۔ راجپوت کو اچھی طرح نچوڑنے کے بعد میں نشست چھوڑتے ہوئے اٹھا۔

''شکریہ راجپوت دادا! ہماری طرف سے آزاد ہو۔ اب تم جانو اور ہمارے مقامی مددگار۔ ہم تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔''

راجپوت کے چہرے پر اطمینان ابھرا۔ ''تم سے اسی سلوک کی توقع تھی۔

''اور مجھ سے کس سلوک کی توقع ہے۔'' دھر مو دادا کی آواز نہیں ایٹم بم کا دھماکا تھا جو راجپوت کو سر سے پاؤں تک لرزا گیا تھا۔ اس کے چہرے کی رونق پھیکی پڑگئی تھی۔ خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے وہ شاکی ہوا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا۔'' اس کا مخاطب میں تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے دھوکا دینا نہیں کہتے۔ نہ مسلمان دھوکا دیا کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا الزام دھر سکتے ہو۔ اور غلط فہمی کا سبب تمھاری اپنی سوچ ہے۔ میں نے تو وضاحت کر دی تھی کہ تم جانو اور تمھارے مقامی دوست۔''

''پہلے سے وضاحت کرنا چاہیے تھی کہ تم دھر مو کے آدمی ہو۔''

میں نے صفائی دی۔ ''ہم بس ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں کہ خوش قسمتی سے ہمارا ہدف ایک ہی تھا۔ اور دھر مو دادا کا ذکر شروع میں نہ کرنے کا مقصد تمھیں تشدد اور خود کو بے جا کوفت سے بچانا تھا۔ ورنہ جو کچھ تم آرام سے بتا چکے ہو یہ سب تمھارے حلق میں ہاتھ ڈال کر اگلوانا بالکل مشکل نہ ہوتا۔ اگر شک ہے تو کوئی معلومات چھپانے کا دعویٰ کر کے جانچ سکتے ہو۔''

دھر مو مجھے مخاطب ہوا۔ ''ساتھی، میرا خیال ہے تمھارا کام ہو گیا ہے۔''

میں نے خوش دلی سے سر ہلایا۔ ''بالکل۔ ہماری طرف سے راجپوت دادا فارغ ہے۔''

''اس کی بندشیں کھول دو۔'' نشست سنبھالتے ہوئے دھر مو دادا نے اپنے ایک چیلے کو حکم دیا۔

''جی دادا۔'' ادب سے کہہ کر اس نے چاقو نکالا اور راجپوت کی بندشیں کاٹ دیں۔ دھر مو دادا کا یہ حکم اس کے خود پر اعتماد کو ظاہر کر رہا تھا۔ یقیناً وہ لڑائی بھڑائی کا ماہر تھا تبھی تو فوراً ہی راجپوت کی مشکیں کھولنے کا کہا تھا۔ راجپوت بیٹھ کر کلائیاں اور پنڈلیاں مسلنے لگا۔

میں نے چند لمحوں کو قدم روکے کہ ان گفتگو سنوں، مگر لورا نے بیزاری سے پوچھا۔ ''تمھاری تفتیش اب تک باقی ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو چلو......'' میرے ہاتھ سے پکڑ کر اس نے دروازے کی طرف کھینچا۔ یقیناً اسے راجپوت کی بتائی ہوئی تفصیل سننے کی بے صبری تھی۔

میں نے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔ ''تم چلو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

''مگر......'' اس نے منہ بسورا۔

''کہا ناں تم چلو۔'' اسے پچکارتا ہوا میں مڑا اور دھر مو کے ساتھ نشست سنبھال لی۔ لورا پیر پٹختے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

دھر مو نے میری مو[illegible]کو قابل اعتناء نہیں جانا تھا، وہ راجپوت سے حساب کتاب مانگ رہا تھا۔ راجپوت کا جرم

دھرمو کے علاقے پر قبضہ نہیں بلکہ دھرمو کو مروانے کی کوشش تھا۔ آپس کی لڑائی میں چیلوں چمچوں کی ہلاکت قابل معافی تھی مگر کسی دادا پر حملہ کرنے کا رواج نہ تھا۔ اور راجپوت کی یہی غلطی تھی جس پر دھرمو دادا سرخ انگارہ بنا ہوا تھا۔ راجپوت کا جرم بالکل واضح اور ثابت تھا۔ اور بہ ظاہر اس کے پاس سوائے معذرت کرنے کے کوئی جواب نہ تھا۔ مگر وہ مختلف حجتیں اور دلائل اپنی صفائی میں پیش کرتا رہا۔ دھرمو دادا نے اس کے تمام اعتراضات کا رد دلائل سے کیا تھا۔ ان کی طویل گفتگو میں قارئین کے مطلب کی کوئی بات نہیں تبھی لکھنے سے احتراز برتا ہے۔ گفتگو کا اختتام راجپوت کی شکست کی صورت ظاہر ہوا تھا۔

دھرمو دادا نے تصدیق چاہی۔ ''یقیناً اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے تمھیں سزا کاٹنے پر اعتراض نہ ہوگا۔''

گہرا سانس لے کر راجپوت نے آنکھیں بند کیں، لحہ بھر توقف کیا اور پھر اطمینان سے بولا۔ ''قتل کرو گے؟''

''ہاں۔'' دھرمو دادا نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔

''کوئی اور صورت۔'' راجپوت نے دامن امید دراز کیا۔

دھرمو دادا نے نفی میں سر ہلایا۔

راجپوت برہم ہوا۔ ''تو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، تمھارا قیدی ہوں مارنا کون سا مشکل ہے کہ عدالت قائم کیے بیٹھے ہو۔''

دھرمو نے کہا۔ ''تمھاری موت کو فلماؤں گا اور ممبئی کے ہر گروہ کے دادا تک وہ وڈیو پہنچے گی۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے دھرمو نے زیادتی کی۔''

راجپوت طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تمھارا خیال ہے میں کیمرے کے سامنے اقرار جرم کرلوں گا۔''

دھرمو نے انکشاف کیا۔ ''تم کر چکے ہو۔ یہ ساری گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے۔ فیصلہ بھی ہو چکا ہے، بس عمل کرنا باقی ہے۔''

راجپوت دادا نے فیصلہ قبول کرنے کا عندیہ دیا۔ ''مرنے سے پہلے اپنی بیوی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد سزا پر عمل کر سکتے ہو۔''

دھرمو نے اپنا موبائل فون اس کی جانب پھینکا۔ راجپوت نے بیوی کا نمبر ملا کر موبائل فون کان سے لگا لیا۔

''میں بول رہا ہوں۔'' اس نے تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

چند لمحے بیوی کی گفتگو سن کر وہ حوصلے سے بولا۔ ''سمرن! بات سنو، میرے پاس زیادہ مہلت نہیں ہے۔ یاد ہے نا کہا تھا تم دھرتی کی ہر شے، ہر فرد اور ہر رشتے سے مجھے زیادہ پیاری ہو۔ یقیناً اس قول کو سچا ثابت کرنے کا وقت آگیا ہے۔ شاید چند لمحوں بعد میں باقی نہ رہوں۔ میں نے دھرمو دادا کو مروانے کی سازش کی، اس کے لیے کرائے کے قاتل مقرر کیے مگر ناکام رہا اور اب بھگوان نے مجھے اس کے قدموں میں لا پھینکا ہے۔ اس کی مہربانی کہ اس نے میری آخری خواہش کو پورا کیا۔ مجھے یاد رکھنا سمرن اپنے راجپوت کو بھول نہ جانا۔ بھگوان تمھاری رکشا کرے.........''

دو تین لمحے خاموش رہ کر اس نے بیوی کی بات سنی اور پھر بولا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے سمرن، مجھے اپنا جرم قبول ہے۔ اصولوں سے انحراف میں نے کیا تھا۔ اب سزا کا حق دار بھی میں ہوں۔ میرے لیے پرارتھنا کرنا۔'' جواب سنے بغیر اس نے رابطہ منقطع کیا اور موبائل فون دھرمو کی جانب پھینک دیا۔

''میں تیار ہوں۔'' اس کے لہجے کی لرزش واضح تھی۔ چہرے پر پسینہ نمودار ہو گیا تھا اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اپن موت کو قبولنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ موت کے لمحے کا نگاہوں سے اوجھل ہونا بھی اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ د کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ راجپوت کی ہمت تھی کہ وہ گڑگڑایا نہیں تھا۔

دھرمو دادا نے پستول نکالا، اس کی میگزین اتار کر خالی کی اور صرف ایک گولی اندر رہنے دی۔

دھرمو کے علاقے پر قبضہ نہیں بلکہ دھرمو کو مروانے کی کوشش تھا۔آپس کی لڑائی میں چیلوں چمچوں کی ہلاکت قابلِ معافی تھی مگر کسی دادا پر حملہ کرنے کا رواج نہ تھا۔اور راجپوت کی یہی غلطی تھی جس پر دھرمو دادا سرخ انگارہ بنا ہوا تھا۔راجپوت کا جرم بالکل واضح اور ثابت تھا۔اور بہ ظاہر اس کے پاس سوائے معذرت کرنے کے کوئی جواب نہ تھا۔مگر وہ مختلف حجتیں اور دلائل اپنی صفائی میں پیش کرتا رہا۔دھرمو دادا نے اس کے تمام اعتراضات کا رد دلائل سے کیا تھا۔ان کی طویل گفتگو میں قارئین کے مطلب کی کوئی بات نہیں تبھی لکھنے سے احتراز برتا ہے۔گفتگو کا اختتام راجپوت کی شکست کی صورت ظاہر ہوا تھا۔

دھرمو دادا نے تصدیق چاہی۔''یقیناً اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے تمھیں سزا کاٹنے پر اعتراض نہ ہوگا۔''

گہرا سانس لے کر راجپوت نے آنکھیں بند کیں، لمحہ بھر توقف کیا اور پھر اطمینان سے بولا۔''قتل کرو گے؟''

''ہاں۔'' دھرمو دادا نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔

''کوئی اور صورت۔'' راجپوت نے دامن امید دراز کیا۔

دھرمو دادا نے نفی میں سر ہلایا۔

راجپوت برہم ہوا۔''تو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، تمھارا قیدی ہوں مارنا کون سا مشکل ہے کہ عدالت قائم کیے بیٹھے ہو۔''

دھرمو نے کہا۔''تمھاری موت کو فلماؤں گا اور ممبئی کے ہر گروہ کے دادا تک وہ وڈیو پہنچے گی۔تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے دھرمو نے زیادتی کی۔''

راجپوت طنزیہ انداز میں بولا۔''تمھارا خیال ہے میں کیمرے کے سامنے اقرار جرم کرلوں گا۔''

دھرمو نے انکشاف کیا''تم کر چکے ہو۔یہ ساری گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے۔فیصلہ بھی ہو چکا ہے، بس عمل کرنا باقی ہے۔''

راجپوت دادا نے فیصلہ قبول کرنے کا عندیہ دیا۔''مرنے سے پہلے اپنی بیوی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔اس کے بعد سزا پر عمل کر سکتے ہو۔''

دھرمو نے اپنا موبائل فون اس کی جانب پھینکا۔راجپوت نے بیوی کا نمبر ملا کر موبائل فون کان سے لگالیا۔

''میں بول رہا ہوں۔'' اس نے تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

چند لمحے بیوی کی گفتگو سن کر وہ حوصلے سے بولا۔''سمرن! بات سنو، میرے پاس زیادہ مہلت نہیں ہے۔یاد ہے نا ،کہا تھا تم دھرتی کی ہر شے، ہر فرد اور ہر رشتے سے مجھے زیادہ پیاری ہو۔یقیناً اس قول کو سچا ثابت کرنے کا وقت آ گیا ہے۔شاید چند لحموں بعد میں باقی نہ رہوں۔میں نے دھرمو دادا کو مروانے کی سازش کی، اس کے لیے کرائے کے قاتل مقرر کیے مگر نا کام رہا اور اب بھگوان نے مجھے اس کے قدموں میں لا پھینکا ہے۔اس کی مہربانی کہ اس نے میری آخری خواہش کو پورا کیا۔مجھے یاد رکھنا سمرن اپنے راجپوت کو بھول نہ جانا۔بھگوان تمھاری رکھشا کرے............''

دو تین لمحے خاموش رہ کر اس نے بیوی کی بات سنی اور پھر بولا۔''یہ ممکن نہیں ہے سمرن، مجھے اپنا جرم قبول ہے۔اصولوں سے انحراف میں نے کیا تھا۔اب سزا کا حق دار بھی میں ہوں۔میرے لیے پرارتھنا کرنا۔'' جواب سنے بغیر اس نے رابطہ منقطع کیا اور موبائل فون دھرمو کی جانب پھینک دیا۔

''میں تیار ہوں۔'' اس کے لہجے کی لرزش واضح تھی۔چہرے پر پسینہ نمودار ہو گیا تھا اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔اپنی موت کو قبولنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔موت کے لمحے کا نگاہوں سے اوجھل ہونا بھی اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔راجپوت کی ہمت تھی کہ وہ گڑگڑایا نہیں تھا۔

دھرمو دادا نے پستول نکالا، اس کی میگزین اتار کر خالی کی اور صرف ایک گولی اندر رہنے دی۔

میگزین دوبارہ چڑھا کر اس نے پستول کاک کیا۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری و سفاکی چھلک رہی تھی۔ اس نے پستول سیدھا کرتے ہی راجپوت نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''ایک منٹ دھرمو دادا۔'' میں نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بے کلی سے میری طرف متوجہ ہوا۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''تم غلط کر رہے ہو۔''

وہ درشتی سے بولا۔ ''میں تمھارے معاملے میں مخل نہیں ہوا تھا۔''

''وہاں تمھاری دخل اندازی ہوتی تھی کیا؟ ایک آدمی سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تم نے کیا مداخلت کرنا تھی۔''

''راجپوت کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ کہنا ہے تو بولو''

''راجپوت دادا کی موت کا فیصلہ تم کیسے کر سکتے ہو؟ مانا اس نے غلط کیا اور وہی غلطی تم بھی دہرا رہے ہو۔ جب کسی بھی دادا کا قتل تمھاری پرمپرا (ریت، روایت) میں جرم ہے۔ تو راجپوت دادا کا قتل بھی جرم ہوگا۔ اور اس کی موت کے بعد کسی دوسرے کو تمھیں قتل کرنا جائز ہو جائے گا۔ البتہ تم ممبئی کے تمام داداؤں کی بیٹھک بلا کر راجپوت دادا کو عام غنڈا تسلیم کرواؤ، اس کے بعد قتل کر دو۔

''ایسی بیٹھک کا رواج ہمارے ہاں نہیں ہے۔ کسی دادا کو کسی کی موت میں دلچسپی نہیں ہوگی۔''

''شاید ایسا ہی ہو، تم تمھارے ایک دوسرے کے قتل سے گریز کرنے کی روایت ٹوٹ جائے گی۔ راجپوت نے غلطی کی، اسے کامیابی نہ ملی۔ تمھاری کامیابی میں کوئی شک باقی نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھنا راجپوت دادا کے قتل کے بعد یہ سلسلہ رکے گا نہیں۔ کوئی بھی راجپوت دادا کے قتل کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ایک روایت کے خلاف جب کوئی عمل ہوتا ہے تو وہ ہر اس شخص کو ترغیب دیتا ہے جس کے دل میں اس روایت کے خلاف کچھ کرنے کا داعیہ موجود ہوتا ہے۔ پھر ہر منحرف کی دلیل روایت توڑنے والا بنتا ہے۔ یقین کرو، راجپوت دادا کا قتل ایک نئی جنگ کو جنم دے گا، ایک ایسی آگ کو بھڑکا دے گا جس کے شعلے تمھارے دامن تک بھی پہنچیں گے۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''تم اس کی وکالت کر رہے ہو یا مجھے زبان دے چکے ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے۔ راجپوت سے وعدہ کیا تھا کہ میں یا لورا براؤن اسے قتل نہیں کریں گے۔ اور تمھارا اسے قتل کرنا میرے وعدے کو نہیں توڑتا۔ باقی میرا مقصد فقط سمجھانا ہے، کیوں کہ میں تمھارا بھلا چاہتا ہوں۔ اور اگر میرے دلائل تمھارے نزدیک غلط ہیں تو، کون سا تمھیں بہ زور بازو روک رہا ہوں۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''تم نے میری جان بچائی تھی، راجپوت بھی تمھاری وجہ سے میرے ہاتھ آیا ہے۔ پھر میں اپنے محسن کی خواہش کو کیسے ٹھکرا سکتا ہوں۔''

''اللہ پاک کی قسم، راجپوت دادا کے قتل پر میں ناخن برابر بھی تم سے خفا نہیں ہوں گا۔ میں اب بھی تمھارا فائدہ چاہتا ہوں۔ یہاں میرا قیام نہایت مختصر ہے۔ اور تم نے ساری زندگی یہیں رہنا ہے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے میگزین اتار کر بقیہ گولیاں بھریں، میگزین چڑھائی اور پستول ہولسٹر میں رکھ لیا۔ یہ اعلان تھا کہ اس نے راجپوت دادا کے قتل کا ارادہ تبدیل کر دیا تھا۔

وہ طنزیہ انداز میں مستفسر ہوا۔ ''اب اس کا کیا کروں؟''

میں نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ ''تمھارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''بکواس بند کرو اور مناسب مشورہ دو۔'' اس کے لہجے میں بے تکلفی واپنائیت بھری تھی۔

میں متبسم ہوا۔ ''تمھارا جتنا نقصان ہوا ہے، وصول کر کے چھوڑ دو۔''
اس نے منہ بنایا۔ ''یہ جرمانہ تو نہ ہوا۔''
''میں دگنا دوں گا۔'' موت کو ٹلتا دیکھ کر راجپوت کے چہرے پر رونق لوٹ آئی تھی۔
''میں چلتا ہوں باقی تفصیلات تم خود طے کر لینا۔'' میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
''ذیشان صاحب!'' راجپوت نے بے ساختہ آواز دی۔ میں رک کر مڑا۔
وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔ ''معلوم نہیں تمھیں میری وکالت کی ضرورت کیوں کر پیش آئی۔ بہ ہر حال بہت بہت شکریہ۔''
میں نے متبسم ہو کر اوپر نیچے سر ہلایا اور باہر نکل آیا۔ لورا میرے کمرے میں بے چینی سے منتظر تھی۔ وشواس سنگھ کی کوٹھی میں ہم علیحدہ علیحدہ کمرے میں رہ رہے تھے۔ کیوں کہ ایک کمرے میں رہنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔ مجبوری کی حالت میں ہم ایک چار پائی پر بھی لیٹے رہے تھے اور اب ایسی مجبوری نہیں تھی تو ہمارا علیحدہ لیٹنا ہی مناسب تھا۔ اس معاملے میں لورا بھی میری ہم خیال تھی۔ بلاشبہ پہناوے اور گفتگو کے لحاظ سے اس میں یورپین لڑکیوں والی بے باکی پائی جاتی تھی، مگر عورت و مرد کی ممنوعہ حدود کو پھلانگنے والی بے حیائی اس میں بالکل موجود نہیں تھی۔ اس معاملے میں اس کے خیالات مشرقی لڑکیوں جیسے تھے۔ اپنے ماضی میں بھی وہ صرف نک اسٹیورٹ کی قربت کا برملا اعتراف کرتی تھی، اس کے علاوہ بہ قول اس کے اس کا ماضی صاف تھا۔
''اتنی دیر لگا دی۔'' مجھے دیکھتے ہی وہ بے تابانہ انداز میں کھڑی ہوئی۔
میں رکھائی سے بولا۔ ''تمھیں انتظار کرنے کو کس نے کہا تھا۔ اتنی رات گزر گئی ہے سو جاتیں۔''
''سو جاتیں............'' اس نے منہ بگاڑ کر میری نقل اتاری۔
میں جھلاتے ہوئے بولا۔ ''کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا، صبح بھی بات ہو سکتی تھی۔''
وہ چڑچڑاتے ہوئے بولی۔ ''منہ بند اور تفصیل شروع۔''
میں ہنسا۔ ''بند منہ سے تفصیل بتانے کا طریقہ مجھے نہیں معلوم۔''
وہ روہانسا ہوئی۔ ''ریچا تنگ نہ کرو۔''
''اچھا بیٹھ جاؤ۔'' مسہری پر نشست سنبھال کر میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
وہ کرسی سنبھال کر پر اشتیاق نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔ میں نے راجپوت سے سنی ہوئی تمام تفصیل دہرا دی تھی۔ بیچ بیچ میں وہ ضروری باتوں کی وضاحت مانگتی رہی۔ آخر میں اس نے راجپوت اور دھرمو کے درمیان ہونے والے معاہدے کی بھی تفصیل جانی اور پھر کرسی چھوڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''اب آرام کر سکتے ہو۔''
''شکریہ۔'' طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے میں لیٹ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔
مگر سونا میری قسمت میں نہیں تھا۔ ایک آدمی دھرمو دادا کا بلاوا لیے آ پہنچا۔ معلوم ہوا وہ راجپوت کو رہا کر رہا تھا اور جانے سے پہلے راجپوت نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں کوفت بھرے انداز میں ادھر بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا راجپوت نے ایک بات پھر میرا شکریہ ادا کرنے کو ملنے کی تمنا کی تھی۔
دونوں دادا خوش گوار موڈ میں شراب نوشی میں مصروف تھے۔ راجپوت اٹھ کر مجھ سے بغلگیر ہوا۔
''راجا ذیشان! ایک بار پھر دھنے واد۔ اور رندھیر شکلا کو بلیک میل کرنے کا اہم مواد تمھیں کرن چاولہ سے ملے گا، اس نے شکلا کے بارے ایسی ایسی دستاویزات اکٹھی کر رکھی ہیں جنھیں شکلا صاحب کبھی منظر عام پر نہیں آنے دے گا۔ تمام

معلومات اس کے دفتر کی تجوری میں محفوظ ہیں۔ یہ اطلاع چند دن پہلے مجھے کرن چاولہ کے خاص الخاص آدمی سے ملی ہیں۔ ارادہ تھا شکلا صاحب کو مطلع کروں گا مگر موقع نہ مل سکا۔ اوران سے ملاقات سے پہلے یہ حادثہ ہوگیا۔''

میں نے امید ظاہر کی۔ ''کیا اب بھی یہ خبر اپنے تک محدود رکھو گے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس بارے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں طعنہ زن ہوا۔ ''گویا شکلا کے سچے خیر خواہ ہو۔''

''اسے نہ بتانے میں تمھارا کیا فائدہ؟...... یا تم کرن چاولہ پر ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے ہو۔''

''وہ میرا دردِ سر ہے۔''

اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ ''ڈر رہے ہو کہیں کرن کو آگاہ نہ کردوں۔''

میں متبسم ہوا۔ ''اگر ایسا ہوتا تو تمھیں بچانے کو دھرمو دادا سے تکرار نہ کرتا۔ تمھارے بھائی وشال گپتا کی گردن اتار دیتا اور تمھارے محافظوں میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ یاد رکھنا میں اصولوں پر سودا بازی نہیں کیا کرتا۔ کسی بے گناہ کی جان لینا میرے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور احسان کر کے بدلہ چاہنے والا تاجر ہے جو اپنی نیکی کا بھاؤ چاہتا ہے۔''

''یاد رہے، کرن چاولہ کے دفتر کی تجوری کھولنا عام آدمی کے لیے بالکل ناممکن ہے۔ کوئی ماہر قفل شکن ڈھونڈ کے ہی ادھر کا رخ کرنا ورنہ پکڑے جاؤ گے۔'' اس نے میری پیٹھ تھپکی۔ ''بھگوان تمھاری رکھشا کرے۔'' اور دھرمو کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''چلنا چاہیے۔''

دھرمو دادا نے اپنے دو ساتھیوں کو راجپوت کے ساتھ جانے کی ہدایت کی۔ باہر نکلنے سے پہلے انھوں نے راجپوت کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسے چھوڑنے کا مقصد اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ہرگز نہیں تھا۔ البتہ امید یہی تھی کہ اب ان کے درمیان پہلے والی دشمنی نہ رہتی۔

میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ پورا دن اور آدھی سے زیادہ رات بے آرامی میں گزر گئی تھی۔ اب جسم آرام کا طلب گار تھا۔ مخصوص حالات میں میں اڑتالیس، اڑتالیس گھنٹے مسلسل جاگ کر اور حرکت میں رہ کر گزار چکا تھا۔ ضبط و برداشت کرنا ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ موقع ملنے پر آرام نہ کرنا؛ کسی قاعدہ قانون میں آتا ہے نہ اس کی سکھلائی یا ترغیب دی جاتی ہے۔

بستر پر لیٹتے ہوئے حسب معمول پلوشے اپنے ناز و ادا کے جلوؤں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ دھمکی۔ کبھی کبھار دل میں شدت سے خواہش اٹھتی کہ اسے گھنٹی کروں، اس کی آواز سنوں آیا اب بھی خفا ہے یا تین چار مہینوں کی دوری نے سرد مہری کو حرارت میں تبدیل کر دیا ہے۔ مگر پھر انصاری صاحب کا حکم یاد آ جاتا، انھوں نے سختی سے اور بار بار تاکید کر کے گھر گھنٹی کرنے سے منع کیا تھا۔

''تم دونوں نے کسی بھی صورت، کسی بھی حالت، کسی بھی وجہ سے پاکستان کال نہیں کرنا۔ صرف ایک صورت میں گھنٹی کر سکتے ہو کہ اپنی موت کا سو فیصد یقین ہو جائے تب مضائقہ نہیں۔ اگر عشاریہ ایک فیصد بھی بچنے کا امکان ہو تو یہ غلطی نہ کرنا۔''

اب دونوں میں سے ایک ہی بچا تھا۔ دوسرا خالق حقیقی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ رابطے کا ذریعہ ہونے کے باوجود بات نہ کرنا بھی بہت بڑی آزمائش تھی۔ اپنی مثال مجھے صاحب حیثیت روزہ دار کی سی لگتی کہ جس کے پاس شرب و طعام (کھانے پینے) کی ہر نعمت موجود ہونے کے باوجود وہ اذانِ مغرب کا منتظر ہوتا ہے۔ نجانے میری افطاری کب ہونا تھی کہ سماعتیں اپنی پلوشے کی مدھر، رس بھری اور موہنی آواز سننے کی سعادت حاصل کرتیں۔ وہ دل کی گہرائیوں سے مجھے چاہتی تھی۔ اور

یقیناً انڈیا آنے کو اس نے میرا جھوٹ اور اسے ورغلانے کی جذباتی دھونس سمجھا تھا۔ ورنہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس کا دل نہ پسیجتا۔
اسے یاد کرتے ہوئے آہستہ آہستہ میرا دماغ غنودگی میں ڈوب گیا اور میں ایسی دنیا میں پہنچ گیا جہاں وہ اب تک میرے ہمراہ تھی۔ نجانے محبوب کا پھولوں سے کون سا قریبی تعلق ونسبت ہے کہ وہ اکثر سبزہ زار اور پھولوں کے درمیان ہی متحرک نظر آتی۔ اس کے خوب صورت رقص اور نازو ادا سے میں زیادہ دیر محظوظ نہیں ہو سکا تھا۔ دروازے پر زوردار دستک ہوئی، ایک سناپر کی نیند اتنی گہری نہیں ہوتی کہ پہلی دستک پر نہ جاگے۔ میری چھٹی حس نے کسی نامعلوم خطرے کی نشان دہی کی، وہ خیر کی دستک نہیں لگ رہی تھی۔
میرے مسہری سے اترنے سے پہلے دروازہ دوبارہ بجنے لگا، ساتھ ہی دھرمو دادا کے آدمی وناش مہتا کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''ذیشان صاحب......ذیشان صاحب۔''
میں نے زقند بھر کر دروازہ کھولا اور بے تابی سے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''
وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''فی الفور یہ ٹھکانہ چھوڑنا ہوگا۔ دھرمو دادا صحن میں آپ لوگوں کا منتظر ہے۔''
میں سوال جواب میں وقت ضائع کرنے کے بجائے لورا کے کمرے کی طرف بھاگا، اسے مطلع کر کے میں نے تیار ہونے میں تین چار منٹ سے زیادہ دیر نہ لگائی۔ یوں بھی ہمارے پاس ایس آرون کے بیگ اور دو تین جوڑے کپڑوں کے علاوہ سمیٹنے کو کچھ نہ تھا۔
میں اور لورا قریباً ایک ساتھ اپنے کمروں سے برآمد ہوئے۔ حویلی کے صحن میں کھلی چھت کی دو جیپیں اور ایک کار اسٹارٹ حالت میں تیار کھڑی تھیں۔ ہم کار میں بیٹھ گئے۔ میں درمیان میں تھا، دھرمو دادا اور لورا میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ گاڑیاں تیز رفتاری سے حویلی سے نکل آئیں۔
''کیا ہوا؟'' حویلی سے نکلتے ہی میں دھرمو دادا کی طرف متوجہ ہوا۔
دھرمو بولا۔ ''راجپوت دادا نے اطلاع دی ہے کہ یہاں ایجنسی کا چھاپہ پڑنے والا ہے۔''
میں متعجب ہوا۔ ''مگر کیسے؟......راجپوت دادا کی تو آنکھیں بند کر کے یہاں سے لے گئے تھے۔''
دھرمو دادا نے منہ بنایا۔ ''میں نے کب کہا ہے راجپوت دادا نے مخبری کی ہے۔''
''پھر ایجنسی والوں کو یہاں کا پتا کیسے چلا؟'' میری حیرانی برقرار رہی۔
دھرمو تفصیل بتانے لگا جس کا لب لباب یہ تھا کہ......راجپوت دادا کی بیوی نے اپنے دیور وشال گپتا کو شوہر سے ہونے والی آخری گفتگو سے مطلع کیا، وشال گپتا نے شکلا اور کرن چاولہ سے بات کی۔ تبھی دھرمو کے موبائل فون نمبر کا تذکرہ ہوا اور انھوں نے موبائل فون نمبر کے ذریعے ہمیں تلاش کر لیا۔ دھرمو کو اندازہ نہیں تھا کہ دشمن ہماری تلاش میں اس حد تک جا سکتے تھے۔ چونکہ عام غنڈوں کی آپس کی لڑائیوں میں موبائل فون نمبر کے ذریعے دشمن کو ڈھونڈنے کا نہ تو رواج ہے اور نہ غنڈوں کے پاس ایسی سہولیات موجود ہیں۔ مگر وہاں روایتی غنڈوں کی جگہ ''را'' نے لے لی تھی۔ اور ان کے پاس انڈیا کی حد تک لامحدود وسائل تھے۔ شکلا کا براہ راست ''را'' سے تعلق نہیں تھا، مگر اس کے روابط بہت اونچی سطح تک تھے۔ اور بلاشبہ شکلا اور کرن چاولہ اتنی تگ ودو، میرے اور لورا کے لیے کر رہے تھے۔ بلکہ اصل ہدف لورا براؤن تھی۔ شکلا جیسے جنسی بھیڑیے کے لیے لورا نہ صرف عیش وعشرت کا سامان تھی بلکہ دولت کے پجاری کو ایس آرون رائفلیں بھی چاہیے تھیں۔ ایک پاکستانی جس پر جاسوس ہونے کا الزام تھا اس کی اہمیت بھی گو کم نہ تھی مگر پہلا نمبر تو دولت کا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے جاسوس تو دونوں ممالک آئے روز پکڑتے رہتے ہیں۔
ہمارا رخ ممبئی کے بجائے کسی اور جانب تھا۔ کیوں کہ ممبئی کا رخ کرنے پر راستے میں دشمن سے ٹکراؤ ممکن تھا۔ سفر گھنٹا

بھر جاری رہا۔علاقہ ان دیکھا تھا،اس لیے کوئی اندازہ نہ تھا کہ رخ کدھر کو ہے۔سفر کا اختتام ایک آبادی پر ہوا۔غیر ملکی ا
مضافاتی علاقہ دور دور تک مختلف قانونی وغیر قانونی آبادیوں سے اٹا پڑا ہے۔خالی جگہ کم ہی نظر پڑتی ہے۔غیر ترقی یافتہ
گاؤں کے بیچوں بیچ ایک درمیانہ سا مکان تھا جس میں تین ہی کمرے تھے۔وہ دھرمو دادا کے ایک کارندے منیش کا مکان
تھا جہاں اس کی بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ موجود تھی۔اس کی بیوی، بچوں اور لورا کو ایک کمرے میں کر دیا اور باقی
کمروں میں ہم برابر تقسیم ہو کر ٹھہر گئے۔اتنی چارپائیاں موجود نہیں تھیں کہ تمام کو کافی ہوتیں،فرش پر چٹائیاں بچھا کر بھی
نیچے ہی لیٹ گئے تھے۔ہم طلوع آفتاب سے چند لمحے پہلے ہی وہاں پہنچے تھے۔دوپہر تک بے خبر سوئے رہے۔اٹھ کر
باری باری تازہ دم ہوئے،اتنی دیر میں کھانا تیار ہو گیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ کسی مستقل رہائش کا بندوبست کرنے کا سوچنے لگے۔کیوں کہ دھرمو دادا کے سبھی اڈے تو
ایجنسیوں کی نظر میں تھے۔اور اس چھوٹے سے مکان میں بھی مستقل قیام ممکن نہ تھا۔

میں ان کی گفتگو میں مخل ہوا۔

''دھرمو دادا! بہتر ہوگا''را'' سے ٹکر نہ لو۔انڈیا میں رہ کر را کے مفادات سے ٹکرانا ایسا ہے گویا پانی میں مگرمچھوں کے
جھنڈ سے مقابلہ کرنا۔پولیس،فوج،ایجنسیاں،نیم سرکاری،سول ادارے یہاں تک کہ راجپوت جیسے دادا بھی تمھارے
خلاف صف آراء ہو جائیں گے۔''

وہ مستفسر ہوا۔''کہنا کیا چاہتے ہو؟''

میں نے وضاحت کی۔''ہمارا ساتھ یہیں تک تھا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''تم نے دھرمو کے ظرف کا غلط اندازہ لگایا ہے۔''

میں متبسم ہوا۔''میں اپنی حفاظت کو تم سے علیحدہ ہو رہا ہوں جناب! تمھارا ساتھ محفوظ نہیں رہا۔کیوں کہ تمھارے
ایک کارندے کا پکڑا جانا ہماری شامت لا سکتا ہے۔''

مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے گھورتے ہوئے وہ مصر ہوا۔''یقین مانو صرف مسلم ہی مخلص نہیں ہوتے، ہندوؤں میں
بھی قربانی دینے والوں کی کمی نہیں ہے۔''

''اگر تمھارے جان دینے سے ہم بچ جاتے تو میں علیحدہ ہونے کا فیصلہ کبھی نہ کرتا۔مگر حقیقت یہی ہے کہ''را
''تمھاری راہ پر لگ گئی ہے۔اور صرف تمھارا مخلص ہونا کافی نہیں ہے۔اپنے ہر آدمی کے خلوص کی یقین دہانی تم نہیں کرا
سکتے۔اور بالفرض تمھارے سارے ساتھیوں کو مخلص مان بھی لیا جائے تو صرف ہمارے لیے یہ تمام کیوں پولیس و ایجنسیوں
سے چھپتے پھریں۔''

وہ فلسفیانہ انداز میں بولا۔''جرم کی دنیا اپنانے والے کو سب سے پہلے روپوشی کی تربیت لینا پڑتی ہے۔''

''عام جرم اور دیش دروہی (وطن سے غداری) میں فرق ہے۔عام مجرم تھانے میں بیٹھ کر پولیس والوں سے گپ
شپ کرتے ہیں اور پولیس کو مطلوب بھی ہوتے ہیں۔''

وہ شاکی ہوا۔''تو کیا تم جاسوس ہو۔''

میں نے کہا۔''تمھاری سرکار یہی سمجھتی ہے۔اور بھارتی ناگر (بھارتی شہری) ہونے کے ناتے تمھارا بھی یہی فرض بنتا
ہے کہ جو تمھاری سرکار سمجھتی ہے،تم بھی وہی مانو۔''

اس نے متنبہ کیا۔''کیوں اپنی مشکلات بڑھانا چاہتے ہو۔''

''یقین مانو تم سے علیحدہ ہو کر ہماری مشکلات میں کمی آئے گی۔ہمیں چھپنا بھی آتا ہے اور اپنی حفاظت بھی کر سکتے

ہیں۔باقی کبھی تمھاری مدد کی ضرورت پڑی تو تکلف نہیں کریں گے۔“

چند لمحے گہری سوچ میں کھوئے رہنے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلایا۔”جیسا تم چاہو۔“

میں نے بے تکلفی سے مطالبہ کیا۔”ہمیں ایک برقع، کوئی ایسی کار جو تمھارے کسی مشہور بندے کے نام پر نہ ہو اور تھنڈر بولٹ چاہیے۔“

اس نے تصدیق چاہی۔”تھنڈر بولٹ، وہی دور مار رائفل ہے نا۔“

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے مشورہ دیا۔”اگر اپنی ساتھی کو چھپانے کی غرض سے برقع درکار ہے، تو بہتر ہوگا اس کا حلیہ تبدیل کردو۔“

میں نے خوشگوار حیرانی سے پوچھا۔”کیا یہ ممکن ہے؟“

وہ خوش دلی سے بولا۔”تمھارے گمان سے بھی بڑھ کر۔بھگوان کی کرپا سے روپ بدلنے کا ماہر (میک اپ والا) یہیں پر موجود ہے۔“

میں مسرت سے بولا۔”پھر نئی شکلوں کے مطابق ہمیں شناختی کاغذات بھی چاہیے ہوں گے۔“

”بے فکر رہیں۔“اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

●

شام تک ہمارا حلیہ تبدیل ہو چکا تھا لیکن شناختی کارڈ وغیرہ بننے کو ایک دن چاہیے تھا۔پاکستان کی طرح انڈیا میں بھی جعلی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ بنانا نہایت آسان ہے بہ شرط جیب میں رقم اور تھوڑا بہت اثر رسوخ ہو۔بلکہ رقم اثر رسوخ سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔

لورا اب کالے بالوں والی، سانولے رنگ کی دوشیزہ کا روپ دھار چکی تھی۔اس کی ستواں ناک میں مخصوص سپرنگ ڈال کر نسبتاً موٹا کر دیا تھا۔بھوری آنکھیں لینز سے سیاہ ہوگئی تھیں۔بالوں میں سرسوں کا تیل چپڑ کر چوٹی باندھی گئی۔کھلی شلوار قمیص اور سر پر دوپٹا اوڑھ کر جب اس نے آئینے میں اپنی ہیئت کذائی دیکھی تو خوب قہقہے لگائے تھے۔اگر اس کے آئینہ دیکھنے سے پہلے تصویر نکال کر اسے دکھائی جاتی تو وہ خود کو نہ پہچانتی۔میرے حلیے میں بھی مناسب تبدیلی ہوگئی تھی۔

بہروپ کے ماہر سے ہم نے جلد کا رنگ تبدیل کرنے والے دو تین اقسام کے لوشن، مختلف رنگ کے آنکھوں کے عدسے، دو تین وگیں، نقلی داڑھی مونچھ، ناک میں ڈالنے کے مخصوص اسپرنگ، مصنوعی جبڑے اور چند دوسری چیزیں لے لیں جو ہم خود استعمال کر کے اپنا حلیہ تبدیل کر سکتے تھے۔اس ماہر نے گھنٹے ڈیڑھ میں ہمیں اس قابل کر دیا تھا کہ اپنے چہرے میں مناسب تبدیلیاں لا کر اصلیت چھپا لیتے۔ان لوازمات کے نام وغیرہ بھی میں نے ذہن نشین کر لیے کہ یہ چیزیں جاسوس کی زندگی کے لیے جز ولاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں۔نہ جانے انصاری صاحب نے اس متعلق کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔شاید ان کے نزدیک ہم اس کام سے پہلے سے واقف تھے۔

دھرمو نے میری تمام ضروریات پوری کر دی تھیں اور آئندہ رابطے کو چند نمبر بھی بتلائے جو میں نے ذہن نشین کر لیے تھے۔شناختی کاغذات کے مطابق میرا نام انوپ مشرا اور لورا براؤن کا کویتا پٹیل تھا۔

جانے سے پہلے میں نے تاکید کی۔

”اب چھپنا چھوڑو اور کسی اڈے پر چلے جانا۔ہماری شناخت سے لاعلمی کا اظہار کرنا بہتر رہے گا۔کہنا ہم خود تمھارے پاس آئے تھے اور راجپوت دادا کو پکڑنے کی شرط پر تم سے معاہدہ ہوا تھا۔مقابلے کی کوشش کرنا بے وقوفی ہو گی۔تمھارے ساتھی ہماری اصلیت سے یوں بھی ناواقف ہیں۔امید ہے چند دن کی تفتیش کے بعد تمھیں چھوڑ دیں

گے۔خواہ مخواہ کا دردسر مول لینا یقیناً انھیں گوارا نہ ہوگا۔''

وہ مسکرایا۔''پتاجی (ابوجان) بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں ان ایجنسیوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ [illegible] سے جان چھوٹنے پر انھیں سنبھالنا مشکل نہ ہوگا۔''

میں جوابی قہقہے کے ساتھ بغلگیر ہوا۔طلوع آفتاب کے ساتھ ہم نکل آئے۔دھرمو دادا نے ایک پرانی ٹیکسی ہمارے حوالے کی تھی۔جو اسی گاؤں میں کسی سے خریدی تھی۔ڈگی میں اپنا سامان بھر کر ہم چل پڑے۔میں نے لورا کو خاموش رہنے کی تاکید کی تھی کہ اب اس کی پہچان زبان کھولنے سے ہوناتھی ورنہ اس کی شکل بالکل ہی تبدیل ہوگئی تھی۔

ممبئی زیادہ دور نہیں تھا،لیکن اس شہر کی آبادی اتنی گنجان ہے اور شہر نے اتنا پھیلاؤ اختیار کرلیا ہے کہ اندرون شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جانے پر گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔وقت کی کمی نہیں تھی کہ تیزی کرتے۔حلیہ ہمارا ایسا تھا کہ نگاہوں کا مرکز نہیں بن سکتے تھے۔دو تین جگہوں پر پولیس والوں نے روکا مگر بابا قائد اعظم کی طرح ان کے عینک والے بابا،مہاتما گاندھی کی تصویر میں بھی بڑی طاقت چھپی ہے۔سو روپے کے نوٹ نے پولیس والے کی درشتی خوشگوار مسکراہٹ میں تبدیل کردی تھی۔ٹیکسی کے کاغذات جانچنا تو درکنار انھوں نے ہمارا نام پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

اس بار رہائش کو میں نے ایک ساحلی بستی میں چھوٹی سے کھولی ڈھونڈی تھی۔ایک کمرہ،بیت الخلاء،مختصر سا صحن اسی میں رسوئی (باورچی خانہ) بنی تھی۔وہ ایسا علاقہ تھا جہاں ننگ دھڑنگ بچے بچیوں کی بہتات تھی۔جگہ جگہ گندا پانی کھڑا تھا،غلاظت پھیلی تھی۔لورا نے ناک بھوں چڑھائی۔مجھے اس کی طبیعت صاف کرنا پڑی۔

''اگر زیادہ ہی عیش و آرام اور سہولتوں کا شوق ہے تو شکلا کی خواب گاہ بہتر رہے گی۔''

وہ برہم ہوئی۔''ریچا کے منہ سے بکواس نہ نکلے،ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔''

میں نے جھڑکا۔''انڈیا میں اپنی موجودی کی وجہ پر غور کرنے کے بعد ہی منہ کھولا کرو۔''

اس نے منہ بنایا۔''اس غلیظ جگہ کے علاوہ بھی چھپنے کو کئی مقام ہوں گے۔''

میں نے کھولی میں نظریں دوڑاتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔''تو ڈھونڈ لو۔''

وہ دھمکانے والے انداز میں بولی۔''تمھارے بار بار کے طعنوں سے تنگ آکر میں کسی دن سچ مچ علیحدہ ہو جاؤں گی۔''

میرا قہقہہ بلند ہوا۔''کیا لگتا ہے مجھے کوئی فرق پڑے گا۔''

زبان نکال کر میرا منہ چڑاتے ہوئے اس نے بدبودار و میلے کچیلے بستر کو لپیٹ کر نیچے پھینکا۔''اس غلاظت پر سونے سے بہتر ہے میں گرفتاری دے دوں۔''

''روکا کس نے ہے۔''

وہ شاکی ہوئی۔''تم نئے بستر بھی نہیں خرید سکتے؟''

میں اطمینان سے بولا۔''سارا پیسا تمھارے علاج پر خرچ ہوگیا ہے۔''

وہ طعنہ زن ہوئی۔''شاید احسان جتانے کے علاوہ تمھیں کچھ نہیں آتا۔''

میں [illegible] بولا۔''اور تمھاری زبان شکوے شکایت کے علاوہ کچھ نہیں بول سکتی۔''

وہ [illegible] بولی۔''[illegible] ہیں انہیں۔''

میں [illegible] تو لے دوں گا [illegible] ہونے والے شوہر کو دکھانا۔''

وہ [illegible] سے گھورتی رہی تھی۔میں [illegible] ہوئے باہر نکل آیا۔ایس آر ڈن اور تھنڈر بولٹ میں نے ٹیکسی کی

ڈگی میں قفل کر دی تھیں، تا کہ حادثاتی طور پر بھاگنے کی صورت میں انھیں نہ سنبھالنا پڑے۔ٹیکسی کی ظاہری حالت اتنی گئی گزری تھی کہ کوئی اسے چرانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

بازار قریب ہی تھا آدھے گھنٹے میں میں نئے کمبل، بستر کی چادریں اور تکیے اور ٹی وی وغیرہ خرید لایا تھا۔دو چارپائیوں پر نئے بستر بچھا کر ہم دروازہ اندر سے کنڈی کر کے لیٹ گئے۔اب اگلا لائحہ عمل طے کرنا تھا۔میں شکلا کو ڈھونڈ کر قتل کرنے پر مصر تھا اور لورا پہلے اس سے رقم بٹورنے کی متمنی تھی۔

''ریجا، مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔اس سوّر کی سزا صرف موت نہیں بنتی۔اسے میری بربادی کا بھی حساب دینا ہوگا۔''

''تمھاری بربادی کی سزا تو اس کی موت ہوگئی اور رقم کس خوشی میں وصول کرو گی۔''

''کیوں کہ مجھے اس نے سودے کو بلایا تھا اور مکر گیا۔''

میں طنزیہ لہجے میں بولا۔''تم کون سا ایمان داری سے سودا کرنے آئی تھیں۔''

وہ بپھرتے ہوئے بولی۔''تم میرے ساتھ ہو یا شکلا کے۔''

''میں عدل کے ساتھ ہوں۔''

وہ استہزائی انداز میں بولی۔''ایک ملک کی سرحد غیر قانونی طور پر عبور کر کے اس کے رازوں کو چرانا عدل وانصاف کی کون سی قسم ہے۔''

''گو میں راز چرانے نہیں آیا، اگر آیا ہوتا تب بھی عدل کے منافی نہ تھا کہ ایسا اپنے ملک کی خاطر کیا جاتا ہے۔ورنہ سرکاری رازوں کا کسی عام بندے نے اچار تھوڑی ڈالنا ہوتا ہے۔''

وہ خفگی سے بولی۔''روزانہ کی چوں...... چوں سے بہتر ہے مجھے اکیلا ہی چھوڑ دو۔''

میں شرارتی لہجے میں بولا۔''چھوڑ دیتا،بس ڈیٹ کا لالچ روکے ہوئے ہے۔''

وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔''ریجا ایک بات یقینی ہے،تم نے مرنا میرے ہی ہاتھوں ہے۔''

''شکلا کے بعد ہی نمبر لگانا ورنہ اکیلی رہ جاؤ گی۔''

وہ برجستہ بولی۔''تمھارے رویے سے تو ایسا نہیں لگتا کہ شکلا کی باری پہلے آئے گی۔''

اگلے تین چار دن ہم نے اسی کھولی میں گزارے۔حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کو میں نے ٹی وی سیٹ کر کے لگا دیا تھا۔تین چار دن بعد ہم نے کرن چاولہ کے دفتر کی نگرانی شروع کر دی۔ٹیکسی کی ڈگی میں سنائپر رائفلیں لے کر پھرنا خطرے سے خالی نہ تھا،مگر ہمارا حلیہ ایسا تھا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔یوں بھی ہماری کوشش یہی ہوتی تھی کہ ٹیکسی کسی پارکنگ میں کھڑی کر کے نگرانی کریں۔ہم لمبے مباحثے کے بعد لائحہ عمل طے کر چکے تھے۔کرن شکلا مشکل ہدف تھا۔اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہ تھا۔تبھی ہم کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

کرن چاولہ بہ ظاہر درآمدات، برآمدات (امپورٹ ایکسپورٹ) کے کاروبار سے منسلک تھا۔کمپنی دفتر میں اس کی آمد بھی گاہے گاہے ہوتی اور وہ زیادہ دیر بیٹھتا بھی نہیں تھا۔صبح نو بجے اس کی آمد ہوتی۔گھنٹا ادھ وہاں بیٹھ کر غائب ہو جاتا۔میں نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کیوں کہ بعید نہ تھا وہ تعاقب سے باخبر ہو جاتا،یوں ہمیں لینے کے دینے پڑ جاتے۔متا دیدی بھی دو تین بار نظر آئی تھیں۔

منصوبہ سوچنے کے بعد ہم عمل کو تیار تھے۔پہلے مرحلے میں کرن چاولہ کے دفتر کے سامنے کوئی بلند مقام ڈھونڈنے کی

ضرورت تھی۔ اوراس کے لیے ہمیں زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی کیوں کہ اس کے جوانب میں چند سو میٹر کے دائرے میں
اونچی عمارات موجود تھیں۔ ہم نے کئی عمارتوں کی قراولی (فوجی مقاصد میں کارروائی سے پہلے ہدف کی دیکھ بھال
لیا جاتا ہے تاکہ منصوبے میں موجود کمیوں، کجیوں اور خامیوں کو درست کیا جا سکے) کے بعد دو جگہوں کا چناؤ کیا تھا۔
چھ منزلہ رہائشی عمارت تھی اس کی چھت سے ہم کامیاب کارروائی کر سکتے تھے۔ دوسرا ہوٹل تھا اس کی چوتھی، پانچویں
منزل اور چھت سے ہدف صحیح نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ عمارات کی چھتیں قابل استعمال تھیں مگر ہوٹل
مناسب تھا کہ وہاں کسی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور ایک سنائپر کو سب سے زیادہ یکسوئی کی ضرورت
ہے۔ تبھی باہم مشورے سے ہم نے ہوٹل کو چنا۔ خالی کمرہ ہمیں چھٹی منزل پر مل سکا تھا۔ اگلے دن ہم کارروائی کو تیار
آرون کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں موجود تھے۔ رائفل جوڑ کر میں نے کھڑکی پر لگائی اور شیشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ میں نے
زمین پر لیٹنے کے بجائے کرسی پر بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ کیوں کہ کھڑکی فرش سے بلند تھی۔ کرن چاولہ کو ہم نے پارکنگ میں
گھیرنے کا منصوبہ بنایا تھا کیوں کہ دفتر میں جانے کے بعد میں اس کی بے خبری میں اسے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس پر دھونس
نہیں جما سکتا تھا۔ البتہ پارکنگ کم از کم اتنی وسیع ضرور تھی کہ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ پارکنگ کا ہوائی فاصلہ ساڑھے سات
سو میٹر تھا۔ اور اتنے فاصلے پر ایس آرون کے ساتھ میں کسی بھی شخص کی کھوپڑی تو کجا آنکھ کو بھی نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا
تھا۔

مکمل تیاری کے بعد لورا براؤن دوربین سے کرن چاولہ کے دفتر کا جائزہ لینے لگی۔ میں نے سپاٹر اسکوپ اٹھا
لی۔ (سپاٹر اسکوپ کو بھی ایک طرح کی دوربین سمجھ لو)

لورا بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔ ''آدھا گھنٹا باقی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وقت کا بڑا پابند ہے کم بخت۔''

وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔ ''یہ پابندی کبھی کبھار نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ دشمنوں کو منصوبہ بنانے میں
آسانی ہوتی ہے۔''

میں ہنسا۔ ''وقت کی پابندی نہ کرنے والا بھی دشمنوں سے بچ نہیں سکتا۔ منصوبہ بنانے والے سب سے پہلے ہدف کی
عادات و روزمرہ جانچتے ہیں اور اسی کے مطابق منصوبہ ترتیب دیتے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''تمھیں خواہ مخواہ نشانہ بازی کا شوق چڑھا ہے ورنہ رات کو اس کے دفتر کی تلاشی لی جا سکتی تھی۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''پہرے داروں سے نبٹ لیتے مگر تجوری کھولنا اتنا آسان نہیں ہے، تبھی مجھے یہ منصوبہ
سوچنا پڑا۔''

لورا نے شرارت سے کہا۔ ''خطرے کا سامنا تو مجھے ہی کرنا پڑے گا نا۔''

میں نے پیش کش کی۔ ''یہ ذمہ داری سنبھالو، تمھاری جگہ میں چلا جاؤں گا۔''

''شاید خود کو مجھ سے بہتر سنائپر سمجھ رہے ہو اور میں تمھاری غلط فہمی دور کر سکتی ہوں۔''

میں نے منہ بنایا۔ ''میرا خیال ہے ذمہ داریاں ہم نے مل کر بانٹی تھیں۔''

مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ ''پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور میرا خیال ہے جانے کا وقت ہو گیا
ہے۔''

اس کے باہر نکلتے ہی میں نے دروازہ اندر سے قفل کیا اور اپنی جگہ سنبھال لی۔ سنائپروں میں ایک یکساں عادت یہ
ہوتی ہے کہ شکار کی آمد سے بہت پہلے مورچہ سنبھال لیتے ہیں۔ کسی مجبوری کی وجہ سے گھات میں بیٹھنے میں دیر ہو جائے تو

ضرورت تھی۔ اور اس کے لیے ہمیں زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی کیوں کہ اس کے جوانب میں چند سو میٹر کے دائرے میں کئی اونچی عمارات موجود تھیں۔ ہم نے کئی عمارتوں کی قرا ولی (فوجی مقاصد میں کارروائی سے پہلے ہدف کی دیکھ بھال اور جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ منصوبے میں موجود کمیوں، کجیوں اور خامیوں کو درست کیا جا سکے) کے بعد دو جگہوں کا چناؤ کیا تھا۔ ایک چھے منزلہ رہائشی عمارت تھی اس کی چھت سے ہم کامیاب کارروائی کر سکتے تھے۔ دوسرا ہوٹل تھا اس کی چوتھی، پانچویں، چھٹی منزل اور چھت سے ہدف صحیح نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ عمارات کی چھتیں قابل استعمال تھیں مگر ہوٹل سب سے مناسب تھا کہ وہاں کسی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور ایک سنائپر کو سب سے زیادہ یکسوئی کی ضرورت رہتی ہے۔ تبھی باہم مشورے سے ہم نے ہوٹل کو چنا۔ خالی کمرہ ہمیں چھٹی منزل پر مل سکا تھا۔ اگلے دن ہم کارروائی کو تیار اور ایس آر دن کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں موجود تھے۔ رائفل جوڑ کر میں نے کھڑکی پر لگائی اور شیشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ میں نے زمین پر لیٹنے کے بجائے کرسی پر بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ کیوں کہ کھڑکی فرش سے بلند تھی۔ کرن چاولہ کو ہم نے پارکنگ میں گھیرنے کا منصوبہ بنایا تھا کیوں کہ دفتر میں جانے کے بعد میں اس کی بے خبری میں اسے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس پر دھونس نہیں جما سکتا تھا۔ البتہ پارکنگ کم از کم اتنی وسیع ضرور تھی کہ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ پارکنگ کا ہوائی فاصلہ ساڑھے سات سو میٹر تھا۔ اور اتنے فاصلے پر ایس آر دن کے ساتھ میں کسی بھی شخص کی کھوپڑی تو کجا آنکھ کو بھی نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

مکمل تیاری کے بعد لورا براؤن دوربین سے کرن چاولہ کے دفتر کا جائزہ لینے لگی۔ میں نے سپاٹر اسکوپ اٹھا لی۔ (سپاٹر اسکوپ کو بھی ایک طرح کی دوربین سمجھ لو)

لورا بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔ ''آدھا گھنٹا باقی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وقت کا بڑا پابند ہے کم بخت۔''

وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔ ''یہ پابندی کبھی کبھار نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ دشمنوں کو منصوبہ بنانے میں آسانی ہوتی ہے۔''

میں ہنسا۔ ''وقت کی پابندی نہ کرنے والا بھی دشمنوں سے بچ نہیں سکتا۔ منصوبہ بنانے والے سب سے پہلے ہدف کی عادات و روزمرہ جانچتے ہیں اور اسی کے مطابق منصوبہ ترتیب دیتے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''تمھیں خواہ مخواہ نشانہ بازی کا شوق چڑھا ہے ورنہ رات کو اس کے دفتر کی تلاشی لی جا سکتی تھی۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''پہرے داروں سے نبٹ لیتے مگر تجوری کھولنا اتنا آسان نہیں ہے، تبھی مجھے یہ منصوبہ سوچنا پڑا۔''

لورا نے شرارت سے کہا۔ ''خطرے کا سامنا تو مجھے ہی کرنا پڑے گا نا۔''

میں نے پیش کش کی۔ ''یہ ذمہ داری سنبھالو تمھاری جگہ میں چلا جاؤں گا۔''

''شاید خود کو مجھ سے بہتر سنائپر سمجھ رہے ہو اور میں تمھاری غلط فہمی دور کر سکتی ہوں۔''

میں نے منہ بنایا۔ ''میرا خیال ہے ذمہ داریاں ہم نے مل کر بانٹی تھیں۔''

تکرار سمیٹتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ ''پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور میرا خیال ہے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔''

اس کے باہر نکلتے ہی میں نے دروازہ اندر سے قفل کیا اور اپنی جگہ سنبھال لی۔ سنائپروں میں ایک یکساں عادت یہ ہوتی ہے کہ شکار کی آمد سے بہت پہلے مورچہ سنبھال لیتے ہیں۔ کسی مجبوری کی وجہ سے گھات میں بیٹھنے میں دیر ہو جائے تو

علیحدہ بات ہے ورنہ کئی کئی گھنٹے ہدف کے انتظار میں لیٹے گزار دیتے ہیں۔ کیوں کہ ہدف کی ذرا سی بے قاعدگی سے سارا منصوبہ چوپٹ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یوں بھی سنائپر کا ہدف ہمیشہ خصوصی شخصیت ہوتی ہے۔ اور ایسے اہم افراد کے خلاف کارروائی کا موقع بار بار نہیں ملتا۔

جلد ہی لورا پارکنگ کے قریب پہنچتی نظر آئی۔ اس وقت اس نے عارضی طور پر بہروپ ختم کر دیا تھا کیوں کہ ہم نہیں چاہتے کرن چاولہ کو اس کے بدلے ہوئے حلیے سے واقفیت ہو۔ البتہ چہرے پر اس نے ماسک ضرور پہن لیا تھا۔ لیکن ماسک کی وجہ سے بہ مشکل آدھا چہرہ ہی چھپ رہا تھا اور بعید نہ تھا کہ کرن چاولہ جیسا شاطر اسے پہلی نظر میں نہ پہچان پاتا۔ مگر اسے چھپنے کی ضرورت ہوتی تو وہ اصل حلیے میں نہ آتی۔

میں شرارت سے بولا۔ ''دور سے کافی پرکشش دکھتی ہو۔''

''کیا یہ وقت ایسی باتوں کا ہے۔'' اس کی خفگی بھری آواز میرے کانوں میں پہنچی۔ ہمارا رابطہ وائرلیس سیٹ کے ذریعے قائم تھا۔ وائرلیس کی بلند آواز کو چھپانے کو ہم نے ''ایئر فون'' لگائے ہوئے تھے۔ متبادل ذریعہ ہمارے موبائل فون تھے۔

میں ہنسا۔ ''چلو تمھی بتا دو ایسی باتوں کا وقت کون سا ہوتا ہے۔''

وہ تپتے ہوئے بولی۔ ''ابھی تمھارے قریب موجود تھی تب بکواس کرتے ناں، تاکہ اچھی طرح طبیعت صاف کرتی۔''

''کہا تو ہے دور سے اچھی لگ رہی ہو، قریب سے تو بھوتنی لگتی ہو۔''

وہ برہم ہوئی۔ ''تمھیں ایسے موقعوں پر اتنی بکواس کیسے سوجھ جاتی ہے۔''

میں سپائپر سائیٹ سے اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ پارکنگ کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ وہ کالے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں تھی۔ اس کے چلنے کا انداز اور رکھ رکھاؤ ایسا نہیں تھا کہ چوکیدار تعرض کرتا۔ اور پھر اس کا یورپین ہونا تو سونے پر سہاگا تھا۔

دروازے میں داخل ہوتے وقت اس نے گھڑی دیکھی، غیر ارادی طور پر میری نظریں بھی اپنی کلائی کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ کرن چاولہ کی آمد میں ایک دو منٹ ہی باقی تھے۔ وہ ٹھیک نو بجے یا ایک دو منٹ کے فرق سے وہاں پہنچ جاتا تھا۔ لورا دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے پارکنگ سے دفتر کی عمارت کو جانے والے رستے پر چلتے ہوئے سیڑھیوں تک پہنچی اور پھر واپس مڑ گئی۔ اسی دم کرن چاولہ کی کالے رنگ کی کار پارکنگ میں داخل ہوئی۔

سپائپر اسکوپ نیچے رکھ کر میں ایس آرون کے پیچھے بیٹھ گیا تھا۔ رائفل کا بٹ دائیں کندھے میں دبا کر میں ٹیلی اسکوپ سائیٹ کے عدسوں سے غلاف (کور) ہٹائے، ایک نظر ایلیویشن اور ڈیفلیکشن ناب کا جائزہ لے کر رینج کی درستی کی تصدیق کی اور پھر بائیں آنکھ بند کر کے دائیں گال کو بٹ پر ٹیک دیا۔ اب میں فائر کرنے کو تیار تھا۔ لورا کی کال میرے موبائل فون پر موصول ہوئی۔ کال وصول کر کے میں نے ''ہینڈ فری'' کان میں لگا لیا۔ وائرلیس سیٹ پر بات کرنے والے کو بٹن دبانے کی زحمت کرنا پڑتی ہے تبھی اس نے موبائل فون پر کال کی تھی۔

کار پارک کر کے وہ باہر نکلا۔ مخصوص ''کی چین'' کا بٹن دبا کر اس نے کار قفل کی۔ اور دفتر کی طرف بڑھا۔ لورا اس کے انتظار میں تھوڑا دور رک گئی تھی۔ چند قدم لیتے ہی اس کی نظریں لورا کی طرف اٹھیں، وہ ٹھٹک کر رکا اور ایک دم ہولسٹر سے پستول اس کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات میں چیتے کی سی پھرتی اور عقاب کی سی تیزی تھی۔ بلاشبہ وہ سخت حریف تھا۔

اس کا استہزائی قہقہہ بلند ہوا۔ ''واہ! جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں ..... وہ تو خود چل کر میرے

پہنچ گئی۔'' یہ اس نے با آواز بلند کہا تھا۔ بالکل ہلکی سی آواز میرے کانوں تک پہنچی تھی۔
میں کسی ایسے ہی لمحے کا منتظر تھا۔ بغیر وقت ضائع کیے اس کے پستول پر شست سادھی اور لبلبی دبا دی۔ گولی نے ہدف کو
ونے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ زوردار جھٹکے سے پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔
لورا ہنسی۔ ''مسٹر! تم اس وقت ایس ایس کے نشانے پر ہو۔ ایک قدم بھی آگے، پیچھے کیا تو وہ زندگی کی آخری حرکت
سکتی ہے۔''
کرن کا سر گھوما اور نظریں ہوٹل کی عمارت کی طرف اٹھیں۔ اس نے اطمینان بھرے انداز میں کچھ پوچھا، مگر آواز
یرے کانوں تک نہیں پہنچی تھی۔
''یہ جان کاری تمھارے کس کام کی۔'' لورا کی آواز مجھے واضح سنائی دی تھی۔
اسی وقت ایک کار پارکنگ میں داخل ہوئی۔ مگر میرا پورا دھیان کرن پر تھا۔ وہ شاطر کوئی چال بھی چل سکتا تھا۔ میں
نے لورا براؤن کو اس سے فاصلہ رکھنے کی تاکید کی تھی کیوں کہ وہ اسے یرغمال بنانے کی کوشش کر سکتا تھا۔
کرن نے پھر کچھ پوچھا۔ مگر مجھے آواز سنائی نہیں دی تھی۔ لورا نے موبائل فون اس کی جانب اچھالا۔
''یہ لو خود بات کر لو۔''
موبائل ہوا میں پکڑتے ہوئے اس نے کان سے لگایا اور بغیر کسی تمہید کے بولا۔ ''تمھیں اپنی دیدی کے مشورے پر
عمل کر لینا چاہیے تھا۔''
''کرن چاولہ! تم چند لمحوں کے مہمان ہو، کوئی آخری خواہش۔'' میں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ مگر وہ شاطر اتنی
جلدی سے میرے جال میں نہیں آ سکتا تھا اطمینان سے بولا۔
''یہی بتانے کو اپنی محبوبہ کو خطرے میں جھونکا ہے۔''
''ہاں کیوں کہ مارنے سے پہلے یاد بھی کرانا تھا کہ تم کس کے ہاتھوں انجام کو پہنچ رہے ہو۔''
وہ بے خوفی سے بولا۔ ''تمھاری دیدی تمھیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔''
میں نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ ''کون سی دیدی اور کہاں کی بہن۔ ایک مطلب پرست، خود غرض لڑکی میری بہن
نہیں ہو سکتی۔''
''احسان فراموش اس کی وجہ سے تمھیں فرار کا موقع ملا ہے۔''
''اس کی وجہ سے کیسے؟'' میں نے حیرانی ظاہر کی۔
''مورکھ (نادان) تمھاری محبت میں اتنی اندھی تھی کہ اسے پتا ہی نہ چلا تم نے کب اس کے بالوں سے چمٹی نکال
لی۔ اس کی خوش قسمتی کہ اس بات سے صرف میں واقف ہوں ورنہ اب تک اپنے کیریئر کو تباہ کر چکی ہوتی۔'' کرن چاولہ یقیناً
ہمارے فرار کی وجہ تک پہنچ گیا تھا۔
میں ہنسا۔ ''گویا تم تسلیم کرتے ہو کہ ایسا اس کی لاعلمی میں ہوا۔ پھر احسان کاہے کا؟''
''ریچا کام خراب ہو گیا ہے۔'' وائرلیس سیٹ سے لورا کی گھبرائی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔
''کیا ہوا۔'' میں نے فون کا رابطہ کاٹے بغیر پوچھا، کیوں کہ کرن چاولہ تک لورا کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لیکن لورا
کے جواب دینے سے پہلے میرے کانوں میں ایک اور آواز پڑی۔
''راہی! یہاں کیوں رکے ہو۔'' اچانک ہی میرے سر پر بم پھوٹا تھا۔ وہ ممتا دیدی کی آواز تھی۔ کرن چاولہ کا اصل
نام روہن تھا۔ عام لوگوں کے لیے وہ کرن چاولہ اور ممتا دیدی کے لیے روہن گجرال تھا۔

کرن چاولہ پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔ ”تمھارے راج کے نشانے پر ہوں۔“

”سمجھی نہیں۔“ انھوں نے حیرانی سے کہا۔ وہ بالکل کرن کے قریب کھڑی تھیں تبھی ان کی آواز میری سماعتوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ اسی دوران ان کی نظر چند قدموں کے فاصلے پر موجود لورا پر پڑی۔

”اوہ تو یہ بھگوڑی بھی یہاں موجود ہے۔“

”سنی! تمھارا راج ہوٹل میں بیٹھ کر مجھ پر نشانہ سادھے ہوئے ہے۔“ یقیناً کرن نے اس کے نام سنیتا کا اختصار کیا تھا۔

”کیا؟“ کرن کی نگاہوں کے تعاقب میں اس نے گردن ہوٹل کی کھڑکی کی جانب موڑی اور فوراً اسے اپنی آڑ میں لے لیا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے فون جھپٹ کر کان سے لگایا۔ ”راج سچ میں تم ہو؟“

میں نے پھیکے لہجے میں دھمکی دی۔ ”دیدی، بہتر ہوگا یہاں سے چلی جائیں۔ یہ نہ ہو مجھے غلط فیصلہ کرنا پڑے۔“ ممتا دیدی کی آمد ہمارے منصوبے پر پانی پھیرنے والی تھی۔

ان کی برہم آواز میرے کانوں میں پہنچی۔ ”گولی چلاؤ چھوٹے، دھمکیاں کسے دے رہے ہو۔“

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”دیدی! آخری بار تنبیہ کر رہا ہوں، میرے دشمن کے سامنے سے ہٹ جاؤ، ورنہ پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔“

”اوے! بے حیا، بے شرم، کمینے اپنی دیدی کو دھمکیاں دیتا ہے۔ سامنے ہوتے تو چماٹیں مار مار تمھارا تھوبڑا لال کر دیتی۔ وڈا اسنائپر...... چلاؤ گولی، میں بھی دیکھوں کتنے نشانہ باز ہو۔“

”سنی، مجھے بات کرنے دو۔“ کرن چاولہ نے اس سے موبائل لینے کی کوشش کی۔

”چھوڑو بات چیت کو، اسے گولی چلانے دو۔“ ممتا دیدی بپھر گئی تھیں۔ یہ ان کا غصہ نہیں مجھ پر اندھا اعتاد بول رہا تھا کہ میں ان پر گولی چلانے کا حوصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے رابطہ منقطع کرتے ہوئے لورا کو کہا۔ ”وہاں سے نکلنے کی کرو۔“

”کیا ہوا؟“ وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسی دم موبائل فون پر کال آنے لگی۔ ممتا دیدی، لورا کے موبائل فون سے کال کر رہی تھیں۔ میں نے ٹیلی اسکوپ سائیٹ سے اس کے چہرے پر نظریں دوڑاتے ہوئے کال وصول کی۔

”راج، فوراً میرے پاس پہنچو۔ تمھیں حکم دے رہی ہوں گرفتاری دے دو۔ میں تمھیں بہ حفاظت پاکستان پہنچاؤں گی۔ اس گوری چڑیل کا ساتھ دینا چھوڑ دو............“

”دیدی! آپ کب تک کرن چاولہ کو بچائیں گی۔ اور یاد رہے اگلی بار میں آپ پر بھی گولی چلانے سے نہیں رکوں گا۔“

”فضول کی بکواس بند کرو اور جو کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو۔“ اس کے نزدیک میری دھمکی کسی قابل نہیں تھی۔ میں نے کرن چاولہ کو موبائل فون کان سے لگاتے دیکھا۔ یقیناً یہ خطرے کی علامت تھی۔ لورا براؤن پارکنگ سے باہر آ گئی تھی۔ کرن چاولہ اسے روکنے کو ممتا دیدی کی آڑ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ نہ ممتا دیدی اسے چھوڑ کر لورا کو پکڑنے کی کوشش کر سکتی تھیں۔ میں رابطہ منقطع کیے بغیر سرعت سے رائفل کو سمیٹنے لگا۔ وہاں رکنا خطرناک تھا۔ گو ممتا دیدی کی موجودگی کے باوجود میں کوشش کرتا تو کرن چاولہ کے کسی نہ کسی عضو کو نشانہ بنا لیتا، مگر ایسا کرنے کی صورت میں ممتا دیدی کو گولی لگنے کا خطرہ بہ ہر حال موجود تھا۔ منہ بولی سہی، بہن تو تھی۔ اور بہنوں پر گولی چلانے والے انسان نہیں ہوا کرتے۔ یوں بھی ہمارا مقصد کرن چاولہ کی ہلاکت نہیں تھی۔ وہ را کا مخلص ایجنٹ تھا۔ اور ہم دہشت گرد نہیں تھے کہ شہر میں جا کر قتل و غارت کرتے پھرتے۔ ہم تو گن پوائنٹ پر اس سے شکلا کے خلاف دستاویزات لینا چاہتے تھے۔ اور ممتا دیدی نہ آتیں تو تقریباً کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

''دیدی! آپ ہمارے بیچ سے ہٹ کیوں نہیں جاتیں۔''

وہ شفقت بھرے لہجے میں بولیں۔ ''اچھا تم کمرہ نمبر بتاؤ، میں وہیں آرہی ہوں۔ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور مل کر کوئی لائحہ عمل طے کرتے ہیں۔ اپنے راج کو میں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے آجائیں۔ میں کمرہ نمبر 195 میں ہوں۔'' اس وقت میں سامان سمیٹ کر کمرے سے نکل رہا تھا۔ دیدی کو ایسے انداز میں کہا گویا اسے کرن کے سامنے سے ہٹنے کی ترغیب دے رہا ہوں۔''

''کھاؤ میرے سر کی قسم کہ میرے سامنے سے ہٹنے پر گولی نہیں چلاؤ گے۔''

''دیدی! یہ بحث وتکرار کا وقت نہیں ہے۔ ادھر آنا ہے تو جلدی کریں۔'' میں نے لفٹ میں داخل ہو کر فرشی منزل کا بٹن دبا دیا۔

''مجھے ٹیکسی مل گئی ہے۔'' لورا کی آواز میرے کانوں میں پہنچی۔ یقیناً وہ جلدی میں وہاں سے نکلنا چاہتی تھی تبھی میرے پاس آنے کی زحمت نہیں کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' انگریزی کے دو حرف (OK) میں نے اس انداز میں بولے کہ ممتا دیدی کو معلوم ہی نہ ہوا میں کسی اور کو مخاطب ہوں۔ انھیں لگا میں ان سے تصدیق چاہ رہا ہوں۔

''راج، مجھے دکھ دے کر تمھیں خوشی ملے گی۔ کیا بہنوں کے سہاگ، بھائیوں کے ہاتھوں اجڑا کرتے ہیں۔''

میں نے فضول تکرار کی۔ ''وہ آپ کا شوہر نہیں ہے۔ اس سے کئی گنا اچھے رشتے آپ کو مل جائیں گے۔ میری دیدی لاکھوں کروڑوں میں ایک ہے۔ ایسے ٹٹ پونجیے کی حیثیت ہی کیا ہے۔''

وہ روہانسی ہوئیں۔ ''رام قسم، بہت پٹو گے راج۔''

لفٹ سے نکل کر میں نے سرعت سے ہوٹل کا ہال عبور کیا اور پارکنگ میں پہنچ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ کرن چاولہ کے بندوں نے کب تک وہاں پہنچنا تھا۔ اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے میں دھیرے سے ہنسا۔

''دیدی، اپنا بہت سا خیال رکھنا اور کرن کو بتا دو خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرے، آپ کی آمد کے ساتھ ہی میں ہوٹل کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ کیوں کہ جانتا تھا آپ ایسا ہی کچھ کریں گی۔''

''راج! بات سنو.........'' وہ رابطہ قائم رکھنے پر مصر ہوئیں مگر میں نے موبائل فون کار سے باہر پھینک کر رفتار بڑھا دی۔ وہاں سے جلد از جلد دور نکلنے کی ضرورت تھی۔

''ہیلو۔'' میں نے لورا براؤں کو آواز دی، مگر اس کی جوابی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

''لورا۔'' میں نے بٹن صحیح طریقے سے دبا کر اسے دوبارہ پکارا۔ مگر جواب ندارد۔ یقیناً وہ وائرلیس کے ملاپ کی حد سے باہر تھی۔ اچانک ایک اور انکشاف ہوا کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا لورا کی ٹیکسی کا رخ کس جانب تھا۔ اب اپنے ٹھکانے پر جا کر ہی ملاقات ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ اس کا موبائل فون ممتا دیدی کے پاس رہ گیا تھا اور اپنا موبائل فون میں نے خطرے سے بچنے کو پھینک دیا تھا۔

دو تین کلو میٹر تک تو میں چوکنے انداز میں اپنے تعاقب اور اطراف پر نظر رکھے رہا، مگر کوئی مشکوک گاڑی یا موٹر سائیکل وغیرہ نظر نہ آنے پر مطمئن ہو گیا تھا۔

ہدف کی ہر طرح سے نگرانی کر کے ہم نے کامیاب منصوبہ ترتیب دیا تھا، مگر ممتا دیدی کی مداخلت کا خطرہ منصوبے میں شامل نہیں کر سکے تھے۔ امید ہی نہ تھی کہ وہ یوں اچانک ٹپک پڑیں گی۔ کرن چاولہ کے لیے اس کی آمد نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی تھی۔

گھنٹا ڈیڑھ بعد میں جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ کار کو مخصوص مقام پر کھڑا کر کے میں کھولی میں داخل ہوا، لورا اب تک نہیں پہنچی تھی۔ میں بستر پر لیٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ معلوم ہی نہ ہوا کب آنکھ لگی۔

جاگنے پر گھڑی دیکھی، سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ اتنی دیر لورا کا غائب رہنا حیرانی کے ساتھ خطرے کا بھی باعث تھا۔ ایک سنائپر کو اپنا ٹھکانہ ڈھونڈنے میں مسئلہ نہیں ہوسکتا۔ یقیناً وہ ایجنسی کے ہتھے چڑھ گئی تھی یا کسی مشکل میں پھنسی تھی۔

اب کھولی میں پڑے رہنا خطرے سے خالی نہ تھا، کیوں کہ اس کے پکڑے جانے کی صورت میں یہاں کا پتا اگلوانا مشکل نہ ہوتا۔ یہ بھی ممکن تھا اب تک میں گھیرے میں آچکا ہوتا۔ تربیت یافتہ ہونے کے باوجود ایک بنیادی غلطی یہ ہوئی تھی کہ ہم نے ملاپ کا متبادل ذریعہ پاس نہیں رکھا تھا۔ ایسی صورت حال ہمارے گمان میں بھی نہ تھی۔ سارا کام ممتادیدی کی وجہ سے خراب ہوا تھا کہ لورا اپنا موبائل فون ہی واپس نہیں لے سکی تھی۔ اور اسی وجہ سے مجھے بھی اپنا موبائل فون پھینکنا پڑ گیا تھا کہ میرا نمبر پتا چل جانے کے بعد ان کے لیے میری تلاش مشکل نہ رہتی۔

اپنا بیگ لے کر میں محتاط انداز میں کھولی سے نکلا۔ میری نظریں کسی مشکوک شخص کی کھوج میں سرگرداں تھیں۔ مگر پوری کوشش کے باوجود مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ لورا اب تک آزاد تھی۔ اور بالفرض پکڑی جا چکی تھی تو وہ اس سے کچھ بھی اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو پائے تھے۔

میں چوکنے انداز میں چلتا ہوا اپنی کار کے پاس پہنچا، مگر کوئی خطرے کی بات نظر نہیں آئی تھی۔ کار میں بیٹھ کر میں پارکنگ سے نکلا اور ایسی جگہ کار پارک کر دی جہاں خطرے کی صورت میں فرار ہونا آسان تھا۔ وہاں سے کھولی پر بھی نظر رکھی جا سکتی تھی۔

میں ذہنی طور پر سخت الجھا ہوا تھا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ فوراً سے پہلے وہاں سے دور نکل جاتا، لیکن لورا کی آمد کا لالچ مجھے وہیں رکنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ بہترین ساتھی تھی۔ بلاشبہ اس کی وجہ سے مجھے کافی سہولت میسر تھی۔ سنائپر یوں بھی جوڑیوں میں کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن میری قسمت ایسی ہے کہ زیادہ تر مجھے اکیلا ہی کام کرنا پڑ جاتا ہے۔ ڈینو کے بعد لورا براؤن کا ملنا غیبی امداد کے مترادف تھا۔ عام لڑاکے سے سنائپر کا ساتھ کئی گنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ کیوں کہ سنائپر عام لڑاکے کی جگہ سنبھالنے کے ساتھ سنائپنگ کی اضافی خوبی بھی رکھتا ہے۔

وہاں میں نے چند گھنٹے گزارے آخر لورا کی آمد سے مایوس ہو کر جگہ چھوڑنا پڑی۔ لیکن اس سے پہلے کھولی میں جا کر دو کمبل اٹھا لایا تھا کہ میرا ارادہ کار ہی میں رات گزارنے کا تھا۔

ایک دم لورا کے غائب ہونے میں کئی احتمال متوقع تھے۔ وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتی تھی، ممکن تھا اسے رستہ بھول گیا ہو کیوں کہ پہلے وہ بالکل مجھ پر تکیہ کیے ہوتی تھی۔ گو ایک سنائپر کے بارے رستہ بھول جانے کا گمان کرنا کچھ جچتا نہیں مگر امکان کے زمرے میں تو ہر احتمال آیا کرتا ہے۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ شاید شکلا کے خلاف کارروائی کا ارادہ اس نے ختم کر دیا ہو اور میرا سامنا ندامت کی وجہ سے نہ کرنا چاہتی ہو۔ اس کے پکڑے جانے کا اندیشہ بھی قرین قیاس تھا۔ کیوں کہ شکلا کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت تھی۔ وہ ایس آر ون کی خامی سے واقف نہیں تھے اور ایسی بہترین رائفل کوڑیوں کے مول خریدنے میں پرجوش تھے۔ اور اسی وجہ سے شاید کرن چاولہ نے میرے تعاقب کے بجائے اس کا تعاقب کرنا ضروری جانا ہو۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ اچکوں کے ہاتھ چڑھ گئی ہو۔ اس کی پرکشش صورت اور جاذب نظر سراپا، خال وخد کسی کو بھی ورغلا سکتے تھے۔ جس ٹیکسی میں آرہی تھی اس کے ایکسیڈنٹ ہونے کا خطرہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اب مجھے نیا ٹھکانہ ڈھونڈنے کی ضرورت تھی۔ لورا کو تلاش کرنے کا وقت نہیں تھا کیوں کہ ایسی صورت میں مجھے اپنے

مقصد سے ہٹنا پڑتا۔ نہ تو میری اس سے جذباتی وابستگی تھی، نہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ بس کچھ عرصہ اکٹھا گزارنے کی وجہ سے ہمدردی تھی۔ شکلا کے خلاف ہمارا اکٹھا ہونا، لازم نہیں کرتا تھا کہ میں اصل مشن کو چھوڑ اس کی تلاش میں لگ جاتا۔ البتہ اس کے بارے معلومات حاصل ہو جاتیں تو یقیناً اسے آزاد کرانے کی کوشش کی جا سکتی تھی، لیکن اس کی طرح مقصد بنانا ممکن نہ تھا۔ کچھ عرصہ اکٹھا گزارنے کی وجہ سے اس سے اندازہ یہی تھا کہ اب مجھے اکیلا ہی کام کرنا پڑتا۔

اصولی طور پر تو اب اس کار کا استعمال بھی خطرناک تھا۔ اگر لورا براؤن گرفتار ہو چکی تھی تو اگلوانے والے معلومات نچوڑ کر ہی اس کی جان بخشی کرتے۔ اور صنف نازک کا انکار پر ڈٹے رہنا اتنا آسان نہ تھا۔ گھٹیا کردار مردوں کا مردانگی دکھانے کا شوق کسی بے بس حوا زادی کو کس نہج تک لے جا سکتا ہے اس بارے اندازہ کرنے کو زیادہ عقل مند ہونا ضروری نہیں۔ وہ بے چاری ایک شکلا کی درندگی سے ٹوٹ گئی تھی، پورے گروہ کا سامنا کیسے کرتی۔ مجھے اس پر شدت سے ترس آیا، اگر سچ میں پکڑی گئی تھی تو بے چاری بدلہ لینے کی خواہش میں اپنا سب کچھ گنوا چکی تھی۔ اس سے بہت زیادہ ہمدردی کے باوجود میں اس کی مدد سے قاصر تھا۔ کار غیر معروف پارکنگ میں کار روک کر میں نے دروازے اندر سے قفل کیے اور سیٹ سے ٹیک لگا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ ارادہ یہی تھا کہ صبح کار بیچ کر اسی حالت کی کوئی دوسری کار خریدلوں گا۔ اور اس کے لیے بھولے استاد کے پاس بھی جایا جا سکتا تھا۔ اس سے اتنی شناسائی بہ ہر حال تھی۔ کیوں کہ اس پر ایک بار موٹر سائیکل بیچ چکے تھے۔ لیکن کم بخت کو چوری کا سامان خریدنے کا چسکا لگا تھا اور یہ کار بہ ہر حال چوری کی نہیں تھی۔

خیر اس بارے میں نے زیادہ سر کھپانا مناسب نہ سمجھا اور کمبل میں ہو گیا کہ اب موسم تبدیل ہو گیا تھا۔ نیند آنے تک میں شکلا کو ڈھونڈنے کا منصوبہ سوچتا رہا۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد ہی پرما انصاری کو لے جانے کا مرحلہ آتا۔

رات کو وقفے وقفے سے آنکھ کھلتی رہی مگر کسی مداخلت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ صبح کی اَذان سن کر آنکھ کھلی۔ کسی قریبی مسجد سے بلند ہونے والی اَذان کار کے شیشے بند ہونے کے باوجود واضح انداز میں سنائی دے رہی تھی۔ الحمد اللہ میں اس حالت میں تھا کہ نماز پڑھ سکتا۔ انڈیا میں مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود ہے اور میرے نماز پڑھنے پر کسی کا مشکوک ہونا نہیں بنتا تھا۔ کمبل سے سر نکال کر میں نے انگڑائی لی اور جونھی ونڈ اسکرین پر نگاہ پڑی حیران رہ گیا، کیوں کہ ملگجے اجالے میں اس پر کاغذ چپکا نظر آ رہا تھا۔ کیبن کی بتی جلا کر دیکھا اور اچھل پڑا، کیوں کہ وہ میرے لیے پیغام تھا۔

''سنگم نگر، تیسری گلی مکان نمبر سات میں تمھاری ساتھی قید ہے۔''

ایسا پیغام بھیجنے والا یقیناً کوئی دوست ہی تھا۔ اور انڈیا میں میرے دوست صرف پاکستانی جاسوس ہی ہو سکتے تھے۔ باہر نکل کر میں نے ونڈ اسکرین سے کاغذ کھینچا۔ ساتھ ایک چھوٹا سا رقعہ اور بھی نظر آیا۔ جس پر مزید تفصیل موجود تھی۔ مکان میں اس وقت تین سے چار افراد موجود تھے۔ دروازے پر چوکیدار بھی متعین تھا۔ چوکیدار کے پاس رائفل اور اندر موجود افراد کے پاس پستول موجود تھے۔ ایسی چند ضروری باتیں تحریر کر کے سب سے نیچے آپ کا خیر خواہ لکھا تھا۔

ایک لمحے کو لگا یہ دشمن کی طرف سے مجھے جال میں پھانسنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے، مگر فوراً ہی یہ خیال رد کرنا پڑا کہ انھیں اتنا لمبا کھٹ راگ پھیلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جب انھوں نے مجھے پہچان لیا تھا تو گھیر کر پکڑ لیتے۔ یقیناً یہ میرے خیر خواہوں ہی کا کام تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ میں ان کی نظر میں بہت پہلے سے تھا لیکن میرے قریب آنے پر انھیں پکڑے جانے کا اندیشہ تھا۔

کوئی یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ وہ مجھے بتانے کے بجائے لورا کو خود بھی چھڑا سکتے تھے۔ لیکن ایک حقیقت جان لیں کہ جاسوس لڑائی بھڑائی کے معاملے میں عموماً گئے گزرے ہوتے ہیں۔ بس اسلحے کا واجبی سا استعمال اور تھوڑی بہت ہاتھا پائی کرنے کی اہلیت ہوتی ہے۔ شاذ ہی کوئی جاسوس اچھا لڑاکا اور اسلحے کا بہترین شناور ہوتا ہے۔ ورنہ ان کا کام لڑنا بھڑنا نہیں

دشمن ملک کے خلاف خبریں حاصل کرنا ہوتا ہے۔ البتہ دہشت گردانہ کارروائیوں اور کسی کو ٹھکانے لگانے یا چھاپہ گھات لگانے کو جو افراد سرحد پار کرتے ہیں وہ اچھے کمانڈو ہوتے ہیں۔ لوگ عموماً کمانڈو اور جاسوس ہی میں فرق نہیں کر پاتے۔ بلکہ بعض تو ایسے ہیں جو ہر فوجی کو کمانڈو، جاسوس، اور سنائپر سمجھتے ہیں۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا بس اتنا سمجھ لیں یہ تمام علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں اور ان تمام میں سنائپر ہر فن مولا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اسے جاسوسی بھی کرنا پڑ جاتی ہے، کمانڈو کی طرح لڑائی بھڑائی بھی سکھلائی جاتی ہے اور نشانے بازی تو یوں بھی اس کا اصل کام ہوتا ہے۔

پانی کی بوتل سے وضو کر کے میں نے وہیں پارکنگ میں کپڑا بچھا کر نماز فجر ادا کی، اللہ پاک سے کامیابی کی دعا کر کے سنگم نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب ممبئی کو گہرائی میں نہیں تو تھوڑا بہت تو جان گیا تھا۔ مزید معلومات ایک رکشا ڈرائیور سے لی تھیں۔

وہاں پہنچتے تک آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ اور ممبئی جاگ گیا تھا۔ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں جانے والے طلبہ و طالبات، دفاتر جانے والے ملازم پیشہ خواتین و حضرات اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا جم غفیر گھروں کو چھوڑ کر سڑکوں پر رواں دواں تھا۔ ایک ایسی دوڑ شروع ہو گئی تھی جو ہر شہر کی روزمرہ ہوتی ہے۔

میں مکان کے سامنے سے گزرا اور سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کار پارک کرنے کی مناسب جگہ نظر آئی اور میں کار قفل کر کے نیچے اتر آیا۔ سائیلنسر لگا گلاک کوٹ کی جیب میں تھا۔ رات ہونے کے انتظار کرنا مناسب نہیں تھا، کیوں مجھے لورا کی حالت معلوم نہیں تھی۔ اس بارے میرے خیر خواہ نے بھی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ اس نے صرف افراد کی تعداد اور دفاعی لحاظ سے چند باتیں بتائی تھیں۔ سادے الفاظ میں کہیں تو اندر گھسنے کو مجھے چوکیدار پر قابو پانا ضروری تھا۔ درمیانے حجم کے اس مکان کے دائیں اور سامنے کی جانب گلی لگتی تھی۔ بائیں اور عقبی جانب اور مکان موجود تھے۔ گلی میں لوگوں کی آمد و رفت اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں دیوار عبور کرتا۔ بالفرض لوگوں کی آمد و رفت نہ ہوتی تب بھی سب سے بڑا خطرہ تو دروازے پر موجود چوکیدار کا تھا۔ اور مجھے دیوار پر نمودار ہوتے دیکھ کر گولی چلانے کے ساتھ اس کے پاس شور مچانے کا انتخاب بھی موجود تھا۔ اور اس کے بعد میرے پاس صرف بھاگنے کا چناؤ ہی بچتا۔

چند لمحے سوچ کر میں نے سامنے سے داخل ہونا مناسب سمجھا۔ خطرہ مول لینا مجبوری تھی۔ لورا براؤن کے متعلق معلومات نہ ہونے پر تو میرے پاس بہانہ موجود ہوتا، لیکن جب اس کے بارے اتنا کچھ پتا چل گیا تھا تو مدد نہ کرنا زیادتی ہوتا۔ عارضی ہی سہی وہ میری ساتھی تو تھی۔ اور شکلا کی ہلاکت تک ہمارا فائدہ نقصان سانجھا تھا۔

لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، لیکن یہ آنا جانا تو پورے دن لگا رہتا۔ مناسب لمحے کا انتخاب کر کے میں نے ہولے سے دروازہ بجایا۔

''کون؟'' کہتے ہوئے چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول دی تھی۔

بجلی کی سی سرعت سے میں نے پستول اس کی چھاتی پر رکھا۔ ''ذرا سی غلط حرکت تمھارے سینے میں چھید بنا دے گی۔''

''کک......کون ہو تم......؟'' وہ خوف سے ہکلایا۔

اس کی چھاتی پر پستول کا دباؤ بڑھا کر میں نے پیچھے دھکیلا۔ اور اندر گھس گیا۔ ذیلی کھڑکی کو پاؤں سے بند کرتے ہوئے میں اطمینان سے بولا۔ ''ہاتھ اٹھا کر الٹے گھوم جاؤ۔''

''تم جانتے نہیں کہاں گھسنے کی غلطی کر بیٹھے ہو۔'' وہ ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گیا تھا۔

''اچھا......'' استہزائی انداز میں کہتے ہوئے میں نے پستول جیب میں منتقل کیا اور جھپٹ کر اس کی گردن دائیں بازو

کی گرفت میں لیتے ہوئے مخصوص جھٹکا دیا۔

گردن چھڑانے کو وہ زور سے تڑپا اور پھر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ امید تھی اس نے گھنٹے ڈیڑھ تک ہوش میں نہیں آنا تھا، لیکن میں اسے یونہی چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسی کی قمیص سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ، میں نے ازار بند سے پاؤں باندھے اور شلوار اس کے منہ پر باندھ دی۔

فارغ ہو کر میں نے ذیلی دروازہ کنڈی کیا اور محتاط انداز میں اندرونی عمارت کی طرف بڑھا۔ دروازے کے دائیں جانب گیراج تھا جس میں دو کاریں کھڑی تھیں۔ چھوٹا سا صحن اور پھر ڈرائینگ روم کا دروازہ تھا۔ لکڑی کا منقش دروازہ کھول کر میں پستول تانے اندر داخل ہو مگر ڈرائینگ روم خالی پڑا تھا۔ بائیں جانب غالباً باورچی خانہ تھا۔ وہاں کسی کے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔ باورچی خانے سے ملحق کھانے کا کمرہ تھا، اس کے ساتھ ایک خواب گاہ بنی تھی جس کا دروازہ بند تھا۔ خواب گاہ اور کھانے کے کمرے کے درمیان سیڑھیاں اوپر کو جا رہی تھیں۔

میرے قدم باورچی خانے کی جانب اٹھ گئے۔ وہ چولھے کی جانب متوجہ تھا اور دروازے کی جانب اس کی پیٹھ تھی، دروازے سے اندر ہوتے ہی میں نے زقند بھری، اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا یا کچھ سمجھنے کے قابل ہوتا میں نے پستول کو سائیلنسر سے پکڑ کر مضبوط دستے سے اس کے سر کی سختی کا اندازہ کیا۔

''اوغ۔'' کی آواز سے وہ لہرا کر نیچے گرنے لگا مگر اسے فرش پر گرنے سے پہلے میں نے تھام لیا تھا۔ وہ انڈہ فرائی کر رہا تھا۔ توے کو چولھے سے اتار کر میں نے نیچے رکھ دیا کہ انڈہ جل کر بدبو پیدا کر سکتا تھا۔ کچھ لوگوں کی قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے۔ ایسا کوئی نمونہ، جائزہ لینے کو ادھر جھانک سکتا تھا۔ پلیٹ میں ایک دو اور انڈے بھی تیار پڑے تھے۔ یقیناً وہ تمام کا ناشتا تیار کر رہا تھا۔

اسے بھی چوکیدار کی طرح باندھ کر میں نے باورچی خانے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ خوش قسمتی سے دروازہ مجھے کھلا ملا مگر اندر کوئی موجود نہیں تھا۔

باہر نکل کر میں محتاط انداز میں سڑھیوں کی طرف بڑھا اور دبے قدم اوپر چڑھنے لگا، نصف سیڑھیاں ہی طے کر سکا تھا کہ ایک شخص پکارتا ہوا سیڑھیوں کے سرے پر نمودار ہوا۔ ''سنیل، کتنے گھنٹے لگ جائیں گے۔''

اس کے نیچے جھانکتے ہی میں سامنے تھا۔

''کون ہو تم۔'' با آواز بلند کہتے ہوئے اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھیار نکالنا چاہا۔

ہلکی سی ''ٹھک۔'' کے ساتھ اس کے سر میں روشندان کھل گیا تھا۔ اسے زخمی کرنے پر اکتفا کر کے میں خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

دھڑام سے نیچے گرتے ہوئے وہ ایڑیاں رگڑنے لگا۔

''سریش! کیا بات ہے۔'' ایک اور آواز ابھری۔ میں زقند بھر کر اوپر پہنچا۔ اسی وقت ایک شخص دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے پیچھے مڑ کر چھلانگ لگانا چاہی مگر گلاک کی گولی اسے مہلت دینے پر تیار نہیں تھی۔ ایک اور ''ٹھک'' نے اسے اوندھے منہ گرا دیا تھا۔ اس منزل پر تین کمرے ایک گولائی میں بنے تھے۔ درمیان میں ہال نما خالی جگہ ڈرائینگ روم اور ٹی لاؤنج وغیرہ کا کام دے سکتی تھی۔ وہاں گہرے سبز رنگ کا قالین بچھا کر صوفہ سیٹ رکھے گئے تھے۔

میں بھاگ کر کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک لحہ دروازے پر ٹھہر کر میں نے سماعتوں سے اندر کی سن گن لی اور پھر ایک دم سامنے ہو کر دوبارہ دیوار سے ٹیک لگالی۔ مگر اس سرسری نظر میں کمرہ خالی نظر آیا تھا۔

لحہ بھر ٹھہر کر میں زقند بھر کر اندر گھسا اور چابک دستی سے گھوم کر پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ مگر کمرہ خالی

تھا۔ غسل خانے میں بھی جھانکا مگر کوئی نظر نہ آیا۔
میں چوکیدار سمیت چار بندوں کو ناکارہ کر چکا تھا۔اور میرے خیر خواہ کے بہ قول وہاں تین سے چار افراد ہی موجود تھے۔
باہر نکل کر میں نے بقیہ دو کمروں کا جائزہ لیا۔دونوں کا دروازہ باہر سے قفل تھا۔میں سیڑھیاں چڑھ کر مزید اوپر پہنچا۔چھت پر صرف ایک کمرہ بنا تھا۔اس کے سامنے تھوڑا سا برآمدہ اور باقی چھت خالی تھی۔البتہ چوکندی (مکان کی چھت کی تین چار فٹ کی چاردیواری) بنی تھی۔چھت والے کمرے کو بھی باہر سے کنڈی کیا گیا تھا۔میں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکنا مناسب سمجھا،مگر کمرہ خالی نظر آیا۔
میں نیچے اترا،مقفل دروازوں کی چابیاں مجھے ایک لاش کی جیب سے مل گئی تھیں۔
پہلا کمرہ خالی پڑا تھا،البتہ اس کی سجاوٹ و آرائش میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔یقیناً کمرہ کسی خصوصی شخصیت کے لیے تھا۔گو سامان تو وہی تھا جیسا کسی بھی اچھی خواب گاہ کا ہوسکتا ہے۔لیکن سامان کا معیار بہت عمدہ تھا۔جہازی حجم کا ڈبل بیڈ جو خصوصی طور پر بنوایا گیا تھا۔قیمتی صوفہ سیٹ،اعلیٰ معیار کے دروازے و کھڑکیوں کے پردے،اے سی،فرج،دبیز قالین جس میں پاؤں دھنستے ہوئے محسوس ہوں۔دروازے کی بغل میں لگی سنگھار میز پر خوشبو،کریم،لوشن،باڈی سپرے وغیرہ درجنوں کی تعداد میں دھرے تھے۔چھت کی عمدہ سیلنگ کر کے خوب صورت نقش کاری کی گئی تھی۔
سرسری نظر دوڑا کر میں باہر نکل آیا۔اب آخری کمرہ باقی تھا۔اور لورا براؤن کو وہی ہونا چاہیے تھا۔اندر قدم رکھتے ہی میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔کمرہ ہر قسم کے سامان سے عاری تھا۔بس فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر لورا براؤن بندی ہوئی پڑی تھی۔دروازہ کھلنے کی آواز پر اس طرف متوجہ ہوئی۔مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے ہونٹوں سے مسرت بھرا ”ریجا“ نکلا تھا۔
”کیسی ہو کیپٹن۔“ مسکراتے ہوئے میں قریب ہوا اور چاقو سے اس کی بندشیں کاٹنے لگا۔
”مجھے کیسے ڈھونڈا؟“ اس کے چہکتے لہجے میں جستجو پوشیدہ تھی۔
”اگر سوچتی ہو ڈیٹ کا وعدہ کر کے چھپ جاؤ گی تو ایسا ممکن نہیں ہے۔“ شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے میں اس کی بندشیں کاٹ کر پیچھے ہٹا۔
وہ اٹھتے ہوئے ایک دم مجھے لپٹی اور وارفتگی بھرے لہجے میں مستفسر ہوئی۔”سچ میں میرے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو۔“
”نن.....نہیں تو......مذاق کر رہا تھا۔“ میں گھبراتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلا۔
اس کا نقرئی قہقہہ بلند ہوا۔”جانتی تھی ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔“
میں نے اسے خطرے سے آگاہ کیا۔”گپ شپ بعد میں ہوتی رہے گی فی الحال ہم خطرے کی حدود میں ہیں،بلکہ سچ کہوں تو مجھے معلوم ہی نہیں تمھیں پکڑنے والے کون ہیں۔“
”یہاں تک کیسے پہنچے۔“ وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔
”کسی خیر خواہ نے رہنمائی کی ہے۔“ کہتے ہوئے میں نے جیب سے رقعہ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔
”کیسے پڑھوں؟“ اردو میں لکھے رقعے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے اس نے حیرانی ظاہر کی۔
”معذرت خیال نہیں رہا تھا۔“ نادم انداز میں کہتے ہوئے میں نے چٹھی واپس لے لی۔
اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔”آپ خود پڑھ کر سنا دیں۔“

"کچھ لوگ چھپ کر میری نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اپنی حفاظت کے خیال سے وہ سامنے نہیں آنا چاہتے، البتہ پیغام بھیج کر میری رہنمائی کردی۔ اور میرے خیال میں اتنا کافی ہے۔"

"مگر وہ ہیں کون؟" لورا کی حیرانی برقرار رہی۔

دروازے کی طرف مڑتے ہوئے میں نے منہ بنایا۔ "تمھیں اندازہ نہیں ہے۔"

وہ میرے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔ "گویا ممبئی میں پاکستانی جاسوس موجود ہیں۔"

میں اطمینان سے بولا۔ "ممبئی میں اسرائیل کی موساد، امریکہ کی سی آئی اے، روس کی کے جی بی وغیرہ بھی موجود ہوں گے۔"

"شاید میرا سوال برا لگا۔" وہ افسردگی سے بولی۔

تیزی واحتیاط سے سیڑھیاں اترتے ہوئے میں ہنسا۔ "احمقانہ سوال کا اور کیا جواب دیتا۔"

"غلطی سے کام تو آجاتے ہو، مگر احسان اتنے جتلاتے ہو کہ آئندہ کو تمھاری مدد لینے سے توبہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

اسے جواب دیے بغیر میں باورچی خانے میں گھسا۔ سنیل نامی شخص اب تک بے ہوش تھا۔ اس کے سر پر میں نے پانی کا جگ الٹایا۔

ہڑبڑاتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

تبھی لورا براؤن کی نگاہ اس کے چہرے پر پڑی۔ طیش بھرے انداز میں قریب ہوئی اور ہونٹوں پر پھول بکھیرتے ہوئے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ گالیاں بکنے میں وہ یوں بھی ماہر تھی۔ مجھے اندازہ کرنے میں دیر نہ ہوئی کہ سنیل، لورا براؤن کے ساتھ نازیبا حرکات کا مرتکب ہو چکا تھا تبھی وہ شعلہ بنی ہوئی تھی۔ نہ معلوم سنیل کو انگریزی کی اتنی گہری و دقیق گالیوں کا ادراک ہو بھی رہا تھا یا نہیں، البتہ لورا براؤن کی ٹھوکریں گالیوں کی عمدہ تشریح کو کافی تھیں۔

وہ بے چارہ بھی کیا کرتا جب اتنی خوب صورت و پرکشش لڑکی قابو میں آئے تو کمزور کردار مردوں کا ہاتھوں پر اختیار نہیں رہتا۔

"اس کی خاطر مدارت کرو میں دوسرے کو لے آؤں۔" لورا براؤن کی اشتعال انگیزی میری نظر میں جائز تھی اس لیے اسے کھلی چھوٹ دے کر باہر نکل آیا۔

چوکیدار کو ہوش آچکا تھا۔ جسم کو جھٹکے دیتے ہوئے وہ خود کو آزاد کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی۔ "اوں ......اوں۔" کر کے باضابطہ احتجاج کرنے لگا۔

میں نے پاؤں کھول کر، آزار بند اس کے جکڑے ہوئے ہاتھوں پر باندھا اور قمیص کھول کر اس کا لنگوٹ باندھ دیا ورنہ پہلے تو وہ مادرزاد برہنہ پڑا تھا۔

"اب بغیر چوں وچرا کیے آگے بڑھو، ذرا سی غلط حرکت تمھیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔" پستول کی نال سے میں نے اسے اندر کی طرف ٹہوکا دیا۔

وہ مرے مرے قدموں سے چل پڑا۔ لورا سنیل کو گھسیٹ کر ڈرائینگ روم میں لے آئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف وہراس چھایا ہوا تھا۔ سامنے کے دو تین دانت ٹوٹے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ناک سے بھی خون بہہ رہا تھا، یقیناً لورا نے اس کی اچھی خبر لی تھی۔ میں نے چوکیدار کے منہ سے کپڑا کھولا اور دونوں کو اکٹھا بٹھا دیا۔

"شروع ہو جاؤ۔" نشست سنبھالتے ہوئے میں نے پستول کی نال لہرا کر حکم دیا۔

سنیل ہکلا کر بولا۔ ’’کک...... کیا؟‘‘

’’تم اچھا نہیں کر رہے، جانتے نہیں ہم کون ہیں۔‘‘ چوکیدار نے دھمکی دی۔

’’اس نے تمھیں نہیں چھیڑا تھا۔‘‘ میں نے مسکراتے ہوئے لورا کو دعوت دی۔

’’چھیڑنا معنی نہیں رکھتا۔‘‘ نشست چھوڑتے ہوئے وہ چیل کی طرح جھپٹی اور چوکیدار کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ دو تین لمحوں میں چوکیدار کی اکڑفوں غائب ہو چکی تھی۔ لرزتے ہوئے بولا۔

’’معاف کر دو پلیز، میں نے تمھیں اغواء نہیں کیا، میں تو ملازم ہوں۔‘‘

لورا کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی۔ میں فوراً بولا۔ ’’رکو مادام، اگر انھوں نے تفصیل بتانے سے انکار کیا تو پھر تمھیں زحمت دوں گا۔‘‘

پھولے ہوئے سانس لیے وہ بیٹھ گئی۔ میں سنیل کو مخاطب ہوا۔

’’بغیر کچھ چھپائے سب کچھ اگل دو کہ تم نے کیوں میری ساتھی کو اغواء کیا۔‘‘

اس نے تھوڑی اڑی کی، لیکن لورا جلد ہی اسے راہ راست پر لے آئی تھی۔ اس کی بند زبان کھلی اور ساری گتھی سلجھ گئی۔ اس نے جو تفصیل بتائی اس کا لب لباب یہ تھا کہ ان کا تعلق ایک مجرم ٹولے سے تھا۔ اور دلچسپ بات یہ کہ ٹولے کا سرغنہ پولیس کا حاضر سروس تھانے دار تھا۔ اس گروہ کے زیادہ تر افراد جیب تراشی، ڈکیتی، اسمگلنگ، نشہ آور ادویات، موٹر سائیکل و گاڑی چوری جیسی وارداتوں میں ملوث تھے۔ گزشتہ کل لورا براؤن جس ٹیکسی میں بیٹھی وہ راستے میں خراب ہو گئی تھی۔ مجبوراً اسے ٹیکسی تبدیل کرنا پڑی۔ بدقسمتی سے اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے وقت ماسک چہرے سے ہٹایا ہوا تھا۔ تبھی اس پر سنیل کی نظر پڑی اور اس نے فوراً پہچان لیا کیوں کہ شکلا کے حکم پر لورا براؤن کی تصویر تمام تھانوں میں پہنچائی گئی تھی تاکہ میرے ساتھ پولیس والوں کو لورا براؤن کو بھی پہچاننے میں آسانی رہے۔ میری تصاویر اور ویڈیو تو خیر ٹی چینلز پر دکھائی گئی تھیں، البتہ لورا براؤن کا سرسری سا ذکر ہوا تھا بغیر نام اور تصویر کے ساتھ۔ تھانے دار ریوندر مترا نے تصویر کی کاپی پولیس والوں کے ساتھ اپنے گروہ کے کارندوں کو بھی دی تھی۔ کیوں کہ لورا براؤن کی تصویر دیکھتے ہی خبیث لٹو ہو گیا تھا۔ وہ ایک عیاش شخص تھا۔ یہ مکان بھی اس کی عیاشی کا اڈہ تھا۔ اس نے اپنے کارندوں کو سارے کام چھوڑ کر لورا کی تلاش پر لگا دیا۔ جونھی سنیل کی نظر لورا پر پڑی وہ ٹیکسی کے تعاقب میں چل پڑا۔ ساتھ ہی اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ ساتھی زیادہ دور نہیں تھے۔ اور موٹر سائیکل ان کے پاس تھی، انھوں نے سنیل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ انھیں لورا براؤن کے بارے ضروری معلومات معلوم تھیں تبھی منصوبہ بندی سے اسے شکار بنایا۔ ممبئی کی بھیڑ میں جب تک لورا اپنے ٹھکانے تک پہنچتی وہ موٹر سائیکل کی سواری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک سرخ اشارے پر جب ٹیکسی رکی سنیل نے عقبی شیشے کے کھلے ہونے کا فائدہ اٹھا کر ایک دم زود اثر بے ہوشی کا سپرے لورا کے چہرے پر کیا اور لورا بغیر مزاحمت کے بے ہوش ہو گئی۔ جب تک ڈرائیور احتجاجی آواز بلند کرتا، سنیل کا ساتھی سریش عقبی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور کی پیٹھ پر پستول کی نال ٹیک چکا تھا۔ اس کے بعد وہ آسانی سے لورا براؤن کو اس مکان میں لے آئے تھے۔ اب لورا کی خوش قسمتی تھی کہ تھانے دار ریوندر مترا عارضی طور پر ممبئی سے باہر تھا۔ لورا کے ہاتھ آنے کی خبر سنتے ہی ریوندر نے اسے قید رکھنے کی ہدایت کی۔ اس کی آمد شام تک متوقع تھی۔ آج کی رات وہ لورا براؤن سے اپنی ہوس پوری کرتا اور پھر اسے را کے حوالے کیا جاتا۔ یہ بھی ممکن تھا وہ خبیث ایک رات کافی نہ سمجھتا اور لورا کو چند راتیں مسلسل عذاب کاٹنا پڑتا۔ سنیل اور اس کے ساتھی ریوندر کے شکار پر ہاتھ تو صاف نہیں کر سکتے تھے، البتہ تھوڑی بہت بے ہودگی سے باز نہیں آئے تھے۔ اسی وجہ سے لورا ان پر تپی ہوئی تھی۔ بے چاری یہ نہیں جانتی تھی کہ اصل اذیت سے بچ گئی تھی، جو ریوندر مترا جیسے ذہنی مریض کے ہتھے چڑھ کر

اسے پہنچنا تھی۔
میں لورا کی طرف متوجہ ہوا۔ ''معلومات تو نچوڑ لیں، اب ان کا کیا کریں؟''
اس نے منہ بنایا۔ ''میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔''
میں نے تفصیل کا نچوڑ اسے بھی بتا دیا۔
نشست چھوڑ کر وہ سنیل کے قریب پہنچی، ایک ہاتھ اس کے سر پر اور دوسرا ٹھوڑی پر رکھ کر مخصوص جھٹکا دیا۔ سنیل اذیت سے ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگا تھا۔
وہ نشست سنبھالتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ ''دو آدمی ہیں، ایک کا فیصلہ میں نے کر دیا ہے دوسرا تمھارے ذمہ۔''
چوکیدار کا رنگ خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔ تھر تھر کانپتا ہوا بولا۔ ''بھگوان کا واسطہ مجھے چھوڑ دو۔''
میں نے پوچھا۔ ''رنوندر مترا کو کیا بتاؤ گے، یہاں کیا ہوا تھا۔''
''بھگوان کی سوگندھ، جو آپ کہیں گے وہی بتاؤں گا۔'' وہ قسمیں کھانے لگا۔
لورا کی طرف مڑتے ہوئے میں نے الجھن ظاہر کی۔ ''مجھے اس کی ہلاکت کی وجہ نہیں مل رہی۔''
اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا چھوڑنا نقصان دہ ہوگا؟''
''تبھی تو مشورہ کیا ہے۔''
اس نے خیال ظاہر کیا۔ ''یہ اپنے سرغنہ کو زیادہ سے زیادہ اس واقعے کی تفصیل ہی بتا سکتا ہے۔ اور میرا نہیں خیال اس میں ہمیں نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔''
''تو پھر اس بے چارے کو کیوں مارا۔'' سنیل کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے منہ بنایا۔ ''تمھارے جسم کو چھونے کی اتنا کڑی سزا تو نہیں بنتی تھی۔''
اس نے سنجیدگی سے دلیل دی۔ ''مجھے چھونے کی سزا یہ پہلے ہی کاٹ چکا تھا، لیکن ایسے افراد معاشرے کا ناسور ہوتے ہیں۔ جن کا علاج کاٹنے کے علاوہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ چوکیدار ایک عام ملازم ہے۔ وہ براہ راست جرائم میں ملوث نہیں ہے۔''
میں نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ ''پھر تلاشی لے کر نکلتے ہیں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا
چوکیدار کی مشکیں کس کر وہیں پھینکا اور سرعت سے تلاشی لینے لگے۔ ریوندر مترا کی خواب گاہ میں مضبوط لوہے کی تجوری نظر آئی، پستول کی دو گولیاں ضائع کرنے پر قفل کھل گیا تھا۔ وہاں نوٹوں کی چند گڈیوں کے علاوہ اس کے کافی کالے کرتوتوں کے ثبوت موجود تھے۔ ہم نے رقم قبضے میں کی، ساری دستاویزات ڈرائینگ روم میں لا کر رکھیں اور وہاں موجود شراب کی بوتلیں توڑ کر خواب گاہ کے سامان کو آگ لگا دی۔ الکوحل کی وجہ سے آگ بھڑک اٹھی تھی۔ امید یہی تھی کہ دھواں اور شعلے دیکھتے ہی لوگ متوجہ ہوتے اور آگ بجھانے آتے۔ ایسے حادثات پر میڈیا کے نمائندے سرعت سے موقع پر پہنچتے ہیں۔ اور یوں ڈرائینگ کی میز پر موجود ریوندر کے کالے کرتوتوں کی دستاویزات کسی ایسے پاس جانے کی امید موجود تھی جو اسے کھڈے لائن لگا دیتا۔
ہم تیزی سے باہر نکل کر اپنی کار کے پاس پہنچے اگلے چند منٹ میں ہم کھولی کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ لورا عقبی نشست پر بیٹھنے کے بجائے لیٹ گئی تھی۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہم اپنے ٹھکانے پر موجود تھے جسے گزشتہ کل میں نے غیر محفوظ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ مگر لورا کی بازیابی کے بعد وہاں رہنے میں بہ ظاہر کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔
اطمینان حاصل ہوتے ہی میں لورا کو ڈانٹنے لگا۔ ''تم اتنی غیر ذمہ داری اور حماقت کا مظاہرہ کیسے کر سکتی ہو۔ بہروپ نہ

ہونے کے باوجود ماسک اتار کر بیٹھی تھیں۔اور اتنی آسانی سے دو تین اچکوں کے ہاتھ چڑھ گئیں گویا گھریلو خاتون ہو۔''
ندامت سے سر جھکاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔''غلطی ہوگئی۔''
میں تپتے ہوئے بولا۔''شکر کرو مجھے تمھارے محبس (قید خانے) کا پتا چل گیا تھا ورنہ آج رات جو کچھ ہوتا تم شکلا کی درندگی کو بھول جاتیں۔''
وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے خاموش رہی۔اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ ندامت کے اظہار کے ساتھ جوابی طنز سے باز رہی تھی۔
''تمھاری شکل ایسی ہے کہ لاکھوں میں بھی پہچانی جاؤ گی۔مقامی زبان سے بھی ناواقف ہو،ایسے میں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔''اسے نادم پا کر میں نے چند نصیحتیں جھاڑنا ضروری سمجھا۔
مجھے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے اس نے قریب آکر نشست سنبھالی اور میرا ہاتھ تھامتے ہوئے ممنونیت سے بولی۔
''شکریہ ریجا،تمھاری وجہ سے میری جان اور عزت بچی۔آئندہ ایسی بے پروائی کا مظاہرہ نہیں کروں گی۔''
''سب سے پہلے تو تمھارا حلیہ تبدیل کرنا ہوگا۔''نرمی سے اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے میں بیگ کی طرف بڑھا اور میک اپ بکس نکال لایا۔
اسے رنگ تبدیل کرنے والی لوشن کی بوتل پکڑا کر میں دوسرا ضروری سامان نکالنے لگا۔بغیر چوں چرا کیے اس نے لوشن کی شیشی پکڑی اور کہنیوں تک ملنے لگی۔پھر چہرے،گردن اور گردن سے نیچے کا علاقہ جو قمیص سے نظر آسکتا تھا کو بھی سانولا کر دیا۔میں نے سیاہ لینز اس کی آنکھوں پر چڑھائے،ستواں ناک کو موٹا کرنے کو مخصوص اسپرنگ اندر ڈالے۔بالوں کو لوشن سے سیاہ کیا اور لورا نے ایک بار پھر مقامی دوشیزہ کا روپ دھار لیا۔وہ لوشن اسپرٹ کے استعمال ہی سے صاف ہوتا تھا۔پانی،صابن وغیرہ کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔
حلیہ تبدیل کر کے اس نے آئینے میں صورت دیکھی اور شرارت سے مسکرائی۔''ریجا،سچ بتاؤ اس حالت میں خوب صورت لگتی ہوں یا اصل شکل میں۔''
میں اطمینان سے بولا۔''دونوں حالتوں میں نہایت بدصورت۔''
اس نے برہمی ظاہر کی۔''لڑکیوں کو ایسے مذاق بالکل اچھے نہیں لگتے۔''
میں ہنسا۔''مذاق کون کم بخت کر رہا ہے۔''
اس نے ہونٹ سکیڑے۔''کسی بے ہودہ سے پوچھنا ہی غلط ہے۔''
''تو دھریندر شکلا یا ریوندر مترا سے پوچھ لیتیں۔''
''بکواس بند کرو۔''تکیہ پھینکتے ہوئے وہ چلائی۔
میں نے فوراً موضوع تبدیل کیا۔''اچھا مذاق چھوڑو اور آگے کا لائحہ عمل بتاؤ۔''
''یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے،ہمارا منصوبہ نوے فیصد مکمل ہو گیا تھا۔نہ تم اس دھوکے باز میجر کی رعایت رکھتے اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔''
میں تلخ ہوا۔''بکواس نہ کرو وہ میری بہن ہے۔''
اس نے استہزائی انداز میں کہا۔''منہ بولی،بلکہ نقلی بہن ہے جسے صرف اپنے فائدے،نقصان سے غرض ہے۔''
میں بگڑ گیا۔''اس کا خلوص پرکھنے کو تمھیں کس نے قاضی بنایا۔''

وہ اپنی لے میں شروع رہی۔ ''مشرق کی احمقانہ روایات دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔''

میں تپ کر بولا۔ ''اور اپنے گریبان میں جھانکنے کو کسی نے منع کیا ہے۔''

وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ ''ہم تمھاری طرح بے وقوف نہیں ہیں کہ فضول اخلاقیات میں اپنے فائدے نقصان کو نہ جانچ سکیں۔''

''ان فضول اخلاقیات ہی کی بدولت تم عزت و جان بچا پائی ہو۔

وہ بپھر کر بولی۔ ''اسے اخلاق نہیں اصول کہتے ہیں، اگر تم پکڑے جاتے تو میں بھی تمھیں چھڑانے کی کوشش کرتی۔ ہمارا مشن ایک ہے۔ میں تمھارے شانہ بہ شانہ لڑ رہی ہوں۔ را کی میجر اور میرا موازنہ کرنا تمھاری غلط و احمقانہ سوچ ہے۔''

میں طنزیہ انداز میں بولا۔ ''شکلا کو مارنا میرا مشن کب سے ہو گیا۔ اور حب الوطنی کا تقاضا اور اپنے پیشے سے ایمان داری کا تقاضا یہی ہے جو متا دیدی کر رہی ہیں۔ اگر انھوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی نیت سے سرحد عبور کی تو ان کی راہ میں پہلی رکاوٹ میں بنوں گا۔ باقی تمھارا اور ان کا موازنہ نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ تمھارے مقابلے میں میرا ووٹ ہمیشہ متا دیدی کو جائے گا۔''

اس کے چہرے پر غم و غصہ نمودار ہوا۔ ''تم میری توہین کر رہے ہو۔''

''تم خود مجھے اس نہج تک لائیں۔ میری بہن کے متعلق بکواس کرو گی تو......

ع میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں۔''

وہ شاکی ہوئی۔ ''تو تمھارے نزدیک میری یہ اہمیت ہے۔''

''جب تمھارے نزدیک میرے پیاروں کی کوئی اہمیت نہیں تو مجھ سے کیوں امید رکھتی ہو۔''

''ہاں رکھتی تھی امید، کیوں کہ بغیر کسی لالچ و غرض کے تم نے میرا ساتھ دیا، مجھے اتنی اہمیت دی۔ خیال رکھا، مان دیا، عزت دی۔ میری خاطر جان خطرے میں ڈالی۔ نہ کوئی تقاضا کیا، نہ مطلب ظاہر کیا، نہ مجھ پر ہوس بھری نگاہ ڈالی۔ سمجھنے لگی تھی کہ مجھ سے محبت کرتے ہو۔ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی کہ مجھے چاہتے ہو۔ بے شک میں تمھیں نہیں چاہتی لیکن تمھاری اچھائی اور ہمدردی نے میرے دل میں بھی تمھاری عزت، وقار و پسندیدگی بھر دی تھی۔ شکریہ کہ میری آنکھیں کھول دیں۔ پہلے ہی دن واضح کر دیتے تو تمھیں زحمت نہ دیتی۔ سوچا تھا مشن کے اختتام پر تمھارے ساتھ ڈیٹ پر جانا تمھاری خدمت کا معاوضا ہو گا۔ مگر میں بے وقوف تھی۔ معذرت ریجا صاحب، آئندہ اپنی جنگ خود لڑوں گی۔ زیادہ سے زیادہ ہار ہی مقدر بنے گی ناں، یوں بھی اپنی عزت، دولت و مقام تو گنوا چکی ہوں، اکیلی جان کا کیا کروں گی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی۔ اور نشست چھوڑ کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

میرا ماتھا ٹھنکا، یقیناً اسے لاعلمی میں رکھنا میری حماقت تھی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ شکلا کے خلاف اس کی مدد میں اپنی غرض سے کر رہا ہوں تو وہ دل میں کبھی غلط فہمیاں نہ پالتی۔ انڈیا میں اس کی حیثیت بے یار و مددگار لڑکی کی تھی۔ اور میری مدد کو کوئی دوسرا رنگ دینا اتنا بھی غلط نہ تھا۔ یوں بھی عورت کی فطرت میں ہے کہ کوئی اسے توجہ کے قابل جانے اور مدد پر کمر بستہ رہے تو اس کے لیے دل میں لطیف جذبات پال لیتی ہے۔ یہ تو شکر تھا اس نے اپنی محبت کا اعتراف نہیں کیا تھا۔

''ایک منٹ لورا۔'' سرعت سے قریب پہنچ کر میں نے اس کی کلائی تھامی۔ ''میری آخری بات سن لو پھر چلی جانا۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔'' گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کلائی چھڑانا چاہی۔

''میری طرف دیکھو۔'' میں نے کندھوں سے پکڑ کر رخ اپنی جانب موڑا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی نکلنے کو بے تاب تھی۔

''سچ بتاؤ، کیا دو بیویوں کے ہوتے ہوئے میرے پاس کسی سے محبت کی گنجائش ہے۔'' میں نے مزاحیہ انداز اپناتے ہوئے اسے ہنسانا چاہا۔

زخمی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے اس نے سر جھکا لیا تھا۔

''آؤ تمھیں حقیقت بتاؤں کہ شکلا کے خلاف کیوں تمھاری مدد کی۔'' اس کے کندھوں پر بازو رکھ میں دوستانہ انداز میں چلاتے ہوئے چارپائی تک لایا، ساتھ بٹھا کر اس کا ہاتھ تھاما اور پیار سے سہلاتے ہوئے بولا۔

''میری انڈیا آمد کا مقصد شکلا کو انجام تک پہنچانا ہے۔ قدرت نے ہمیں اکٹھا کر دیا، بلا شبہ تمھارا ساتھ بہت قیمتی اور مفید تھا۔ ایک سنائپر کا بغیر کسی معاوضے واجرت کے میسر آجانا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ تبھی تمھیں اتنی اہمیت دی، عزت دی اور خیال رکھا۔ اس میں تمھارے لڑکی ہونے یا خوب صورت و پرکشش ہونے کی کوئی وجہ شامل نہ تھی۔ البتہ تمھیں چھیڑنے کو کبھی کبھار مذاق کر لیتا کہ دو دوستوں کے بیچ ایسی گپ شپ چلتی رہتی ہے۔ ورنہ ایمان سے بتاؤ کبھی میرے اطوار سے کوئی ایسی خواہش جھلکتی نظر آئی جس سے شبہ پڑے کہ تم سے جسمانی تعلقات کا تمنائی ہوں۔''

وہ غیر یقینی سے بولی۔ ''جھوٹ نہ بولو، شکلا سے تمھاری کیا دشمنی ہے؟''

''شکلا کے کردار پر بات کرنا یقیناً وقت کا زیاں ہوگا، تم اسے قریب سے دیکھ و پرکھ چکی ہو۔ یہ خبیث کافی عرصہ کشمیر کے محاذ پر تعینات رہ چکا ہے۔ وہاں اس کے مظالم کی فہرست بہت طویل ہے۔ اور مجھے ایک مجاہد ہی نے اس کے خلاف کام کرنے کی درخواست کی ہے۔ میری یہاں آمد میں پاکستانی سرکار کی منشا یا ضرورت شامل نہیں ہے۔ بلکہ اسے تم کسی کا ذاتی بدلہ لینے کی خواہش سمجھ سکتی ہو۔ میرے ساتھ ایک مددگار بھی آیا تھا جو ایک حملے میں شہید ہو گیا اس کے بعد میں اکیلا تھا۔ تمھارے ساتھ کو خوش قسمتی جانا۔ بس اپنا مشن خفیہ رکھنے کو حقیقت چھپائے رکھی، کیوں کہ میں نہیں چاہتا تھا پکڑے جانے پر تم ذرا سے تشدد پر سب کچھ اگل دو۔''

''اپنے اللہ کی قسم کھاؤ کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔''

میں خلوص دل سے بولا۔ ''اللہ پاک کی قسم میری انڈیا آمد میں شکلا کا خاتمہ بھی شامل ہے۔''

وہ مشکوک لہجے میں بولی۔ ''بھی کا کیا مطلب؟''

''شکلا کی موت کے بعد ایک اور کام بھی کرنا ہے، مگر اس کے بارے جاننا تمھارے لیے ضروری نہیں۔''

اس کے چہرے پر مسرت ابھری۔ میری پیٹھ میں مکا مارتے ہوئے وہ چلائی۔ ''دھوکے باز، مجھے الو بنائے رکھا۔''

میں نے شرارتی لہجے میں کہنا چاہا۔ ''وجہ تمھیں پتا ہے، میرا مطلب ڈیٹ..........''

میرا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ ممنونیت سے بولی۔ ''اعتماد کرنے کا شکریہ ریچا۔ اور وعدہ کرتی ہوں شکلا کی موت کے بعد تم دوسرے مشن میں مجھے شانہ بہ شانہ پاؤ گے۔ اور ہاں مجھے تمھاری دوستی پر ہمیشہ فخر رہے گا۔''

''تو اب اگلا لائحہ عمل طے کرتے ہیں۔'' میں نے اسے موضوع کی طرف گھسیٹا۔

وہ اپنی چارپائی کی طرف بڑھ گئی۔ کمبل لپیٹ کر اس نے تکیے پر کہنی ٹیکی۔ ''کرن چاولہ کو دوبارہ گھیرنے کے بارے کیا خیال ہے۔ تمھاری باجی ہر وقت تو اس کے ہمراہ نہیں ہوتی۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب دفتر کے علاقے میں اسے گھیرنے کا خیال ایسے ہی بھول جاؤ جیسے ایس آر ون کی درستی کا خیال دماغ سے نکال چکی ہو۔ کرن چاولہ جیسا خبیث بار بار قابو نہیں آیا کرتا۔ باقی اس سے کوئی دشمنی تو ہے نہیں کہ قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جائے۔''

لورا پوچھنے لگی۔ ''کیا اسے ہمارے مقصد کی سن گن ہو گئی تھی۔''

''نہیں، اب تک ہم نے دستاویزات کی بات نہیں چھیڑی تھی۔''

''کوئی ماہر قفل شکن ڈھونڈ کر اس کی تجوری کھولنے کی کوشش کرنے کے بارے کیا خیال ہے۔''

''ایسا ماہر کہاں سے ڈھونڈیں گے۔اور پھر اس کے دفتر کا رخ کرنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں۔اگر تجوری میں شا کے خلاف ثبوت موجود ہیں تو یقینا تجوری کی حفاظت سے وہ غافل نہیں ہوگا۔''

لورا نے احتجاج کیا۔''تم مفروضوں پر بات کر رہے ہو۔''

''ایسا بس تمھیں لگتا ہے مادام! ورنہ یقین کرو شکلا کے خلاف ثبوت جمع کرنے کے بارے کرن چاولہ نے ہزار بار سوچا ہوگا۔اور اکٹھے کرنے کے بعد ان کی حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست بھی ضرور کیا ہوگا۔یہی وجہ تھی کہ پہلے بھی میں نے اسے دور سے گھیرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔''

وہ پرخیال لہجے میں بولی۔''ایک اور منصوبہ میرے ذہن میں شروع دن سے ہے، مگر ڈرتی ہوں تمھارے اخلاقیات نہ آڑے آجائیں۔''

میں نے اسے اکسایا۔''مقصد کے حصول کو کئی اخلاقی قدروں کی قربانی دینا پڑتی ہے۔اس لیے تم بے فکر ہو کر پھوٹو۔زیادہ سے زیادہ انکار ہی کروں گا ناں۔''

''انڈیا آمد سے پہلے میں نے اس کے بارے معلومات اکٹھی کی تھیں۔شکلا کی ایک کمزوری ایسی ہے جس پر عام لوگوں کی نظر نہیں جاتی یا اس کے ڈر سے کوئی اس طرح توجہ نہیں دیتا۔''

''بولتی رہو۔''اس کے خاموش ہونے پر میں نے ٹہوکا دیا۔

وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔''اپنی نواسی پری اسے جان سے پیاری ہے۔سنا ہے اپنی سگی بیٹی کو اس خبیث نے خود قتل کرایا تھا۔بعد میں پچھتاوں کی لپیٹ میں آ گیا اور کفارے میں بیٹی کی محبت نواسی کی طرف منتقل ہو گئی۔اگر اسے اغواء کر لیں تو تمام مطالبات منوا سکتے ہیں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔لورا براؤن کا منصوبہ میرے لیے بہت فائدہ مند تھا۔نجانے پہلے میرا دھیان اس طرف کیوں نہیں گیا تھا۔

وہ شرارتی انداز میں ہنسی۔''تم نے بھی اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔شادی نہ سہی شکلا سے بدلہ لینے کو تمھیں پورا موقع دوں گی۔''

میں بپھر کر بولا۔''کیا تمھارے دماغ میں اتنا گند اور غلاظت بھری ہے۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسی۔''مذاق کر رہی تھی یار!''

میں چارپائی پر لیٹ کر کمبل میں گم ہو گیا۔لورا براؤن کا منصوبہ مجھے پسند آیا تھا۔

وہ ندامت سے بولی۔''اچھا سوری ناں، آئندہ ایسا نہیں کہوں گی۔اور تم نے خود ہی منصوبہ سننے میں دلچسپی ظاہر کی تھی، اب خفا تو نہ ہو جاؤ۔''

میں نے وضاحت کی۔''اس منصوبے سے کون احمق اختلاف کر رہا ہے۔تمھاری بکواس پر غصہ آ گیا تھا۔''

''سچ۔''اس کے لہجے میں تعجب انگیز مسرت تھی۔

''تمھیں بہت پہلے یہ تجویز بتانا چاہیے تھی، خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع کرایا۔''

وہ پرجوش لہجے میں بولی۔''اب آئے گا مزا۔''

''یہی سمجھانے کی کوشش تو کر رہی تھی کہ تم لوگ، ہم جیسی ذہانت وعقل نہیں رکھتے۔''

میں طنزیہ انداز میں بولا۔ ''ذہانت یا چالاکی ومکاری۔''

وہ کھلکھلائی۔ ''جو سمجھو، لیکن یاد رہے چالاکی ومکاری بھی ذہانت کے بل بوتے ہی پر آتی ہے۔''

''مکاری کے پیچھے دھوکا وفریب کارفرما ہوتا ہے اور ایسی ذہانت تمھیں ہی مبارک۔''

ہم کالج کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کے ایچ نارینہ ہسپتال اینڈ ریسرچ سنٹر کے کالج اور ہسپتال کی عمارت اکٹھی ہی تھی۔ وہ دروازے پر موجود پہرے دار کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''فائنل کے طلبہ آپریشن تھیٹر میں مصروف ہوں تو تمھیں وہاں جانے کی اجازت ہوتی ہے۔'' اس کا فصیح انگریزی میں پوچھا ہوا فضول سوال پہرے دار کے سر پر سے گزر گیا تھا۔

وہ ہکلایا۔ ''جج...... جی میم......''

میں نے طنزیہ انداز اپنایا۔ ''اس بے چارے کو کیا پتا کسی ذمہ دار سے پوچھو۔''

''تو چلیں۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ہمارا مقصد بس پہرے دار کے استفسار سے بچنا تھا۔ یوں بھی ہم پاکستان وانڈیا میں نچلے طبقے پر رعب جھاڑنے کو انگریزی بولنے سے عمدہ کوئی طریقہ نہیں۔

جدید سہولیات سے مزین میڈیکل کالج میں کثیر تعداد میں طلبہ موجود تھے۔ وہاں پرما کو ڈھونڈنا مشکل تھا کہ ہمیں اس کی کلاس ہی معلوم نہ تھی۔ دوسروں سے معلومات لینے میں بھی کئی قباحتیں تھیں۔ ہم دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ایک کلاس روم کے باہر مجھے کالے تھری پیس سوٹ میں ملبوس، مضبوط بدن کا جوان چوکس کھڑا نظر آیا۔ میں نے لورا کی طرف دیکھا، وہ بھی فوراً میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ یہ اسی کا محافظ ہی لگتا ہے۔

کمرے سے آگے بڑھتے ہی میں نے کہا۔ ''میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔''

''کیا؟'' اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

اور میں دھیمے لہجے میں اپنا منصوبہ بتانے لگا۔ تفصیل کے اختتام پر اس کی آنکھوں کی چمک سوا ہو گئی تھی۔ ''میرا خیال ہے انتظار کرنا فضول ہوگا۔'' اس نے متفق ہونے میں دیر نہیں کی تھی۔

''چلیں۔'' میں نے واپسی کا اشارہ کیا۔ مختلف راہداریوں سے گزرتے ہم واپس اسی محافظ کے پاس پہنچے۔ اب وہ ایک بنچ پر بیٹھا تھا، مگر یوں کہ اسے کھڑا ہونے کو دیر نہ لگتی۔

''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس کے قریب قدم روکتے ہوئے لورا نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا تھا۔

نشست چھوڑتے ہوئے اس نے فوراً تعارف کرایا۔ ''مادام، میں راج کماری پرما کا محافظ ہوں۔''

''کون راج کماری۔ اور کسی طالب علم کو اپنے ساتھ محافظ لانے کی اجازت کس نے دی۔'' برہمی سے کہتے ہوئے وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ ''مسٹر مہتہ! کیا تمھارے علم میں یہ تھا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں مادام۔''

لورا اسے مخاطب ہوئی۔ ''مسٹر، تمھیں ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔''

محافظ دلیری سے بولا۔ ''میں راج کماری کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ البتہ جنرل رندھیر شکلا سے آپ کی بات کروا سکتا ہوں۔''

میں اردو میں بولا۔ ''اتنی تگ ودو کی ضرورت نہیں، مادام نے کون سا تمھیں پورا دن روکنا ہے۔ ان کے آفس میں

بیٹھ کر جنرل صاحب سے بات کرلیں گے، بلکہ مادام کی بات کروالیں گے تاکہ اپنی آنکھوں سے محترمہ کی بے عزتی بھی نہ سکیں۔نئی نئی آئی ہے اور کچھ زیادہ ہی پر پرزے نکال رہی ہے۔‘‘میرا انداز کسی مجبور ماتحت کا سا تھا جسے اپنے دیس میں بدیسی آقا سے واسطہ پڑا ہوا ہو۔

لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ کندھے اچکاتا ہوا ہمارے ساتھ چل پڑا۔ایک خالی کمرہ ہم پہلے تاڑ آئے تھے۔اسے لیے ہم سیدھا وہیں گھسے۔میں سب سے پیچھے تھا۔اندر داخل ہوتے ہی میں نے دروازہ بھیڑا ساتھ ہی سائیلنسر لگا گلاک کوٹ کی جیب سے میرے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا۔

دروازے کے بند ہونے کی ’’کلک‘‘ ہوتے ہی وہ پھرتی سے پیچھے مڑا۔اس کا کسرتی بدن اور پر اعتماد چہرہ واضح کر رہا تھا کہ وہ مشکل ہدف تھا تبھی میں نے ہتھیار کا استعمال ضروری سمجھا تھا۔مجھے پستول بکف دیکھ کر اس کے چہرے پر غصہ ابھرا۔وہ مجھ سے تین چار قدم دور تھا۔اسے جارحانہ موڈ میں دیکھتے ہی میں اطمینان سے بولا۔

’’یقین کرو اپنے ہاتھ اٹھا کر جان بچانا گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔‘‘

وہ برہمی سے بولا۔’’تم جانتے نہیں کتنی بڑی غلط............اوغ۔‘‘سر پر لگنے والی ضرب سے وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا۔لورا اچھی طرح جانتی تھی کہ ہمارے پاس مکالمے بازی میں ضائع کرنے کا وقت نہیں تھا۔تبھی اس نے پستول کے دستے سے اس کا سر بجانے میں خاصی قوت صرف کی تھی۔

ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑتے ہوئے وہ لمبا پڑ گیا تھا۔میں نے سرعت سے اس کی ٹائی کھول کر ہاتھ جکڑے اور بوٹوں کے تسموں کو آپس میں باندھ کر پاؤں جکڑ دیئے۔ٹخنوں تک آتے بوٹ بغیر ہاتھ استعمال کیے اتارنا ممکن نہ تھا۔

اسے گھسیٹ کر ایک میز کے نیچے چھپایا اور باہر نکل آئے۔پرما کے کلاس روم تک ہم جیسے اڑ کر پہنچے تھے۔ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔میں باہر رک گیا، لورا نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

’’راج کماری پرما......‘‘

’’یس مادام۔‘‘پرما کی سریلی آواز آسانی سے مجھ تک پہنچی تھی۔

لورا نے آواز میں پریشانی و بے چینی سموتے ہوئے کہا۔’’تمھیں قریب آ کر میری بات سننا چاہیے۔‘‘

اسٹیتھوسکوپ، سفید کوٹ اور فصیح انگریزی نے کسی کو استفسار کی جرأت نہیں دی تھی۔

’’خیریت تو ہے ڈاکٹر۔‘‘پرما کی آواز میں اندیشے تھے۔

’’بے بی پریشان نہ ہو، ڈاکٹر سنبھال لیں گے۔عمر بڑھنے کے ساتھ ایسے حادثے معمول کی بات ہیں۔‘‘

’’آپ پہلے ہی ہمیں بہت زیادہ ڈرا چکی ہیں۔‘‘پریشان کن لہجے میں کہتے ہوئے وہ دروازے تک پہنچی۔

’’شکلا صاحب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔اور انھوں نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔‘‘تیز لہجے میں کہتے ہوئے لورا باہر نکلی۔

پرما نے باہر آتے ہی دائیں بائیں دیکھا۔’’چندن کہاں گیا؟‘‘

’’کون چندن؟‘‘لورا انجان بن گئی تھی۔

’’ہمارا محافظ ہے۔‘‘پرما سخت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔میں چند قدم دور انجان بنا کھڑا رہا۔دو آدمیوں کو دیکھ کر وہ بدک سکتی تھی۔

’’بے شک اسے کال کرلو مگر خدارا دیر نہ کرو، شکلا صاحب کی حالت خاصی مخدوش ہے۔‘‘بہ ظاہر لورا نے اسے مرضی کرنے کی اجازت دی مگر شکلا کی ناگفتہ بہ حالت کا ذکر کر کے جلدی کرنے کی ترغیب بھی دے ڈالی تھی۔

لورا کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے پرمانے پوچھا۔ ''گرینڈ پا کو کس وقت دورہ پڑا ہے۔''

لورا نے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے ہی انھیں یہاں لایا گیا ہے، فی الحال ''آئی سی یو'' میں ہیں۔''

میں چند قدم کے وقفے سے ان کے عقب میں چلنے لگا۔ پرما خود میڈیکل کی طالبہ تھی اور لورا اچھی خاصی تضاد بیانی کر چکی تھی، مگر پرما دھیان نہیں دے سکی تھی۔ لورا ایک طرف شکلا کی حالت کو مخدوش اور اس کا آئی سی یو میں داخل ہونا بتا رہی تھی، ساتھ ہی اس کا پرما سے ملنے کی خواہش ظاہر کرنا بتا رہی تھی۔

کالج سے نکلتے ہی میں چوکنا ہو گیا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ہمارے عقب میں دو آدمی آ رہے تھے، جونھی وہ ایک وارڈ میں گھسے، میں نے پیچھے دیکھ کر عقب کے محفوظ ہونے کو یقینی بنایا اور پرما کے قریب ہو کر ایک دم اس کے سر پر پستول کا دستہ رسید کرتے ہوئے پستول جیب میں ڈال لیا۔

وہ گہری کراہ کے ساتھ زمین بوس ہو گئی تھی۔ سامنے کچھ فاصلے پر چند بندے آ رہے تھے، مگر کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

''کیا ہوا۔'' تشویش بھری آواز میں کہتے ہوئے میں جھکا اور اسے بازوؤں میں بھر کر اٹھا لیا۔

''شاید دورہ پڑا ہے، اسے ایمرجنسی میں لے جانا پڑے گا۔'' لورا بدحواسی میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ دو کمرے چھوڑ کر سرجیکل وارڈ تھا۔ وہاں اسٹریچر نظر آئے۔ لورا نے ایک اسٹریچر سیدھا کیا اور میں نے فوراً پرما کو اوپر لٹا کر اپنا کوٹ اس کے چہرے و چھاتی پر ڈال دیا تھا۔

ہسپتال میں اکثر افراتفری ہی مچی رہتی ہے۔ مریضوں کا آنا جانا تسلسل سے جاری ہوتا ہے۔ اس لیے ہماری حرکت مشکوک نہیں لگ رہی تھی۔ سونے پر سہاگا لورا براؤن کا ڈاکٹروں والا حلیہ تھا۔

داخلی دروازے سے نکل کر ہم پارکنگ کی طرف بڑھے۔ میرے دل میں اس کے محافظوں کا خطرہ موجود تھا۔ گو پہلے تمام کینٹین میں بیٹھے تھے، مگر ان کی پارکنگ میں واپسی غیر یقینی نہیں تھی۔ ہماری قرا ولی ادھوری تھی۔ پوری معلومات حاصل کیے بغیر ہم نے ہدف پر ہاتھ ڈالا تھا اور قریباً کامیابی کے نزدیک تھے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو جاتی تو بھاگنا مشکل ہو جاتا۔ شکلا ہر چوک پر، ناکے لگوا سکتا تھا۔ ہماری کار کی حالت بھی اتنی اچھی نہیں تھی کہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر سکتے۔ اور سب سے بڑھ کر ہمیں مغوی کو ٹھکانے تک لے جانا تھا، اپنی ذات تک ہمیں بھاگنے میں کوئی مسئلہ نہ ہوتا لیکن پرما کو ساتھ پھرانا تبھی ممکن تھا کہ ہم چپکے سے کام کر جاتے۔

یہی خیال شاید لورا براؤن کے دماغ میں بھی اٹھا تھا۔ پختہ روش کے ساتھ مجھے اسٹریچر روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ بولی۔ ''کار پارکنگ سے باہر لے آؤ۔''

اس کی احتیاط مجھے پسند آئی تھی۔ میں لمبے ڈگ رکھتا ہوا پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک جیپ کی عقبی نشست پر چار محافظ بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ ہماری احتیاط پسندی کام آ گئی تھی۔ میں نے تو کار بھی ان کی جیپ کی بغل میں کھڑی کی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر میں نے ان پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور کار پارکنگ سے باہر لے آیا۔ لورا بے چینی سے منتظر تھی۔ ہم نے فوراً اسے عقبی نشست پر منتقل کیا، لورا اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیونگ سنبھالتے ہوئے میں نے کار آگے بڑھا دی۔ اسٹریچر سنبھالنے کا وقت نہیں تھا۔ ویسے بھی پارکنگ کے قریب چند اسٹریچر رکھے ہوئے نظر آئے تھے، جو یقیناً خستہ حال مریضوں کو اندر لے جانے کو رکھے گئے تھے۔

جونھی بڑی سڑک پر چڑھے، پرما با آواز بلند کراہی۔ میں نے عقبی شیشے میں جھانکا وہ اٹھنے کی کوشش کرتی نظر آئی تھی۔ مگر لورا نے اس کی گردن کی رگ مسلتے ہوئے دوبارہ بے ہوش کر دیا تھا۔

میں درمیانی رفتار سے چلتا گیا کہ تیز رفتاری لوگوں کو متوجہ کرتی ہے۔ ہمیں چلتے ہوئے آدھا گھنٹا ہوا تھا کہ پرما کا موبائل فون بجنے لگا۔ لورا نے اس کے ''شولڈر بیگ'' سے فون نکال کر بند کر دیا کہ آن ہونے کی حالت میں ہمیں موبائل فون کے ذریعے ڈھونڈا جا سکتا تھا۔

میں نے مشورہ دیا۔ ''بہتر ہوگا اپنا کوٹ اتار دو اور پرما کو بھی سیٹ سے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' لورا نے عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے اپنا کوٹ اور اسٹیتھو اسکوپ کار کے فرش پر پھینکا اور پرما کو سیٹ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ اب بہ ظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ نیند میں ہو۔

مجھے معلوم تھا کہ جلد ہی ہماری تلاش میں تیزی آنے والی تھی اور اس سے پہلے اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری تھا۔ مزید گھنٹے بھر کی ڈرائیونگ کے بعد ہم بہ خیریت منزل پر پہنچ گئے تھے۔ کھولی کے سامنے کار روک کر ہم نے احتیاط سے پرما کو اندر منتقل کیا۔ اور پھر میں نے کار مخصوص جگہ پر کھڑی کر دی۔ کار کا رنگ، ماڈل اور حالت ایسی تھی کہ اس جیسی ہزاروں کاریں ممبئی میں موجود تھیں۔ اس لیے کار تبدیل کرنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

لورا، پرما کے ہاتھ پاؤں ہتھکڑیوں میں جکڑ کر اس کے منہ پر ٹیپ چپکا چکی تھی۔ مجھ سے زیادہ وہ پرجوش تھی۔ گو پرما کو تکلیف دہ حالت میں دیکھ کر مجھے دکھ ہوا تھا، مگر کیا کرتا کہ مجبوری تھی۔ انصاری صاحب کی شہزادی کو میں شہزادیوں کی طرح نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر وہ تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی تو اسے مکمل آرام و سہولت میسر کرنے کی کوشش کرتا مگر اب ایسا ممکن نہ تھا۔ اڑتی اڑتی جو خبریں مجھ تک پہنچی تھیں ان کے مطابق اپنی بیٹی اور انصاری صاحب کی بیوی پاروتی شکلا کو شکلا ہی نے قتل کرایا تھا۔ اس شقی القلب سے بیٹی کی شوہر سے وفاداری برداشت نہیں کی گئی تھی۔ ایک پاکستانی جاسوس کو بہ حفاظت فرار کرانے والی اس کی نظر میں ملک دشمن تھی۔ تبھی اسے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ایکسیڈنٹ میں مروا دیا تھا۔ اور پھر بیٹی کی موت کے بعد اس کی محبت کا بہاؤ نواسی کی طرف مڑ گیا تھا۔ پرما کو ساتھ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پاکستان و مسلمانوں سے نفرت کی وجہ سے وہ انصاری صاحب کو سخت ناپسند کرتا تھا تبھی باپ سے اس کی پیاری اولاد چھین لی تھی۔ اور ناممکن تھا کہ اس نے پرما کے ذہن میں والد کے خلاف زہر نہ بھرا ہو ورنہ پرما انصاری صاحب سے رابطے کی کوشش ضرور کرتی۔ اسے نانا کے پاس مطمئن دیکھ کر اور اس کی بیماری کا سن کر پرما کی پریشانی دیکھ کر یقین ہو جاتا تھا کہ وہ پاکستان جانے پر کسی صورت آمادہ نہ ہوتی۔

لورا نے پوچھا۔ ''اب کیا کریں؟''

''سب سے پہلے حلیہ تبدیل کرتے ہیں۔ ہسپتال و کالج میں کیمرے لگے ہیں اور یقیناً اب تک شکلا کیمروں کی وڈیو دیکھ چکا ہوگا۔''

لورا نے اشتیاق ظاہر کیا۔ ''کیا لگتا ہے اس نے مجھے پہچان لیا ہوگا یا نہیں۔''

میک اپ بکس کھولتے ہوئے میں نے کندھے اچکائے۔ ''کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق تو پڑتا ہے، میں چاہتی ہوں اس کی نیندیں اڑ جائیں۔''

میں نے کہا۔ ''وہ تو تمھیں نہ پہچاننے پر بھی اڑ جائیں گی۔ کیوں کہ نیند اڑنے کا سبب پرما کا اغواء ہے۔ کس نے اغواء کیا یہ ثانوی رہ جاتا ہے۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''دوسروں کی عزت خراب کرنے والے کی جب اپنی عزت پر بنے گی تو اسے دوسروں کی تکلیف کا احساس ہوگا۔ میں اس کی نواسی کا وہ حشر کروں گی کہ یہ درندہ قبر میں بھی اپنے کیے پر پچھتائے گا۔''

میں نے مطعون کیا۔ ''مجھے نہیں لگتا، کیپٹن لورا براؤن اتنی ظالم و ناانصاف ہوگی کہ ایک درندے کا بدلہ معصوم لڑکی

لینا چاہے گی۔"

اس نے کہا۔"سانڈوں کی لڑائی میں گھاس کا کچلا جانا قانون قدرت ہے۔"

میں طنزیہ انداز میں بولا۔"تم سانڈ نہیں، ہرنی ہو۔"

وہ بے پروائی سے بولی۔"بکرے کو چارہ بنا کر شیر کا شکار کرنے والے کا مطمح نظر بکرے کی زندگی نہیں شیر کی موت ہوتی ہے۔"

"پرما کا کوئی بال بانکا بھی نہیں کر سکتا۔ تم شکلا کو دھمکانے کو جتنی لفظی گولہ باری کرنا چاہو پروا نہیں۔ عملاً پرما کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔"

مجھے گھورتے ہوئے اس نے طنز کیا۔"کیوں کھان لڑکی سے بھی زیادہ پیاری لگنے لگی ہے۔"

"میں بے گناہ کی صوت دیکھ کر مدد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اگر پرما تمھاری طرح بدصورت ہوتی پھر بھی اسے کچھ نہ ہونے دیتا۔"

"ریچا اور بکواس نہ کرے۔" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"ہوش سے کام لو، لورا۔ پرما بے قصور و بے گناہ ہے۔ ایک معصوم پر ظلم کرتے ہوئے ترس نہیں آئے گا۔"

"اس کے نانا کو ظلم ڈھاتے وقت مجھ پر ترس آیا تھا۔ کیا میں بے قصور نہ تھی۔" وہ حجت بازی پر اتر آئی۔

میں نے فضول دماغ کھپائی کے بجائے ٹی وی آن کیا اور چہرے کی مرمت کرنے لگا۔ دھرمو دادا کی مہربانی سے اب ہم اپنا حلیہ تبدیل کرنے پر قادر ہو گئے تھے۔ لورا نے بھی سانولی رنگت ختم کر کے گندمی رنگ اپنایا۔ آنکھوں پر نیلے لینز چڑھائے۔ بالوں کو بھورا کیا۔ مصنوعی جبڑے ڈال کر گالوں کی ہڈی کو مزید ابھارا اور نئی لورا بن گئی۔ میں بھی نئے حلیے میں آ گیا تھا۔

مختلف چینل کھنگالنے کے باوجود ٹی وی پر ہمارے متعلق کوئی خبر نہیں چلی تھی۔ یقیناً شکلا خاموشی سے کام میں لگا تھا۔ ہم بہ مشکل شکل تبدیل کر پائے تھے کہ پرما زور سے کراہی اور پھر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر صرف کسمسا کر رہ گئی تھی۔

"تمھارا منہ کھول رہی ہوں، اگر چیخنے چلانے کی کوشش کی تو بھیجا اڑا دوں گی۔ سمجھ میں آیا کہ نہیں۔" اس کی آنکھوں کے سامنے زگانہ نائین ایم ایم لہراتے ہوئے لورا سفاک لہجے میں بولی تھی۔

پرما کی آنکھوں میں خوف چھلکا اور اس نے زور سے سر ہلا کر سمجھنے کا عندیہ دیا تھا۔

اس کے ہونٹوں سے ٹیپ اتار کر لورا کرسی گھسیٹ کر قریب ہوئی۔

"میں کیپٹن لورا براؤن ہوں۔ ذرا حلیہ بدلا ہوا ہے ورنہ تم میرے نام سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہڈیوں سے چمڑا اتارنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔ اور تمھارا چمڑا اتارنے سے پہلے تو لباس اترے گا۔ اور اس کے بعد............ خیر بچی نہیں ہو تمھیں پتا ہوگا ایک جوان لڑکی کو دشمن کی قید میں کون سی اذیتوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔"

وہ ہکلائی۔"مم......مگر ہمارا قصور......؟" خوب صورت شوخ آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔

لورا غرائی۔"کیوں کہ تم ایک درندے کی اولاد ہو......"

"اپنے باپ سے ہم بھی اتنی نفرت کرتے ہیں جتنی آپ...... جب اس کے ظلم سے اپنی بچی اور بیوی محفوظ نہ رہیں تو آپ کس شمار میں ہیں۔ مگر اس کے مظالم ہمارے کھاتے میں تو نہ ڈالیں۔" وہ لورا کی بات کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ لورا نے اسے شکلا کی اولاد پکارا تھا اور اس نے سگا باپ سمجھ لیا تھا۔ پرما کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انصاری صاحب کے خلاف شکلا

نے اس کے دل میں کتنا زہر بھر دیا تھا۔
لورا نے دانت پیسے۔ ''باپ نہیں، تمھاری ماں کے باپ کا ذکر کر رہی ہوں۔ میرا دشمن رندھیر شکلا ہے۔''
''گرینڈ پا......مم......مگر وہ تو آپ کے کاروباری ساتھی ہیں ناں۔'' یقیناً پرما کو لورا اچھی طرح یاد تھی۔
''وہ سؤر، میرا ساتھی نہیں؛ میری انا، خودداری وعزت کا قاتل ہے۔ اور جو ظلم اس نے مجھ پر ڈھایا، تم پر ٹوٹے گا۔ جتنی اذیت اس نے مجھے دی، تمھیں اتنی ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو حال میرا اس نے کیا ویسا ہی حشر تمھارا کیا جائے گا۔ تمھیں کئی مردوں کے سامنے نہ پھینکا تو کہنا۔''
پرما گڑگڑائی۔ ''پپ......پلیز......ہمیں کیوں سزا دے رہی ہیں۔ آپ کے ساتھ زیادتی کرنے پر ہم نے تو گرینڈ پا کو نہیں اکسایا۔ ہم تو آپ کو جانتے بھی نہیں، بس ایک ہی سرسری سی ملاقات ہوئی تھی......''
لورا نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ ''تمھاری بے گناہی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔''
میں مخل ہوا۔ ''لورا شکلا کا فون نمبر لے کر اس سے بات کرو، اس بے چاری کو دھمکانے سے کیا ہوگا۔''
مجھے گھورتے ہوئے وہ غرائی۔ ''ریجا! تم بیچ میں نہ آؤ تو بہتر ہوگا۔''
میں اردو میں پرما کو مخاطب ہوا۔ ''فکر نہ کرو، میری موجودی میں کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''
اس کے چہرے پر چمک ابھری اور وہ لجاجت سے بولی۔ ''تت......تو آپ ہمیں چھوڑ دیں......گرینڈ پا آپ کو مالا مال کر دیں گے۔''
''صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ آپ کی جان اور عزت پر ہلکی سی آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔ باقی شکلا کے کرتوتوں سے آپ واقف نہیں ہو، ورنہ اس کے پاس جانے کے بجائے کنوئیں میں چھلانگ لگانا بہتر سمجھتیں۔''
لورا طیش میں آکر بولی۔ ''ریجا انگریزی میں بات کرو۔''
میں مسکرایا۔ ''ہمیں اپنی زبان میں بات کرنا اچھا لگتا ہے۔''
''اے لڑکی تم میری بات سنو۔'' لورا کا ہاتھ اس کی ریشمی زلفوں کی طرف بڑھا۔ میں نے ایک دم لورا کا ہاتھ پکڑ کر دور جھٹک دیا تھا۔
''ہوش میں ہو۔''
''تت......تم، ریجا......'' لورا ششدر رہ گئی تھی۔
میں نے قطع کلامی کی۔ ''جو سلوک شکلا سے کرنا ہے اس کا نشانہ پرما کو نہ بناؤ۔ میں نے کسی بے گناہ کے خلاف تمھارا ساتھ نہیں دیا تھا۔''
وہ چلائی۔ ''دفع ہو جاؤ، مجھے تمھاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔''
میں اطمینان سے بولا۔ ''پرما میرے ساتھ جائے گی۔''
''اور میں تمھارے بھیجے میں گولی اتار دوں تب......؟'' لورا نے ایک دم سائیلنسر لگا ز گانہ مجھ پر تان لیا تھا۔
میں بے پروائی سے بولا۔ ''گولی چلانے کی جرأت ہے۔''
وہ اعتماد سے بولی۔ ''نک کے قاتل کے لیے میرے دل میں ذرا برابر ہمدردی نہیں ہے۔''
''اپنا یہ شوق بھی پورا کر لو، مگر میری زندگی میں پرما پر ہاتھ اٹھانا تو کجا کوئی ٹیڑھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔''
وہ بپھر کر بولی۔ ''آخر کیوں؟''
''کیوں کہ تمھارا ساتھ میں نے انصاف کے حصول کو دیا تھا۔ اور اب پرما سے شکلا کا نمبر معلوم کر وتا کہ اپنا مقصد پورا

کر سکیں۔"

"ریحا،تم نہیں جانتے شکلا کے خلاف میرے دل میں کیا الاؤ روشن ہے۔میں اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز، ہر انسان بلکہ جانور تک کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہوں۔جس اذیت سے میں گزری ہوں وہ صرف میں جانتی ہوں............ یا" لمحہ بھر توقف کر کے اس نے فقرہ مکمل کیا۔"تمھارا خدا۔"

"میں نے قریب ہوا،اس کے ہاتھ سے پستول لے کر اس کی جیب میں ڈالا اور بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔داخلی دروازے کے ساتھ کھڑے ہو کر میں نے کمرے سے تھوڑا فاصلہ پیدا کیا اور معنی خیز لہجے میں پوچھا۔"تم میرے مشن کے بارے جاننے کی خواہش مند تھیں ناں؟"

اس کے چہرے پر تعجب ابھرا۔"مگر اس لڑکی کا تمھارے مشن سے کیا تعلق......؟"

میں نے انکشاف کیا۔"اسی کا حصول تو میرا مشن تھا۔"

وہ بوکھلاتے ہوئے بولی۔"کک......کیا مطلب؟ لگتا ہے اس کی صورت دیکھ کر ریجھ گئے ہو۔"

میں صاف گوئی سے بولا۔"بلاشبہ تم سے خوب صورت نہیں ہے۔"

وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔"ریحا! صاف صاف بتاؤ کیا چاہتے ہو۔"

"یہ پرما شکلا نہیں، پرما ملہوترا، بلکہ پرما انصاری ہے۔اس کے باپ کا نام بریگیڈئر فہیم اسلم انصاری ہے۔وہ بھارت میں طویل عرصے تک جاسوس بن کر رہے۔پرما کی ماں سے ان کی شادی پیشہ ورانہ مجبوری کے تحت ہوئی مگر وہ بیوی سے بہت محبت کرتے تھے۔پرما بھی انھیں جان سے پیاری تھی۔شاید وہ ساری زندگی بھارت میں گزار دیتے،مگر بدقسمتی سے ان کا راز فاش ہو گیا۔اس سے پہلے کہ گرفتاری عمل میں آتی، بیوی کے ذریعے انھیں اپنا بھانڈا پھوٹنے کی خبر پہنچ گئی۔اور بیوی ہی کی مدد سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔شکلا کو جونھی بیٹی کے کارنامے کی خبر ملی اس نے پاروتی کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔اور پرما کی ماں بے چاری گھر زندہ نہ لوٹ سکی۔بیٹی کی موت کے بعد شکلا،نواسی کو اپنے پاس لے گیا۔انصاری صاحب نے بہت کوششیں کیں کہ اپنی بیٹی کو پا سکیں،مگر ان کی راہ میں شکلا کا منحوس وجود رکاوٹ بنا رہا۔شکلا نے نہ صرف باپ کو بیٹی سے ملنے سے روکے رکھا بلکہ پرما کے ذہن میں ایسا زہر بھرا کہ آج اس معصوم کو اپنا باپ ایک قاتل اور ظالم شخص دکھائی دیتا ہے۔جب انصاری صاحب کی دو تین کوششوں کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے مجھے شکلا کے خاتمے اور پرما کی بازیابی کو بھیجا۔میرے ساتھ ایک کمانڈو بھی آیا تھا جو ایک معرکے میں شہید ہو گیا۔پھر تم ملیں اور باقی کہانی تمھیں معلوم ہے۔"

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھاما۔"ویسے اس بارے اجمالاً تو مجھے بھی پتا تھا، بہ ہر حال اب کیا چاہتے ہو؟"

"تم شکلا سے رابطہ کر کے اپنا کام نکلواؤ، پھر اسے قتل کر کے پرما کو ساتھ لے جاؤں گا۔امید ہے اس کی ہلاکت کے بعد زیادہ رکاوٹوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

لورا صاف گوئی سے بولی۔"میں چاہتی تھی پرما پر تشدد کی وڈیو اسے بھیجوں تاکہ وہ مزاحمت نہ کر سکے۔"

"اسے پرما کی بندھی ہوئی حالت کی تصویر دکھانا کافی ہوگا۔"

اس نے تھکے تھکے لہجے میں متفق ہونے کا اعلان کیا۔"کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔"

"تو چلو۔"میں نے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

"اے ریحا! خفا تو نہیں ہو تم پر پستول تانا......"میرا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے ندامت ظاہر کی۔

میں مسکرایا۔ ''کسی بے وقوف کی بات پر غصہ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔''
وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''تم سے معذرت کرنا ہی فضول ہے۔''
میں کھل کھلاتے ہوئے اندر گھس گیا۔ پرما منتظر نظروں سے دروازے کی جانب متوجہ تھی۔
کرسی سنبھالتے ہی لورا نے کہا۔ ''اپنے نانا کا نمبر بتاؤ۔''
اس نے بے بسی ظاہر کی۔ ''ہمیں یاد نہیں ہے، ہمارے موبائل فون میں لکھا ہوگا۔''
''موبائل فون پر پاس ورڈ لگا ہوا ہے۔''
''پاروتی.....'' اس نے اداس لہجے میں اپنی ماں کا نام لیا تھا۔
''ریجا بات سنو۔'' لورا دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ صحن میں نکل کر وہ دبے لہجے میں بولی۔
''یہاں سے بات کی تو منکشف (لوکیٹ) ہو جائیں گے۔''
میں نے کہا۔ ''بات چیت تم نے کرنا ہے اور تمھیں اکیلا جانے نہیں دے سکتا۔''
''بالکل، پرما کی نگرانی بھی تو ضروری ہے۔''
میں نے مشورہ دیا۔ ''ہاتھ پاؤں جکڑے ہیں، منہ پر ٹیپ چپکا کر نکل جاتے ہیں۔ البتہ اسے یہی باور کرائیں گے کہ ایک آدمی یہیں ہے۔''
اس نے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہم واپس پرما کے پاس پہنچ گئے۔
''تمھارا نانا اس وقت کہاں ہوگا؟'' لورا نے دوبارہ تفتیش شروع کر دی۔
اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہمیں نہیں پتا۔''
لورا نے پوچھا۔ ''مستقل ممبئی میں ہوتا ہے یا کسی اور شہر میں ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔''
جواب ملا۔ ''عموماً سفر میں رہتے ہیں، یہاں بھی آنا جانا لگا رہتا ہے، البتہ دوسرے شہروں کی نسبت یہاں زیادہ وقت گزارتے ہیں۔''
''یہاں اس کی کیا روزمرہ ہوتی ہے؟''
پرما نے کہا۔ ''باہر کا تو پتا نہیں، البتہ گھر میں ہمیں وقت دیتے ہیں، لائبریری میں گھسے رہتے ہیں یا آرام کرتے ہیں۔''
لورا چند ضروری وغیر ضروری سوال پوچھ کر میری طرف متوجہ ہوئی۔ ''ریجا! بہتر ہوگا تم شکلا سے بات کرنے چلو جاؤ۔''
''ٹھیک ہے۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''پرما کا موبائل فون مجھے پکڑاؤ۔''
موبائل فون میری طرف بڑھا کر اس نے پرما سے پوچھا۔ ''لڑکی، میرا آرام کا موڈ ہے۔ تمھیں کوئی حاجت ہے تو پوری کرلو، بعد میں ذرا سی آواز آئی تو یاد رہے تمھیں چھڑانے کو ریجا یہاں نہیں ہوگا۔''
وہ منمنائی۔ ''ہمیں تازہ دم ہونا ہے۔''
لورا نے اس کی ہتھکڑیاں کھول کر کہا۔ ''تمھارے پاس پانچ منٹ ہیں۔''
کلائیوں کو مسلتے ہوئے وہ بیت الخلاء میں گھس گئی۔ بیت الخلاء اور غسل خانہ اکٹھے ہی تھے۔ روشندان موجود تھا، مگر اس سے بہ مشکل بلی ہی گزر سکتی تھی۔
پرما کے غسل خانے میں گھستے ہی میں باہر نکل آیا تاکہ اسے لگے میں چلا گیا ہوں۔ میں پارکنگ کی طرف بڑھ

گیا۔ جب تک کار اسٹارٹ کر کے کھولی کے سامنے پہنچتا لورا باہر آ گئی تھی۔ کھولی کا بیرونی دروازہ بھی تالا کر کے اس نے میرے ساتھ نشست سنبھال لی۔

کار آگے بڑھتے ہی اس نے پوچھا۔ ''کیا ترتیب ہو گی؟''

''تم بات کرو گی، طویل گفتگو نہ کرنا۔ چند دھمکیاں دے کر مطالبہ پیش کرنا اور پھر نکل بھاگیں گے۔''

''جانا کہاں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''ایسی جگہ جہاں بھیڑ زیادہ ہو، تاکہ ہمیں آسانی سے نہ ڈھونڈا جا سکے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سہ پہر ہو گئی تھی۔ گھنٹے بھر کے سفر کے بعد میں نے ایک بڑے شاپنگ پلازا کی پارکنگ میں کار روکی اور ہم اندر گھس گئے۔ ایک دکان میں زیر لباس نسوانی استعمال (انڈر گارمنٹس) کی چند چیزیں لے کر لورا ''ٹرائی روم'' میں گھس گئی۔ میں دروازے پر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ آسانی سے بات کر سکے۔

اس نے پرما کا موبائل فون آن کر کے شکلا کو کال ملا لی۔ میرے کانوں میں اس کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ اور جس طرح وہ طیش میں بات کر رہی تھی یقیناً شکلا کے اندیشے مزید بڑھ جانا تھے۔

دس منٹ بات کر کے اس نے رابطہ ختم کیا اور موبائل فون بند کر کے نکل آئی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ خریداری کر سکتے۔ تمام چیزیں وہیں چھوڑ کر ہم باہر نکل آئے۔ اگلے پانچ منٹ میں کار میں بیٹھ کر ہم پارکنگ سے نکل آئے تھے۔ بازار سے نکلنے میں، میں نے سرعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ بڑی سڑک پر چڑھتے ہی لورا کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا رہا؟''

وہ طمانیت سے بولی۔ ''گڑگڑا رہا تھا۔ یقین مانو ریجا، اس فرعون کا لجاجت بھرا لہجہ سن کر سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔''

میں منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''تفصیل بتاؤ۔''

''پہلے تو خبیث نے خوشی کا اظہار کیا کہ شاید نواسی کی کال ہے۔ میری آواز سنتے ہی سانپ سونگھ گیا تھا۔ اسے کھری کھری سنا کر میں نے اپنا سوئٹزر لینڈ بینک کا اکاؤنٹ نمبر بتایا اور بیس ملین پاؤنڈ کا ہرجانہ طلب کیا ہے، دوسری صورت میں پرما کے ساتھ جو کچھ ہو سکتا ہے اس کی دو تین مثالیں دیں۔ تاکہ سور کے ہوش ٹھکانے لگیں۔ منتیں کرنے لگا کہ اتنی رقم اس کے اکاؤنٹ میں بھی نہ ہو گی۔ مگر میں جانتی ہوں جھوٹ بک رہا تھا۔ قریباً اتنی رقم تو اسے ہمارے سودے میں بچ رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی جانے کتنے سودے کر چکا ہو گا۔ ایسے بدکرداروں کے سوئٹزر لینڈ کے بینک اکاؤنٹ پیسوں سے لبالب بھرے پڑے ہیں.....''

میں نے قطع کلامی کی۔ ''راضی ہوا کہ نہیں۔''

''منتوں کے بعد دھمکیوں پر اتر آیا کہ اگر میں نے اتنے پیسے نکلوا بھی لیے تو وہ بعد میں میرے خلاف کارروائی کر سکتا ہے۔'' لورا کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''بے وقوف کو کیا معلوم کہ بچے گا تو کچھ کرنے کے قابل ہو گا ناں۔''

میں نے بے چینی ظاہر کی۔ ''طے کیا ہوا؟''

''پانچ دن کی مہلت مانگ رہا تھا۔ تین دن کی مہلت دی ہے اس کے بعد لیت و لعل کی تو پرما کی پہلی وڈیو ارسال کروں گی۔''

میں نے کہا۔ ''پرما پر تشدد کا خواب بھول جاؤ۔''

وہ اطمینان سے بولی۔ ''تشدد بھی نہیں کروں گی اور وڈیو بھی ایسی بنے گی کہ شکلا کا سکون و آرام غارت ہو جائے گا۔''

میں نے خیال ظاہر کیا۔ ''مجھے لگتا ہے وہ خبیث اپنا نقصان نہیں ہونے دے گا۔''

''اگر اسے پر ما کی فکر نہیں ہے تو ایسا سوچا جا سکتا ہے۔''

''تمھاری سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔ وہ رقم ایس آرون رائفلوں کو خریدنے کی مد میں ادا کرے گا تا کہ اپنا نقصان انڈین حکومت کے خزانے سے پورا کر سکے اور تمھارا مطالبہ بھی پورا ہو۔''

''ویری گڈ، اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ ایس آرون رائفلیں میرے کس کام کی، اگر یوں وہ منہ مانگی رقم ادا کرنے پر تیار ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ بلکہ اس نے ایسا نہ کہا تو میں خود یہ تجویز سامنے رکھوں گی۔ سچ میں تم بہت ہوشیار ہو۔'' اس نے پر جوش انداز میں میری پیٹھ تھپتھپائی۔

''توانتی ہونا پاکستانی سپاہی کی سوچ برطانوی فوج کے آفیسر سے زیادہ ہوتی ہے۔''

وہ کشادہ دلی سے بولی۔ ''صرف تمھارے بارے یہ دعویٰ تسلیم کر سکتی ہوں۔''

میں نے موضوع تبدیل کیا۔ ''شکلا، پرما کو تلاش کرنے کو پوری طاقت استعمال کرے گا۔ تمام میسر ذرائع ہماری تلاش میں جھونک دے گا، اس لیے ہمیں بہت زیادہ احتیاط و چوکسی کی ضرورت پڑے گی۔''

وہ مسکرائی۔ ''اپنے تئیں تو کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے، باقی تمھارے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔''

اب اللہ پاک کا بابرکت نام وہ عقیدت سے لینے لگی تھی۔ البتہ اللہ پاک کو پکارتی میری نسبت سے تھی۔

واپسی پر پرما ہمیں بہ خیریت ہی ملی تھی۔ قریبی مارکیٹ سے میں نے لورا کے لیے ایک نیا بستر خریدنا ضروری سمجھا تھا کہ اس کے بستر پر پرما قابض ہو گئی تھی۔

پرما جاگ رہی تھی ممکن ہی نہ تھا اسے نیند آ جاتی۔ کھولی میں تین ہی چار پائیاں دستیاب تھیں اور تیسری چار پائی جھلنگا بنی تھی اس کی نوار بھی دو تین جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔

''راج کماری صاحب اس پر آرام کریں گی۔'' لورا نے جھلنگا چار پائی پر سونے سے انکار کر دیا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے لیے رہنے دو۔''

وہ بپھر کر بولی۔ ''تم کیوں جھلنگا چار پائی پر سوؤ گے۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ ''کیا تم نہیں جانتیں۔''

''زہر لگتی ہے تمھاری ہنسی۔'' بیویوں کے سے انداز میں مجھے کوستے ہوئے وہ جھلنگا چار پائی کی طرف بڑھی۔

میں نے اسے بازو سے پکڑا۔ ''سختیاں برداشت کرنا مرد کا کام ہوتا ہے عورت کا نہیں۔''

وہ برہم ہوئی۔ ''تمھاری عورتیں گھر بیٹھی ہیں۔''

''اچھا پانچ منٹ صبر کرو میں نئی چار پائی خرید لاتا ہوں تا کہ وجہ ہی کو قتل کر دوں۔''

پرما پر قہر آلود نظر ڈال کر وہ غرائی۔ ''وجہ پرانی چار پائی نہیں ہے۔''

''اور وجہ ایک معصوم لڑکی بھی نہیں ہے۔'' اسے اپنی چار پائی پر دھکیل کر میں باہر نکل آیا۔ چار پائی اور رات کا کھانا خریدنے میں مجھے دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

واپسی پر لورا، پرما کو دھمکاتی ہوئی ملی تھی۔ نجانے کیوں وہ پرما پر برہم تھی۔ حالاں کہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شکلا کے کرتوتوں کی جوابدہ پرما نہیں ہو سکتی تھی۔

پرانی چار پائی صحن میں پھینک کر میں نے نئی چار پائی پر بستر لگایا۔ لورا خاموش ہو گئی تھی۔ پرما کی آنکھوں میں مجھے ہلکی نمی تیرتی نظر آئی۔ میں نے کڑی نظر سے لورا کو گھورا۔ اس نے ڈھیٹوں کے انداز میں کندھے اچکا دیے تھے۔

میں نے پرما کی ہتھکڑیاں کھول کر اسے ہاتھ منہ دھونے کا کہا تا کہ کھانا کھا سکیں۔

وہ منمنائی۔ ''ہمیں بھوک نہیں ہے۔''

اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے میں اردو میں بولا۔ ''کہا ناں آپ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نہ عزت، نہ جان کو۔ ہماری دشمنی شکلا سے ہے۔ آپ بالکل بے گناہ و بے قصور ہو۔ اب اٹھو اور تازہ دم ہو جاؤ۔''

مجھ پر ممنونیت بھری نظر ڈال کر وہ غسل خانے میں گھس گئی۔ میں نے دو چار پائیاں ملا کر ان پر کھانا چن دیا۔

''آجاؤ۔'' میں نے لورا کو آواز دی۔

وہ قریب آئی۔ ''تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔''

مجھے حیرانی ہوئی۔ ''کیا ہوا؟''

وہ پست آواز میں بولی۔ ''اسے کیا تسلیاں دے رہے تھے۔ جب کہہ دیا کچھ نہیں کہوں گی تو زبانی کلامی دھمکانے پر تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

میں طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تمھیں کیا معلوم میں اسے تسلیاں دے رہا تھا یا کوئی اور بات کر رہا تھا۔''

''اردو نہیں جانتی، تمھاری حرکتیں دیکھ کر اندازہ تو کر سکتی ہوں۔''

''کیا سہمی ہوئی لڑکی کو تسلی دینا غلط ہے، جبکہ لڑکی کے بے گناہ و بے قصور ہونے کا یقین ہو۔''

وہ بے پروائی سے بولی۔ ''اولاد کو والدین کا بویا کاٹنا پڑتا ہے۔''

''وہ ایک عظیم مجاہد کی بیٹی ہے، شکلا کی نہیں ہے۔ بلکہ شکلا تو اس کی ماں کا قاتل ہے۔''

''تم نرا سر درد ہو۔ اگر مجبور نہ ہوتی تو تمھارے ساتھ ایک پل نہ ٹھہرتی۔''

میں بیزاری سے بولا۔ ''مجبوری کیسی، دفع ہو جاؤ۔ شکلا کو پرما کے نام پر بلیک میل کر کے جو لینا ہے حاصل کرو۔ پرما کی فکر نہ کرو میں اسے سنبھال لوں گا اور ان شاء اللہ اب شکلا اس کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔''

وہ استہزائی انداز میں بولی۔ ''اوے ہوئے......اتنی پسند آگئی ہے کہ کیپٹن لورا براؤن بھی کباب میں ہڈی لگنے لگی ہے۔ اور یہ بھول گئے کیسے للچاتے ہوئے ندیدے پن سے ڈیٹ پر جانے کی درخواست کیا کرتے تھے۔''

چٹخنی کھلنے کی آواز پر میں دبے لہجے میں بولا۔ ''کوڑھ مغز اس کے سامنے ایسی بکواس نہ کر دینا۔''

ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ بکھیرے وہ خاموش ہو گئی۔

پرما باہر آئی۔ سرخ و سفید چہرے پر پانی کے قطرے پھول پر پڑی شبنم کی طرح لگ رہے تھے۔ اس نے تولیہ استعمال نہیں کیا تھا۔ یقیناً نفیس سیٹھ زادی کو کسی دوسرے کا تولیہ استعمال کرنا قباحت لگ رہی تھی۔ بلکہ وہ عام سا بستر، غریبوں کا غسل خانہ و بیت الخلاء، مرمت کی متقاضی دیواروں والی کھولی جس کے فرش کا ناقص پلستر جگہ جگہ سے اُکھڑا تھا۔ یقیناً وہ مقام اس کے لیے کسی عقوبت خانے سے کم نہ تھا۔ لورا جیسی تربیت یافتہ اور عملی زندگی گزارنے والی سنائپر وہاں آکر چیخ پڑی تھی۔ پرما تو نازوں میں پلی شہزادی تھی۔ جسے نہ گرمی سے پالا پڑا تھا نہ سردی سے واسطہ۔ گرمیوں میں ہر جگہ اے سی میسر ہوتا تو سردیوں میں ہیٹر۔ اس کھولی سے تو اس کے ملازموں کی رہائش بھی کئی گنا بہتر ہو گی۔

وہ قریب آکر بیٹھ گئی۔ مجھے دکھانے کو اس نے دو تین نوالے زہر مار کیے، بلاشبہ پریشانی نے اس کی بھوک اڑا دی تھی۔ میں نے زیادہ اصرار نہ کیا کہ اس کی حالت سے بھی واقف تھا اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ میرے اصرار کو فکر مندی جانتے ہوئے لورا بکواس نہ شروع کر دے۔

وہ پرما کو گھٹیا درجے کے قیدی سے زیادہ اہمیت دینے پر تیار نہ تھی۔ جبکہ انصاری صاحب سے عقیدت کی وجہ سے مجھے پرما کی فکر تھی۔ میں اسے ہلکی سی تکلیف پہنچانے پر راضی نہ تھا کجا اسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا یا اس کی ہتک کی جاتی۔

بیٹی انصاری صاحب کو جان سے عزیز تھی۔ پرما کا ذکر کرتے وقت ان کے ہونٹوں پر شفقت بھرے تبسم کا ابھرنا، آنکھوں میں پرما کی جدائی پر نمی کا چھلکنا، چہرے کا حسرت و یاس کی تصویر بن جانا ظاہر کرتا تھا کہ پرما انھیں کتنی پیاری تھی۔ پرما کی محبت ہی تھی کہ وہ شکلا جیسے ڈائنوسار سے ہار ماننے کو تیار نہیں تھے۔

''ہمیں ہتھکڑیوں میں تکلیف ہو رہی ہے۔ شاید سو نہ سکیں۔'' لورا جونھی برتن سمیٹ کر اٹھی، پرما ہولے سے منمنائی۔ بے چاری لورا کے رویے کی وجہ سے خوفزدہ تھی۔ حالاں کہ ہم جنس ہونے کے ناتے اسے لورا کا سہارا لینے کی ضرورت تھی، مگر لورا کے بار بار جھڑکنے، دھمکانے اور اظہار نفرت کے بعد اس کا میرے ہمدردی بھرے رویے پر میری طرف متوجہ ہونا اچنبھے کی بات نہ تھی۔

لورا برتن دھونے صحن میں نکل گئی۔

میں نے ندامت ظاہر کی۔ ''یہ ہماری مجبوری ہے ورنہ آپ کو کبھی تکلیف نہ پہنچائی جاتی۔''

وہ لجاجت سے بولی۔ ''جب تک آپ موجود ہیں تب تک تو یونھی رہ سکتے ہیں ناں۔ بے شک آپ دروازے کو اندر سے تالا کر دیں۔''

میں متبسم ہوا۔ ''وعدہ کرتی ہو کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

سر جھکا کر وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ ''جج......جی ہم وعدہ کرتے ہیں نہیں بھاگیں گے۔'' شاید پہلی بار جھوٹ بولنا پڑا تھا جو ہکلا گئی تھی۔

اسے کرید کرنا دم کرنے میں دلچسپی نہ تھی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اچھا سو جاؤ، میں جاگ رہا ہوں۔''

چہرے پر شکر گزاری کا گہرا اثر لیے وہ لیٹ گئی۔

لورا نے اندر آتے ہی برتن ایک طرف رکھے اور اسے کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے ہتھکڑی اٹھالی۔

میں جلدی سے بولا۔ ''فی الحال رہنے دو کیپٹن۔''

''سچ میں۔'' اس کے چہرے پر بے یقینی ابھری۔

''میں جاگ رہا ہوں۔''

وہ برہمی سے بولی۔ ''اس کے لیے کب تک جاگو گے۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''آرام کرو یہ تمھارا دردسر نہیں ہے۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''تم ہو نا میرا دردسر۔''

''ایک آدمی کا جاگنا ضروری ہے۔''

اس نے منہ بگاڑا۔ ''تمھارے جاگنے پر نہیں، لڑکی کے نہ بندھے ہونے پر معترض ہوں۔''

''کیا خیال ہے تمھارے اعتراض کی مجھے پروا ہوگی۔''

وہ استہزائی انداز میں بولی۔ ''ایک بریگیڈئر کا ایسے سپاہی کو اپنی ڈاکٹر بیٹی کا رشتہ دینا جو پہلے سے دو بیویوں کا شوہر ہو، یقیناً احمقانہ اور لچر سوچ ہے۔''

میں نے تیز لہجے میں اسے ٹوکا۔ ''بکواس کی ضرورت نہیں، شکلا بریگیڈئر نہیں جنرل ہے۔'' ساتھ ہی آنکھ مار کر اسے انصاری صاحب کا ذکر نہ کرنے کا اشارہ کر دیا۔

اس نے تپتے ہوئے کہا۔ ''کوئی انہونی ہوگئی تو تمھیں گولی مارنے سے بھی نہیں چوکوں گی۔''

میں نے اس کے اندیشے کو درخور اعتناء نہیں جانا تھا۔ میرا مطمح نظر پرما کو حتی الوسع آرام پہنچانا تھا۔ میں صبح بھی سو سکتا

یوں بھی دو تین دن ہم نے باہر نہیں نکلنا تھا۔ ٹی وی کی میز اپنی چار پائی کے قریب کر کے میں نے آواز دھیمی کی اور خبریں دیکھنے لگا۔ نامعلوم دہشت گردوں کی وجہ سے پولیس جگہ جگہ پر چھاپے مار رہی تھی۔ مختلف سڑکوں پر پولیس کے ناکے اور چیک پوائنٹ قائم ہو گئے تھے۔ پرما کے اغواء کی خبر کسی چینل پر نہیں آئی تھی، البتہ میڈیکل کی ایک نامعلوم طالبہ کی پراسرار گمشدگی کا ذکر دو تین چینلوں نے کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی لورا کے گہرے سانس میری سماعتوں میں گونجنے لگے۔ پرما کی آنکھیں بھی بند تھیں۔ خبروں کا تکرار اور بار بار گھوم پھر کر پرانی گفتگو کا دہرایا جانا زیادہ دیر برداشت نہ ہوسکا مجبوراً مجھے چینل تبدیل کرنا پڑا۔ اور میں نے ایک دستاویزی فلم لگالی۔ رات دبے پاؤں سرکنے لگی۔ اسی دوران غنودگی کا ہلکا سا جھٹکا لگا، آرام دہ بستر پر مسلسل جاگنا بھی کار دار بن جاتا ہے۔ میں پرما کے ہاتھ پاؤں جکڑنے کے ارادے سے اٹھا۔ تاکہ تھوڑی نیند لے لوں وہ کمبل میں غائب تھی صرف موہنا چہرہ ہی باہر نظر آرہا تھا۔ چہرے پر اتنی معصومیت اور الہڑ پن چھایا تھا کہ میں اسے نیند سے جگانے کا حوصلہ نہ کر سکا۔

دروازے کو صرف باہر سے تالا کیا جا سکتا تھا کیوں کہ اندر زنجیر کے بجائے چٹخنی لگی تھی۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی چار پائی کو دروازے کے سامنے بچھا دیا۔

میری نیند ایسی نہ تھی کہ پرما میرے اوپر سے گزر کر دروازے سے باہر چلی جاتی اور میں سویا رہتا۔ اس کے باوجود میں نے لمبا پڑنے کے بجائے گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھنا ضروری سمجھا تھا کیوں میں خطرہ مول لینے کے حق میں نہ تھا۔ پرما کے حصول کے بعد میرا مشن تقریباً مکمل ہو گا تھا، بس اب شکلا کے خاتمے کا منصوبہ بنانا تھا تاکہ بھارت سے فرار ہونے میں آسانی ہوتی۔ پرما کے ماموں کو یقیناً اس کی اتنی پروا نہ ہوتی جتنی نانا کو تھی۔

بیٹھے بیٹھے ہی میں اپنی پلوشے کے پاس پہنچ گیا تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی یاد چھاتی کا پھوڑا بنتی جا رہی تھی۔ انڈیا آمد کے بعد مجھے آرام کے اوقات کم ہی میسر رہے تھے۔ اور یہ میرے لیے بہتر تھا کہ مصروفیت اس کی جان لیوا یادوں سے چھٹکارے کا باعث بنتی تھی۔ اب تو جدائی کے ساتھ اس کی خفگی کا احساس بھی دل ودماغ پر چوکے لگاتا رہتا تھا۔

آنکھیں بند کرنے کے بعد میں اس کے تصورات میں کھو جاتا، گزری باتیں دہراتا، اس کی اداؤں میں ڈوب جاتا، اس کے روٹھنے منانے سے لطف اندوز ہوتا، اس کی کھنکتی، گنگناتی ہنسی دھیان میں لاتا، دبی دبی سرگوشیوں کے لیے سماعتوں کو وا کرتا، اس کے گرم مہکتے سانسوں کی پھوار کو محسوس کرتا، اس کا میری انگلیوں کو چٹخانا یاد کرتا۔ میرے ہاتھ اس کی ناک، کان، ریشمی زلفوں کے لمس کا احساس کرتے، یہاں تک کہ میں نیند میں ڈوب کر ایسے جہان میں پہنچ جاتا جہاں نہ اس کی خفگی موجود تھی اور نہ جدائی سے واسطہ تھا۔

اس کی سب سے بڑی کمزوری گدگدی تھی۔ بغل یا پیٹ میں انگلی چھونے سے وہ یوں اچھلتی تھی جیسے بجلی کا کرنٹ یا بچھو کا ڈنک لگا ہو۔ چھوٹی موٹی خفگی کو دور کرنے کا یہ تیر بہ ہدف نسخہ تھا۔ میں پوچھتا...... ''موڈ ٹھیک کرتی ہو یا کروں گدگدی۔'' اور وہ فوراً خفگی ختم کر دیتی تھی۔

سپنوں کی دنیا ایسی جگہ ہے جہاں غم کم اور خوشیاں بے بہا ہوتی ہیں۔ انسان کی بہت سی تشنہ خواہشات خواب نگر میں پوری ہوتی ہیں۔ میری آنکھیں بھی نیند میں پلوشے کی دید سے بہرہ مند ہوتیں، قوت شامہ اس کی خوشبو سے فیض یاب ہوتی اور سماعتیں میٹھی سرگوشیوں سے متمتع ہوتیں۔ بیٹھے بیٹھے میں بھی سپنوں کی دلکش دنیا میں پہنچ گیا۔ پلوشے میرا سر گود میں رکھے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اس کے لبوں پر پشتو زبان کا گیت مچل رہا تھا۔ اچانک اس نے پوچھا......

''راجو پانی پیو گے۔''

''نہیں۔''

''مجھے تو پیاس لگی ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر میز پر سے جگ اٹھایا اور جونہی گلاس بھرنے لگی، جگ اس کے ہاتھ سے پھسلا......ایک دم میں نے کہنیاں سامنے کر کے جگ کو روکنے کی کوشش کی اور اسی وقت میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شیشے کا جگ سر کے عقبی حصے سے ٹکرایا۔ ''اوغ۔'' کی زوردار آواز سے میں دائیں جانب جھکا اور چارپائی سے نیچے گر گیا۔ میری آنکھیں وا ہوئیں، وہ پرما تھی۔ مجھے جگ رسید کر کے اس نے جگ چارپائی پر پھینکا، چارپائی کو ایک جانب ہٹا کر چٹخنی کھولنے لگی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھا مگر زور کا چکر آیا اور دوبارہ گر گیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا تو خون بہہ رہا تھا۔ مگر پرما کا بھاگ جانا ہمارے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیتا۔ لورا براؤن کی عادت تھی کہ وہ چہرہ کمبل میں چھپا کر سوتی تھی۔ اسی وجہ سے ہلکی پھلکی کھٹ پٹ اسے سنائی نہیں دی تھی۔ یا جاگی بھی تھی تو میری پہرے داری پر بھروسا کرتے ہوئے چہرے سے کمبل نہیں ہٹایا تھا۔

پرما چٹخنی کھول کر باہر کو بھاگی۔ میں کوشش کر کے ڈگمگاتا ہوا اٹھا، پہلے لورا کو اٹھانے کا سوچا، مگر اس کے سنبھلنے تک پرما کے دور نکلنے کا خطرہ تھا، اس لیے خود ہی اس کے پیچھے بھاگ پڑا۔ سر میں دھماکے ہو رہے تھے اور تیزی سے حرکت کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

پرما بیرونی دروازہ کھول کر باہر جا چکی تھی۔ میں ننگے قدم ہی بھاگا تھا، دروازے سے باہر کوئی نوکیلی چیز پاؤں کے تلوے میں چبھی مگر وہ وقت ایسی باتوں پر دھیان کا نہیں تھا۔ قدم روک کر میں نے پاؤں پر ہاتھ پھیرا وہ کیل تھی۔ کیل نکال کر دور پھینکی اور دوبارہ بھاگ پڑا۔

''سٹیریٹ لائیٹ'' کی روشنی میں وہ ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتی نظر آئی۔ اس نے کالی جینز پر سفید کُرتا اور اس پر کالے ہی رنگ کا عمدہ کوٹ پہنا ہوا تھا۔

بھاگتے ہوئے اس نے چند بار ''مدد......مدد......'' کی آواز بلند کی مگر وہ محلہ ایسا نہیں تھا جہاں رات کے اس وقت جاگنے کا رواج ہوتا۔ غریب، مزدور طبقہ لوگ تھے جو سردی سے بچنے کو بستروں میں چھپے تھے۔

میں بھی زخمی پاؤں کی پروا کیے بغیر بھاگا، سر کی چوٹ کو بھی میں نے پس پشت ڈال دیا تھا۔ حالانکہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی باکسنگ دستانے پہن کر میرے سر میں مسلسل مکے مار رہا ہو۔ پاؤں میں بھی کیل چبھنے سے سخت جلن اور درد ہو رہا تھا۔

مختصر گلی عبور کر کے وہ سڑک پر نکلی اور شاید اس کی قسمت عروج پر تھی کہ جیسے سڑک پر چڑھی، گاڑی کی تیز روشنی میں نہا گئی۔ وہ سرخ رنگ کی آلٹو تھی۔

''پلیز مدد کرو......'' با آواز بلند کہتے ہوئے پرما ہاتھ اٹھا کر کار کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

کار کی عقبی دروازہ کھلا اور وہ سرعت سے اندر گھس گئی۔

اس کے کار کے سامنے رکتے ہی میں پارکنگ کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ کیوں کہ کسی نوجوان لڑکی کا لفٹ کو اٹھا ہوا ہاتھ کم ہی مایوس لوٹتا ہے۔ اور لڑکی جب پرما کی طرح بھرپور جوان اور معصوم دمن موہنے رخ کی مالک ہو تو ''لفٹ'' نہ ملنے کا گمان صفر فیصد رہ جاتا ہے۔

گلی میں دو گھروں کے درمیان خالی جگہ تھی جہاں تین چار کاریں پارک تھیں۔ وہ کاریں دن بھر بہ طور ٹیکسی چلائی جاتیں۔ کچھ ٹیکسیاں دن بھر پارک رہتیں اور رات کو نکالی جاتیں۔ میں اپنی کار ہمیشہ ایسی جگہ پارک کرتا جہاں ناگہانی

صورت میں جلدی بھاگا جا سکے اور میری یہ احتیاط کام آ گئی تھی۔ کار اسٹارٹ کر کے میں باہر لایا اور سڑک پر چڑھتے ہی رفتار بڑھا دی۔ مقام شکر تھا کہ سڑک خالی پڑی تھی۔ یہ سڑک ساحل سمندر کی طرف جاتی تھی۔ جلد ہی کار کی عقبی بتیاں نظر آئیں، لیکن قریب پہنچنے سے پہلے کار سڑک سے اتر کر عمارتی سلسلے میں گھس گئی تھی۔ اس کے گلی میں داخل ہوتے ہی میں نے رفتار مزید بڑھا دی تھی، کیوں کہ میرے پہنچنے سے پہلے کار کسی مکان میں گھس جاتی تو تلاش کرنا مسئلہ بن جاتا۔

مطلوبہ جگہ پہنچ کر میں نے بھی کار سڑک سے اتاری، سامنے طویل گلی خالی نظر آ رہی تھی۔ گلی کافی کشادہ تھی۔ میں تیز رفتاری سے آگے بڑھتا گیا، مگر موڑ مڑتے ہی رکنا پڑا کہ دور دور تک کار کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کار ایک جانب لگا کر میں نیچے اترا۔ اندازہ یہی تھا کہ کار گلی موڑ سے پہلے ہی کسی مکان کے اندر گئی تھی۔

زیادہ تر مکانوں کے صحن میں بلب روشن تھے۔ اگر سارے مکانوں کا جائزہ لیتا تو شاید صبح ہو جاتی۔ مجھے سخت پریشانی ہو رہی تھی۔ اگر پرما کو لانے والا پولیس کو فون کر دیتا تو میری وہاں موجودی سخت خطرناک ہو سکتی تھی۔

”اگر اس کی نیت پرما پر بگڑ گئی پھر؟“ ایک روح فرسا خیال میرے دماغ میں جاگا۔ ایسا ہو جاتا تو میں ساری زندگی خود سے نظریں نہ ملا پاتا۔ پرما جیسی لڑکی پر کسی کی نیت کا بگڑنا بعید از قیاس نہ تھا۔ اپنے اول الذکر اندیشے پر کہ وہاں پولیس نہ پہنچ جائے، مجھے واپسی کا خیال آیا تھا۔ مگر پرما کی عزت خطرے میں محسوس کرتے ہی میری ساری حسیں بیدار ہو گئی تھیں۔ میں پیدل ہی پیچھے چل پڑا۔ ہر مکان کے دروازے سے جھانک کر میں صحن میں نظریں دوڑاتا اور دوسرے مکان کی طرف بڑھ جاتا۔ کار گیراج ہی میں پارک ہوتی ہے اور عموماً گیراج کا دروازہ نہیں ہوتا۔

پانچ چھے مکان ہی دیکھ پایا تھا کہ اچانک میرے حساس کانوں میں کسی لڑکی کے چیخنے کی آواز آئی۔ میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔ اندازے کے مطابق میری جگہ سے دوسرا مکان تھا۔ میں بھاگ کر اس مکان کے سامنے پہنچا، اس کا گیٹ لوہے کا تھا۔ اچھل کر میں نے دیوار کا اوپری سرا پکڑا اور بازوؤں کے زور سے اوپر اٹھ کر صحن میں جھانکا۔ وہاں سفید رنگ کی ٹویوٹا میرا منہ چڑا رہی تھی۔ نیچے اتر کر میں ساتھ والے مکان کی دیوار سے جھانکا۔ صحن میں کھڑی سرخ آلٹو دیکھتے ہی میرا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ احتیاط بلائے طاق رکھتے ہوئے، میں بازوؤں کے زور پر اوپر اٹھ گیا۔ نیچے اترتے ہی گلاک کی تلاش میں میرا ہاتھ جیب میں رینگا، مگر یاد آیا پستول تو تکیے کے نیچے رہ گیا تھا۔ کار کی ڈگی میں دو سنائپر رائفلیں موجود تھیں، مگر اتنا وقت نہیں تھا کہ واپس جا کر رائفل لا سکتا۔ پرما کی چیخ نے میرے اندیشے بڑھا دیے تھے اور ضائع کرنے کو ایک سیکنڈ بھی نہیں تھا۔ میں تیز رفتاری سے اندرونی عمارت کی طرف بڑھا۔ پاؤں ننگے ہونے کی وجہ سے چاپ دب گئی تھی۔

وہ درمیانے حجم کا مکان تھا۔ اندرونی عمارت کے دروازے پر چھوٹی سی بارہ دری بنی تھی، جس کا مقصد لکڑی کے دروازے کو بارش کے پانی سے محفوظ رکھنا تھا۔ دروازے کے دائیں بائیں دو کھڑکیاں تھیں جن میں جالی لگی تھی۔ دروازے کے قریب ایسی آواز آئی جیسے کسی کا منہ بند کیا جائے اور وہ ناک سے۔ ”اوں...... اوں۔“ کی آواز نکالے۔ اب میرا اندیشہ حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ یقیناً اس بدبخت سے پرما کا حسن گلوسوز برداشت نہیں ہو سکا تھا۔

البتہ ایک بات حیرانی میں ڈال رہی تھی کہ آخر گھر میں اس کے علاوہ کوئی نہ تھا جو اسے ٹوکنے کی کوشش کرتا۔ بہ ہر حال وہ وقت سوچوں میں کھونے کا نہیں تھا۔ دروازے پر دستک دینے سے وہ کبھی دروازہ نہ کھولتا۔ دروازے کو توڑنا بھی آسان نہ تھا۔ میری جیب میں تیز دھار چاقو موجود تھا، میں نے بغیر کسی تاخیر کے چاقو کھول کر کھڑکی کی جالی پر لگی پٹی اتاری اور دو تین جھٹکے دے کر جالی کھینچ لی۔ عقب میں شیشے کی کھڑکی تھی۔ مکا مار کر اوپر والا شیشہ توڑا اور ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھول دی۔ شیشے کے ٹوٹنے کی آواز پر اندرونی دروازہ کھولا جانے لگا، تب تک میں اندر داخل ہو گیا تھا۔ شیشے کی کرچیوں نے

میرے پاؤں کا بوسا لیا، مگر وہ چھوٹے موٹے زخموں پر دھیان دینے کا وقت نہ تھا۔ ڈرائینگ روم میں روشنی ہو رہی تھی۔ دروازے سے برآمد ہونے والا چہرہ ایک نوجوان کا تھا۔ نیچے کالی چست پتلون اور بالائی بدن برہنہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ وحشیانہ چمک ابھری۔

وہ دھاڑا۔ ''کون ہو تم۔''

جواب دیے بغیر میں زقند بھر کر قریب ہوا، میرے سر کی ٹکر اس کی چھاتی میں لگی اور وہ اچھل کر اندر جا گرا۔

میرے داخل ہونے تک وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ مگر اندر صورت حال دیکھتے ہی مجھے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو ساتھی اور بھی تھے۔ ایک میز پر شراب کی کھلی ہوئی بوتل پڑی تھی۔ اور اس کے دونوں ساتھی زیر جامے میں بیٹھے شراب نوشی کر رہے تھے۔ پرما بیڈ پر بندھی پڑی تھی، یوں کہ اس کا بالائی بدن برہنہ تھا اور نیچے صرف زیر جامہ رہ گیا تھا جو شاید چند سیکنڈ ہی کا مہمان تھا۔ اگر میں بروقت نہ پہنچتا تو وہ بھی اتر گیا ہوتا۔ پرما کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، مجھے دیکھتے ہی وہ۔ ''اوں......اوں......'' کر کے زور زور زور سے مچلنے لگی۔ اس کے منہ پر رومال بندھا تھا تبھی بے چاری چیخ نہیں پا رہی تھی۔

میں نے سرسری نظر اندر دوڑائی۔ نیچے گرا ہوا لڑکا کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ انداز سے باقی دونوں کا سرغنہ لگتا تھا، تبھی تو پرما پر پہلا حق اس کا تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ میرے جارحانہ تیور ان کی نظر میں غیر اہم تھے۔

سرغنہ بولا۔ ''بہتر ہو گا جان بچا کر بھاگ جا۔ ورنہ ٹکڑے کر کے گٹر میں بہا دوں گا۔''

پرما کی حالت دیکھتے ہی میرے دماغ پر سرخ چادر چھا گئی تھی۔ کسی مظلوم لڑکی کو بے حرمت کرنے والے درندوں پر مجھے کبھی ترس نہیں آیا۔ میں جواب دیئے بغیر اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا گریبان تھامنے کی کوشش کی، میں نے اسے ایسا کرنے دیا، جونھی اس کی گرفت مضبوط ہوئی، دائیں ہاتھ سے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بایاں ہاتھ زور سے کہنی پر مارا، وہ گھومنے پر مجبور ہو گیا تھا، ساتھ ہی میں نے زوردار جھٹکا دیا۔ اس کے ہونٹوں سے بلند چیخ نکلی، جوڑ سے اس کا کندھا نکل گیا تھا۔

وہ چیختے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھا، سرعت سے ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر اور دوسرا سر پر رکھ کر میں نے دونوں ہاتھ مخالف اطراف میں کھینچے۔ اور اس کا چہرہ پشت کی طرف موڑ دیا۔

''کھٹاک۔'' کی زوردار آواز سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ فرش پر گر کر وہ اذیت سے ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگا۔

اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے شراب کی بوتل اٹھا کر آدھی توڑی اور بقیہ بوتل خنجر کی طرح میری طرف تان لی۔ ان کے چہرے پر خوف نمودار ہو گیا تھا، لیکن اتنی جلدی ہار ماننے کو تیار نہ تھے۔

پہلے کو انجام تک پہنچاتے ہی میں ان دونوں کی طرف بڑھا۔ بوتل والا بھی اناڑی انداز میں آگے ہوا۔ جونھی اس کا بوتل والا ہاتھ میری پہنچ میں آیا، میں نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑی اور دوسرا ہاتھ اس کی کہنی کے قریب رکھ کر مخصوص انداز میں موڑا، اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ بوتل کا ٹوٹا ہوا سرا کیسے اس کے پیٹ کی جانب مڑ چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے زوردار جھٹکے سے میں نے بوتل اس کے پیٹ میں اتار دی۔

زوردار انداز میں چیختے ہوئے وہ دہرا ہوا، اسی وقت میرا گھٹنا زور سے اٹھ کر اس کے ماتھے سے ٹکرایا۔

دوسری چیخ کے ساتھ وہ کولہوں کے بل نیچے گرا اور لمبا لیٹ گیا۔ میں نے اپنی ایڑی پوری قوت سے بوتل پر ماری اور

مکمل بوتل اس کے پیٹ میں چلی گئی۔ اسی دوران تیسرا لڑکا مجھ پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ میں نے اس کے وار کو کہنی پر روکا اور ایک دم قریب ہوتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے بیچ گھٹنا اٹھا دیا۔

زوردار۔ ''اوغ'' کے ساتھ وہ رکوع کے بل جھکا، میرا بازو فوراً ہی اس کی گردن سے لپٹ گیا تھا۔ دوسرے بازو سے اپنی کہنی تھامتے ہوئے میں نے زوردار جھٹکا دیا اور۔ ''کڑکڑکڑ......'' کی بھیانک آواز کے ساتھ اس کا جسم بھی اذیت سے تھرتھرانے لگا تھا۔

گہرا سانس لیتے ہوئے میں اٹھا، پرما میری طرف متوجہ تھی اس کی آنکھوں میں دہشت ثبت ہو چکی تھی۔ وہ ایسی حالت میں نہیں تھی کہ اسے دیکھ سکتا۔ خبیثوں نے اس کی قمیص پھاڑ کر بدن سے علیحدہ کی تھی۔ اس کا کوٹ اٹھا کر میں نے اس کا بالائی بدن ڈھانپا اور چاقو سے اس کی ہاتھ پاؤں کی بندشیں کاٹ دیں۔

آزاد ہوتے ہی اس نے منہ پر بندھا رومال کھولا اور وہ گلو گیر آواز میں۔ ''شکریہ ......بہت بہت شکریہ......سوری......سوری......'' کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

کوٹ نیچے گرا اور میں نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

میرے دونوں پاؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ سر سے بہنے والا خون اب رک گیا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی قمیص بیڈ سے نیچے پڑی تھی۔ میں نے قمیص سے پٹیاں پھاڑ کر دونوں پاؤں پر لپیٹ لیں۔ جائزہ لینے پر اندازہ ہوا ان کے سرغنہ کے جوتے مجھے فٹ آسکتے تھے۔ جوتے پہن کر میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ ''تیار ہو۔''

وہ منمنائی۔ ''جج......جی جی۔''

میں اس کی طرف مڑا۔ پتلون و جیکٹ پہن کر اس نے کندن بدن ڈھانپ لیا تھا۔ میرے دیکھنے پر وہ سر جھکا کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے اسکول کی بچی کو سخت گیر استاد کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

تینوں مقتولوں کے لباس کی تلاشی لے کر میں نے ان کے موبائل فون نکالے اور بند کر کے جیب میں ڈال لیے کہ شکلا سے بات چیت کو ہمیں ان موبائل فون کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

''چلو۔'' میں نے اسے دروازے کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔

اس نے جھجکتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ میں اس کے ساتھ لگ کر چل پڑا کہ دوبارہ بھاگ نہ سکے۔ اعتبار کے قابل تو وہ پہلے بھی نہیں تھی اور نہ کوئی قیدی اعتبار کے قابل ہوتا ہے۔ البتہ مجھے اب خاطر خواہ سبق مل گیا تھا۔

یقیناً نشے میں دھت تین نوجوانوں کو جب اتنی خوب صورت لڑکی ایسی بے بسی کی حالت میں ملی تو انھیں اخلاقیات وغیرہ بھول گئے تھے۔ اور پہلی فرصت میں انھوں نے بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے چاہے۔ اب ان کی بدقسمتی کہ حیوانی جذبات میں وہ لڑکی کو پکڑنے والوں سے غافل ہو گئے تھے۔ ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔

''ادھر۔'' گلی میں نکلتے ہی میں نے اسے ہدایت دی۔

وہ خاموشی سے کار کی طرف بڑھ گئی۔ میں بالکل چوکس تھا، لیکن وہ جس حادثے سے گزر چکی تھی یقیناً وقتی طور پر بھاگنے کا نہیں سوچ سکتی تھی۔

بدقسمتی سے جونھی ہم کار کے نزدیک پہنچے، گلی کے موڑ سے چوکیدار نمودار ہوا۔

''پپ......پلیز مدد کرو، یہ ہمیں زبردستی لے جا رہا ہے۔'' پرما نے مدد مانگنے میں دیر نہیں کی تھی۔

اگر وہ رائفل تان لیتا تو میں مشکل میں پڑ سکتا تھا۔ جونھی پرما ملتجی ہوئی، میں نے لحظہ ضائع کیے بغیر ایک قدم آگے لیا

،میرے دائیں ہاتھ کا دائرہ وی مکا پوری قوت سے چوکیدار کی ٹھوڑی کی طرف بڑھا۔

''اوغ۔'' زوردار کراہ کے ساتھ وہ منہ کے بل گرا تھا۔

پرما ایک دم مڑ کر بھاگی، مگر میں نے زقند بھر کر اسے چھاپ لیا تھا۔

''پلیز، ہمیں چھوڑ دو۔'' میرے بازوؤں میں آتے ہی وہ مچلتے ہوئے دہائیاں دینے لگی۔

''خاموش۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔

''اگر ہمیں گرینڈ پا تک لے جاؤ تو وعدہ کرتی ہوں تمھیں منہ مانگا انعام دلواؤں گی۔'' رونے سے کام نہ بنتا دیکھ کر، وہ لالچ دینے پر اتر آئی تھی۔

وہ جان بوجھ کر یا انجانے میں کافی زور زور سے بول رہی تھی۔ اگر سوچ سمجھ کر اونچا بول رہی تھی تو اس کی چالاکی میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا تھا۔ یقیناً وہ لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش میں تھی۔ کار میں بیٹھ کر وہ راستے میں بھی میرے لیے مسئلہ کھڑا کر سکتی تھی۔ مجبوراً مجھے اس کی زبان خاموش کرنا پڑی۔ گردن پر بازو کا مخصوص دباؤ ڈال کر اسے عارضی طور پر خاموش کر دیا تھا۔ اسے پیچھے بٹھانے کے بجائے، اگلی نشست پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر چل پڑا۔ ہم دو تین کلومیٹر سے زیادہ نہیں آئے تھے۔ اس سڑک پر رات کے وقت ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ مجھے پرما کے حصول میں کامیابی ہوئی تھی۔

کھولی کے سامنے میں نے جونھی کار روکی، لورا متوحش سی باہر نکلی۔ ''کہاں گئے تھے، پرما ملی کہ نہیں۔ تمھیں آوازیں دی تھیں کم از کم مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔'' ایک ہی سانس میں کئی سوالات پوچھتے ہوئے اس نے قریب ہو کر کار کے اندر جھانکا۔ چونکہ کیبن کی بتی بجھی ہوئی تھی اس لیے اسے دور سے نظر نہیں آرہا تھا۔ پرما کو دیکھتے ہی اس نے اطمینان بھرا سانس لیا۔

میں نے پہلے والے سوالوں نظر انداز کر دیا تھا وہ مزید سوالوں پر جری ہوئی۔ ''کیسے پکڑا؟......اور اتنی دیر کیوں لگا دی۔''

''اگر دو منٹ صبر کر لو تو سب کچھ بتا دوں گا۔'' بیزاری سے کہتے ہوئے میں نے پرما کو بازوؤں میں بھر لیا۔

اس نے کہا۔ ''میں کار پارک کرتی ہوں۔''

میں جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اسے بستر پر لٹا کر میں اپنی چارپائی پر بیٹھا اور بوٹ اتار کر پٹیاں کھولنے لگا۔ اطمینان ہوتے ہی زخموں کا درد بڑھ گیا تھا۔ میرے بوٹ اتارنے تک لورا لوٹ آئی تھی۔

''دیکھ لیا ہمدردی کا انجام، پڑ گئی ہے سینے میں ٹھنڈ۔ اور اچھا بننے کا ناٹک کرو۔ سچ کہتے ہیں سپاہیوں میں عقل ہوتی تو فوج میں عہدہ دار نہ بنائے جاتے۔'' باآواز بلند مجھے کوستے ہوئے اس نے پرما کے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر دوسرا سرا چارپائی کے فریم کو لگا دیا۔

میں خاموش رہا کہ لورا حق بہ جانب تھی۔ اسے جکڑ کر وہ طبی بکس اٹھا لائی۔ سنائپر ابتدائی طبی امداد کا سامان جنگلوں، پہاڑوں صحراؤں میں ساتھ پھراتے ہیں، وہاں تو سامان اٹھانے کی کوئی دقت نہ تھی۔

اسپرٹ سے میرے سر کا زخم کا صاف کرتے ہوئے وہ ہنسی۔ ''نشانہ تو کافی اچھا ہے راج کماری کا اور ہاتھوں میں جان بھی ہے، بس ریچا ہی کچھ زیادہ ڈھیٹ تھا کہ بے ہوش نہ ہوا۔''

''معذرت یار! غلطی ہوگئی۔'' میں نے ندامت ظاہر کرنے میں حرج نہیں سمجھا تھا۔

ایک نظر پرما پر ڈالتے ہوئے وہ شرارتی لہجے میں بولی۔ ''اتنی خوب صوررت تو نہیں ہے کہ تم ہوش حواس ہی گم کر

بیٹھو۔"
میں شاکی ہوا۔"واقعی، ایسا ہی سمجھتی ہو۔"
لورا کا قہقہہ بلند ہوا۔"اندازہ ہی لگا سکتی ہوں، اصل وجہ تمھیں معلوم ہوگی کہ کیوں اتنا خطرہ مول لیا۔"
میں چڑ کر بولا۔"حالاں کہ وضاحت کر چکا ہوں۔"
اس نے قینچی سے زخم کے منہ کے بال کاٹے اور پائیوڈین سے صفائی کرنے لگی۔"تم نے بتایا نہیں کیا ہوا تھا۔"
میں نے مختصراً واقعہ دہرا دیا۔
"میں جاگ گئی تھی۔ جب کھولی سے نکلی تو تم کار میں بیٹھ چکے تھے۔ میرے آوازیں دینے پر بھی نہ رکے۔ مجبوراً لوٹنا پڑا۔ اور سچ کہوں تو سخت پریشان اور دل گرفتہ تھی۔ تم پر بھی اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ اگر پرما کے بغیر لوٹتے تو پٹائی سے بھی باز نہ آتی۔"
"میں خود بہت پشیمان تھا۔ کیوں کہ پرما اگر شکلا کے ہاتھ چڑھ جاتی پھر اس کا حصول ممکن نہ رہتا۔"
لورا نے منہ بنایا۔"پرما کا ٹھکانہ معلوم ہونے کے بعد تمھیں تھوڑی دیر کرنا چاہیے تھی، کم از کم اسے بھاگنے کا پھل تو وصول ہو جاتا۔ تم تو ایسے باولے ہوئے تھے جیسے تمھاری محبوبہ ہو۔ سر وہ زخمی کر گئی تھی اور پاؤں تم نے خود کرا لیے۔"
میں بھناتے ہوئے بولا۔"احمقوں کو کیا سمجھانا۔"
لورا کی کھنکتی ہنسی ابھری۔"سچ کہہ رہی ہوں، تم سے تو کچھ ہو نہیں سکتا، ان بے چاروں کو مرنے سے پہلے اپنی حسرت ہی پوری کر نے دیتے۔"
میں طنزیہ لہجے میں بولا۔"تمھارے لیے بھی کافی لوگوں کے دل میں حسرتیں پلتی رہی ہیں، کبھی انھیں نوازنے کا سوچا؟...... الٹا شکلا بے چارے کی چھوٹی سی جسارت پر اس کی جان کے درپے ہوئی ہو۔"
وہ ڈھٹائی سے بولی۔"انھیں مارنے پر تو معترض نہیں ہوں۔ میرا نقطہ نظر انھیں وجہ قتل مہیا کرنے کا تھا۔"
میں نے کہا۔"سرائیکی کہاوت ہے۔'ماری تے الہاری، ہک برابر ہے۔"
اسے اردو کی سمجھ نہیں آتی تھی سرائیکی خاک پلے پڑتی۔ سوالیہ انداز میں بولی۔"کیا؟"
"مطلب، کسی کو تھپڑ مارنے کو ہاتھ بلند کرنا اور تھپڑ مارنا ایک جیسا ہی ہے۔ اس لیے ایسے درندوں کا قتل ان کی مذموم خواہش پوری ہونے کے بعد جائز ہے تو ایسا کرنے کی کوشش کے بعد بھی ناجائز نہیں ہونا چاہیے۔"
میرے سر پر پٹی باندھ کر وہ پاؤں کے تلووں کو اسپرٹ سے صاف کرنے لگی۔"بہ ہر حال اب میرے اور پرما کے بیچ دیوار نہ بننا۔ ایسی لڑکی کو سدھانے کو مجھے سختی کرنا پڑے گی۔"
"پاگل نہ بنو، بے گناہ اسیر بھاگنے کی کوشش سے مجرم نہیں بنتا۔"
"ریجا دماغ خراب نہ کرو۔" ایک پاؤں پر پٹی لپیٹ کر وہ دوسرے پاؤں کی طرف متوجہ ہوئی۔
میں ہنسا۔"خراب چیز کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور میں ہمت نہیں ہاروں گا۔"
وہ درشتی سے بولی۔"بے ہودہ سپاہی۔ بہتر ہوگا مجھے چند دن اپنے نانا کی لاڈلی کے ساتھ اکیلا چھوڑ دو۔"
میں نے شرارتی قہقہہ بلند کیا۔"تمھارے بنا چند دن کیسے رہ پاؤں گا۔"
"شروع ہوگئی ریجا کی بکواس۔" طبی بکس سے درد کش اور سکون آور گولیاں نکال کر اس نے میری جانب بڑھا دیں۔
پانی سے گولیاں لے کر میں آرام کو لیٹ گیا۔ پرما کو سنبھالنے کو لورا موجود تھی۔

اگلے دو دن سکون سے گزرے۔بس پرما کی وجہ سے کبھی کبھار میری اور لورا کی لڑائی ہو جاتی۔وہ اسے ہلکی پھلکی چھیڑنے لگانے پر تلی رہتی اور میں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔سر پر بندھی پٹی دیکھ کر پرما پہلے دن مجھ سے بات کرنے پر جھجکتی رہی،مگر جب میں نے مطعون نہ کیا تو نارمل ہو گئی۔

اس دوران ٹی وی پر میرے ہاتھوں مرنے والے تینوں کی پراسرار موت کی خبر بھی چلی۔پھٹی ہوئی زنانہ قمیص،کٹی ہوئی رسیاں،کھڑکی کا ٹوٹا شیشہ اور بکھرا ہوا خون۔ان کے جرم سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ان کے قتل کے پس پردہ جو کہانی بیان کی جا رہی تھی وہ حقیقت سے اتنی بھی دور نہیں تھی۔بس یہ فرق تھا کہ وجہ پرما کے بجائے وہ لورا کو سمجھ رہے تھے۔خون کے نمونے سے مجھے پہچان لیا گیا تھا۔ان کے تیس لڑکوں نے میری ساتھی کو اغواء کیا اور باندھ کر بے حرمت کرنا چاہا جبکہ میں نے اچانک وہاں پہنچ کر انھیں قتل کر دیا۔لیکن چوکیدار کے بیان کے مطابق میرے ساتھ موجود لڑکی نے اس سے مدد مانگی تھی،جو ظاہر کرتا تھا کہ لڑکی میری ساتھی نہیں تھی۔اگر شکلا نے پرما کے اغواء کو میڈیا پر اچھالا ہوتا تو انھیں اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔اس کے علاوہ بھی واقعے میں چند کڑیاں غائب تھیں جن کے بارے طرح طرح کے اندازے لگائے جا رہے تھے۔میں خبریں عموماً پرما کے سونے کے بعد دیکھا کرتا۔کیوں کہ میں نہیں چاہتا تھا پاکستان کا نام سن کر اس کا دماغ اپنے باپ کی طرف متوجہ ہو اور وہ مجھے ان کا آدمی سمجھے۔میری حتی الوسع کوشش یہی تھی کہ اسے اپنے بارے بے خبر رکھوں۔

اب پرما کے ہونٹوں پر بھی لورا ٹیپ چپکائے رکھتی۔میرے زخم اتنے کاری نہیں تھے کہ ٹھیک ہونے میں زیادہ وقت لیتے۔

تیسرے دن ہمیں پھر شکلا سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔میں جانتا تھا پرما کے موبائل فون نمبر پر ایجنسی کی گہری نظر ہو گی۔جونہی موبائل آن ہوتا ہماری جگہ کا پتا چل جاتا۔مگر اس کا حل میں نے سوچا ہوا تھا۔

پرما کو سکون آور دوائی کھلا کر اس کے ہاتھ پاؤں ہتھکڑی میں جکڑے اور ہم باہر نکل آئے۔اس دن اپنی کار کے بجائے ہم رکشے میں بیٹھ گئے۔گھنٹے بھر کے سفر کے بعد میں نے لورا کو ایک بھیڑ والی جگہ پر اتارا اور خود آگے بڑھ گیا۔پندرہ منٹ بعد میں دوسرے بازار میں اترا اور تھوڑی تلاش کے بعد ایک عوامی بیت الخلاء میں گھس گیا۔پرما کا موبائل فون آن کر کے میں نے بیت الخلاء ہی میں چھپایا اور باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد میں دوسرا رکشا پکڑ کر واپس جا رہا تھا۔لورا ایک ہوٹل میں کونے والی میز پر بیٹھی میری منتظر تھی۔ہوٹل میں اکا دکا ہی گاہک نظر آ رہے تھے۔میرے پہنچتے ہی لورا نے میرے لائے ہوئے تینوں موبائل میں سے ایک آن کیا اور شکلا کا نمبر ملانے لگی۔دوسری گھنٹی پر کال وصول کر لی گئی تھی۔بغیر کسی تمہید کے وہ مطلب کی بات پر آئی۔

''کیا سوچا ہے۔''اس کا جواب سنتے ہی وہ دبے لہجے میں غرائی۔

''شاید تمھیں نواسی عزیز نہیں ہے۔''

''رقم کم نہیں ہو سکتی مسٹر۔اگر تم نے زیادہ آئیں بائیں کی تو تمھاری نواسی کی ایسی وڈیوز مارکیٹ میں لے آؤں گی کہ راتوں رات شہرت کی بلندی پر پہنچ جائے گی۔اتنی شہرت شاید کسی پورن اداکارہ کو بھی نہ ملی ہو گی جو تمھاری نواسی چند دنوں میں کما لے گی۔''

لمحہ بھر کے توقف کے بعد بولی۔''بہانے نہیں چاہئیں۔''اور اس کی بات سننے لگی۔

''پانچ ملین پاؤنڈ میرے اکاؤنٹ میں جمع کراؤ،باقی ایس آر ون تمھیں اسی قیمت پر ملے گی جس پر ہمارا معاملہ طے ہوا تھا۔''

”گھٹیا انسان دو ہزار پاؤنڈ تم دھونس جما کر لے رہے تھے۔ رائفل کی اصل قیمت پانچ ہزار پاؤنڈ ہے۔“

چند لمحے اسے سننے کے بعد وہ حتمی لہجے میں بولی۔ ”پانچ ملین میرے اکاؤنٹ میں جمع کراؤ اور فی رائفل چار ہزار پاؤنڈ ڈیوڈ کو بھجوا دو۔ رائفلیں وہ بھیجوا دے گا۔ اگر وہیں سے خود وصولنا چاہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اور یاد رکھنا اب تمھارے پاس مہلت نہیں رہی۔“

ذرا سے توقف کے بعد بولی۔ ”فی الحال تو وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر تعاون کرو گے تو اسے خراش بھی نہیں آئے گی۔ دو دن پہلے اسے میں نے جس مکان میں رکھا تھا وہاں چند اوباش لڑکے پہنچ گئے۔ انھوں نے پر ما کو چھونے کی کوشش کی، بلکہ اس کی قمیص پھاڑی اور نتیجے میں جان سے گئے۔ آئندہ بھی اس کی طرف اٹھنے والا ہاتھ توڑ دیا جائے گا، اگر تم تعاون کرو گے تو............ ورنہ میں خود گردو درگردو لڑکے اس کی تنہائی میں بھیجوں گی اور............“ ہلکا سا وقفہ لے کر اس نے فقرہ مکمل کیا۔ ”خیر اس کا تمھیں خوب تجربہ ہے کہ بندھی ہوئی بے بس لڑکی کے ساتھ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔“

لمحہ بھر اس کی بات سن کر وہ نفرت سے بولی۔ ”تمھاری گھٹیا آہ زاری سننے کا موڈ نہیں ہے۔ تم جیسے حرامی صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہماری [illegible] ی ختم کرنے میں تمھاری بھلائی ہے۔ اور اب ڈیوڈ کے ذریعہ گفتگو ہوگی۔“ شکلا کا جواب سنے بغیر اس نے رابطہ منقطع کیا۔ دو سو کا نوٹ نکال کر میز پر رکھا، موبائل فون بھی وہیں چھوڑا اور ہم دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں مزید ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔

واپسی پر پر ما سوتی ہوئی ملی تھی۔

میں نے کہا۔ ”میرا خیال ہے ممبئی چھوڑنے کا وقت آگیا ہے“

”کیوں؟“ لورا چونکی۔

”اسے شکلا کے حوالے تو نہیں کر سکتا اور جہاں تک میرا خیال ہے رقم کی ادائی کے بعد اگر اسے پر مانہ ملی تو جنون میں آکر کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

وہ ہنسی۔ ”اب کون سا جنون میں نہیں ہے۔ اور یہ ٹھکانہ کافی مفید رہا ہے، میرا نہیں خیال یہاں سے جانا عقل مندی ہوگی۔“

”ہم نے شکلا کا شکار کرنے کو مارا مارا پھرنا ہے۔ اور اس کھولی میں پر ما کو مستقل نہیں رکھا جا سکتا۔ مسلسل نشہ آور ادویات کے زیر اثر رکھنا بھی نقصان دہ ہوگا۔ اگلے مرحلے سے پہلے ہمیں پر ما کا مناسب بندوبست کرنا ہوگا۔“

وہ شرارتی انداز میں بولی۔ ”گولی مار کر جان چھڑاؤ۔“

”مشورہ مانگا ہے، بکواس کرنے کا نہیں کہا۔“

”پتا نہیں مردوں پر لڑکیوں کا خیال رکھنے کا بھوت کیوں سوار رہتا ہے۔“ وہ مجھے چھیڑنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

اچانک پر ما بڑبڑائی، پھر کروٹ بدلنے کی کوشش کی مگر ہتھکڑی کی وجہ سے ناکام ہوئی اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ نیند کے خمار سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ”پانی۔“

میں نے سرعت سے پانی کا گلاس بھرا اور اسے پکڑا دیا۔

”شکریہ۔“ کہہ کر اس نے گلاس منہ سے لگا لیا۔

اس کے گلاس واپس کرنے پر میں نے پوچھا۔ ”اور۔“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”آدھا گلاس د

پانی پلا کر میں نے اس کی ہتھکڑی کھولی تا کہ تازہ دم ہو جائے۔ وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔
اس کی واپسی تک میں نے کھانا چن دیا تھا۔ عموماً ہم اکٹھے ہی کھانا کھاتے تھے۔ اب پرما بھی ٹھیک ٹھاک کھانے لگی تھی۔ بلکہ ناشتے وغیرہ کو اس نے چند فرمائشی چیزوں کا بھی تقاضا کیا تھا جو لورا کے ناک بھوں چڑھانے کے باوجود میں خرید لایا تھا۔ شہد، مکھن، بریڈ، پنیر، جیم، امپورٹڈ بسکٹ و پیسٹریاں، مخصوص برانڈ کے جوس اور اسی طرح کے کچھ اور لوازم اتنے مہنگے بھی نہیں تھے کہ انصاری صاحب کی بیٹی کی خواہش کو ٹھکرا دیتا۔ وہ اپنی اہمیت سے ناواقف تھی ورنہ بہت زیادہ حکم چلاتی۔

کھانے کے بعد لورا نے اسے جکڑ دیا تھا۔ اب وہ ذرا سا بھی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھی۔ اور اس معاملے میں میری نرمی کو کسی خاطر نہیں لاتی تھی۔ چونکہ پرما کے بھاگنے کی قباحتیں میرے لیے بھی انجان و نا قابل فہم نہ تھیں تبھی اس معاملے میں لورا سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔

کھانے کے بعد وہ چائے یا کافی ضرور پیتی تھی۔ کھانا گرم کرنے اور چائے وغیرہ بنانے کو میں چھوٹا سا گیس سلنڈر خرید لایا تھا۔ کافی بنا کر میں نے ایک مگ لورا اور دوسرا اس کی جانب بڑھا دیا۔

کافی کی چسکی لیتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔ ”آپ کہاں گئے تھے؟“

میں نے ذو معنی انداز میں پوچھا۔ ”کس نے کہا ہم کہیں گئے تھے۔“

اس نے بہترین تجزیہ کیا۔ ”ناشتے کے بعد ہمارا اتنا گہری نیند سونا اور بہ مشکل کھانے کے وقت آنکھ کھلنا۔ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں چائے میں سکون آور دوائی پلائی تھی۔ اور ایسا تبھی کیا جائے گا جب ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہیں جانا ہو۔“

لورا نے آنکھیں نکالیں۔ ”ریحا کیا پوچھ رہی ہے، مجھے بتاؤ تا کہ اس کی طبیعت صاف کروں۔“

لورا کو گھورتے ہوئے میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تمھارا آرام کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔“

پرما متعجب ہوئی۔ ”یہ ہر وقت مرچیں کیوں چبائے رکھتی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”آپ کے نانا نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا اس کے بعد یہ پوچھنا عجیب لگتا ہے۔“ ہمیں اردو میں مصروف گفتگو دیکھ کر لورا لیٹ گئی تھی۔

وہ استہزائی انداز میں بولی۔ ”ایسا بھی کیا کر دیا کہ اس کا غصہ اترنے میں نہیں آ رہا۔“

حالاں کہ لورا سے اچھی طرح شکلا کی درندگی سے آگاہ کر چکی تھی۔ اس کا لہجہ و انداز مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ اسے گھورتے ہوئے میں تیکھے لہجے میں بولا۔ ”اس نے وہی کیا ہے جو اس دن تین لڑکے آپ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی قسمت اچھی تھی کہ میں بروقت پہنچ گیا ورنہ آپ کو عملی ثبوت بھی مل چکا ہوتا۔“

اس نے غیر یقینی ظاہر کی۔ ”آپ بس گرینڈ پا پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔“

میں غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔ ”تصور کرو اگر پامال ہونے کے بعد کچھ ایسے ہی تبصرے آپ کو ان لڑکوں کی قریبی رشتہ داروں سے سننا پڑ جاتے۔“

”لاوارث نہیں ہیں ہم۔ اور ایسوں کی گرینڈ پا وہ درگت بناتے کہ شمشان گھاٹ میں بھی پناہ نہ ملتی۔“

میں طنزیہ انداز میں بولا۔ ”زیادہ لاوارث آپ کو کیپٹن لورا براؤن لگ رہی ہے۔“

اس نے ٹون بدلی۔ ”تو گرینڈ پا سے بدلہ لے نا، ہمارا کیا قصور ہے۔“

میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ”ہماری فوج میں محاورہ مشہور ہے کہ سوکھی کے ساتھ گیلی کو بھی جلنا پڑتا ہے۔ مطلب جب ایک غلطی کرتا ہے تو اس کے قریب رہنے والے بھی سزا کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔“

وہ متعجب ہوئی۔ ''آپ فوجی ہیں۔''

میرا سر پیٹنے کو جی چاہا، کیوں کہ خود کو چھپائے رکھنے کو میں شکلا تک سے بات نہیں کر رہا تھا۔ نہ پر ما کو بتانے کا ارادہ تھا کہ میں انصاری صاحب کا بندہ ہوں، کیوں کہ میری بات پر وہ کبھی یقین نہ کرتی۔ اسے پاکستان لے جانا کافی مشکل ثابت ہونے والا تھا۔

میں نے بات سنبھالی۔ ''فوجی ہونا بہت برا ہے کیا؟''

نفی میں سر ہلاتے ہوئے دل گرفتگی سے بولی۔ ''بھارت ماتا کے سپوت سے یہ توقع نہیں تھی کہ مجرموں کا ساتھ دے گا۔''

''اپنے ناناکے کرتوت دیکھو، ایک لڑکی کی عزت خراب کی بلکہ جو رائفلیں بیچنے آئی تھی وہ بھی اس سے ہتھیانا چاہیں کیا ایسے بدکار کے خلاف مظلوم لڑکی کا ساتھ دینا جرم ہے۔''

وہ مدلل انداز میں بولی۔ ''آپ قانونی جنگ لڑ کر اسے حق دلا سکتے تھے۔ ایک مظلوم لڑکی کی خاطر دوسری مظلوم پر زیادتی کرنا کہاں کا انصاف ہے۔''

بلاشبہ اس کی دلیل برحق تھی لیکن وہ پوری حقیقت سے آگاہ نہیں تھی۔ اس کے اغواء کا اصل مقصد شکلا سے انتقام لینا نہیں اسے باپ تک پہنچانا تھا۔ البتہ اسے فی الحال یہ بتانا ممکن نہ تھا۔ اور خاموش ہونا ہار ماننے کی علامت تھا۔ میں بات بناتے ہوئے بولا۔

''قانونی جنگ کا لطیفہ آپ نے کافی اچھا سنایا ہے۔ باقی آپ کو قید کرنے کے علاوہ یہاں کیا زیادتی کی ہے۔''

''قید ہونا تھوڑی زیادتی ہے۔'' وہ گلوگیر ہوئی۔ ''کیا آپ نہیں جانتے ہمارے ہاں لڑکی کا اغواء ہونا اس کے کردار پر کتنے سوالیہ نشان اٹھاتا ہے۔ اور پھر ہمارا تعلق جس اونچے طبقے سے ہے کیا ایسی جگہ پر رہنا ہمارے لیے اذیت سے کم ہوگا۔''

اس کے سوالوں کا جواب میرے پاس نہ تھا، لیکن خاموش رہنا مناسب نہ لگا۔ ''ہم سے جتنا ہو سکتا ہے آپ کو آرام پہنچا رہے ہیں۔ باقی آپ کے طبقے میں ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔''

وہ بیزاری سے بولی۔ ''کافی کا ایک اور مگ مل سکتا ہے۔''

اور میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا۔

—●—

رات کے کھانے کے بعد لورا نے باہر جا کر ڈیوڈ سے بات کی، اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر کے شکلا کا نمبر دیا اور اس سے بات چیت کرنے کا کہا۔ دو تین دن کے اندر سارے معاملات طے پا گئے تھے۔

میں کھولی کے صحن میں ایک پرانی سی کرسی پر بیٹھا تھا جب لورا رقم ملنے کی خوش خبری لیے تمتماتے چہرے کے ساتھ اندر پہنچی۔

''تھوڑی سی جگہ دو۔'' مجھے دھکیل کر وہ ساتھ ہی جڑ کر بیٹھنے لگی۔

''دوسری کرسی لاتا ہوں۔'' میں کمرے میں گھس گیا، ایسی بے باکی و بے تکلفی مجھے گوارا نہ تھی۔ وہ لڑکا تھی نہ میں نامرد کہ یوں جڑ کر بیٹھنے میں قباحت نہ ہوتی۔ اس کی معاشرت اسے یہ اجازت دے سکتی تھی، میرا مذہب ایسی بے ہودگی کی اجازت دینے پر تیار نہ تھا۔

''لڑکی تم ہو یا میں۔'' جونہی کرسی لا کر سامنے بیٹھا اس نے ناک بھوں چڑھائی۔ ''تمھاری ایسی حرکتیں دماغ خراب کر

دیتی ہیں۔"

"میرے افعال کو دردِ سر بنانے کے بجائے مطلب کی بات پر آؤ۔ اور بتاؤ اتنی خوش کیوں ہو۔"

ایک دم اس کا موڈ ٹھیک ہوا، کرسی آگے کھسکا کر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسرت بھرے لہجے میں بولی۔ "شکلا نے ادائی کر دی ہے۔"

میں نے خوشی ظاہر کی۔ "مبارک ہو۔"

وہ تفصیل بتانے لگی جس کا لب لباب یہ تھا کہ:

لورا کے اکاؤنٹ میں اس نے صرف ایک ملین پاؤنڈ بھیجے تھے۔ لورا کے لیے وہ رقم بھی غنیمت تھی۔ ڈیوڈ کو فی رائفل ساڑھے تین ہزار پاؤنڈ کی ادائی ہوئی تھی۔ اور ایک رائفل پر ڈیڑھ دو ہزار پاؤنڈ کا منافع کافی تھا۔ یوں بھی رائفلیں ان کے لیے نرا سر درد ہی تھیں۔

جونہی ادائی ہوئی، لورا نے ڈیوڈ کو غائب ہو جانے کا کہا۔ چھپنے کا مقام انھوں نے پہلے سے چنا ہوا تھا۔ اسی دن ڈیوڈ برطانیہ سے رفو چکر ہو گیا تھا۔ لورا البتہ شکلا کو انجام تک پہنچانے کی متمنی تھی۔

تفصیل بتا کر اس نے خلوص سے پوچھا۔ "بتاؤ کتنی رقم چاہیے۔"

"کس لیے؟" میں نے حیرانی ظاہر کی۔

"بلاشبہ تمھارا ساتھ نہ ہوتا تو کامیاب نہ ہو پاتی۔ مجھے ملنے والی رقم پر تمھارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔ اور سچ کہوں تو سوئیٹزرلینڈ والے اکاؤنٹ میں رقم تمھارے لیے رکھوائی ہے۔"

"ہم دونوں کا مقصد ایک تھا اس لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ تمھیں رقم چاہیے تھی اور مجھے پرما۔ دونوں نے جو چاہا پا لیا۔ اب دونوں کو شکلا کی موت درکار ہے اس لیے اگلا لائحہ عمل سوچو۔"

"نصف ملین پاؤنڈ تمھیں خوشی سے دے رہی ہوں۔"

"جائز سمجھتا تو یقیناً خوشی سے وصول کرتا۔"

وہ معترض ہوئی۔ "شکلا نے بھی تو ظلم و زیادتی سے یہ رقم اکٹھی کی تھی تو ہمارے لیے کیوں جائز نہیں۔ ڈکیت سے چھیننا ڈاکا نہیں کہلاتا۔"

"تمھارا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آئے گا اور میری مذہبی تعلیمات تمھارے سر پر سے گزر جائیں گی تو کیوں نہ اس موضوع کو ترک کر دیں۔ شکریہ کہ تم نے خلوص دل سے میرا حصہ دینا چاہا۔ اور میں ہنسی خوشی اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"تم کبھی کبھی مجھے بہت زیادہ الجھا دیتے ہو، بھلا اتنی رقم کو کون ٹھکرا سکتا ہے۔"

"تمھیں حرام حلال کا فلسفہ نہیں سمجھا سکتا۔"

وہ بے باکی سے بولی۔ "ریجا میں بہت خوش ہوں اور تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔"

اس کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپا کر میں خلوص سے بولا۔ "تمھیں خوش دیکھ کر جو خوشی ہو رہی ہے وہ کافی ہے۔"

اس نے شرارتی قہقہہ بلند کیا۔ "ایسی باتیں کر کے مجھے پھنسا نہیں سکتے۔ بہتر ہوگا اپنی دو بیویوں پر قانع رہو۔ بلکہ یہ مشورہ بھی دوں گی کہ پرما کے آگے پیچھے پھرنا بند کر دو۔"

"سچ کہوں تو میری دونوں بیویاں بہت پیاری ہیں، میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ اور مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں جس کا میں حق دار نہیں ہوں۔"

اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ ”ایک ساتھ دو بیویاں کیسے مل گئیں۔تم دھوکے باز نہیں لگتے پھر اپنی پہلی بیوی کو دھوکا دے کر دوسری شادی کیسے کی۔اگر دھوکا نہیں دیا تو پہلی بیوی راضی کیسے ہوئی جبکہ وہ تم سے محبت کی دعوے دار بھی تھی۔“

میں نے جان چھڑانا چاہی۔ ”لمبی کہانی ہے۔“

وہ بے پروائی سے بولی۔ ”پھر بھی سننا چاہوں گی۔“

گہرا سانس لے کر میں اسے روما سے ملنے، بچھڑنے پھر پلوشہ سے ٹکرانے ایک ساتھ قبیل خان کا مقابلہ، پلوشہ سے شادی، اپنی گرفتاری، پلوشے کی فرضی موت، روما کا دوبارہ ملنا اور پلوشہ کی واپسی تک کی کہانی جزوی تفصیل سے سنادی۔وہ مسحور بیٹھی سنتی رہی۔میرے چپ ہوتے ہی پوچھا۔

”اب آپس میں لڑتی نہیں۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”روما بہت اچھی، صابر اور پرخلوص لڑکی ہے۔پلوشے کو چھوٹی بہن سمجھتی ہے۔اگر روما بھی پلوشے کی طرح ہوتی تو یقیناً میں مشکل میں پڑ جاتا۔مگر وہ پلوشے کی کسی بات کا برا ہی نہیں مناتی اس وجہ سے پلوشے کو بھی اس کا وجود برداشت کرنا آسان ہو گیا ہے۔“

وہ شرارتی لہجے میں بولی۔ ”مگر یاد رکھنا، پرما بالکل بھی ایسی نہیں ہے۔اور یہاں اس لیے بچ گئے تھے کہ اسے بھاگنے کی جلدی تھی، تبھی دوبارہ جگ نہ اٹھایا۔“

میں ترکی بہ ترکی بولا۔ ”چھوڑو پرما کو اپنی بات کرو۔“

”یہ انگور کھٹے ہیں۔“ زبان نکال کر مجھے چڑاتے ہوئے وہ کمرے میں گھس گئی تھی۔

اگلے دن دوپہر کا کھانا کھا کر میں لورا کو پرما کے پاس چھوڑ کر باہر نکل آیا۔کار میں نے وہیں چھوڑ دی تھی۔رکشا لے کر میں موٹر سائیکل بارگین پر پہنچا اور ایک پرانی موٹر سائیکل خرید لی کہ بعض اوقات کار سے موٹر سائیکل زیادہ مفید رہتی ہے۔

دھرمو دادا کی تلاش کا آغاز میں نے وشواس سنگھ کی حویلی سے کیا تھا۔دھرمو دادا کے سبھی کارندوں میں میری سب سے زیادہ گپ شپ و بے تکلفی اسی کے ساتھ تھی۔اور وہ دھرمو دادا کا خاص آدمی ہونے کے ساتھ اس کا قریبی دوست بھی تھا۔وہاں پہنچنے تک اندھیرا ہو گیا تھا،اس کے باوجود حویلی میں گھسنے کو میں نے عقبی دیوار کا استعمال کیا تھا۔اس کی خواب گاہ تک میں اچانک ہی پہنچا تھا۔

دستک کے جواب میں دروازہ کھولتے ہی وہ حیرت سے اچھل پڑا تھا۔

''کک......کون ہو تم؟''

''نہیں پہچانا۔''اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے باہر کھینچا کہ خواب گاہ میں اس کی دھرم پتنی (بیوی) موجود تھی۔گو سکھوں اور ہندوؤں میں پردے وغیرہ کا کوئی تصور موجود نہیں،مگر مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔

بازو پھیلا کر اس نے مجھے گرفت میں لیا۔''ابے سیدھے راستے سے کیوں نہیں آیا۔''

''نگرانی کا ڈر تھا،اس لیے عقبی دیوار سے آنا پڑا۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسا۔''اور کوئی بلونگڑا تمھیں ٹھوک دیتا پھر دادا کو کیا جواب دیتا۔''اپنے کارندوں اور دوسرے غنڈوں کو وہ مذاق میں بلونگڑے کہا کرتا تھا۔

میں مزاحیہ انداز میں بولا۔''خیر اتنا آسان شکار بھی نہیں ہوں کہ کسی سکھ کے ہاتھوں ضائع ہو جاؤں۔''

''لگتا ہے تم نے کھانا نہیں کھایا تبھی الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔''خوش دلی سے ہنستے ہوئے اس نے پتنی کو آواز دی۔''پریتو! میرا بیلی آیا ہے اور یقین مانو پھر سے بھوکا ہو گیا ہوں۔''

مجھے بھوک محسوس ہو رہی تھی اس لیے تکلفاً بھی انکار نہیں کیا تھا۔

پریت کور ایک خوش شکل سکھ لڑکی تھی۔ان کی شادی کو دو تین سال ہی ہوئے تھے۔وہ عمر میں وشواس سنگھ سے کافی چھوٹی تھی۔دوران تعلیم ایک امیرزادے نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر اسے اغواء کیا کہ پریت کور نے اس کے چھیڑنے پر یونیورسٹی کی کینٹین میں اسے تھپڑ جڑ دیا تھا۔ان کا ارادہ پریت کور کے ساتھ زبردستی رنگ رلیاں منا کر رات رنگین بنانے کا تھا۔ان کی بدقسمتی کہ وشواس سنگھ اپنے کسی دشمن کے تعاقب میں ساحل سمندر کے ویران کاٹج کی طرف جا نکلا جہاں وہ پریت کور کو بے لباس کر چکے تھے۔وشواس سنگھ ایک روایتی ڈاکو تھا۔جو لوٹ مار کو جائز لیکن عورت کے ساتھ زبردستی کو گناہ عظیم سمجھتا تھا۔امیرزادے اور اس کے ساتھیوں کی رات رنگین ہونے کے بجائے بدن رنگین ہو گئے تھے۔وشواس سنگھ

نے انھیں زخمی کرنے پر اکتفا کرنے کے بجائے انجام تک پہنچانا ضروری سمجھا تھا۔ پریت کور کو اس نے اسی وقت گھر پہنچا دیا تھا۔ گھر والے اس کی گمشدگی پر سخت پریشان تھے۔اور بدنامی کے خوف سے ایف آئی آر کٹوانے بھی نہیں گئے تھے۔ پریت کو زندہ سلامت پا کر وہ وشواس سنگھ کے حد درجہ ممنون و شکر گزار ہوئے۔ وشواس سنگھ نے انھیں، پریت کور کے غائب ہونے کی خبر اپنے تک محدود رکھنے کی ہدایت کی اور وہاں سے نکل آیا۔ البتہ پریت کور کے والد کے اصرار پر اپنا موبائل فون نمبر انھیں دے دیا تھا۔ بہ ظاہر کہانی یہیں ختم ہو گئی تھی۔ لیکن یونیورسٹی کا طالبہ کا دل وشواس سنگھ کی دلیری اور عورت کا احترام کرنے والی صلاحیت پر مر مٹا تھا۔ وشواس سنگھ کا حال احوال پوچھنے کے بہانے اس کی کالیں آنا شروع ہو گئیں۔ وشواس سنگھ بھی بچہ نہ تھا۔ لیکن ایک شریف لڑکی کو دھوکا بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے بغیر لگی لپٹی رکھے پریت کور کو اپنے بارے سب کچھ بتا دیا تھا۔ پر کہتے ہیں لڑکی کا دل جب کسی پر آ جاتا ہے تو فائدے نقصان کی بات اسے کم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے پاگل پن کے سامنے بھی وشواس سنگھ نہ ٹک سکا اور اب وہ اس کی دھرم پتنی تھی۔

پر تکلف کھانا کھاتے ہوئے میں مطلب کی بات پر آیا۔ ''دھرمو دادا کہاں ملے گا؟''

وہ متبسم ہوا۔ ''تمھارے حالیہ کارنامے کی وجہ سے اس کی سخت نگرانی ہو رہی ہے۔ مجھ پر بھی چند دن گہری نگاہ رکھی گئی، مگر ہمارا دامن صاف تھا اس لیے کسی نے چھیڑنے کی کوشش نہ کی۔ اور اب دوسرا دن ہے نگرانی بھی ختم کر دی گئی ہے۔ البتہ دھرمو دادا کا پیچھا وہ اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''اس معاملے میں تمھیں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا مگر اب مجبوری آن پڑی ہے۔''

وہ خلوص دل سے بولا۔ ''تم بغیر مجبوری کے بھی ہماری مدد کے حق دار ہو۔''

میں نے اطمینان ظاہر کیا۔ ''جانتا ہوں، اسی لیے تو ادھر کا رخ کیا ہے۔''

وہ تحسین آمیز انداز میں بولا۔ ''ویسے شکلا جیسے بندے سے ٹکر لینا متعجب کرنے والا ہے۔''

میں نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔ ''تم تک کیا خبر پہنچی ہے۔''

''اڑتی اڑتی خبر یہی پہنچی ہے کہ تم نے اس کی نواسی کو اغواء کیا ہے۔ جسے ڈھونڈنے کو کتے، بلے اور سور متحرک ہیں۔ کیا سچ میں تم ایسا کر چکے ہو۔'' (کتے وہ ایجنسی والوں کو کہتا تھا، سور پولیس والوں کو اور بلو نگڑے ڈاکوؤں کو)

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس خبر کو جھٹلا نہیں سکتا۔''

''صاف کہوں تو اس خبر سے مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ مردوں کی لڑائی میں مظلوم لڑکی کو گھسیٹنے کو میں مردانگی نہیں سمجھتا۔''

میں متبسم ہوا۔ ''بالکل صحیح سمجھتے ہو۔''

وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ ''تمھارے قول و فعل کے تضاد کو کیا نام دوں جبکہ تم خبر کی تصدیق بھی کر رہے ہو۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''میں نے خبر کے سچے ہونے کا اعتراف کیا ہے، یہ کب کہا ہے کہ تم تک مکمل خبر پہنچی ہے۔ اور ادھوری بات سے غلط نتیجہ تو نکلے گا نا۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''پھر کھری خبر و نتیجے میں مطابقت پیدا کر دو۔''

میں نے مثال دیتے ہوئے پوچھا۔ ''اگر اللہ پاک تمھیں بیٹی کی رحمت سے نوازے اور پھر انڈیا سرکار تمھیں کسی جرم کی وجہ سے پکڑنا چاہے، مگر تم پریت کور بھابی کی مدد سے انڈیا سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ تمھارا سسر اپنی بیٹی کے فعل کو شوہر سے وفاداری کے بجائے ملک سے غداری گردانتے ہوئے اسے قتل کرا دے اور تمھاری بیٹی کو اپنی سرپرستی میں لے کر اس کے دل و دماغ میں یہ غلط فہمی بھر دے کہ اس کی ماں کو تم نے قتل کیا ہے۔ ساتھ ہی اسے سکھ کے بجائے ہندو بنا دے، تم بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کرو اور وہ تمھیں کھری کھری سنا دے تب تم کیا کرو گے؟''

''سکھ اگر اتنے عقل مند ہوتے تو ان پر اتنے لطیفے نہ بنتے۔ اس لیے بجھارتوں کے بجائے صاف صاف بتاؤ کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''کوئی بجھارت نہیں ہے، جو تمثیل دی ہے اس پر اپنا ردعمل بیان کرو۔''

''میری بیوی کو قتل کرنے والا چاہے اس کا باپ کیوں نہ ہو میرے ہاتھوں انجام کو پہنچے گا۔ اور میری بیٹی کی پرورش میرا حق ہے جو میں بیوی کے علاوہ کسی کو تفویض نہیں کر سکتا اس لیے اس کے حصول کو کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔ باقی اس کے مذہب پر ڈاکا ڈالنا اور اسے، مجھے ملنے سے روکنا ہر فعل ایسا ہے کہ ذمہ دار کا قتل ہونا بنتا ہے۔''

میں نے نتیجہ نکالا۔ ''اللہ تمھیں ہدایت دے، یہی کام میں نے کیا ہے۔''

وہ متعجب ہوا۔ ''شکلا تمھارا سسر تو نہیں ہو سکتا ہے۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''شکلا جس کا سسر ہے میں اس کا نمائندہ ہوں۔ باقی لڑکی بالکل محفوظ ہے، اس پر قید ہونے کے علاوہ کوئی ظلم زیادتی نہیں ہوئی۔ اور اسے قید میں رکھنا میری مجبوری ہے۔ تاکہ بہ حفاظت اسے والد تک لے جاؤں۔''

اس کے چہرے پر مسرت بھری چمک ابھری۔ ''یقین مانو چند دن کے ساتھ میں تمھیں غیور، حوصلہ منداور جری پایا تھا۔ لیکن ایک لڑکی کے اغواء پر مجھے سخت اعتراض تھا۔ اب تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''تو کام کی بات کریں۔''

''جو کام دھرمو دادا کے ذمہ لگاتا ہے، مجھے بتادو۔ اسے ملنا مناسب نہ ہوگا۔''

''پرما کو چند دن سنبھالنا ہوگا۔ کوئی ایسی جگہ جہاں شکلا کے آدمی و مددگار نہ پہنچ سکیں۔''

وہ مستفسر ہوا۔ ''پرما، مغویہ کا نام ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں۔''

''سمجھو یہ کام تو ہو گیا۔ اور کچھ؟''

''اچھی سی چائے پلا دو۔''

وہ ہنسا۔ ''اس کام میں تمھاری بھابی سے بہتر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' اور پھر بیوی کو آواز دینے لگا۔ ''او ئے پریتو! پھر تمھاری ضرورت پڑ گئی ہے۔''

چائے پینے کے دوران اور بعد میں ہماری گفتگو جاری رہی۔ ساری تفصیلات طے کر کے میں نے واپسی کو پر تولے۔

''رات یہیں کر لیتے۔ یقین مانو تمھاری بھابی دیسی گھی کے پراٹھے بہت اچھے بناتی ہے۔ جب گھر کی لسی اور ساگ بھی مل جائے تو کیا ہی کہنے۔''

''ایسے لالچ نہ دو وشواس سنگھ، یہ نہ ہو مشن پس پشت ڈال کر یہیں پکے ڈیرے ڈال لوں۔''

وہ خلوص سے بولا۔ ''اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں رہنا مناسب نہیں۔ تم بس کوئی خفیہ رابطہ نمبر دے دو، کیوں کہ میں نہیں چاہتا، تمھارا موبائل فون نمبر زیر نگرانی (انڈر آبزرویشن) ہو اور ہم پھنس جائیں۔

وہ بے تکلفی سے بولا۔ ''پریتو کا نمبر دے دیتا ہوں۔''

''تم ہر وقت اس کے پاس تو نہیں ہوتے۔''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''وہ کال کر کے مجھے مطلع کر سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے، کل کا دن تم انتظام وانصرام کا جائزہ لو پرسوں ان شاء اللہ ہم وہیں پہنچ جائیں گے۔'' میں پریت کور

بھابی کا موبائل فون نمبر لے کراس سے الوداعی معانقہ کر کے نکل آیا۔ باہر نکلنے کو بھی میں نے دروازہ استعمال نہیں کیا تھا۔

●

واپسی پر پرما مجھے نیند میں نظر آئی۔ لورا ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ نقلی داڑھی، بڑی مونچھیں وغیرہ اتار کر میں اصل حلیے میں آیا کہ میک اپ میں مسلسل رہنا بے چینی و کوفت بھرا تھا۔

دن بھر کی کارگزاری مختصراً سنا کر میں نے پرما کو وشواس سنگھ کے پاس پہنچانے کا پوچھا۔

لورا بے نیازی سے بولی۔ ''اب میرے لیے مس پرما کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ اسے آزاد کرتے ہو، بیچتے ہوئے یا کہیں چھپاتے ہو یہ تمھارا درد سر ہے۔''

میں بھناتے ہوئے بولا۔ ''قرض نہیں مشورہ مانگا ہے۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسی۔ ''شکلا کے خلاف میدان میں اترنے کو ضروری ہے کہ پرما کا دم چھلہ ہمارے ساتھ نہ لگا ہو۔''

دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ ہم حیرانی سے اچھل پڑے تھے۔ پستول کے جیب میں ہونے کی تسلی کر کے میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لورا بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ اس کی نظر دیواروں پر تھی۔

میں نے دروازے کے قریب جا کر پوچھا۔ ''کون؟''

جواب نہ ملنے پر میرے اعصاب تن گئے تھے۔ ''کون ہے؟'' میں نے دوبارہ زبان کھولی۔

اچانک موبائل فون کی گھنٹی نے متوجہ کیا۔ ایک بار تو اچھل کر میں پیچھے ہٹا تھا۔ موبائل فون دروازے کی نچلی درز سے کسی نے اندر کھسکایا تھا اور اب اسی پر کال آ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' محتاط انداز میں موبائل فون اٹھا کر میں نے کان سے لگا لیا۔

ایک سرد لہجہ میری سماعتوں میں گونجا ''تمھیں ڈھونڈ لیا گیا ہے۔ اور تمھارے پاس بھاگنے کو پانچ دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں ہے۔ موبائل فون گندے نالے میں پھینک دینا۔'' ایک ہی سانس میں اطلاع، منصوبہ اور ہدایت سنا کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اطلاع ایسی نہ تھی کہ میں تفصیل پوچھنے میں وقت ضائع کرتا۔ میرے خفیہ خیر خواہوں کے پاس وضاحتوں کا وقت تھا نہ میرے پاس سننے کی مہلت۔

''کیپٹن پانچ منٹ میں نکلنا ہے، کار یہیں لے آؤ۔'' میں بھاگ کر اندر گھسا۔ لورا وضاحت چاہے بغیر باہر نکل گئی تھی۔ وہ موقع محل اور صورت حال کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اور ایسے مواقع پر وقت ضائع کرنے کی عادی نہیں تھی۔

سب سے پہلے میں نے پرما کے سر سے کمبل کھینچا۔ اس نے ہڑ بڑا کر اٹھنے کی کوشش کی، مگر میں نے اس کی گردن بازو کے شکنجے میں کس کر مخصوص دباؤ ڈالا۔ وہ زور سے تڑپی اور پھر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔

میں نے ہتھکڑی چار پائی سے کھول کر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے اور منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ پھر ضروری سامان کا بیگ کندھے میں ڈال کر اسے کمبل سمیت بازوؤں میں بھرا اور سرسری نظر اندر دوڑا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میرے دروازے تک پہنچنے تک لورا کار لے آئی تھی۔

بیگ اور پرما کو ڈگی میں ڈال کر میں نے ڈگی قفل کی۔ گلی میں دو کاریں سڑک کی طرف روانہ دکھائی دیں۔ ایک کار کی روشنیاں عقب میں بھی نظر آ رہی تھیں، مگر ان کی رفتار دیکھ کر مجھے خطرے کی کوئی بات نظر نہ آئی۔

''گاڑی ان کاروں کے پیچ لگا لو، اب کال پر بات ہوگی۔'' لورا کو ہدایت دے کر میں اندر گھس گیا۔

موٹر سائیکل صحن میں کھڑی تھی۔ میں دوبارہ کمرے میں گھس گیا۔ سامان کو آگ لگائے بغیر جانا مناسب نہ تھا گو وقت کی کمی تھی اور سامان میں ایسی اشیاء موجود نہ تھیں جنھیں جلانا ناگزیر ہوتا۔ بستر، جوتوں اور کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ کوئی

قابل ذکر چیز موجود نہیں تھی۔ سنائپر رائفلیں اور ضروری سامان پہلے سے کار کی ڈگی میں بند ہوتا تھا۔ صرف چھوٹا سا بیگ ہم پاس رکھتے جس میں رقم اور میک اپ کا سامان ہوتا تھا۔

جلدی سے چار پائیوں کو گھسیٹ کر ایک دوسرے پر پھینکا، اندر موجود تمام چیزوں کو ایک جگہ ڈھیر کیا، گیس سلنڈر کو آگ لگا کر چار پائی کے نیچے رکھا اور باہر نکل آیا۔

موٹر سائیکل پکڑتے وقت خفیہ مددگاروں کے موبائل فون کا خیال آیا جو انھوں نے نالے میں پھینکنے کا کہا تھا۔ میں نے دوبارہ اندر گھس کر موبائل فون بھی آگ میں پھینکا اور موٹر سائیکل کو پکڑ کر دروازے سے نکلنے لگا۔ غیر ارادی طور پر نگاہ گلی سڑک ملاپ کی طرف اٹھی۔ تیز رفتاری سے آتی تیز روشنیوں نے میری ٹانگوں میں بجلی بھر دی تھی۔ لیکن جتنی بھی تیزی کرتا تیز رفتار گاڑیوں سے بچنا ممکن نہیں رہا تھا۔

کک مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور گیئر لگا کر چل پڑا۔ سامان ضائع کرنے کی احمقانہ احتیاط پسندی اور جاسوسوں کے نقش قدم پر چلنے کا شوق میری گردن پھنسانے والا تھا۔ مسلسل گیئر لگا کر میں چوتھے گیئر میں موٹر سائیکل بھگانے لگا۔ مگر عقب میں پھیلی تیز روشنی ظاہر کر رہی تھی کہ کم از کم ایک کار نے کھولی کے سامنے رکنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

موٹر سائیکل اس قابل نہ تھی کہ میں کار کا مقابلہ کر پاتا، روشنیاں لحہ بہ لحہ قریب آ رہی تھیں اور میری بدقسمتی سے وہ گلی کافی طویل اور بالکل سیدھی تھی۔ میری جان تبھی بچ سکتی تھی کہ کوئی تنگ گلی نظر آتی جس میں کار نہ چل پاتی۔ ایجنسی والوں کے پاس یوں بھی نئی اور عمدہ کاریں ہوتی ہیں۔ اور میں ایک ایسی ہی کار سے مقابلے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

کار قریب پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور کا ارادہ بالکل واضح تھا۔ وہ مجھے ٹکر مار کر روکنے کی تگ و دو میں تھا۔ میرے پاس موٹر سائیکل روکنے کا موقع بھی نہیں رہا تھا، ایک دم بریک لگانے سے بچت نظر آ رہی تھی نہ رفتار آہستہ کرنے کی گنجائش تھی۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ کار موٹر سائیکل کے عقبی پہیے سے ٹکرائی، میں ذہنی طور پر اس حادثے کے لیے تیار تھا۔ ہینڈل چھوڑ کر اچھلا اور جونھی زمین سے قدم ٹکرائے لوٹ لگا کر خود کو زخمی ہونے سے بچانے کی تگ و دو کرنے لگا۔ موٹر سائیکل پھسلتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔ ڈرائیور نے زوردار بریک لگا کر کار روکی اور میرے سنبھلنے سے پہلے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اندھی وطوفان کی طرح برآمد ہوا۔ میرے پاس ہاتھا پائی کا وقت نہیں تھا۔ دوسرے لوگوں کے پہنچنے سے پہلے مجھے کار میں موجود لوگوں کو ناکارہ کر کے بھاگنا تھا۔

میرا ہاتھ فوراً جیب میں رینگا، مگر کار سے برامد ہونے والا شخص یقیناً چھلاوہ تھا۔ ہاتھ کوٹ سے باہر آنے سے پہلے اس کی زوردار ٹکر میری چھاتی میں لگی اور میں کولہوں کے بل نیچے گر گیا۔

الٹی قلابازی لگا کر میں فوراً اٹھا، ساتھ ہی جیب سے سائیلنسر لگا گلاک برآمد کیا، مگر ہاتھ سیدھا بھی نہیں کر پایا تھا کہ ڈرائیور نے لات گھمائی۔ اس کے بوٹ کی ایڑی میرے دائیں ہاتھ سے ٹکرائی، پستول اڑ کر دور جا گرا تھا۔

''میں نے سنی سے تمھیں زندہ چھوڑنے کا وعدہ کیا ہے، اپاہج نہ بنانے کی کوئی شق معاہدے کا حصہ نہیں ہے۔'' ایک منحوس آواز نے میری سماعتوں میں زہر انڈیلا۔ کار کی تیز روشنی کی وجہ سے اس کی شکل واضح نہیں دکھائی دے رہی تھی، تبھی اسے پہچان نہیں سکا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ کار سے چار افراد کے برآمد ہونے پر مجھے اتنی پریشانی کا سامنا نہ ہوتا جو اس اکیلے شخص کے ٹکرانے سے ہونے والا تھا۔ وہ انتہائی، نڈر، مکار، پھرتیلا اور بہترین لڑاکا تھا۔ کچھ دشمن ایسے ہوتے ہیں جن سے خالی ہاتھ لڑنا سراسر گھاٹے و نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اور کرن چاولہ کا شمار انھی دشمنوں میں ہوتا تھا۔ ممتا دیدی کی وجہ سے وہ ایک بار بچ نکلا تھا اور آج اسی دن کا بدلہ چکانے پہنچ گیا تھا۔

میری حقیقی صلاحیت اچھا نشانے باز ہونا ہے۔ جسمانی داؤ پیچ میں ناقابلِ شکست ہونے کا دعوے دار میں کبھی نہیں

رہا۔ گو خود کو موم کا پتلا بھی نہیں سمجھتا اور الحمدللہ تب تک خالی ہاتھ بھی کسی سے مار نہیں کھائی تھی۔ لیکن کرن چاولہ معافی دینے کے چکر میں نہیں تھا۔ اس سے ہاتھا پائی کرتے وقت جیت کا پلڑا جھکانا کافی دشوار تھا۔

چند گاڑیوں کی روشنی بھی اس طرف آنے لگی تھی جو یقیناً کرن چاولہ کے ساتھی تھے۔ اگر وہ پہنچ جاتے تو میرے بچنے کی جو چند فیصد امید تھی وہ بھی دم توڑ جاتی۔

وہ یہ مشکل بات ختم کر پایا تھا کہ میں نے پہل کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی، میرا گھٹنا خطرناک انداز میں اس کی پسلیوں کی طرف بڑھا۔

کہنیوں کا کراس بنا کر اس نے وار سہارا اور پھر ایک دم میرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر، خود کو زمین پر گراتے ہوئے اس نے میرے پیٹ میں دایاں پاؤں ٹکایا اور میں اڑتے ہوئے قریبی مکان کے دروازے سے جا ٹکرایا تھا۔

نسوانی چیخ بلند ہوئی اور میں دروازہ کھولنے والی عورت کو لیے نیچے گر گیا تھا۔ بے چاری شاید ہنگامے کی وجہ معلوم کرنے نکل رہی تھی۔ عورت کو سنبھالنے اور اس کی خیریت دریافت کرنے کی مہلت نہیں تھی۔ اس کی ''ہائے وائے'' سے کان بند کرتے ہوئے میں نے ایک دم اٹھ کر دروازے کو اندر سے کنڈی کیا اور بھاگ کر دائیں جانب کی دیوار پر چڑھ گیا۔

کرن چاولہ نے لات مار کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور ناکام ہو کر دیوار پھلانگ کر اندر گھسا۔ تب تک میں دیوار سے ہو کر برآمدے کے چھجے سے چمٹا، اور چھت پر چڑھ گیا۔

مڑ کر دیکھنے پر کرن چاولہ اسی دیوار پر نظر آیا۔ منڈیر سے اینٹ اٹھا کر میں نے زور سے گھمائی، نشانہ اس کا سر تھا، مگر خالی ہاتھ کا نشانہ، رائفل کی طرح درست نہیں نکلا تھا۔ اینٹ اس کی چھاتی سے ٹکرائی اور وہ سنبھلنے کی کوشش میں نیچے گر گیا، اس کا انجام دیکھنے کو میں نہیں رکا تھا۔ وہ غریبوں کی بستی تھی زیادہ تر مکانوں کی چھتیں ایک دوسرے سے جڑی تھیں۔ میں اوپر ہی اوپر بھاگ پڑا تھا۔

اگلی چھت پر پہنچتے ہی میں نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا کرن پہلی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ دونوں کی دوڑ شروع ہوئی۔ کہتے ہیں چیتا، ہرن سے تیز رفتار ہوتا ہے۔ لیکن جب جان پر بن آتی ہے تو اکثر اوقات ہرن، چیتے کو جل دے کر نکل جاتا ہے۔ بلاشبہ کرن چاولہ کو چیتا گردان کے میں خود کو ہرن نہیں کہہ رہا۔ لیکن اس کے پیچھے ایجنسی کے درجن بھر منجھے ہوئے ایجنٹ تھے۔ اور چودہ پندرہ دشمن مل کر میرے لیے اس سے کہیں زیادہ خطرناک تھے جتنا ایک چیتا، ہرن کے لیے ہو سکتا ہے۔

سات آٹھ چھتوں کو عبور کرنے کے بعد مجھے خلا نظر آیا جو گلی کا تھا۔ جب گلی کی ضرورت تھی تو نظر نہیں آ رہی تھی اور اب نقصان دہ تھی تو ایک دم ظاہر ہو گئی تھی۔

اس علاقے کا سرسری جائزہ میں نے لیا ہوا تھا۔ اور بڑی گلی کے علاوہ باقی گلیاں نو دس فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھیں۔ اب نامعلوم وہ گلی نو دس فٹ ہی تھی یا زیادہ چوڑی تھی، میں رفتار کم کیے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ آخری قدم منڈیر پر پڑا اور گلی کا خلا ہوا میں تیرتے ہوئے میرے قدم دوسری چھت سے ٹکرائے، گرتے ساتھ جسم کی حرکت کو جاری رکھتے ہوئے میرے دونوں ہاتھ آگے بڑھے اور چھت پر لوٹ لگاتا ہوا میں دوبارہ کھڑا ہو کر دوڑ پڑا۔ اگلی چھت پر کودتے وقت مجھے عقبی چھت پر ''دھپ۔'' کی زوردار آواز سنائی دے گئی تھی۔

چند مزید چھتیں پھلانگنے کے بعد کرن چاولہ کے پاؤں کی آواز نزدیک سنائی دینے لگی تھی۔ تبھی آگے مجھے ایک اور خلا نظر آیا اور اس بار گلی نہیں خالی پلاٹ تھا۔ میں نے قدموں کی رفتار دھیمی کی اور پھر ایک دم مڑ کر گھٹنا اٹھا دیا۔

تیز رفتاری کے باوجود اس نے قدم روک کر میرے گھٹنے کے سامنے ہاتھ کرنے کی کوشش کی مگر اچٹتا ہوا اور اس کے پیٹ میں لگ گیا تھا۔

تکلیف برداشت کرتے ہوئے اس نے اچھل کر مجھے ٹکر مارنا چاہی، میں ایک دم سامنے سے ہٹا وہ اپنی جھونک میں آگے بڑھا، تبھی میری لات اس کی تشریف سے ٹکرائی۔ وہ اوندھے منہ گرنے لگا۔ مگر ایک دم ہاتھ نیچے ٹیک کر وہ لڑھکتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں نے اچھل کر اس کے پیٹ میں لات مارنے کی کوشش کی، مگر وہ سنبھل چکا تھا۔ جسم کو دہرا کرتے ہوئے اس نے میری ضرب کو ہلکا کیا ساتھ ہی اس کے ہاتھوں نے برق رفتاری سے میری پنڈلی پر گرفت جمائی اور مجھے گھما کر اچھال دیا۔ میں لڑھکتا ہوا منڈیر کے قریب پہنچا اور کنارے پر ہاتھ جما کر نیچے لٹکتے ہوئے کود گیا۔

زمین پر پاؤں لگتے ہی میں پھر بھاگا۔ مگر قدم دو لیتے ہی کرن کے نیچے کودنے کا دھما کا سنائی دے گیا تھا۔ شاید دو تین قدم دوڑ کر اس نے لمبی چھلانگ لگائی تھی۔ شاید اس لیے کہا کہ مجھے نظر نہیں آیا تھا، البتہ کمر پر اس کے سر کی بھرپور ٹکر لگی تھی، جس سے اندازہ یہی ہوا کہ اس نے ہوا میں تیرتے ہوئے وار کیا تھا۔

میں اوندھے منہ گرا، ایک دم کروٹ تبدیل کر کے میں نے دائیں ٹانگ سکیڑی اور جونھی وہ مجھے چھاپنے کو جھکا اس کی چھاتی پر رسید کر دی۔ وہ پیٹھ کے بل گرا، اس کی چھاتی پر سوار ہوتے ہوئے میں نے زوردار مکا اس کے چہرے پر رسید کیا، مگر اس نے کہنی سامنے لا کر چہرے کو بچا لیا تھا۔ میں نے تابڑ توڑ چند وار کیے، مگر اس کے چہرے کو نشانہ نہ بنا سکا۔ اور پھر اچانک ہی میرے بازو کو گرفت میں لیتے ہوئے اس نے دوسرے بازو کے زور سے مجھے نیچے پھینکا۔ اب وہ اوپر تھا۔ اس کا پہلا مکا خاصی قوت سے میرے جبڑے سے ٹکرایا، میرے منہ میں خون بھر گیا تھا۔ لیکن اس کے دوسرے وار کو میں نے کہنی پر سہار لیا تھا۔ اگر دوسرا مکا بھی لگ گیا ہوتا تو میری مدافعت دم توڑ جاتی۔

اس کے مسلسل مکوں کو کہنیوں اور بازو پر سہار کر میں نے گھٹنے اکٹھے کیے اور ایک دم اس کے دونوں ہاتھوں کو گرفت میں لیتے ہوئے زوردار ٹکر اس کی ناک پر رسید کر دی۔ اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی سسکی برآمد ہوئی، تیزی میں سستی کا دخول ہوا اور میں نے اسے گھما کر نیچے پھینکا اور دوبارہ سواری گانٹھ لی۔ مگر میرے مکا مارنے سے پہلے اس نے ٹانگوں اور نچلے دھڑ کو جھٹکا دے کر الٹی قلابازی کھائی، میں اس کے سر کے اوپر سے ہو کر عقبی جانب جا گرا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔

میں نے تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اتنی دیر میں اس نے سنبھل کر میرے چہرے کو نشانہ بنانے کی کوشش کی، اٹھنے کی وجہ سے اس کی لات میری چھاتی سے ٹکرائی۔ میں کولہوں کے بل گرا اور اس کی اگلی ٹھوکر لگنے سے پہلے الٹی قلابازی کھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تب تک وہ میرے پیٹ میں مارنے کو لات گھما چکا تھا۔ کہنیوں کا کراس بنا کر میں نے اس کی زوردار ضرب کو سہارا اور اس سے پہلے کہ وہ پیچھے کھینچ پاتا اس کی ٹانگ پر دونوں بازوؤں کی گرفت بنا کر اسے زمین پر دے مارا۔ لیکن جونھی اسے چھاپنے کو جھکا، اس نے اپنی ٹانگیں آکٹوپس کی طرح میری گردن سے لپٹ دی تھیں۔ میں نے فوراً دایاں بازو اس کی ٹانگوں سے گزار کر گردن کو بے پناہ دباؤ سے چھٹکارا دیا اور پھر گھٹنوں پر زور دے کر اسے اوپر اٹھایا اور ایک دم اس کی پیٹھ زمین پر دے ماری۔

اسی وقت ہم تیز روشنی میں نہا گئے تھے۔ مگر روشنی نے ہماری لڑائی کو انجام تک نہیں پہنچایا تھا۔ میں نے دوبارہ پہلے والی حرکت دہرا کر اس کی پیٹھ زمین سے ٹکرائی۔ اس کے پاؤں کی گرفت خود بہ خود میری گردن پر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ ایک دم سر کو اس کی ٹانگوں سے نکالتے ہوئے میں پیچھے ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا اسے چھاپ لیا۔ مگر گرفت جمانے سے

پہلے اس نے بازوؤں سے پکڑ کر مجھے گھما کر نیچے کر لیا تھا۔
''رک جاؤ، ورنہ گولی ماردوں گی۔'' وہ ممتا دیدی کی آواز تھی۔ بہ ظاہر وہ وقت آن پہنچا تھا کہ ایک بہن کے سامنے ایک جانب بھائی اور دوسری جانب وطن اور محبوب کے چناؤ کا مرحلہ تھا۔ اگر بات صرف میری اور کرن چاولہ کی ہوتی تو وہ ضرور مخمصے میں پڑتی، مگر دیش کی محبت اس کی نس نس میں بھری تھی۔ مجھے ذرا بھر بھی امید نہیں تھی کہ وہ گولی چلاتے ہوئے جھجکے گی۔

البتہ ہم دونوں گھتم گھتا تھے۔ کرن چاولہ سخت جان حریف تھا اور امید یہی تھی کہ میرے مقابلے کو اسے کسی مدد نہ لینا پڑتی۔ جیت کا ہما اس کے سر پر چکرا رہا تھا۔ میں خاطر خواہ مزاحمت کر رہا تھا، لیکن میری جنگ جارحانہ کے بجائے مدافعاتی تھی۔ کیوں کہ میری ترجیح لڑائی کے بجائے فرار ہونا تھا۔
ممتا دیدی چلائیں۔ ''راج!......راہی...... پیچھے ہو جاؤ دونوں۔'' مگر اس وقت لڑائی چھوڑنا، کرن چاولہ کے لیے نہیں میرے لیے نقصان دہ تھا۔
لڑھکیاں کھاتے ہوئے میں اوپر ہوا، میرا زوردار گھونسا نشانے پر لگا تھا، کرن کا سر زمین سے ٹکرایا، میرا اگلا گھونسا بھی اسی رفتار سے نیچے آیا، مگر اس نے کہنی آگے کر لی۔ دو تین مکے کہنیوں پر روک کر اس نے میرے ہاتھ تھام لیے تھے۔ اس کی کوشش مجھے دور اچھالنے کی تھی۔
تبھی ہمیں علیحدہ نہ ہوتے دیکھ کر ممتا دیدی ذرا قریب ہوئیں۔ ایک اور گاڑی نزدیک پہنچ گئی تھی۔ میں نے سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے زور لگا کر کرن چاولہ کا سر ممتا دیدی کی جانب موڑا، اس کی ٹانگوں پر سے جسم کا دباؤ کم کر کے اسے موقع دیا کہ مجھے پیچھے اچھالے۔ اور میری تدبیر کامیاب رہی تھی۔ کرن چاولہ نے بجلی کی سی سرعت سے میرے پیٹ پر پاؤں ٹکایا اور مجھے پیچھے اچھال دیا۔
زمین پر لوٹ لگاتے ہوئے میں ممتا دیدی کے قریب ہوا، اس وقت وہ چاہتیں تو مجھے گولی مار سکتی تھیں، مگر ان کی حتی الوسع کوشش یہی تھی کہ مجھے زخمی نہ ہونا پڑے، تبھی نظر انداز کر گئیں اور یہ شفقت انھیں مہنگی پڑی تھی۔
ایک دم جھپٹتے ہوئے میں نے پستول چھینا اور اچھل کر ان سے دور ہٹا کہ وہ مجھے لپٹ کر قابو کرنے کی کوشش کر سکتی تھیں۔ اتنا تو انھیں بھی یقین تھا کہ میں کم از کم ان پر گولی نہیں چلاؤں گا۔
وہاں پہنچنے والی نئی کار سے دو افراد برآمد ہوئے، دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔
''خبردار......'' وہ زوردار انداز میں دھاڑے، مگر ان کے منہ سے الفاظ اور میرے پستول کی نال سے گولی ایک ساتھ نکل تھی۔ مسلسل دو مرتبہ لبلبی دبا کر میں نے ان کے پستول والے ہاتھوں کو کامیابی سے نشانہ بنایا۔ اور جان بوجھ کر پستول کے بجائے ہاتھوں پر گولی ماری تاکہ وہ عارضی طور پر ناکارہ ہو جائیں۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔
تیز کراہوں سے انھوں نے زخمی ہاتھ کو بغل میں دبا لیا تھا۔
''راج نہیں۔'' ممتا دیدی میری جانب دوڑیں۔
جھکائی دے کر میں نے جان بچائی، ساتھ ہی میری نظروں نے کرن چاولہ کو ڈھونڈا۔ میرے ہاتھوں میں پستول آتے ہی اس نے دیوار کی آڑ لینے کو چھلانگ لگائی تھی۔ اور جب میں اس کی طرف متوجہ ہوا تب تک وہ آڑ لے چکا تھا۔ اسے نشانہ بنانے کی کوشش فضول تھی۔ نئی آنے والی کار کے اگلے پہیوں پر ایک ایک گولی ضائع کر کے میں فوراً ممتا دیدی کی کار کی طرف بھاگا کہ فرار ہونے کا اس سے سنہری موقع نہیں مل سکتا تھا۔ ممتا دیدی بھی مجھے پکڑنے کو دوڑیں، مگر ان کے قریب آنے سے پہلے میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ افراتفری میں وہ کار کو چلتا چھوڑ کر نیچے اتری تھیں۔ کاریں

کی بتیاں روشن تھیں۔

پستول جیب میں ڈال کر میں نے ہینڈ بریک آزاد کی اور گیئر لگاتے ہوئے ایکسی لیٹر پر پاؤں دبا دیا۔ مگر تب تک مم
دیدی دوڑ کر اندر گھس آئی تھیں۔

"راج! کار روکو...... تمھیں کہہ رہی ہوں روکو کار ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" میرے ہاتھوں سے اسٹیئرنگ چھیننے
کی کوشش کرتے ان کی دھمکیاں بھی جاری رہیں۔

میں نے انھیں جواب دینے کے بجائے کار کو تیسرے گیئر میں ڈالا اور ایکسی لیٹر مکمل دبا دیا۔ سڑک قریب ہی
تھی۔ لیکن میں اطمینان سے ڈرائیو نہیں کر پا رہا تھا۔ ممتا دیدی کی کوشش سے کار لہرائی۔ انھیں لگا میں کہیں ٹھوک دوں
گا۔ اسٹیئرنگ چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹیں، ساتھ ہی ان کا زوردار تھپڑ میرے چہرے پر لگا۔

"راج!...... بے شرم، بے حیا کار رکو۔" غصے سے مارے ہوئے تھپڑ میں بھی چاہت پنہاں تھی ورنہ وہ تربیت یافتہ
تھیں، تھپڑ کے بجائے کراٹے کا داؤ پیچ بھی آزما سکتی تھیں۔ مسلسل دو تین تھپڑ کھا کر بھی جب میں نے کم کرنے کے بجائے
رفتار بڑھا دی تو وہ دوبارہ اسٹیئرنگ پر جھپٹیں اور پھر کار کو ڈگمگاتا پا کر مجھے بازوؤں میں بھرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ تاکہ
اسٹیئرنگ سے ہاتھ چھوٹنے پر میں رکنے پر مجبور ہو جاؤں۔ ہم سڑک پر چڑھ کر فرلانگ بھر آگے آ گئے تھے۔ اگر فوری طور
پر ممتا دیدی کا حل نہ کرتا تو انھوں نے مجھے گرفتار کرا دینا تھا۔

ایکسی لیٹر سے پاؤں ہٹا کر میں نے بریک دبائی اور ہینڈ بریک کھینچ کر ممتا دیدی کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"راج، تمھیں میرے سر کی قسم، بھاگنا چھوڑ دو اور نیچے اترو۔ وعدہ کرتی ہوں تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ ہم نے بس
برطانوی چڑیل کو پکڑنا ہے۔ یقین کرو میرا۔" ہاتھوں کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی جہد کرتے ہوئے وہ مسلسل بول رہی
تھیں۔ وہ لڑائی بھڑائی کی ماہر تھیں مگر مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا رہی تھیں۔ نہ میں انھیں چوٹ پہنچانا چاہتا تھا۔ اور چوٹ پہنچائے
بغیر ان سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا۔ گو میرے پاس تو پستول بھی موجود تھا۔ لیکن ممتا دیدی کے خلاف پستول نکالنے
کا مطلب اپنی گردن پھنسانا تھا۔ میں تو ان پر گولی نہ چلا سکتا، شاید وہ دیش کی محبت ایسا کر گزرتیں۔

اسی چھینا جھپٹی میں اچانک ایک ترکیب ذہن میں آئی۔ میں نے فوراً انھیں بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔ بلاشبہ
وہ بہت زیادہ پرکشش اور خوب صورت جسم کی مالک تھیں، مگر ان سے لپٹتے وقت مجھے ہمیشہ یونھی لگتا تھا جیسے پھوپھو جان یا
امی جان کے گلے لگنے پر احساس ہوتا ہے۔

"دیدی، آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں..........." ان کے ذہن کو بھٹکانے کی خاطر میں نے گفتگو جاری رکھی
تاکہ انھیں پتا نہ لگے کیا کر رہا ہوں۔ "کوئی آپ کی بات نہیں سنے گا۔ انڈیا سرکار آپ کی ملازم نہیں مالک ہے
اور..........." میرے بولنے سے ان کی مزاحمت ہلکی ہوئی، انھیں لگا ایک بھائی، بہن کو گلے لگا کر جذباتی دھونس جمانے کی
کوشش کر رہا ہے۔ مگر میرا منصوبہ کوئی اور تھا۔ ہلکا سا اچک کر میں نے کمر سے ان کے کوٹ کو پکڑا اور ایک دم کوٹ کو اوپر کی
طرف کھینچا اور ان کے سر سے گزار کر کوٹ سامنے لے آیا، ساتھ ہی کوٹ کو چکر دے کر اس کے ہاتھوں کو مزید جکڑ دیا۔ یوں
کہ اس کے بازوؤں سے کوٹ نہیں اترا تھا۔ بالکل آخری لمحے میں انھوں نے مچل کر میری گرفت سے نکلنا چاہا مگر دیر ہو گئی
تھی۔

وہ میرے بازوؤں کے گھیرے میں تھی اس لیے کوٹ کو اتار یا پہن نہیں سکتی تھیں۔ "فیشن ایبل فٹ کوٹ" کو
اتارنے، پہننے میں ویسے بھی ذرا سی دقت ہوتی ہے۔ اور اس وقت تو کوٹ نے ہتھکڑی کی طرح ان کے ہاتھوں کو جکڑ لیا
تھا۔ اور میں انھیں موقع نہیں دے رہا تھا کہ وہ کوٹ اتار پھینکیں یا پہن کر ہاتھوں کو آزاد کرا لیں۔ انھیں بازوؤں ہی میں

جکڑے ہوئے میں دروازے کی جانب کھسکا۔اور دروازہ کھول کر انھیں ساتھ لیے نیچے اتر گیا۔وہ جان چھڑانے کو زور زور سے مچل رہی تھیں، ساتھ ہی روہانسا ہو کر بولنے لگیں......

''راج! بے شرم، بے حیا بہت پٹو گے، اب مجھ سے رعایت کی توقع نہ رکھنا۔ میں تمھیں چھوڑوں گی نہیں۔ بہتر ہوگا شرافت سے میرے ساتھ چلو............''

انھیں آرام سے سڑک پر بٹھا کر میں برق رفتاری سے کار میں گھسا اور دروازہ فوراً قفل کر دیا۔کوٹ زیادہ سے زیادہ دو تین سیکنڈ ہی انھیں الجھا سکا تھا۔اور وہ قلیل وقت میرے لیے کافی تھا۔وہ دروازے کے ہینڈل سے پکڑ کر مسلسل جھٹکے دیتے ہوئے مجھے پکار رہی تھیں۔

''راج، رکو......میں تمھیں کہہ رہی ہوں رک جاؤ۔ پلیز مان جاؤ تمھاری جان خطرے میں ہے۔'' وہ باؤلی ہو کر دروازے سے چمٹی تھیں، اچانک انھیں خیال آیا اور کار کو سامنے سے روکنے کو وہ آگے بڑھیں، اگر یہ خیال انھیں پہلے آ جاتا تو میرے لیے مسئلہ کھڑا کر سکتی تھیں۔

مگر تب تک میں اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر ہینڈ بریک کو آزاد کر کے کار آگے بڑھا چکا تھا۔ چند قدم ساتھ دوڑ کر انھیں نے آخری حد تک کوشش کی اور پھر کار آگے نکل گئی۔اس کے بعد بھی وہ مجھے آواز دے کر چیختے ہوئے بھاگتی رہیں۔آگے سڑک صاف تھی اور وہاں سے جلد از جلد دور جانا ہی مجھے بچا سکتا تھا۔

شاید ان کی دوسری کاروں نے گلی کے دوسرے سرے کو غلاف (کور) کیا ہوا تھا تاکہ میں اس جانب سے نہ بھاگ سکوں۔یہ بھی ممکن تھا وہ ان کھولیوں میں لورا براؤن کی تلاش میں لگے ہوتے۔آگ بجھانے کی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔بہرحال کچھ بھی تھا ان کا اکٹھ میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا۔کرن چاولہ کو خود پر اعتماد تھا۔بلاشبہ اس کا اعتماد بے جا نہ تھا۔اگر ممتا دیدی حماقت نہ کرتیں اور اپنے ساتھیوں کا انتظار کر کے انھیں مجھے جکڑنے کا موقع دیتیں تو میں اب تک حراست میں ہوتا۔

سڑک پر مسلسل آگے بڑھنا کسی طور مناسب نہ تھا۔ان کے لیے سڑک پر تعاقب کرنا اور ناکا لگا کر میری حرکت کو روکنا نہایت آسان تھا۔اس لیے جتنی جلدی میں سڑک چھوڑ دیتا بہتر تھا۔ڈیڑھ دو کلومیٹر آگے آتے ہی میں سڑک سے اتر کر چوڑی گلی میں گھس گیا۔لیکن صرف سڑک سے اترنا بھی مسئلے کا حل نہیں تھا۔وہ ''را'' کی کار تھی اور اس میں آلہ نشاندہی (انڈیکیٹر) کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا سکتا تھا۔البتہ میری کوشش صرف جلدی سے اس علاقے سے باہر نکلنا تھا۔تین چار گلیوں سے گزرنے کے بعد بھی کوئی سفر کا متبادل ذریعہ نہیں ملا تھا۔رات چونکہ کافی بیت چکی تھی اس لیے گلیوں میں نقل و حرکت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔میری کوشش کسی موٹر سائیکل سوار کو شکار کرنے کی تھی، مگر موٹر سائیکل والا کوئی نہ ملا البتہ ایک کار کو دیکھ کر میں نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔اور اپنی کار چوڑی گلی کے ایک طرف کرتے ہوئے نیچے اترا۔سامنے سے آنے والی کار قریب پہنچ گئی تھی۔میرے ہاتھ اٹھانے پر اس نے فوراً بریک لگائی تھی۔وجہ یہی تھی کہ میں جس شاندار کار سے اترا تھا اس کا مالک اچکا یا نچلے درجے کا ڈکیت نہیں ہو سکتا تھا۔

شیشہ نیچے کر کے اس نے باہر جھانکا۔وہ ایک خوش شکل لڑکی تھی۔سفید کوٹ دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہ ہوئی کہ وہ ڈاکٹر تھی اور اپنی شفٹ ختم کر کے آ رہی تھی۔اس نے سر پر کالے رنگ کی گرم ٹوپی رکھی ہوئی تھی جبکہ اسی رنگ کا مفلر نما دوپٹا اس کے گلے میں پڑا تھا۔''جی۔'' وہ مستفسر ہوئی۔

''تھوڑا سا پٹرول مل جائے گا جو مجھے پٹرول پمپ تک پہنچا دے۔'' میں نے یہ تاثر دیا گویا میری کار میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔میں براہ راست پٹرول ختم ہونے کا بھی کہہ سکتا تھا لیکن حتی الوسع میری کوشش یہی ہوتی کہ جھوٹ نہ بولوں۔گو

عام زندگی میں جھوٹ ایک لعنت اور غیر اخلاقی وگری ہوئی حرکت ہے، مگر جاسوس کی زندگی میں ہر دم ایسے مسائل جنم لیتے ہیں کہ جھوٹ بولنا اس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے حالات میں بھی میں الفاظ کے چناؤ پر دھیان دیتا تھا کہ جھوٹ بولنے کے بجائے مخاطب کے دماغ میں من چاہا مطلب گھسیڑوں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''معذرت خواہ ہوں بھائی۔''

میں درخواست گزار ہوا۔ ''کسی قریبی پٹرول پمپ تک لے جاسکتی ہیں۔''

اس کے یاقوتی ہونٹوں پر رسمی مسکراہٹ ابھری۔ ''بھائی! ڈیوٹی ختم کر کے آ رہی ہوں اور سخت تھکی ہوئی ہوں۔ آپ تھوڑا آگے چلے جائیں سڑک زیادہ دور نہیں ہے وہاں سے ٹیکسی یا لفٹ مل جائے گی۔''

مجھے پہلے سے یہی امید تھی۔ کسی عورت کا اجنبی مرد کو لفٹ دینا کافی مشکل تھا۔ قیمتی کار کی وجہ سے رکی ضرور تھی لیکن اس سے زیادہ اعتبار وہ نہیں کر سکتی تھی۔

''شما چاہتا ہوں بہن جی، لیکن مجبوری ہے۔'' میں نے ایک دم پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

''کک......کیا چاہتے ہو؟'' اس کی آنکھوں میں خوف ابھرا۔

میں اطمینان سے بولا۔ ''صرف لفٹ۔''

وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ ''بب...... بھائی میں ایک ڈاکٹر ہوں......عوام کی خدمت گار۔ ڈیوٹی سے آ رہی ہوں۔ کیا اپنے خدمت گاروں کو یوں تکلیف دی جاتی ہے۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''لفٹ لینا کون سی تکلیف ہے۔ آپ عوام کی خدمت گار ہیں اور میں تھوڑی سی خدمت ہی کا متقاضی ہوں۔''

وہ لرزتے ہوئے بولی۔ ''آ......آپ بے شک کار لے جائیں......مم......مگر......''

''وعدہ کرتا ہوں ذرا سی بھی تکلیف نہیں دوں گا۔ آپ میرے لیے بہن کی طرح قابل احترام ہیں۔ بھائی کے لیے چند کلومیٹر سفر کی زحمت کر لیں۔''

وہ گڑگڑائی۔ ''پپ......پلیز......'' یقیناً اس لمحے کو کوس رہی ہوگی جب میرے لیے کار روکی تھی۔

''سنا نہیں۔'' پستول کی نال سے میں نے اسے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑنے کا اشارہ کیا۔

وہ جلدی سے دوسری سیٹ پر منتقل ہوگئی۔

''مجھے معاف کر دینا۔'' ندامت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار آگے بڑھا دی۔ وہ اپنے ہاتھ اضطراری انداز میں مروڑ رہی تھی۔

''یقین کرو، مجبور نہ ہوتا تو آپ کو کبھی تکلیف نہ پہنچاتا۔ درحقیقت میری جان کو خطرہ ہے۔ میری کار کو دشمن پہچانتے ہیں اس لیے آپ کی کار میں بیٹھنا پڑا۔ اور جونہی کوئی ٹیکسی وغیرہ نظر آئی آپ کو جانے دوں گا۔''

گہرا سانس لیتے ہوئے وہ خاموش رہی۔ شک ہونے کے باوجود وہ یقین کرنے پر مجبور تھی۔

تھوڑا آگے جاتے ہی میں دوسری گلی میں مڑا جو آگے جا کر سڑک سے مل رہی تھی۔

''آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔'' اسے مانوس کرنے اور جھجک دور کرنے کو میں نے خود ہی بات چیت شروع کی۔ دوستانہ انداز میں بات چیت سے اس کا خوف کسی حد تک دور کیا جا سکتا تھا۔ مناسب نہیں تھا کہ جب تک ٹیکسی نہ ملتی وہ بے چاری اذیت میں مبتلا رہتی۔ یہ بھی ممکن تھا چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دیتی۔ یا پولیس وغیرہ کی جیپ دیکھ کر مدد کو پکارنا شروع کر دیتی۔

وہ دھیرے سے بولی۔ ''ڈاکٹر سُجا تا کھر جی۔''
میں نے اگلا سوال پوچھا۔ ''کس چیز کی ڈاکٹر ہیں۔''
وہ سادگی سے بولی۔ ''انسانوں کی۔''
میں بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ وہ جھینپتے ہوئے بولی۔ ''میرا مطلب میڈیکل اسپیشلسٹ ہوں۔''
میں نے بہ ظاہر سنجیدگی سے کہا۔ ''آج کل طب کے شعبے نے بہت ترقی کر لی ہے، تو کیا کوئی ایسی دوا بھی ایجاد ہوئی ہے جو کسی کی یادوں کو بالکل ختم نہیں تو کم از کم مدہم کر سکے۔''
اس کے ہونٹوں سے حیرانی بھرا ''جی'' نکلا تھا۔
میں نے وضاحت کی۔ ''مجھے اپنی بیوی بہت پیاری ہے اور آج کل بہ حالت مجبوری ہمارے درمیان عارضی دوری پیدا ہو گئی ہے۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ چند ماہ کے لیے اسے بھلا سکوں؟''
اس کے لبوں پر مدہم سی مسکراہٹ ابھری۔ ''یقیناً آپ کو ماہر نفسیات (سائیکاٹرسٹ) کی ضرورت ہے۔''
میں نے منہ بنایا۔ ''بیزاری بھرے بھاشن سننے سے بہتر ہے، حالات سے سمجھوتہ کر لوں۔''
وہ صاف گوئی سے بولی۔ ''میں بھی تو سکون آور دوائی کے علاوہ کوئی سہائتا نہیں کر سکتی۔''
چونکہ میرا مقصد اسے اذیت بھری سوچوں سے چھٹکارا دلانا تھا اس لیے لایعنی و بے کار موضوع پر گفتگو جاری رکھی۔ اس دوران ہم نے تین چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ ایک بس اسٹاپ پر دو ٹیکسیاں کھڑی نظر آئیں۔
میں نے رفتار دھیمی کر کے کار سڑک سے اتاری اور ان سے کچھ آگے جا کر روک دی۔
اترنے سے پہلے میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ ''کیا اپنی گرم ٹوپی اور دوپٹا مجھے دے سکتی ہیں۔''
وہ حیرانی سے ہکلائی۔ ''ک...... کس لیے؟''
میں متبسم ہوا۔ ''یقیناً نشانی نہیں مانگ رہا۔ باہر سردی زیادہ ہے اور امید ہے ایک ڈاکٹر کو کنٹوپ خریدنے میں دقت نہ ہوگی۔''
''سیدھا کہیں چہرہ چھپانے کو درکار ہے۔'' معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے اس نے گرم ٹوپی اور مفلر نما دوپٹا میری طرف بڑھا دیا۔ میرے نرم اور دوستانہ لہجے میں باتیں کرنے سے اس کی جھجک اور پریشانی دور ہو گئی تھی۔
ٹوپی سر پر رکھ کر میں نے دوپٹا مفلر کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹا۔ ''ڈاکٹر صاحب! ہو سکے تو معاف کر دینا۔ آپ کا قیمتی وقت لیا بہت بہت شکریہ۔ اب ٹیکسی نظر آ گئی ہے تو آپ کو مزید تنگ کرنا نہیں بنتا۔'' میں نے اترنے کو پر تولے۔
''بات سنیں۔'' میرے دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے آواز دی۔
''جی۔'' میں حیرانی سے مڑا۔ کیبن بتی بند ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔
''یادوں سے چھٹکارے کی دوا تو نہیں بنی البتہ خود کو مصروف رکھنے سے وقتی طور پر افاقہ ضرور ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ نے مسلسل باتوں سے نہ صرف میرا خوف دور کیا، بلکہ مجھے چوٹ لگنے سے بھی محفوظ رکھا۔ اور یقیناً یہ دریافت آپ خود پر بھی آزما رہے ہوں گے۔'' ایک لحہ توقف کر کے اس نے گہرا سانس لیا...... ''اور آپ بالکل صحیح سوچ رہے ہیں، میں دروازہ کھول کر چھلانگ لگانے کا فیصلہ تقریباً کر چکی تھی۔''
''ڈاکٹر صاحب! میں نے بہ حالت مجبوری آپ کو تکلیف دی ورنہ کسی عوامی خدمت گار کو زحمت دینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ کا عورت ہونا مجھے مزید نادم کرنے والا تھا اور بے شک مجھے خدشہ تھا کہیں آپ چلتی کار سے کود نہ جائیں۔''

اسے کرید ہوئی۔ ''مجھے نہیں لگتا کوئی دہشت گرد اتنا سلجھا ہوا اور خیال رکھنے والا ہو سکتا ہے۔میڈیا جھوٹ بول رہا ہے یا آپ ناتجربے کار دہشت گرد ہیں۔'' وہ مجھے پہچان گئی تھی۔میڈیا نے میری تشہیر ہی اتنی کی تھی کہ اصل حلیے میں کوئی ساتھ بھی تھوڑا وقت گزار لیتا اس نے پہچان لینا تھا۔

میں ہنسا۔''یہ وہ سوال ہیں جو آپ کو پہلے پوچھنا چاہئیں تھے۔اب تو علیحدہ ہونے کا وقت آ گیا ہے۔''

وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔''کسی کے بارے جاننے کا اشتیاق اور اس سے استفسار کا حوصلہ بھی ہوتا ہے جب اجنبیت کی دیوار گرنے کے ساتھ بے تکلفی کا داعیہ بھی پیدا ہو جائے۔''

''خیر اجنبیت کی دیوار گرانے میں آپ کو ذرا سی دیر ہو گئی ہے۔اس لیے باقی باتیں اگلی ملاقات کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

''مجھے لگتا ہے آپ کو چند منٹ مزید کار سے نہیں نکلنا چاہیے۔'' سڑک کی طرف میری پیٹھ تھی۔اس کا انداز ایسا نہیں تھا کہ میں مڑ کر نہ دیکھتا۔سڑک پر دو کالی کاریں اور ان کے عقب میں پولیس کی تین جیپیں گزر رہی تھیں۔کاریں اور ایک جیپ رکے بغیر آگے نکل گئیں البتہ پولیس کی دو جیپیں ٹیکسی کے قریب رک گئی تھیں۔

ایک پولیس والا ٹیکسی ڈرائیوروں سے بات کرنے لگا، دوسرے کا رخ ہماری کار کی طرف ہو گیا تھا۔میرا ہاتھ جیب میں رینگا۔انھیں قتل یا زخمی کیے بغیر بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ان کی تعداد دس تھی۔اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پستول میں کتنی گولیاں باقی بچی ہیں۔

سجا تا سرعت سے بولی۔''ہمیں باہر نکلے بغیر سیٹ بدلنا ہو گی۔''

سوچنے کا وقت نہیں تھا۔میں فوراً ڈیش بورڈ کو پکڑ کر دوسری طرف پہنچا اور وہ نیچے سے کھسک کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئی۔اس دوران ہمارے اجسام کا لمحے بھر کو اتصال ہوا تھا، لیکن حالات کی نزاکت دماغ پر قابض تھی۔پولیس کے ردعمل پر کیا کرنا تھا اس بارے کچھ بہتر نہیں سوجھ رہا تھا۔امکان، غالب یہی تھا کہ میری ورزش کا دوسرا راؤنڈ شروع ہونے والا تھا۔پولیس، را ایجنسی کے ساتھ مددگار رہی تھی اور یقیناً ہنگامہ شروع ہوتے ہی وہ انھیں فوراً سے پہلے مطلع کرتے۔

''تم دل کے مریض ہو اور ہم ایمبولینس کے لیے رکے ہوئے ہیں۔'' دوسری سیٹ پر منتقل ہوتے ہی ڈاکٹر سجا تا دھیمے مگر تیز لہجے میں بولی اور اپنی جانب کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔اس کا باہر نکلنا میرے لیے نقصان دہ تھا۔کیوں میں اسے یرغمال بنا کر بھاگ سکتا تھا۔مجھ سے دور جا کر وہ باآسانی مجھے پکڑا سکتی تھی۔ہماری مخبری پر اچھے خاصے انعام کا وعدہ انڈیا سرکار نے کر رکھا تھا۔مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ڈاکٹر سجا تا کے ردعمل سے پہلے حرکت کرنا مناسب نہ ہوتا۔

''بھگوان کا شکر ہے آپ آ گئے۔'' ڈاکٹر سجا تا وارفتگی سے کہتے ہوئے دو قدم بھر کر سپاہی کے قریب ہوئی۔''دیش کے محافظوں کو دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے یہ آج پتا چلا............ویسے میں 'سیون ہائیٹ ہسپتال' کی ڈاکٹر سجا تا کھمر جی ہوں۔'' مسلسل بولتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے مصافحے کو ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کا لڑکی ہونا، ڈاکٹر ہونا، پولیس والے کی تعریف کرنا، اس کی آمد پر شکر گزاری کے کلمات ادا کرنا اور پھر اس سے مصافحہ کرنا یہ تمام ایسے تیر تھے کہ ایک بھی ہدف سے خطا نہیں گیا تھا۔یہ نوازشات پولیس سپاہی کے دماغ میں پیوست ہو کر اس کی سوچ پر قابض ہو گئی تھیں۔کار کا جائزہ لینا اسے بھول چکا تھا۔وہ خوش دلی سے بولا۔

''خیریت ڈاکٹر صاحب آپ یہاں کیوں رکی ہیں۔''

ڈاکٹر سجا تا تفصیل بتاتے ہوئے بولی۔''میرے ساتھ ایک دل کا مریض ہے۔اسے 'آشرواد ہارٹ ہاسپٹل' پہنچانا ہے۔ہسپتال سے نکلتے وقت جلدی کی خواہش میں ایمبولینس کا انتظار نہ کر پائی کہ وہ دوسرے مریض کو چھوڑنے گئی ہوئی

تھی۔اب راستے میں مریض کو زیادہ تکلیف ہونے لگی تو مجھے رکنا پڑا، کیوں کہ خصوصی ایمبولینس کے علاوہ اسے حرکت دینا مناسب نہ ہوگا۔اب ایمبولینس کو گھنٹی کر کے اس کا انتظار کر رہی تھی۔''

''ہمارے لائق کیا خدمت ہے۔''شاید سپاہی اس کی مکمل سہایتا کیے بغیر نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔

''میں بس ان ٹیکسی ڈرائیوروں سے ڈری ہوئی تھی۔آپ تو جانتے ہیں اکیلی لڑکی کے لیے یہ کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔تبھی آپ کو دیکھ کر مسرت ہوئی۔امید ہے آپ یہاں گھنٹا آدھ ضرور رکیں گے۔''

''مہاراج گتنی تفتیش بقایا ہے۔''یقیناً پولیس والے کے ساتھیوں کو جلدی تھی۔''ہم پر یمی جوڑوں کو تنگ کرنے نہیں نکلے، یہ فضولیات بعد میں ہوتی رہیں گی۔فی الحال نکلنے کی کوشش کرو۔''

وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔''ڈاکٹر صاحب! معذرت، مگر ہمارے پاس رکنے کا وقت نہیں ہے۔کسی مجرم کا پیچھا کر رہے ہیں۔البتہ فکر نہ کرو میں ٹیکسی ڈرائیوروں کو تنبیہ کر کے جاؤں گا۔کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ شریف ڈاکٹر کو چھیڑ سکے۔''

''اپنا موبائل فون نمبر بتاتے جاؤ تا کہ میں ضرورت پڑنے پر گھنٹی کر سکوں۔''سجاتا اپنے ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینے پر تلی تھی۔

کرخت لہجے میں پکارا گیا۔''مکیش کے بچے، وقت ضائع نہ کرو۔''

''آ گیا سر۔''اپنے سینئر کو کہہ کر وہ جلدی جلدی اپنا موبائل فون نمبر سجاتا کو لکھوانے لگا۔''کال کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کرتی رہنا، کوئی پریشانی نہ ہو پھر بھی۔''اپنے ساتھیوں کی طرف جاتے ہوئے بھی اس کی ہدایات جاری رہیں۔

اس کے جیپ میں بیٹھنے تک سجاتا وہیں کھڑی رہی۔اور پھر واپس کار میں آ گئی۔

میں تحسین آمیز لہجے میں بولا۔''آپ تو اچھی خاصی اداکارہ ہیں۔''

وہ خوش دلی سے بولی۔''ممبئی میں ہر لڑکی، پہلے اداکارہ اور پھر کسی اور شعبے سے تعلق رکھتی ہے۔ہیروئین بننے کا شوق بچپن ہی سے ہمارے دماغ میں کلبلانے لگتا ہے۔البتہ کامیابی خال ہی کسی کے نصیب میں لکھی ہوتی ہے۔''

میں متعجب ہوا۔''ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہو کر آپ ایک گھٹیا پیشے کو افضل جان رہی ہیں۔''

وہ حسرت سے بولی۔''کامیابی کی معراج، دولت، شہرت اور عزت سمجھی جاتی ہے۔جسے تینوں حاصل ہو جائیں اس کی خوش قسمتی و بلند بختی میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔اور ہماری فلم انڈسٹری کے ستاروں کے سر پر ان تینوں دیویوں کا سایہ ہے۔''

میں نے فضول موضوع سے جان چھڑائی کہ ایک غیر مسلم پر اسلامی تعلیمات ٹھونسنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔''آپ کو ڈھیر سارا دھنے واد کہہ کر مجھے جانا ہوگا۔''

وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔''اگر راستے میں دوبارہ پولیس سے ٹکراؤ ہو گیا پھر؟''

گو میں کہہ سکتا تھا کہ انڈیا میں گزشتہ چند ماہ سے مجھے پولیس، ایجنسیوں اور شکلا کے کتوں سے بچانے والی ڈاکٹر سجاتا نہیں تھی۔لیکن یہ بہت سخت الفاظ تھے اور کسی ایسے شخص کو جو خلوص دل سے میرے کام آ چکا ہو یہ کہنا سراسر زیادتی تھی۔میں نے اسے زبردستی بے آرام کیا تھا بلکہ خطرے میں ڈالا تھا۔اس کی وجہ سے پولیس والوں سے جان چھوٹی تھی۔ذرا سی تعریف یا حوصلہ افزائی سے میری عزت میں کمی نہ آتی۔

انکساری سے بولا۔''کوئی اور ڈاکٹر سجاتا مل جائے گی۔انڈیا میں کافی اصل ہیرو، ہیروئینوں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔''

میری تعریف نے اسے خوش کرنے کے بجائے اداس کر دیا تھا۔''کاش میں سچ مچ کی ہیروئین ہوتی۔مگر حقیقت تو یہ

ہے کہ میری پاس خود پر فخر کرنے کو کوئی وجہ موجود نہیں ہے، البتہ ...." گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے لمحہ بھر توقف کیا اور پھر بات بدلتے ہوئے پیش کش کی۔ "کہاں جانا ہے۔ چاہو تو میں چھوڑ آتی ہوں۔"

"آپ کو زحمت ہوگی۔" میں نے رسمی انکار مناسب سمجھا کہ پہلے ہی اس کا کافی وقت ضائع کر چکا تھا۔ "اور ویسے بھی میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے کہ آپ مجھے جلدی سے چھوڑ کر لوٹ آئیں گی۔"

اس نے خیال ظاہر کیا۔ "گویا آپ کا مقصد وقتی طور پر چھپنے کا ٹھکانہ ڈھونڈنا ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اعتماد سے بولی۔ "چند دن کے لیے ٹھکانہ دے سکتی ہوں۔"

میں ششدر رہ گیا تھا۔ "مگر آپ ایک ایسے شخص کو کیوں ٹھکانہ دیں گی جو انڈیا سرکار کا مجرم ہے۔ اور پکڑا گیا تو آپ کو جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

وہ ہلکے سے طنز سے بولی۔ "تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو پولیس سے بھی تو بچایا ہے۔ اور تب بھی پکڑی جاتی تو مشکل میں پھنس سکتی تھی۔"

اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے میں نے نادم لہجے میں کہا۔ "میں آپ پر شک نہیں کر رہا۔"

وہ اعتماد سے بولی۔ "شک کی کوئی وجہ بھی نہیں بنتی۔"

"گھر والوں سے کیا کہیں گی؟"

وہ اطمینان سے بولی۔ "وہ میرا مسئلہ ہے۔"

میں ہنسا۔ "مسئلہ تو خیر میرا ہے۔"

"میرے بڑے بھیا اپنی نئی نویلی دلھن کے ساتھ ہنی مون منانے شملہ گئے ہوئے ہیں۔ مہینے کے لیے گئے تھے اب تک انھیں دو ہفتے بھی نہیں ہوئے۔ گھر کو تالے لگے ہیں کیوں کہ میں اپنے فلیٹ میں رہتی ہوں۔"

میں رسمی تکلف سے بولا۔ "آپ کا پہلا احسان بھی کافی بڑا ہے اور آپ مزید مقروض کرنے کے چکر میں ہیں۔"

"بس جب احسان چکانے کا موقع ملے تو قدم پیچھے نہ ہٹانا۔" معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے اس نے کار اسٹارٹ کی اور ریورس کر کے سڑک پر چڑھا دی۔ مجھے اچنبھا ہوا تھا لیکن مزید سوال سے گریز کرتے ہوئے میں لورا کو گھنٹی کرنے کو موبائل فون ٹٹولنے لگا۔ جو تین حصوں کی شکل میں جیب سے باہر نکلا۔ موبائل فون الگ، بیٹری الگ اور ڈھکن الگ۔ کرن چاولہ سے لڑتے وقت ہی اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ لورا کو گھنٹی کرنے کا سوچتا۔ اطمینان ہوتے ہی اس کا خیال آیا تھا۔

بیٹری جوڑ کر ڈھکن بند کیا اور بٹن دبانے سے موبائل فون کی اسکرین روشن ہو گئی۔ لورا کا نمبر ڈائل کر کے فون کان پر رکھ لیا۔ دو تین گھنٹیوں کے بعد اس کی محتاط "ہیلو۔" ابھری۔

میں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "کہاں ہو؟"

"بھاڑ میں۔" وہ سخت تپی ہوئی تھی۔

میں اطمینان سے بولا۔ "وہاں تمھیں مرنے کے بعد ٹھکانہ ملے گا فی الحال کہاں ہو۔"

وہ روہانسی ہوئی۔ "کمینے آدمی، صبح سے جان سولی پر اٹکی ہے۔ کم از کم تسلی کا ایک پیغام ہی بھیج دیتے۔"

میں نے چھیڑا "کیپٹن جھوٹ نہ بولو، آدھی رات تک تمھارے ساتھ تھا تو صبح سے کیسے جان سولی پر لٹک سکتی ہے۔"

وہ چیخی۔ "بکواس بند کرو میں نے محاورتاً کہا ہے۔"

''میرے لیے پریشان ہونے والی دو گھر میں بیٹھی ہیں، تمھیں خون جلانے کی ضرورت نہیں۔''
وہ چڑ کر بولی۔''ٹھیک ہے تو انھی کو گھنٹی کرو، میرا دماغ کیوں خراب کر رہے ہو۔''
''تفصیلات سننے کے بعد بک بک کر لینا، فی الحال یہ بتاؤ محفوظ ٹھکانہ ملا یا نہیں۔''
وہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔''تمھاری لاڈلی کو بے ہوشی کا ٹیکہ ٹھوک کر ایک ہسپتال کی پارکنگ میں بیٹھی ہوں۔ تمھیں کئی بار گھنٹی کی کوشش کی مگر نمبر بند جا رہا تھا۔ اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ تم نے کچھ بتایا بھی تو نہیں تھا۔''
میں طعنہ زن ہوا۔''سینئر تم ہو یا میں۔''
وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔''ریجا! افغانستان میں تمھیں جتنی گالیاں بکیں تھیں ساری یاد ہیں۔ دہرانے پر مجبور نہ کرو۔''
میں کھل کھلا کر ہنسا۔''اچھا غصہ تھوکو اور پارکنگ سے باہر آؤ۔ میں تمھیں جگہ بتاتا ہوں۔'' اسے ہولڈ پر رکھ کر میں سجاتا کی طرف متوجہ ہوا۔''ڈاکٹر صاحب! اپنی ساتھی کو کہاں بلاؤں؟''
''اسے کہو ہند نگر میں پہنچے۔''
''ہند نگر پہنچو۔''
وہ بے بسی سے بولی۔''مجھے سمتوں کا ادراک ہو رہا ہے نہ کسی کی بولی سمجھ میں آ رہی ہے۔ ڈرتی ہوں کسی کو انگریزی میں مخاطب کیا تو پہچانی نہ جاؤں۔''
میں نے پوچھا''تم ہو کہاں؟''
اس نے ہسپتال کا نام بتایا۔''ڈی این اے ہسپتال۔'' جو میں نے ڈاکٹر سجاتا کو بتا دیا۔
سجاتا نے تفصیل سے سمجھایا۔''اسے کہو ہسپتال کی شمالی جانب موجود سڑک پر چڑھے اور مغرب کو مڑ جائے۔ یہ دہری سڑک آگے ویسٹرن ایکسپریس ہائی وے سے مل جائے گی۔ یہ ویسٹرن ہائی وے پر جنوب کی جانب مڑ جائے، راستے میں سائن بورڈ پڑھتی رہے تقریباً اڑھائی تین کلومیٹر آگے سڑک کے مغربی جانب ہند نگر آتا ہے۔ بلکہ 'اڈیو فلیگ شپ' ہوٹل کے قریب مغرب کو مڑ جائے۔ آگے ہند نگر کا علاقہ ہے۔''
میرے بتانے پر لورا تسلی سے بولی۔''ٹھیک ہے۔''
''وہاں پہنچتے ہی گھنٹی کرنا۔'' اسے ضروری ہدایت دے کر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔
سجاتا تحسین آمیز لہجے میں بولی۔''خاصے تعلیم یافتہ لگتے ہیں۔''
میں طعنہ زن ہوا۔''انگریزی بولنا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی علامت ہے تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''
وہ وثوق سے بولی۔''ہمارے ہاں تو تعلیم یافتہ افراد ہی انگریزی بولتے ہیں۔ اور سچ کہوں تو جس روانی سے آپ بات کر رہے تھے شاید میں بھی نہ کر پاؤں۔''
میں منہ بناتے ہوئے بولا۔''ہمارے ہاں جو آدمی ویزا لگوا کر کسی یورپی ملک پہنچ جائے اور وہاں بے شک بیرا، خاکروب، باورچی یا ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ بن کر معاش کمائے واپسی پر بہت اچھی انگریزی بولتا ہے۔''
وہ کھل کھلائی۔''تو آپ یورپ میں بیرا گیری کرتے رہے ہیں، ٹیکسی چلائی ہے یا شیف (باورچی) رہے ہیں۔''
میں نے وضاحت کی۔''میرے کہنے کا مقصد ہے انگریزی فقط ایک زبان ہے۔ اور اس کا اعلیٰ تعلیم اور ذہانت سے کوئی تعلق نہیں۔''
اس نے ہلکی سی خفگی ظاہر کی۔''اگر اپنے بارے کچھ نہیں بتانا چاہتے تو آپ کی مرضی۔''

اس کی کرید فوراً میری سوچ کو ممتا دیدی کی طرف لے گئی۔ وہ بھی مجھے ہمدرد بن کر ٹکرائی تھیں، اگر ایجنسی کی کارمیر سچ مچ آلہ نشاندہی لگا تھا تو ڈاکٹر سجاتا کا مجھ سے ٹکرانا اتفاق کے بجائے سوچا سمجھا منصوبہ ہو سکتا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اس کا سامنے آنا یہ لازم تو نہیں کرتا کہ میں اپنی کار چھوڑ کر اسے روکوں گا۔ اور پھر جن حالات میں میں کرن چاولہ سے جان چھڑا کر بھاگا تھا اس کے بعد ایسا سوچنا ہی حماقت تھی۔

مجھے خاموش پا کر اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ لگا وہ خفا ہو گئی ہے، میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب! میرے بارے آپ کا میڈیا بڑی تفصیل سے سب کچھ بتا چکا ہے۔ بلکہ روزانہ نئی سے نئی خبر چلا دیتا ہے۔''

وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ ''تو آپ تسلیم کرتے ہیں کہ میڈیا درست کہہ رہا ہے تاکہ میں کار تھانے کی طرف موڑ سکوں۔''

میں سرعت سے بولا۔ ''آپ کی مہربانی۔'' وہ کھل کھلا دی تھی۔

مختلف سڑکوں سے گزرتے، موڑ کاٹتے ہم جب مطلوبہ کالونی میں پہنچے تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ ساری رات ہنگامے کی نذر ہو گئی تھی۔ خوش قسمتی سے لورا ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئی تھی۔ سجاتا سے رہنمائی لے کر میں نے اسے ایک مخصوص جگہ رکنے کو کہا تھا۔ قریب پہنچنے پر میں نے کار سے ہاتھ نکال کر لہرایا اور وہ ہمارے پیچھے چل پڑی۔

اس نے ایک چھوٹے مگر خوب صورت سے مکان کے سامنے کار روک دی۔ ڈیش بورڈ سے چابیوں کا گچھا نکال کر اس نے دروازہ کھولا اور لورا کو کار اندر لانے کا اشارہ کیا۔ گیراج میں صرف ایک کار کھڑی کرنے کی جگہ تھی۔

ڈاکٹر سجاتا میرے قریب آئی، چابیاں مجھے پکڑاتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہ تمام کمروں کی چابیاں ہیں۔ دروازہ اندر سے قفل کر دینا۔ کوشش کرنا کوئی آواز وغیرہ پیدا نہ ہو۔ دستک وغیرہ کے جواب میں بھی دروازہ نہ کھولنا۔ مجھے کوئی مسئلہ نہ ہو گا کیوں کہ میرے پاس چابیوں کا دوسرا سیٹ موجود ہے۔ اور اپنا موبائل فون نمبر بھی دے دیں تاکہ میں آتے وقت گھنٹی کر دیا کروں گی۔''

''آپ واپس جا رہی ہیں۔'' مجھے اس کا لوٹنا اچھا نہیں لگا تھا۔ گو اس کا رویہ دیکھ کر اعتبار نہ کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

وہ اعتماد سے بولی۔ ''پانچ لاکھ اتنی بڑی رقم نہیں ہے کہ مجھے لبھا کر دھوکا دہی پر مائل کر سکے۔'' ہمارے متعلق اطلاع دینے پر پانچ لاکھ انعام کا وعدہ کیا گیا تھا۔

میں نے بات بنائی۔ ''نن...... نہیں، میرا مطلب تھا ہم اکیلے یہاں کیسے رہیں گے۔''

وہ صاف گوئی سے بولی۔ ''مجھے بھی آپ سے لالچ ہے۔ اتنی ستی ساوتری نہیں ہوں کہ ایک دہشت گرد کو نہ صرف پولیس سے بچانے کی تگ و دو کروں بلکہ اسے ٹھکانہ بھی مہیا کروں۔''

''مجھے نہیں لگتا آپ کے کسی کام آسکوں گا۔'' میں نے جھوٹے وعدے سے گریز کیا تھا۔

''میری کہانی سن کر انکار کریں گے تو اصرار نہیں کروں گی۔ باقی کھانے پکانے کی اشیاء گھر میں موجود ہیں، مزید کچھ ضرورت ہو تو گھنٹی کر لینا۔ اب اجازت دو، سہ پہر یا رات کو ملاقات ہو گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ملاقاتی (وزٹنگ) کارڈ میری جانب بڑھا دیا تھا۔

کارڈ لے کر میں نے اسے اپنا موبائل نمبر لکھوایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مزید تکرار کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ لورا کار کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ داخلی دروازہ بند کر کے میں اس کے قریب ہوا۔ وہ بے صبری سے مستفسر ہوئی۔

''یہ کون تھی۔ اعتبار کے قابل ہے یا مزید آزمائش میں ڈالے گی۔''

میں الجھے ہوئے لہجے میں بولا ''ڈاکٹر سجاتا نام ہے، اتفاق سے ٹکرائی اور خود ہی ٹھکانے کی پیش کش کر دی۔''

لورا نے پوچھا۔ ''تمھیں جانتی ہے، میرا مطلب اسے معلوم ہے نا تم پولیس کو مطلوب ہو۔''
''ہاں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
اس نے اندیشہ اگلا۔ ''تمھیں نہیں لگتا ہم اپنی گردن پھنسا رہے ہیں۔''
''اندر بیٹھ کر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔'' میں نے چابیوں کا گچھا اس کی جانب بڑھایا۔ ''دروازہ کھولو میں پرما کو اندر لاتا ہوں۔''
''اسے بانہوں میں بھرنے کے موقع کی تمھیں ہر وقت تلاش ہوتی ہے۔'' شرارتی انداز میں کہتے ہوئے اس نے چابیاں پکڑیں اور ڈگی کی چابی میری طرف بڑھا دی۔
میں جلے بھنے انداز میں بولا۔ ''یہ سعادت تمھیں مبارک، میں دروازہ کھول لیتا ہوں۔''
''یہ ہٹی کٹی بھینس مجھ سے کہاں اٹھے گی۔ اور پھر تمھاری بد دعائیں سننے کا بھی حوصلہ نہیں ہے نا۔'' مجھے چڑاتے ہوئے وہ اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔
افسوس بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے میں نے ڈگی کھولی، پرما کا جسم کمبل میں لپٹا تھا۔ صرف چہرہ کمبل سے باہر تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ موٹی بھینس ہرگز نہیں تھی۔ بلکہ اس کے مقابلے میں لورا زیادہ فربہ تھی۔ سچ کہوں تو جسمانی ساخت میں وہ میری پلوشے جیسی تھی۔ لیکن اس کا موہنا چہرہ اور جسمانی کشش میرے لیے بے معنی تھی۔
الحمدللہ مجھے اپنے جذبات پر قابو حاصل تھا۔ ورنہ جن حالات سے میں گزر رہا تھا کہ مختلف لڑکیوں سے اختلاط وجسمانی اتصال کے کثیر مواقع ملتے تھے۔ وہاں پھسلنے کے امکانات سیکڑوں تھے۔ لیکن میں نے کبھی آنکھوں یا ہاتھوں کو ستے پن کی اجازت نہیں دی تھی۔ بلاشبہ قعرِ مذلت میں گرنے کو کوئی دلائل، براہان اور بہانے مل جاتے ہیں۔ پرما مشرقی لڑکی سہی، لورا تو یورپین تھی۔ ان کی تہذیب و ثقافت میں گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کو وہی درجہ حاصل ہے جو ہمارے ہاں میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ اور خیر سے اب تو پاکیزہ، مقدس و عمدہ رشتا پاک و ہند میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ اونچے طبقے کے لبرل افراد کے ہاں گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ کی اصطلاح اتنی عام بلکہ ضروری ہو چکی ہے کہ روزمرہ لگتی ہے۔ ٹک ٹاک، لائیکی جیسی حیا سوز و بے باک سائیٹوں نے بڑے پیمانے پر اس بول و براز کو اعلیٰ و ارفع دوستی کا مقام عطا کیا ہوا ہے۔ اور ایسا ہی چلتا رہا تو جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب نکاح نرا بوجھ اور فالتو کی ذمہ داری لگے گی۔ جب ایک اہم جسمانی ضرورت بغیر پابندیوں میں جکڑے پوری ہو رہی ہو تو کوئی بے وقوف ہے جو ہتھکڑیاں پہننے پر تیار ہو گا۔ اور جب مشرق میں اس بے حیائی کے فروغ کی اتنی کوشش کی جا رہی ہے تو مغرب میں کیا حال ہو گا۔ جہاں غیر مرد سے جسمانی تعلقات تب تک غلط و ناجائز سمجھے جاتے ہیں جب کسی ایک فریق پر یہ فعل مسلط کیا گیا ہو۔ وہاں شادی سے پہلے ہی لڑکی کھلے عام بلکہ بانگ دہل زن و شو کا وظیفہ ادا کر چکی ہوتی ہے۔ کنواری یا غیر شادی شدہ ماں کی اصطلاح انوکھی یا قابل حیرت نہیں ہے۔ ایسی تہذیب کی پروردہ لڑکی جو حسن و جمال میں بھی خاص مقام رکھتی ہو۔ اس کے ساتھ تنہائی میں رہتے ہوئے اگر میں اپنے کسی فعل پر نادم یا شرمندہ نہیں تھا تو اللہ پاک کا کرم ہی تھا۔
پرما کو کمبل سمیت اٹھا کر میں نے ڈگی قفل کی اور اندر کو بڑھ گیا۔ لورا ڈرائینگ روم کا قفل کھول کر اندر جا چکی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے وقت ڈرائینگ روم کی دائیں جانب باورچی خانہ پڑتا تھا۔ اس کے دروازے کے ساتھ ایک گول میز اور اس کے گرد چار کرسیاں دسترخواں کی ضرورت پوری کر رہی تھیں۔ ڈرائینگ روم اور کھانے کی میز کے درمیان خوب صورت پردہ لٹکا کر بٹوارا (پارٹیشن) کیا گیا تھا۔ سامنے خواب گاہ تھی۔ بائیں دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ جن کے نیچے سٹور بنا ہوا تھا۔

لورا خواب گاہ میں تھی۔ میں پرما کو اٹھائے اس کے پیچھے پہنچا۔ مکان کی نسبت خواب گاہ کافی وسیع تھی۔ عقبی دیوار
کے ساتھ جہازی جسم کا ڈبل بیڈ پڑا تھا۔ بیڈ شیٹ، تکیوں کے غلاف اور کمبل ہلکے بھورے رنگ کے تھے۔ داہنی دیوار پر
شادی شدہ جوڑے کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔ مرد کے خدوخال میں ڈاکٹر سجاتا کی شباہت جھلک رہی تھی۔ لڑکی گہرے سرخ
رنگ کے لہنگے میں تھی۔ قیمتی زیورات سے لدی پھندی، سر پر چھوٹا سا تاج ٹکائے وہ مشرقی دلھن کی عکاسی کر رہی تھی۔ لورا
تصویر کے آگے کھڑی مسلسل گھورے جا رہی تھی۔ خواب گاہ کے ایک کونے میں کمپیوٹر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دیوار پر
انٹرنیٹ کا روٹر نظر آ رہا تھا۔

میں نے پرما کو بیڈ پر لٹا کر کمبل صحیح طریقے سے اوڑھا دیا۔ بیڈ کے داہنی جانب تین نشستی صوفہ رکھا تھا۔ میں نے
صوفے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اچھی خاصی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ کل دوپہر کے بعد سے آرام نصیب نہیں ہوا
تھا۔ وشواس سنگھ سے ملنے جانا اور واپسی پر ہنگامے کی شروعات جو اذان فجر کے ساتھ اختتام پذیر ہو رہا تھا۔ وشواس سنگھ کے
ہاں کھایا پرتکلف کھانا بھی کب کا ہضم ہو چکا تھا۔ سکون ملتے ہی نیند کی خواہش اور فریادِ معدہ کی شنوائی کے علاوہ کچھ نہیں
سوجھ رہا تھا۔ مگر اس سے پہلے اپنے محفوظ ہونے کی یقین دہانی باقی تھی۔ ڈاکٹر سجاتا کا کردار عجیب اور انوکھا تھا۔ کہاں تو وہ
کار میرے حوالے کر کے بھاگنے کو تیار تھی اور اب اپنے گھر لے آئی تھی۔ اسے ممتا دیدی کی طرح را کی ایجنٹ سمجھنا بھی کسی
طرح نہیں جچ رہا تھا۔ ہمارے ٹھکانے تک را کیسے پہنچی یہ سوچ علیحدہ سر درد تھی۔ میرے خفیہ مددگار بہترین ساتھ دے رہے
تھے۔ مگر بالمشافہ ملاقات سے گریز کر رہے تھے۔ ہمارے ٹھکانے تک را کا پہنچنا بھی حل طلب تھا۔ آیا وشواس سنگھ کی اب
تک نگرانی ہو رہی تھی اور اس کی وجہ سے میں نظروں میں آ گیا تھا، لورا سے کوئی غلطی ہوئی تھی، ہمارے پڑوسی وغیرہ میں کسی
کو شک ہوا اور اس نے مخبری کی یا اس کے علاوہ کوئی وجہ تھی۔ اس بارے میرے خفیہ مددگار ہی وضاحت کر سکتے تھے۔

لورا میری سوچوں میں مخل ہوئی۔ ”ریجا، تمھاری کھان بیوی اس سے بھی خوب صورت ہے۔“ میرے متوجہ ہونے پر
اس نے ڈاکٹر سجاتا کی بھابی کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

میں ہنسا۔ ”اس کی طرح سج سنور کر تم بھی اس سے خوب صورت لگو گی۔“

اس نے نتیجہ گھڑا۔ ”تمھارے کہنے کا مطلب ہے تمھاری بیوی مجھ سے بھی خوب صورت ہے۔“

”بات خوب صورت ہونے کی نہیں، خوب صورت لگنے کی ہوتی ہے۔ پیار و محبت کی بنیاد خوب صورتی پر نہیں
پسندیدگی پر قائم ہے۔ اگر خوب صورتی کو معیار مقرر کر دیا جائے تو ساری دنیا کا ایک ہی محبوب بن جائے گا۔ جو سب سے
خوب صورت ہوگا۔“

میرے قریب نشست سنبھالتے ہوئے وہ کام کی بات پر آئی۔ ”کہیں ڈاکٹر سجاتا کا تعلق تمھارے خفیہ مددگاروں
سے تو نہیں ہے۔“

میرے دماغ میں جھماکا ہوا، لگا لورا کا اندازہ درست ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ میرے مددگار کسی صوررت میرے
سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ ان کی بہتری مجھ سے دور رہنے میں تھی۔ میری انڈیا آمد مختصر وقت کے لیے
تھی۔ انھوں نے مستقل وہیں رہنا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا میرے خفیہ دوست میرے کسی ہمدرد یا خیر خواہ کی منشا کے تابع
ہوتے۔ وہ دھرمودادا کے کارندے یا انصاری صاحب کے چاہنے والے بھی ہو سکتے تھے، جن کا مطمح نظر بس مجھ پر نظر رکھنا
ہوتا کہ ضرورت پڑنے پر مدد کر سکیں۔ اور یہ مدد بھی مطلع کرنے اور خبر دینے تک محدود تھی ورنہ کرن چاولہ کے ساتھ جو سخت
لڑائی ہوئی تھی اس میں کسی نہ کسی مددگار کو سامنے آنا چاہیے تھا۔

لمحے بھر کے توقف کے بعد میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ”وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ جیسے سورج سنگھ رقم کی

خاطر ہماری مدد پر آمادہ ہوا تھا، یونھی ڈاکٹر سجاتا کو بھی کوئی غرض ہے۔''

وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ ''یہ غرض، وہ رقم نہ ہو جو ہمیں پکڑوانے پر سرکار کی طرف سے انعام دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔''

''راستے میں اس کی وجہ سے میں پولیس سے بچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔''

اس نے اندیشہ اگلا۔ ''شاید ہم دونوں کی گرفتاری اس کا مطمح نظر ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسا ہوتا تو اب تک بھائی لوگ پہنچ چکے ہوتے۔''

وہ الجھن امیز لہجے میں بولی۔ ''کیا کرنا چاہیے؟''

میں نے کہا۔ ''کچھ سجھائی نہ دے تو انتظار کرنا زیادہ بہتر رہتا ہے۔''

وہ پرما کو گھورتے ہوئے تلخی سے بولی۔ ''یہ مصیبت ساتھ نہ ہوتی تو خطرہ مول لینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ہم آسانی سے شکلا کے خلاف میدان میں اتر سکتے تھے۔''

میں نے برہمی ظاہر کی۔ ''اس مصیبت کو میرے پاس چھوڑ کر تم جہاں چاہے دفع ہو سکتی ہو۔''

اس نے ناک بھوں چڑھائی۔ ''یہ تمھیں اتنی عزیز ہے کہ اس کی خاطر مجھ سے جھگڑ پڑتے ہوئے۔''

''شک ہی کیا ہے۔'' میں نے اسے جھٹلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکے ہو۔'' وہ سچ مچ تپ گئی تھی۔

میں درشتی سے بولا۔ ''اس کی خاطر میں گھر بار اور وطن چھوڑ کر پچھلے چند ماہ سے پردیس میں در بدر ہو رہا ہوں، میرا ساتھی شہید ہو چکا ہے۔ را کے عقوبت خانے میں طرح طرح کے عذاب جھیل چکا ہوں۔ جبکہ اس کا حصول میرا مشن ہے۔ اس کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اسے پاکستان لے جانا میرا فخر ہے۔ البتہ اپنے بارے کہہ سکتی ہو کہ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں جو اصل مشن کو پس پشت ڈال کر تمھارے اشاروں پر ناچتا رہوں۔''

وہ بپھرتے ہوئے بولی۔ ''تم جیسا گھٹیا شاید ہی نظر سے گزرا ہوگا جو ہر تکرار میں احسان جتلانے لگتا ہے۔ تم پر تھوکنا بھی گوارا نہ کرتی مگر افسوس مقامی بولی سے ناواقف ہوں۔''

''احسان نہیں جتاتا، تمھاری حیثیت یاد دلاتا ہوں۔ خود غرض و مطلب پرست تم ہو میں نہیں۔ ایک ٹیم ہونے کے ناطے ہمارے پیش نظر تین مقاصد تھے۔ تمھارے لیے رقم حاصل کرنا، میرے لیے پرما کو اغواء کرنا اور ہم دونوں کے لیے شکلا کا قتل۔ اب اس معاہدے سے انحراف کون کر رہا ہے۔ کسے پرما کا وجود گراں گزر رہا ہے؟''

''اس کا حصول فقط شکلا پر دھونس جمانے کو کیا تھا۔ لیکن تم اس کے حسن پر مر مٹے اور جھوٹی کہانی گھڑ کر اسے ساتھ رکھنے پر بہ ضد ہو، کیوں کہ دو بیویوں پر بھی قناعت نہیں کر سکتے۔''

میں نے دانت پیسے۔ ''کیا زبردستی کسی لڑکی کو اپنایا جا سکتا ہے یا اس کی محبت حاصل کی جا سکتی ہے۔''

''تم جیسوں کی غرض محبت نہیں ہوس ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے لڑکی کی رضامندی نہیں بے بسی درکار ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے جب ہم نے اسے اغواء کر لیا تھا تب تمھیں اپنا مشن یاد آیا۔ کیوں کہ اسے دیکھتے ہی تمھیں سب کچھ بھول گیا تھا۔ اگر اسے اغواء کرنا تمھارا مشن ہوتا تو یہ مشورہ مجھے دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔''

اسے صفائیاں دینا وقت کا ضیاع تھا۔ میں کوفت بھرے لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک کہا، لیکن حیرانی اس پر ہے کہ مجھ جیسے کے ساتھ رہنے کی تمھیں کیوں ضرورت پیش آئی۔ تمھارا مشن پورا ہو چکا ہے اپنا رستہ ناپو۔''

''میرا مشن شکلا کو برباد کرنا ہے۔ اس نے مجھے جس عذاب میں مبتلا کیا اس کا نتیجہ اس کی نواسی کو بھگتنا پڑے گا۔ میں

پرما سے اس کا فخر و غرور ایسے چھینوں گی جیسے اس کے نانا نے میری عصمت چھینی۔ اور پھر اس کی تشہیر کر کے شکلا کو اس کی اوقات یاد دلاؤں گی۔''

میں ٹھنڈے دماغ سے بولا۔''اور پھر کیا ہوگا؟''

اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔''واپس لوٹ جاؤں گی۔''

''ایک لڑکی، یقیناً دوسری لڑکی کی عصت دری نہیں کر سکتی۔ اور میں ٹھہرا پرما کا عاشق تو اپنے منصوبے پر کیسے عمل کرو گی۔''

''انڈیا میں مردوں کی کمی نہیں ہے۔''

''پرما کے نانا نے تمھیں قتل تو نہیں کیا تھا ناں۔''

''میں بھی اسے زندہ چھوڑ دوں گی۔''

''ٹھیک ہے جو کرنا ہے کر لو۔ مگر مجھے یہ زندہ چاہیے۔ جب تمھارا بدلہ پورا ہو جائے تو اسے میرے لیے چھوڑ دینا۔ تمھارے پاس آج کا دن اور آنے والی رات ہے۔ اس کے بعد میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔ اور براہ مہربانی آج کے بعد مجھے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں۔'' بے نیازی سے کہتے ہوئے میں نے نشست چھوڑی اور باہر نکل آیا۔ سخت بھوک محسوس ہو رہی تھی اور لورا سے فضول بحث کے بعد سر بھی درد کرنے لگا تھا۔ باورچی خانے میں گھس کر میں الماریاں کھنگالنے لگا۔ ضرورت کی قریباً تمام اشیاء پڑی تھیں۔ ڈیپ فریزر بھی مختلف اقسام کے جوسوں، بوتلوں اور ملک پیک کے ڈبوں سے بھرا تھا۔ چولھا جلا کر میں نے کیتلی میں چائے کا پانی رکھا اور پرات میں آٹا گوندنے لگا۔

آٹا گوندنے تک چائے تیار ہو چکی تھی۔

''جلدی کرو سخت بھوک لگی ہے۔'' لورا اندر آئی۔

میں خاموشی سے کام میں لگا رہا۔ کیتلی اتار کر چولھے پر توا رکھا اور پیڑا بنانے لگا۔ فوج کی نوکری نے ہر فن مولا کر دیا تھا۔

لورا نے چائے کی پیالی بھری اور وہیں ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

''خفا ہو۔'' ہلکی سی چسکی لیتے ہوئے وہ متبسم ہوئی۔

میں چپ رہا۔

وہ شرارتی انداز میں بولی۔''مجھے غصہ آ گیا تھا، کیوں تم اسے مجھ سے زیادہ توجہ دینے لگے ہو اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی، آخر تمھاری بیویوں کے بعد میں ہی سب سے زیادہ تمھارے قریب ہوں۔''

میں پیڑا بیلنے لگا۔

''اچھا سوری ناں، بس تمھیں تنگ کر رہی تھی۔'' پیالی رکھ کر اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔

ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے میں نے اسے پیچھے دھکا دیا اور روٹی اٹھا کر توے پر ڈال دی۔

مجھے لحہ بھر گھور کر وہ پیچھے مڑی اور باہر نکل گئی۔

پانچ چھے پراٹھے بنا کر میں نے چائے گرم کی اور تھرماس میں ڈال کر باہر نکل آیا۔ لورا ڈرائینگ روم میں بیٹھی تھی۔ اسے نظر انداز کرتا ہوا میں خواب گاہ میں گھس گیا۔ پرما کی آنکھیں بند تھیں۔ پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لایا۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ اٹھا کر اس نے تو بہ شکن انگڑائی لی، میں نے فوراً نظریں جھکا لی تھیں۔

''ہماری گردن کیوں دبائی تھی۔'' اسے بے ہوش ہونا یاد تھا۔ اور حواسوں میں آتے ہی اس نے پہلا سوال یہی کیا

تھا۔

''وہاں چھاپہ پڑا تھا۔ جلدی میں بھاگنا پڑا۔ گردن نہ دباتا تو سر میں کچھ مار کر بے ہوش کرنا پڑتا اور مجھے پہلا طریقہ زیادہ موزوں لگا۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''ہمیں وہیں چھوڑ دیتے۔ کیا ساتھ لانا ضروری تھا۔''

اس کی ہتھکڑی کھولتے ہوئے میں اطمینان سے بولا۔ ''ضروری نہ ہوتا تو یقیناً فالتو بوجھ ساتھ پھرانے کا ہمیں قطعاً شوق نہیں ہے۔''

وہ مجھے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ ''اور ہماری سزا کب پوری ہو رہی۔''

سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا اس لیے گول کر گیا۔ ''غسل خانہ سامنے ہے تازہ دم ہو جاؤ کہ ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے خواب گاہ میں نظر دوڑائی۔ ''نئی جگہ نظر آرہی ہے۔'' اس نے پر تعیش خواب گاہ کو پسندیدگی سے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''سوچا قیدی کے شایانِ شان جگہ ڈھونڈنا چاہیے۔''

وہ استہزائی انداز میں ہنسی۔ ''ہماری خواب گاہ دیکھ لیتے تو ایسا کہنے کا حوصلہ نہ کرپاتے۔''

میں نے ڈانٹا'' آپ کو دلھن یا مہمان بنا کر نہیں قیدی بنا کر لائے ہیں۔''

وہ بدتمیزی سے بولی۔ ''تم جیسے، ہمیں دلھن بنانے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، کجا جاگتے میں ایسا سوچ سکیں۔''

پہلی بار اس نے یوں بدتمیزی سے بات کی تھی۔ مجھے برا تو لگا مگر برداشت کرنا پڑتا۔ پہلے بھی وہ بہ ظاہر مہذبانہ انداز میں گفتگو کرتی تھی ورنہ اپنے اغواء کرنے والے شخص کو عزت دینا کسی طرح نہیں جچتا۔ میرے لیے بھی اس کی اہمیت انصاری صاحب کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے تھی۔ ورنہ اس کا حسن و امارت مجھے متاثر کر سکتے تھے نہ شکلا کی طاقت و اختیار ڈرا سکتے تھے۔

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ میں نے شیشے کی خوب صورت میز بیڈ کے قریب رکھی اور اس پر ناشتا چن دیا۔

وہ تھوڑی دیر بعد برآمد ہوئی چہرہ دھو کر وہ تولیہ استعمال نہیں کرتی تھی۔ یقیناً چند دنوں کی قید سے اس کی نوابانہ عادات نہیں چھوٹ سکتی تھیں۔ آرمی آفیسر کی بیٹی ہونے کے ناتے شروع دن سے اسے کسی چیز کی کمی نہیں آئی تھی۔ اور اب تو اس کے سر پر شکلا کا سایہ تھا۔ حرام کی دولت سے اس نے اتنی آسائشیں اور سامانِ عیاشی اکٹھا کر رکھا تھا کہ اپنی دنیا ہی کو جنت بنا ڈالا تھا۔

پراٹھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے چائے کی پیالی اٹھائی اور بیڈ ریسٹ سے ٹیک لگا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔

میں نرمی سے بولا۔ ''پراٹھا کھالو۔''

''تم نہیں جانتے ناشتے میں کیا لیتے ہیں۔'' اس کا لہجہ پہلے کی طرح بدتمیزی بھرا تھا۔

دل چاہا لورا کو بلا کر اس کی طبیعت صاف کرالوں، مگر پھر انصاری صاحب کا مشفق چہرہ میری نظروں کے سامنے نمودار ہوا۔ ان کی حسرت بھری آواز میری سماعتوں میں نوحہ بن کر گونجی۔ ''پرما ملہوترا میری بیٹی ہے، میری ننھی شہزادی، جان سے پیاری پری ہے۔''

میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''جب تک انڈے، مکھن، پنیر، شہد اور ڈبل روٹی وغیرہ نہیں آجاتی بھوکی رہو گی یا خیالی پلاؤ بنانے کی ترکیب سیکھ لی ہے۔''

اس نے میرے سر پر بم پھوڑا۔ ''امید ہے جلد ہی گرینڈ پا ہمیں ڈھونڈ لیں گے تب ایک پاکی گھس بیٹھے کی کیا درگت بنتی ہے یہ اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھیں گے۔'' شاید اسے لورا نے بتایا تھا کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں۔ مگر پھر خیال آیا اس نے ٹی وی پر سنا ہوگا۔ گزشتہ کل میں وشواس سنگھ کو ملنے گیا تھا تب شاید لورا کے چینل وغیرہ تبدیل کرتے وقت اس کی نظر پڑی تھی۔ بے چاری کے پلے اردو یا ہندی نہیں پڑتی تھی تو انڈین خبریں کیسے سنتی۔

''شاید انگریزی چینل لگا یا ہو۔'' ایک اور خیال میرے دماغ میں پیدا ہوا۔ پاکستان اور انڈیا میں انگریزی میں بھی خبریں پیش کرنے کا رواج ہے۔ غلامی سے آزاد ہوئے پون صدی ہونے کو ہے لیکن انگریزی زبان کی غلامی سے ہم جان نہیں چھڑا سکے۔ بلکہ اب تو انگریزی اردو، ہندی اور دوسری مقامی زبانوں کو یوں نگلتی جارہی ہے جیسے اژدھا اپنے شکار کو زندہ نگلتا ہے۔ اردو کی ترویج و ترقی کی خاطر اٹھنے والی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ صاحبانِ اقتدار، میڈیا، عدالتیں، سرکاری دفاتر الغرض تشہیر و ترقی کا ہر زینہ انگریزی کے قبضے میں ہے۔ جب اردو کو قومی و دفتری زبان قرار دینے کا فیصلہ ہی انگریزی میں لکھا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر اردو کی خدمت سے کیا کھلواڑ ہوگا۔ اور اس لحاظ سے ہندوستانی ہم سے بھی کئی قدم آگے ہیں۔

مجھے سوچتا دیکھ کر وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''تمھیں کیا لگا ہم ایک مسلے کو نہیں پہچان پائیں گے۔''

میں اچنبھے سے بولا۔ ''میرے پاکستانی یا انڈین ہونے سے تمھیں کیا فرق پڑتا ہے۔''

وہ زہر خند ہوئی۔ ''بھارت ماتا کا سپوت اتنا گھٹیا، بزدل و بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ مظلوم لڑکی کو حبس بے جا میں رکھ کر ظلم ڈھائے۔'' آگے جھک کر اس نے خالی پیالی میز پر رکھ دی تھی۔

میں ترکی بہ ترکی بولا۔ ''بھارت ماتا کے سپوت کیا کچھ کر سکتے ہیں اس کے لیے کبھی کشمیر جا کر وہاں کی عورتوں کے دکھڑے سن لو، امید ہے افاقہ ہوگا۔''

''ہونہہ!'' اس نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔ ''تم کہو گے اور ہم مان لیں گے۔''

شاید میرا دن ہی برا تھا کہ لورا کے بعد پرما کی بھی ہرزہ سرائی سننا پڑ رہی تھی۔ گو لورا کی بکواس میرے نزدیک کی اہمیت کی حامل نہیں تھی لیکن پرما کی بدگمانی اور نفرت خاصی دشواری لانے والی تھی۔ میں نے اس کا دل انصاری صاحب کی طرف سے صاف کرنا تھا یہاں میں ہی بے اعتبار و قابل نفرت ہو گیا تھا۔

''اور چائے ڈالوں؟'' مجھے اس کے علاوہ کچھ نہ سوجھا تھا۔

میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ دلیری سے بولی۔ ''اور اب تم سے ڈر نہیں لگتا، جو کر سکتے ہو کر لو۔''

''شاید سمجھتی ہو کہ پاکستانی فوجی کسی لڑکی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

وہ نفرت سے بولی۔ ''نہیں بلکہ گھٹیا دشمن سے رحم کی بھیک مانگنا ہمیں نہیں سکھایا گیا۔'' بلاشبہ شکلا کے زیر سایہ پرورش پانے والی کے دل میں پاک فوج کے بارے ایسی نفرت کا ہونا حیران کن نہیں تھا۔

اس دوران میں تین پراٹھے ہڑپ کر گیا تھا۔ بقیہ پراٹھے اور چائے کا تھرماس اٹھا کر میں باہر نکلا، لورا ڈرائینگ روم کے صوفے پر لیٹی تھی۔ ناشتے کے برتن میز پر رکھ کر میں خاموشی سے مڑ گیا۔ خواب گاہ کی عقبی کھڑکی جدید طرز کی بنی تھی۔ جس میں مکمل شیشے کا استعمال ہوا تھا۔ اور وہاں سے بھاگنا آسان تھا۔ اس لیے پرما کو کھلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے ہتھکڑی اٹھا کر اس کے ہاتھ پشت کی طرف جکڑے، کیوں کہ سامنے سے ہتھکڑی لگاتا تو وہ پھر بھی شیشہ کھول لیتی۔

وہ نفرت سے بولی۔ ''تم جیسے ڈرپوک، فقط کمزور لڑکی ہی کو دلیری دکھا سکتے ہیں۔''

گو میری بہادری و دلیری وہ اس وقت دیکھ چکی تھی جب میں نے اس کی عزت بچائی تھی۔ لیکن اسے یہ باور کرا کے مجھے کیا ملتا۔ کسی کی نفرت کو بحث و تکرار سے کم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں قدرے برہمی سے بولا۔ ''میری دلیری و بہادری کو چھوڑو، البتہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ تا کہ کسی بری صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔''

وہ حقارت سے بولی۔ ''ہمیں تم سے نفرت ہے، کیوں کہ تم ہو ہی اس قابل؛ احمق، بے ہودہ، واہیات، گھٹیا، ذلیل اور سخت قسم کے برے شخص ہو۔''

میں بے پروائی سے بولا۔ ''سوچا تھا کچھ نیا بتاؤ گی۔''

''نیا یہ ہے کہ جو بھی گرینڈ پا ہمیں ڈھونڈ لیں گے تمھارے سر میں گولی ہم ہی اتاریں گے۔''

میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ ''سوچ لو ابھی میرے قبضے میں ہو۔''

وہ بپھر گئی۔ ''تم ہمارا کیا بگاڑ لو گے۔''

یقیناً میں اس کے دل میں اپنی عزت پیدا نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس کی زبان کو تمیز سے گفتگو کرنا ضرور سکھا سکتا تھا۔

میں نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ ''کیا واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ کہہ رہی ہیں؟'' اس کی بدتمیزی کے باوجود میں احترام ہی سے مخاطب کر رہا تھا۔

''شک ہے کیا۔'' اس نے بہ ظاہر اعتماد سے کہا مگر لہجے کا کھوکھلا پن واضح تھا۔

''ٹھیک ہے، اگر آپ کی نظر میں اتنا گندا، گھٹیا اور اوباش ہوں تو اچھا بننے کی اداکاری کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے آگے بڑھ کر دروازہ قفل کیا، اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکا اور قمیص کے بٹن کھولنے لگا۔

وہ گڑبڑاتے ہوئے ہکلائی۔ ''دد...... دروازہ کیوں قفل کیا...... کک...... کیا کرنا چاہتے ہیں آپ؟؟؟'' تم، تمھارا کہنا اسے فوراً بھول گیا تھا۔

''بچی نہیں ہو، آپ کو اندازہ ہونا چاہیے میں کیا کرنے والا ہوں۔'' اطمینان بھرے انداز میں کہتے ہوئے میں نے قمیص بھی اتار دی تھی۔ اب بالائی بدن پر صرف بنیان رہ گئی تھی۔

''آ...... آپ ...... ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا ہماری عزت و جان محفوظ رہے گی۔ آپ تو مسلمان ہیں ناں اور مسلمان وعدہ خلافی تو نہیں کرتے۔'' مجھے جارحانہ موڈ میں دیکھتے ہی اس کی تیزی طراری ہوا ہو گئی تھی۔ چند منٹ پہلے اکڑ خانی دکھانے والی منتوں، ترلوں پر آ گئی تھی۔ اب ایک دم مسلمان کی وعدہ ایفائی بھی اسے یاد آ گئی تھی۔ بلاشبہ کسی بھی شریف لڑکی کے لیے سب سے بڑی دھمکی یہی ہو سکتی تھی۔ شاید مار پیٹ اور تشدد وہ برداشت کر لیتی، مگر عزت گنوانا اتنا آسان نہیں ہے۔

''میرے وعدے کی اہمیت تب ہوتی جب آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہوتی۔'' سکون سے کہتے ہوئے میں بیڈ کی طرف بڑھا۔

وہ جلدی سے دوسری جانب اتر کر گلوگیر ہوئی۔ ''پلیز معاف کر دیں۔ ہم تو بس اپنی حد جانچ رہے تھے، کہ آپ کہاں تک ہماری باتوں کو برداشت کر سکتے ہیں۔ شاہ جی، غلطی ہو گئی۔ آئندہ آپ کو موقع نہیں دیں گے۔'' شوخ آنکھوں

میں نمی بھر گئی تھی۔ اگر ہاتھ پشت پر نہ بندھے ہوتے تو اس نے جوڑ لینے تھے۔

انصاری صاحب کے ناتے بلاشبہ وہ میرے لیے بہت اہم تھی۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو وہ مظلوم اور میں ظالم کے روپ میں تھا۔ ایک معصوم اور بے بس حوا زادی کو دھمکانے اور رعب میں رکھنے کا میں کبھی قائل نہیں رہا۔ مگر اس کی زبان کی گرہ کچھ زیادہ ہی ڈھیلی پڑ گئی تھی اس وجہ سے چھوٹا سا ناٹک کرنا پڑ گیا تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ میں اسے خراش لگنے بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اور بہ ظاہر میں ظالم سہی مگر اصل میں اس کا سچا خیر خواہ تھا۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھی۔

گہرا سانس لے کر میں نے مصنوعی برہمی پر قابو پانے کا عندیہ دیا۔ اس کی نم آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے میرا دل ہمدردی سے بھر گیا تھا۔ لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے میں بولا۔

''بے شک عزت دل میں ہوتی ہے۔ اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں آپ کے نزدیک معزز و مکرم ٹھہروں۔ لیکن ظاہری گفتگو میں سنبھل کر بولنا مفید رہتا ہے۔ اچھی طرح جانتی ہو اس قید میں آپ کا تھوڑا بہت خیر خواہ صرف میں ہوں۔ کیپٹن لورا براؤن میری بہترین دوست ہے مگر آپ کی وجہ سے خفا ہے۔ وہ اپنی توہین کا بدلہ ویسے ہی لینا چاہتی ہے جیسے اس پر بیتی، ہدف آپ ہیں۔ اور اس کے راستے کی دیوار فقط میں ہوں۔''

وہ ہکلائی۔''آ......آپ بہت اچھے ہیں۔''

میں صاف گوئی سے بولا۔''آپ کی اس بات میں اتنی ہی سچائی ہے جتنی نہیں بھاگوں گی کے وعدے میں تھی۔''

وہ سر جھکاتے ہوئے منمنائی۔''آپ کو دوبارہ موقع نہیں دیں گے۔''

''یہی مناسب ہوگا۔'' میں نے قمیص اور کوٹ پہن لیا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان نمودار ہوا اور وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔

وہ کمرہ اس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ میں کسی ایسے کمرے کی تلاش میں باہر نکلا جس میں کھڑکی موجود نہ ہوتی۔ یوں اسے ہتھکڑی لگانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ کیوں کہ میں نے محسوس کیا تھا اسے ہتھکڑی میں سخت الجھن ہوتی تھی۔ بلکہ ہتھکڑی تو ایسی آفت کا نام ہے کہ عادی مجرم بھی اس سے تنگ پڑ جاتے ہیں وہ بے چاری تو نرم نازک لڑکی تھی۔ ایسی کلائیاں گجروں کے لیے بنی ہوتی ہیں نہ کہ ہتھکڑی کے لیے۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا، لورا براؤن ناشتے کو جڑی تھی۔ مجھ پر سرسری نظر ڈال کر وہ بے نیازی سے چائے کی پیالی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں بھی اسے نظر انداز کر کے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

دوسری منزل پر آمنے سامنے دو خواب گاہیں بنی تھیں۔ ان کے درمیان ہال نما جگہ بن رہی تھی جسے ڈرائینگ روم کی شکل دی گئی تھی۔ انگریزی حرف یو کی شکل میں تین صوفہ سیٹ پڑے تھے، ان کے سامنے شیشے کی خوب صورت میزیں سجی تھیں۔ صوفوں کے پہلوؤں میں نازک تپائیاں رکھی گئی تھیں، سامنے کی دیوار پر بڑی اسکرین کی ایل ای ڈی لگی تھی۔ فرش پر سلیٹی رنگ کا عمدہ قالین بچھا تھا۔ عقبی دیوار میں شیشے کی بڑی کھڑکی تھی۔ کھڑکی پر دبیز پردے لٹکے تھے اور دائیں بائیں گملا اسٹینڈ رکھے ہوئے تھے۔ گملوں میں گہرے سبز رنگ کے ہاتھ بھر اونچے پودے لگے تھے۔ جن کا نام بہ ہر حال میں بالکل نہیں جانتا۔

وہاں چھت پر جانے کو سیڑھیاں موجود تھیں۔ سیڑھیوں پر رہتے ہوئے میں نے چھت کا جائزہ لیا۔ اور واپس دوسری منزل پر آ گیا۔

خواب گاہوں میں کوئی کھڑکی موجود نہ تھی۔ دونوں میں ایک سنگل بیڈ، دو فوم والی کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے کے فرش پر قالین بھی بچھے تھے۔ غسل خانہ بھی منسلک تھا۔ بلاشبہ پر ما کو قید رکھنے کو دونوں کمرے بہترین تھے۔

میں نیچے پہنچا، لورا نے بیڈ سنبھال لیا تھا۔ پرما خفیف سی صوفے پر بیٹھی تھی۔ یقیناً لورا نے اسے ڈانٹ پلائی تھی۔

میں نے پرما کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''چلو میرے ساتھ۔''

''کک...... کہاں؟'' نظریں چراتے ہوئے وہ ہکلائی۔

میں نرمی سے بولا۔ ''اپنی خواب گاہ میں۔''

وہ سر جھکائے میرے ساتھ چل پڑی۔ خواب گاہ میں لے جا کر اس کی ہتھکڑی کھولی۔ ''یہاں آرام کرو۔ میں باہر لیٹا ہوں، کچھ ضرورت پڑے تو دروازہ کھٹکھٹا دینا۔''

وہ دھیرے سے بولی۔ ''نئے کپڑے اور گرم پانی چاہیے ہوگا۔ نجانے کتنے دن ہو گئے ہمیں نہائے ہوئے، اب تو بدن سے بو آنے لگی ہے۔''

''غسل خانے میں گیزر لگا ہے آن کر لو، تھوڑی دیر میں پانی گرم ہو جائے گا۔ میں کپڑے لاتا ہوں۔'' دروازہ باہر سے بند کر کے میں نیچے آ گیا۔

لورا اطمینان سے سو گئی تھی۔ غسل خانے کے سامنے ڈریسنگ روم بنا تھا۔ جس کی مکمل دیوار تین الماریوں پر مشتمل تھی۔ الماریوں کے نیچے جوتوں کے ریک تھے۔ دو الماریاں زنانہ لباس اور ایک مردانہ کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ زنانہ لباسوں میں ساڑھیاں، تھری پیس سوٹ، زنانہ جینز، پاجامے، شلوار سوٹ۔ اور نجانے کیا کیا اقسام موجود تھیں۔ پرما پہلی مرتبہ اسکرٹ میں نظر آئی تھی۔ اور دوسری مرتبہ اسے اغواء کرتے دیکھ پایا جب وہ جینز میں تھی۔ اندازہ یہی تھا کہ اسے مغربی لباس پسند تھا۔ مگر میں نے اس کے لیے شلوار قمیص پسند کی تھی کیوں کہ یہ ایسا لباس ہے جس میں ناپ کی کافی گنجائش نکل آتی ہے۔ جبکہ مغربی لباس میں ایسی گنجائش نہیں ملتی۔ اس میں درست پیمائش زیادہ ضروری خیال کی جاتی ہے۔

''اتنا بے ہودہ رنگ ہم نے کبھی نہیں پہنا۔'' بینگنی رنگ کے کپڑے دیکھتے ہی اس نے ناک بھوں چڑھائی تھی۔

''تحفہ نہیں دے رہا ضرورت پوری کر رہا ہوں۔ اور آپ بھی قیدی ہیں دعوت میں نہیں جا رہیں۔'' لباس بیڈ پر پھینک کر میں باہر نکلنے کو مڑا۔

وہ سرعت سے بولی۔ ''دو تین جوڑے کپڑے لے دینے سے آپ غریب نہیں ہوں جائیں گے۔ اور فکر نہ کریں، جتنا ہم پر خرچ کرو گے، گرینڈ پا سے ملتے ہی سارا سود سمیت لوٹا دیں گے۔ باقی یہ کپڑے کسی کے استعمال شدہ لگتے ہیں۔ ہم کسی اور کے کپڑے نہیں پہن سکتے۔'' اس نے کپڑے کرسی پر پھینک دیے تھے۔

میں نرمی سے بولا۔ ''پھر انتظار کرو۔''

''تولیہ بھی منگوا لینا۔ اور کچھ کھانے لائق بھی۔'' اس نے بے تکلفی سے فرمائش کی۔ میں جواب دیے بغیر باہر نکل آیا۔

دروازہ باہر سے بند کر کے میں کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر باہر کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں سے داخلی دروازے اور سامنے کی گلی پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ جب تک ڈاکٹر سجاتا کی طرف سے اطمینان حاصل نہ ہو جاتا مجھے چین نہیں آ سکتا تھا۔ تھکن کے باوجود میں لورا کے اٹھنے سے پہلے سو نہیں سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کھڑکی کے سامنے گزار کر میں چھت پر چڑھ گیا۔ مگر کھلے عام پھرنا مناسب نہیں تھا اس لیے سڑھیوں کے ساتھ پانی کی ٹینکی کی آڑ لے کر دائیں بائیں کا جائزہ لیا۔ فرار ہونے کے مناسب رستے کا تعین کیا اور دوسری منزل پر اتر آیا۔ وہ ڈرائینگ روم پرما کی نگرانی کے لیے بہترین تھا۔

میں ٹی وی لگا کر خبریں دیکھنے لگا۔ گزشتہ رات کے ہنگامے کے بارے کوئی واضح خبر نہیں چلی تھی۔ بس پولیس کا

شہریوں کو تنگ کرنے کا ذکر ہو رہا تھا۔ یقیناً ہمیں ڈھونڈنے کو پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی، گاڑیوں کی تلاشی لے رہی تھی، پیدل چلنے سے باز پرس کر رہی تھی۔ اور پولیس کی ایسی کارروائیاں بلاشبہ عوام کے لیے مفید ہوتی ہیں، کیوں کہ اسی طرح ہی دہشت گردی اور دوسرے غیر قانونی دھندوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن پولیس کی یہ چوکسی اور ایمانداری نہ پاکستان کے عوام کو راس آتی ہے نہ ہمارے پڑوسی اس سرگرمی کو پسند کرتے ہیں۔

پونے بارہ بجے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر سجاتا کی کال تھی۔ ہیلو ہائے کے بعد پوچھنے لگی۔

''کوئی چیز چاہیے ہو تو آپ کی طرف ہی آ رہی ہوں۔''

میں بے تکلفی سے بولا۔ ''کافی سامان چاہیے۔'' اور پھر اسے ناشتے کے ضروری سامان کے علاوہ پرما کے لیے دو سوٹ اور تولیہ لانے کا بتا دیا۔ کپڑوں کے ناپ کے بارے استفسار پر اعتماد سے اپنی جانِ حیات پلوشے کا ناپ بتا دیا تھا۔

ڈاکٹر سجاتا دو بجے کے قریب وہاں پہنچی تھی۔ میں نے داخلی دروازہ کھولا۔ وہ کار اندر لے آئی۔ گیراج میں تو جگہ نہیں تھی اس نے کار مختصر سے صحن ہی میں پارک کر دی۔

عقبی نشست سامان سے بھری ہوئی تھی۔ سامان اندر منتقل کر کے ہم نچلے ڈرائینگ روم میں بیٹھ گئے۔ اب تک میں نے اسے پرما کے بارے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور چونکہ خبروں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا تھا اس لیے ڈاکٹر سجاتا خود سے بھی اس کے بارے کچھ نہیں جانتی تھی۔

''جگہ پسند آئی۔'' رسمی کلمات کی ادائی کے بعد اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

میں صاف گوئی سے بولا۔ ''آپ کے رویے نے الجھایا ہوا ہے، ورنہ جگہ بہت عمدہ ہے۔''

اس کے چہرے کی رونق ماند ہوئی۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے چپ سادھ لی تھی۔ تب وہ کافی دکھی دکھائی دے رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب! یاد رہے پولیس اور ایجنسیاں مسلسل ہماری تلاش میں ہیں۔ اور معلوم نہیں کس وقت ہم تک پہنچ جائیں۔ ایسے حالات میں اندھا دھند بھاگنا ہماری مجبوری بن جاتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ کسی مناسب موقع کے انتظار کے بجائے جو کچھ کہنا ہے اگل دو۔ ہاں یا ناں کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔''

''آپ کی ساتھی سوئی ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں، اگر جاگ رہی ہوتی تب بھی پروا نہیں تھی کہ بے چاری ہندی سے بالکل نابلد ہے۔''

وہ مستفسر ہوئی۔ ''کیا میرا کام کرنے کو اس کی اجازت کی ضرورت پڑے گی؟''

میں نے اسے تسلی دی۔ ''اس کا انحصار آپ کے کام پر ہے۔ اگر اکیلا میرے کرنے کا ہے تو اسے بتانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی، ورنہ بے فکر رہو وہ میرے ساتھ ہے۔''

وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ ''مجھے نہیں پتا آپ اکیلا کریں گے یا دونوں کی ضرورت پڑے گی۔''

''آپ یہ سر درد میرے لیے رہنے دیں اور کام بتائیں۔''

لمحہ بھر سوچ کر وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''سیون ہائیٹ ہسپتال کا ایک سینئر ڈاکٹر مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ اس کے پاس میری ایسی وڈیو ہے جو یوٹیوب پر چڑھا دی تو میرے پاس آتما ہتھیا (خودکشی) کے علاوہ کوئی چناؤ نہیں بچے گا۔''

میں نے دل ہی دل میں اپنے پاس موجود پیسوں کا حساب کرتے ہوئے پوچھ[illegible] رقم کا تقاضا کر[illegible]''

وہ سرخ ہوتے ہوئے بولی۔ ''اسے رقم نہیں چاہیے۔''
میں نے اس کے مجوب چہرے سے نظریں ہٹائیں اور صوفے کی پشت پر سر ٹیکتے ہوئے پوچھا۔ ''کہیں اس کا مطالبہ مان تو نہیں لیا۔''
وہ شرم، غصے اور دکھ بھرے لہجے میں کراہی۔ ''گزشتہ دو اتوار کی راتیں اذیت سہہ چکی ہوں۔''
میں شاکی ہوا۔ ''اس کا مطالبہ پورا کرنے کے بعد باقی کیا بچا۔''
''اب وہ زور دے رہا ہے مجھے اس کے دوستوں کو راضی کرنا پڑے گا۔ اور درحقیقت وہ اس کے دوست نہیں گا ہک ہیں۔ جن سے بھاری معاوضا لے کر مجھے پیش کرے گا۔ میرے علاوہ بھی چند لیڈی ڈاکٹر اس کے چنگل میں پھنسی ہیں۔ جو کوشش کے باوجود جان نہیں چھڑا پا رہیں۔ ایک بار اس کے ہتھے چڑھ جانے والی اس دلدل سے نکلنے کی کوشش میں مزید دھنستی چلی جاتی ہے۔ پہلے اس کے پاس میرا ایک وڈیو کلپ تھا۔ اب دو تین فلمیں بنا چکا ہے۔''
میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''آپ پھنسیں کیسے۔''
وہ رنکھے لہجے میں گویا ہوئی۔ ''ڈاکٹر آدیتی ورما کافی عرصے سے اس کے چنگل میں پھنسی تھی۔ اس بے غیرت نے آدیتی سے وعدہ کیا کہ اگر مجھے ورغلا کر اس کے چنگل میں پھنسا دے تو آدیتی کی جان چھوڑ دے گا۔ آدیتی لالچ میں آ گئی۔ مجھ سے تعلقات بڑھائے، دوستی و بے تکلفی پیدا کی۔ یہاں تک کہ دو تین ہفتوں میں ہماری گاڑھی چھننے لگی تھی۔ پھر ایک رات اپنے ہاں تقریب میں بلا لیا۔ دوستی نبھانے کو مجھے جانا پڑا۔ کیا خبر تھی کہ اپنی گردن میں پھندہ ڈال رہی ہوں۔ تقریب میں اس کی گنی چنی سہیلیاں اور چند دوست ہی آئے تھے۔ دوسروں کی ہمراہی میں میں نے بھی دو تین جام چڑھا لیے۔ اس سے بے خبر کہ آدیتی میری شراب میں جذبات کو برانگیختہ کرنے والی دوائی کی اچھی خاصی مقدار شامل کر چکی تھی۔ جونھی میں بہکنے لگی آدیتی مجھے کھینچ کر اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ مجھے اپنے افعال پر قابو نہیں رہا تھا۔ خواب گاہ میں بند کر کے پہلے تو وہ خود میرے جذبات کو مزید ابھارتی رہی، جونھی میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہوئی اس نے اپنے خصوصی ملازم کو گھنٹی کر کے وہیں بلا لیا۔ اور تب تک میں فائدے نقصان کے احساس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ تب میری طلب میں ذلت و غلاظت کے علاوہ کچھ شامل نہ تھا۔ جب حواسوں میں آئی تو لٹ چکی تھی۔ لیکن افسوس کرنے اور پشیمان ہونے سے میری عصمت یا فخر واپس نہیں آ سکتا تھا۔ رو دھو کر گھر آ گئی۔ دو دن نوکری پر بھی نہیں جا سکی تھی۔ اور جس دن کام پر لوٹی تب پتا چلا کہ میرے پاؤں کے نیچے زمین نہیں رہی تھی۔ ڈاکٹر دیواشش کمار کے مطالبے سے بچنے کا ایک ہی رستہ بچا تھا اور وہ تھا آتما ہتھیا کرنا۔ کوشش تو کی مگر زندگی کی محبت غالب رہی۔ سوچا جب ایک بار برباد ہو چکی ہوں تو دوسری بار کڑوا گھونٹ پینے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ پہلے لاعلمی وجہ بنی دوسری بار بے بسی۔ مگر یہ میری بھول تھی کہ دیواشش جیسے درندے کے چنگل سے جان چھڑانا ممکن ہوتا ہے۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔
''پانی لو۔'' نجانے لورا کس وقت پہنچی تھی۔ اسے روتے دیکھ کر پانی گلاس بڑھاتے ہوئے نرم لہجے میں بولی۔
وہ گلاس تھام کر ایک ہی سانس میں خالی کر گئی۔ لورا باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
میں مطلب کی بات پر آیا۔ ''اب بتاؤ میں کر سکتا ہوں۔''
وہ آزردگی سے بولی۔ ''ساری کہانی بتا تو دی ہے۔''
میں نرمی سے بولا۔ ''تفصیل بتائی ہے، مطمح نظر بیان نہیں کیا۔''
وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ ''دیواشش کمار کو قتل کر سکتے ہو۔''
''یہ کام تو آپ خود بھی کر سکتی تھیں۔''

وہ استہزائی انداز میں بولی۔ ''کیا آپ کو اتنی ہمت و حوصلے والی لگتی ہوں۔''

میں اطمینان سے بولا۔ ''کرائے کے کئی قاتل مل جاتے ہیں۔''

''اگر وہ قاتل پکڑا جاتا تو میری عزت تو خیر کیا بچتی جیل کی سیر بھی کرنا پڑتی۔''

میرے مشورے جاری رہے۔ ''اپنے بھائی کو سب کچھ بتا دیتیں۔ایک مرد ایسے معاملے کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہے۔'' اسی وقت لورا مگ میں چمچ گھماتی ہوئی میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ وہ شاید کافی کے لیے پیسٹ بنا رہی تھی۔

سجاتا نے گہرے طنز سے تصدیق چاہی۔ ''یقیناً آپ کے ہاں ایسے حادثے کے بعد بہن فوراً اپنے بھائی کو اعتماد میں لیتی ہوگی ہے ناں۔''

''غلطی کا اعتراف کر لیتیں تو گناہ سے بچ جاتیں۔''

وہ ندامت سے بولی۔ ''اپنی غلطی وحماقت پر پردہ ڈالنے کو گناہ کا سہارا لینا چاہا تھا، مگر نہیں جانتی تھی کہ پستی میں لڑھکنے والا تہہ میں پہنچنے سے پہلے نہیں سنبھل سکتا۔ یقیناً میری نجات بھی شمشان گھاٹ میں جا کر ہی ہوگی۔لیکن بدنامی سے نہیں بھاگ سکتی کیوں کہ دیواشش جیسا موذی میری موت کے بعد میری نازیبا وڈیوز کو بیچ کر پیسہ کمائے گا۔''

''میرے لیے دیواشش کے سر میں گولی اتارنا چنداں دشوار نہیں ہے۔لیکن دیواشش کی موت کے بعد بھی خطرہ آپ کے سر پر منڈلاتا رہے گا۔ نجانے اس نے وڈیوز کہاں چھپائی ہوں گی۔اس کی موت کی وجوہات ڈھونڈنے والوں کی ان وڈیوز تک رسائی مشکل نہیں ہوگی۔اور تفتیش کرنے والوں میں کوئی بدخصلت شامل ہوا تھا تو آپ کا واسطہ کسی نئے دیواشش سے پڑ جائے گا۔''

وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ ''اندازہ کر سکتی ہوں۔''

لورا لاتعلقی سے مگ میں چمچ گھمائے جا رہی تھی۔سر درد کے لیے پیسٹ والی کافی، اچھی رہتی ہے۔لیکن کافی کا پیسٹ بنانا بھی اچھا خاصا سر درد ہے۔ بہ قول شاعر......

دردِ سر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید
اس کا گھسنا اور لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے

لورا نیند سے جاگ کر اپنی کسلمندی دور کرنے کو کافی پینا چاہ رہی تھی اور اس کی کسل مندی پیسٹ بنانے ہی سے دور ہوگئی تھی۔

میں سجاتا کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اب بتاؤ آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے ماتھے پر سر ٹیکا۔ ''آپ کا نرم لہجہ، خوش اخلاقی اور بات کرنے کا ڈھنگ ایسا تھا کہ میں جوا کھیلنے پر آمادہ ہوگئی۔سوچا آپ کے کام آ کر اپنا بگڑا نصیب سدھار لوں گی۔''

لورا باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

میں نے جھک کر سجاتا کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپایا۔ ''نصیب سدھارنا ربِّ کائنات کا کام ہے۔البتہ کوشش کی جا سکتی ہے۔اور بے فکر رہو ان شاء اللہ تمھیں مایوس نہیں کروں گا۔''

مجھے عقیدت سے دیکھتے ہوئے وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ''آپ کا تم کہنا مجھے اچھا لگا۔''

لورا ٹرے میں تین مگ سجائے نمودار ہوئی۔ ہمارے سامنے ایک ایک مگ رکھ کر اس نے اپنا مگ اٹھا لیا۔

''شکریہ۔'' ڈاکٹر سجاتا کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے لورا کو مخاطب ہوئی۔

گردن میں ہلکا سا خم لاتے ہوئے لورا نے پھلجھڑی چھوڑی۔ ''ریجا کی تسلیوں اور وعدوں کو سنجیدگی سے نہ لینا کہ

خوب صورت لڑکیوں کو چکنی چپڑی باتوں سے بہلانا اس کی عادت ہے۔"
"کک......کیا مطلب۔" ڈاکٹر سجاتا بوکھلا گئی تھی۔
لورا نے منہ بنایا۔ "الجبرے کا کلیہ یا جیومیٹری کا مسئلہ تو بتایا نہیں کہ وضاحت کی ضرورت پڑے۔"
ڈاکٹر سجاتا ششدر سی میری طرف متوجہ ہوئی۔ میں اطمینان سے بولا "اسے پوچھو نا، میرے ساتھ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔ کہیں دفع ہو جائے۔"
لورا کا مترنم قہقہہ گونجا۔ "اکیلے میں منتیں کرنے اور ہاتھ جوڑنے سے بھی نہیں کتراتا، دوسروں کے سامنے اس کے ڈرامے دیکھو۔"
ڈاکٹر سجاتا ہونق بنی ہمیں گھور رہی تھی۔ پھر اس سے رہا نہ گیا ہندی میں بولی۔ "مادام کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"
"اندیشہ نہ کرو، اس کی بے ہودہ گوئی اور بکواس کی عادت بہت پرانی ہے۔"
لورا شرارتی انداز میں بولی۔ "جھوٹا، اسی لیے اردو بول رہا ہے تاکہ مجھے اس کی بات سمجھ نہ آئے۔"
ڈاکٹر سجاتا کے چہرے پر پریشانی ابھری۔ لورا نشست چھوڑ کر اس کے پہلو میں جا بیٹھی۔ "بہ ہر حال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ہوں ناں۔ اور بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔"
ڈاکٹر سجاتا بولی۔ "آپ کے ساتھی کو تفصیل بتا دی ہے۔"
"تو کیا سوچا ہے؟" لورا براہ راست مجھے مخاطب ہوئی۔
میں نے کہا۔ "مشورہ کرتے ہیں۔"
لورا مسرت سے چہکی۔ "شکر ہے مجھ سے بات تو کی۔ میں نے سوچا کہ خفا ہو گئے ہو۔"
"تمھاری حرکتیں تو ایسی نہیں کہ بندہ بات کرے۔"
"اچھا اب تو معافی تلافی ہو گئی ہے، تو کیوں نا، کام کی بات کی جائے۔ پہلے مجھے ڈاکٹر سجاتا کا مسئلہ بتاؤ پھر کوئی حل سوچتے ہیں۔"
میں نے اجمالاً بیان کیا۔ "تمھارے والا مسئلہ ہے۔ اسے بھی ایک شکلا ٹکرا گیا ہے۔ جوان لمحات کو فلما کر بے چاری کو بلیک میل کر رہا ہے۔ بس اس درندے سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔"
وہ سکون سے بولی۔ "سوچنا کیا ہے، سر میں گولی اتار دو تاکہ اپنے ادھورے کام کی طرف متوجہ ہو سکیں۔"
"اور اس کے قبضے میں جو وڈیو ہے اس کا کیا؟"
وہ ڈاکٹر سجاتا کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ذرا اس کا حدود اربعہ بیان کرو۔ کہاں رہتا ہے، کس وقت چھٹی کرتا ہے، محافظ کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"
سجاتا نے تفصیل بتائی۔ "صبح نو بجے ہسپتال پہنچتا ہے اور شام چار بجے چھٹی کرتا ہے۔ سیون ہائیٹ ہسپتال سے تھوڑے ہی فاصلے پر شیواجی نگر میں اس کی بڑی سی کوٹھی ہے۔ غیر شادی شدہ ہے۔ گھر میں دو چوکیدار، ایک مالی، ایک باورچن ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ ایک ذاتی محافظ اور ایک ڈرائیور بھی ہے جو ہسپتال کی طرف سے اسے ملے ہوئے ہیں۔"
لورا نے بے باکی سے پوچھا۔ "عورتوں کے بارے اس کی کوئی خاص پسند؟"
ڈاکٹر سجاتا نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ "خود تو کالا بھجنگ ہے، مگر گوری سفید عورتوں کا شیدائی ہے۔ اسی لیے

وہ استہزائی انداز میں بولی۔ ”کیا آپ کو اتنی ہمت وحوصلے والی لگتی ہوں۔“

میں اطمینان سے بولا۔ ”کرائے کے کئی قاتل مل جاتے ہیں۔“

”اگر وہ قاتل پکڑا جاتا تو میری عزت تو خیر کیا بچتی جیل کی سیر بھی کرنا پڑتی۔“

میرے مشورے جاری رہے۔ ”اپنے بھائی کو سب کچھ بتا دیتیں۔ ایک مرد ایسے معاملے کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہے۔“ اسی وقت لورا مگ میں چمچ گھماتی ہوئی میرے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ وہ شاید کافی کے لیے پیسٹ بنا رہی تھی۔

سجاتا نے گہرے طنز سے تصدیق چاہی۔ ”یقیناً آپ کے ہاں ایسے حادثے کے بعد بہن فوراً اپنے بھائی کو اعتماد میں لیتی ہوگی ہے ناں۔“

”وہ غلطی کا اعتراف کرلیتیں تو گناہ سے بچ جاتیں۔“

وہ ندامت سے بولی۔ ”اپنی غلطی وحماقت پر پردہ ڈالنے کو گناہ کا سہارا لینا چاہا تھا، مگر نہیں جانتی تھی کہ پستی میں لڑھکنے والا تہہ میں پہنچنے سے پہلے نہیں سنبھل سکتا۔ یقیناً میری نجات بھی شمشان گھاٹ میں جا کر ہی ہوگی۔ لیکن بدنامی سے نہیں بھاگ سکتی کیوں کہ دیواشش جیسا موذی میری موت کے بعد میری نازیبا ڈیوز کو بیچ کر پیسہ کمائے گا۔“

”میرے لیے دیواشش کے سر میں گولی اتارنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ لیکن دیواشش کی موت کے بعد بھی خطرہ آپ کے سر پر منڈلاتا رہے گا۔ نجانے اس نے وڈیوز کہاں چھپائی ہوں گی۔ اس کی موت کی وجوہات ڈھونڈنے والوں کی ان وڈیوز تک رسائی مشکل نہیں ہوگی۔ اور تفتیش کرنے والوں میں کوئی بدخصلت شامل ہوا تھا تو آپ کا واسطہ کسی نئے دیواشش سے پڑ جائے گا۔“

وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ ”اندازہ کرسکتی ہوں۔“

لورا لاتعلقی سے مگ میں چمچ گھمائے جا رہی تھی۔ سر درد کے لیے پیسٹ والی کافی، اچھی رہتی ہے۔ لیکن کافی کا پیسٹ بنانا بھی اچھا خاصا سر درد ہے۔ بہ قول شاعر......

دردِ سر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید
اس کا گھسنا اور لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے

لورا نیند سے جاگ کر اپنی کسلمندی دور کرنے کو کافی پینا چاہ رہی تھی اور اس کی کسل مندی پیسٹ بنانے ہی سے دور ہوگئی تھی۔

میں سجاتا کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اب بتاؤ آپ کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔“

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے ماتھے پر سر ٹیکا۔ ”آپ کا نرم لہجہ، خوش اخلاقی اور بات کرنے کا ڈھنگ ایسا تھا کہ میں جوا کھیلنے پر آمادہ ہوگئی۔ سوچا آپ کے کام آکر اپنا بگڑا نصیب سدھار لوں گی۔“

لورا باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

میں نے جھک کر سجاتا کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپایا۔ ”نصیب سدھارنا ربّ کائنات کا کام ہے۔ البتہ کوشش کی جاسکتی ہے۔ اور بے فکر رہو ان شاء اللہ تمھیں مایوس نہیں کروں گا۔“

مجھے عقیدت سے دیکھتے ہوئے وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ”آپ کا تم کہنا مجھے اچھا لگا۔“

لورا ٹرے میں تین مگ سجائے نمودار ہوئی۔ ہمارے سامنے ایک ایک مگ رکھ کر اس نے اپنا مگ اٹھا لیا۔

”شکریہ۔“ ڈاکٹر سجاتا کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے لورا کو مخاطب ہوئی۔

گردن میں ہلکا سا خم لاتے ہوئے لورا نے پھلجڑی چھوڑی۔ ”ریجا کی تسلیوں اور وعدوں کو سنجیدگی سے نہ لینا کہ

خوب صورت لڑکیوں کو چکنی چپڑی باتوں سے بہلانا اس کی عادت ہے۔"

"بک..... کیا مطلب۔" ڈاکٹر سجاتا بوکھلا گئی تھی۔

لورا نے منہ بنایا۔"الجبرے کا کلیہ یا جیومیٹری کا مسئلہ تو بتایا نہیں کہ وضاحت کی ضرورت پڑے۔"

ڈاکٹر سجاتا ششدر سی میری طرف متوجہ ہوئی۔ میں اطمینان سے بولا" اسے پوچھو نا، میرے ساتھ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔ کہیں دفع ہو جائے۔"

لورا کا مترنم قہقہہ گونجا۔"اکیلے میں منتیں کرنے اور ہاتھ جوڑنے سے بھی نہیں کتراتا، دوسروں کے سامنے اس کے ڈرامے دیکھو۔"

ڈاکٹر سجاتا ہونق بنی ہمیں گھور رہی تھی۔ پھر اس سے رہا نہ گیا ہندی میں بولی۔"مادام کی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"اندیشہ نہ کرو، اس کی بے ہودہ گوئی اور بکواس کی عادت بہت پرانی ہے۔"

لورا شرارتی انداز میں بولی۔"جھوٹا، اسی لیے اردو بول رہا ہے تاکہ مجھے اس کی بات سمجھ نہ آئے۔"

ڈاکٹر سجاتا کے چہرے پر پریشانی ابھری۔ لورا نشست چھوڑ کر اس کے پہلو میں جا بیٹھی۔"بہ ہر حال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ہوں ناں۔ اور بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔"

ڈاکٹر سجاتا بولی۔"آپ کے ساتھی کو تفصیل بتا دی ہے۔"

"تو کیا سوچا ہے؟" لورا براہ راست مجھے مخاطب ہوئی۔

میں نے کہا۔"مشورہ کرتے ہیں۔"

لورا مسرت سے چہکی۔"شکر ہے مجھ سے بات تو کی۔ میں نے سوچا پکے خفا ہو گئے ہو۔"

"تمھاری حرکتیں تو ایسی نہیں کہ بندہ بات کرے۔"

"اچھا اب تو معافی تلافی ہو گئی ہے، تو کیوں نا، کام کی بات کی جائے۔ پہلے مجھے ڈاکٹر سجاتا کا مسئلہ بتاؤ پھر کوئی حل سوچتے ہیں۔"

میں نے اجمالاً بیان کیا۔"تمھارے والا مسئلہ ہے۔ اسے بھی ایک شکلا ٹکرا گیا ہے۔ جوان لحات کو فلما کر بے چاری کو بلیک میل کر رہا ہے۔ بس اس درندے سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔"

وہ سکون سے بولی۔"سوچنا کیا ہے، سر میں گولی اتارو تاکہ اپنے ادھورے کام کی طرف متوجہ ہو سکیں۔"

"اور اس کے قبضے میں جو ڈیو ہے اس کا کیا؟"

وہ ڈاکٹر سجاتا کی طرف متوجہ ہوئی۔"ذرا اس کا حدود اربعہ بیان کرو۔ کہاں رہتا ہے، کس وقت چھٹی کرتا ہے، محافظ کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

سجاتا نے تفصیل بتائی۔"صبح نو بجے ہسپتال پہنچتا ہے اور شام چار بجے چھٹی کرتا ہے۔ سیون ہائیٹ ہسپتال سے تھوڑے ہی فاصلے پر شیواجی نگر میں اس کی بڑی سی کوٹھی ہے۔ غیر شادی شدہ ہے۔ گھر میں دو چوکیدار، ایک مالی، ایک باورچن ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ ایک ذاتی محافظ اور ایک ڈرائیور بھی ہے جو ہسپتال کی طرف سے اسے ملے ہوئے ہیں۔"

لورا نے بے باکی سے پوچھا۔"عورتوں کے بارے اس کی کوئی خاص پسند؟"

ڈاکٹر سجاتا نفرت بھرے لہجے میں بولی۔"خود تو کالا بھجنگ ہے، مگر گوری سفید عورتوں کا شیدائی ہے۔ اسی لیے

سانولی اور کالی رنگت والی عموماً اس کے شر سے محفوظ رہتی ہیں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ حسرت سے بولی۔ ''میری رنگت بھی سانولی ہوتی۔''

''کس چیز کا اسپیشلسٹ ہے؟''

''ماہر امراض قلب و جگر (Cardiologist) ہے۔''

وہ اطمینان سے بولی۔'' ریجا اپنے رویے کی معافی مانگے باقی کام میں سنبھال لوں گی۔''

''ضرورت ہی نہیں ہے، تم آرام کرو۔''

''ذلیل ہو جاؤ گے لیکن اپنی انا نہیں چھوڑو گے۔'' ناک بھوں چڑھاتے ہوئے وہ سجاتا کو مخاطب ہوئی۔'' مجھے سنہر کوٹ اور نئی کار چاہیے ہوگی۔ تم میرے ساتھ چلوگی، دور سے اس کی کوٹھی دکھا کر واپس آ جانا۔ باقی ایسے کردار کو میں آسانی سے سنبھال لوں گی۔''

میں نے پوچھا۔'' مجھے بتاؤ تم کیا کرنا چاہتی ہو۔''

''تمھیں تو بالکل نہیں بتاؤں گی، البتہ معافی مانگتے ہو تو غور کر سکتی ہوں۔''

میں بھناتے ہوئے بولا۔'' بھاڑ میں جاؤ۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسی۔'' چلو بتا دیتی ہوں، تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

ایک عالی شان کوٹھی کے داخلی دروازے کے سامنے میں نے کار روکی۔ چوکیدار ذیلی کھڑکی کھول کر باہر نکلا۔

میں چوکیدار کو مخاطب ہوا'' ڈاکٹر جینفر ہنڈ سلے، ڈاکٹر دیواشش صاحب کو ملنے آئی ہیں۔''

''میں پتا کرلوں۔'' وہ اندر گھس گیا۔

لورا نے مجھے چھیڑا۔'' تمھیں جھوٹ بھی نہیں بولنا۔''

''بہتر ہوگا کار سے نکل کر کھڑی ہو جاؤ تا کہ ڈاکٹر دیواشش تمھیں اچھی طرح دیکھ سکے۔'' میں نے اسے سیکیورٹی کیمرے کی طرف متوجہ کیا۔

''تم جیسے کھڑوس کے ساتھ اتنا عرصہ رہ کر بھی متاثر نہ کر پائی تو وہ خبیث وڈیو کیمرے میں دیکھ کر کیسے متاثر ہو جائے گا۔'' طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ نیچے اتر گئی۔ کالے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں وہ صحیح دمک رہی تھی۔ بالوں کو اچھی طرح سنوار کر اس نے بکھیر دیا تھا تا کہ یوں لگے کام چھوڑ کر آئی ہے۔ سفید کوٹ نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ آنکھوں میں نیلے لینز اور اس پر سفید بڑے شیشوں کی عینک جس نے اس کا آدھا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ عینک نے اس کی معصومیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے اصل حلیے میں تھی۔ کیوں ہمیں امید تھی ڈاکٹر دیواشش اسے شکل سے نہیں پہچانتا ہوگا۔ یوں بھی ٹی وی پر صرف میری تصویر دکھائی گئی تھی۔ لورا کی تصاویر پولیس اور ایجنسی والوں کو خفیہ طور پر تقسیم کی گئی تھیں۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ توقع کے مطابق منٹ بھر بعد ہی گیٹ کھل گیا تھا۔ لورا اندر آ گئی۔

میں نے کار آگے بڑھائی اور وسیع صحن میں پہلے سے موجود دو کاروں کے ساتھ پارک کی۔ اور دوسری طرف گھوم کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔

نزاکت سے نیچے اتر وہ اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس سے ایک قدم پیچھے مؤدبانہ انداز میں چلنے لگا۔

ڈرائینگ روم میں درمیانے قد کا کالا سانڈ کھڑا تھا۔ ڈاکٹر کے بجائے وہ کسی گروہ کا دادا لگ رہا تھا۔

''یقین نہیں آ رہا انڈیا میں اتنی خوب صورت ڈاکٹر بھی موجود ہو سکتی ہے۔'' کریہہ ہونٹوں پر ندیدے پن سے زبان

پھیرتے ہوئے اس نے لورا کی جانب ہاتھ بڑھایا۔
''یقیناً میں معزز دیواشش سے ملنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔''لورا نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھاما۔اس کے ہاتھ میں لورا کا گورا چٹا ہاتھ یوں لگ رہا تھا جیسے کوکا کولا کے مشروب سے بھرے گلاس میں انڈا ڈال دیا جائے۔
بڑی مشکل سے لورا نے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور میری جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔''یہ میرے ڈرائیور،محافظ اور دوست ریجا جی ہیں۔''
''دوست؟''دیواشش نے حیرانی ظاہر کی۔میں نے بھی اپنے چہرے پر خوب کالک ملی ہوئی تھی۔سمجھ لیں دو روسیاہ آنے سامنے آگئے تھے۔
لورا بے باکی سے بولی۔''کیوں کہ مجھے اس کا رنگ بہت پسند ہے۔''
دیواشش کی باچھیں کھل گئی تھیں۔''یہ تو میرے لیے فخر کی بات ہے۔''اور گرم جوشی سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔''یہ اپنے ہم رتبہ کے ساتھ زیادہ آرام دہ رہے گا،کیوں کہ دو ڈاکٹروں کی ثقیل گفتگو اس کے پلے کہاں پڑے گی۔''
اس کا محافظ بھی وہیں موجود تھا۔چھ فٹ جسامت کا لمبا تڑنگا،سڈول بدن کا جوان گہری نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔
لورا معنی خیز انداز میں بولی۔''ہم آپ کے مطالعے کے کمرہ میں چلے جاتے ہیں،یہ ادھر ہی بیٹھ جائیں گے۔یقین مانو مجھے معلوم نہیں تھا آپ اتنے دلکش ہوں گے ورنہ فارغ وقت میں آتی۔''
''آپ اپنے فارغ اوقات بتادیں میں انتظار کرلوں گا۔''دیواشش اضطراری انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے بے صبری سے بولا تھا۔لورا جیسی پُرکشش لڑکی کا محبوبانہ انداز اس بے چارے نے کہاں دیکھا تھا۔
لورا پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گری۔''میرے ساتھی ڈاکٹر کو گھنٹی پر سمجھا دو تو چند گھنٹے ابھی بھی نکال سکتی ہوں۔''
دیواشش کمینے پن سے بولا۔''ویسے میرا مطالعے کا کمرہ اور خواب گاہ ایک ساتھ ہیں۔''
لورا کے ہونٹوں پر محبوبانہ تبسم ابھرا۔''آپ جیسی شخصیت سے مجھے اسی عقل مندی کی توقع تھی۔''
''اجیت،تم مہمان کی سیوا کرو،میں ڈاکٹر جینیفر ہنڈسلے کا مسئلہ سن لوں۔''اپنے محافظ کو ہندی میں ہدایت دے کر اس نے چھاتی پر ہاتھ رکھ کر لورا کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔
لورا نزاکت سے چلتے ہوئے مطلوبہ سمت کو بڑھ گئی۔میں انھی کی سمت متوجہ رہا۔
صوفے پر نشست سنبھالتے ہوئے اجیت نے معنی خیز انداز میں کہا۔''بیٹھو دوست،لگتا ہے ہمیں کافی دیر گپ شپ کا موقع ملے گا۔''
جیب سے سائیلنسر لگا گلاک برآمد کرتے ہوئے میں اطمینان سے بولا۔''ایسا بس تم سمجھتے ہو۔''
''یہ کیا مذاق ہے؟''اس نے اٹھنے کو پر تولے۔
میں پر اعتماد لہجے میں بولا۔''یقین کرو دوست،تم کتنی ہی تیزی دکھالو بہ ہر حال گولی سے ہار جاؤ گے۔جان بچانے کا موقع دے رہا ہوں۔ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ کر الٹے گھوم جاؤ۔''
وہ اعتماد سے بولا''اور تم اجیت کے نام سے واقف نہیں اس لیے معاف کرتے ہوئے دفع ہونے کا موقع دے رہا ہوں۔''البتہ اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''جیسے تمھاری مرضی۔'' کندھے اچکاتے ہوئے میں نے ایک دم لبلبی دبائی، گولی اس کے کان کی لو کو ساتھ لے گئی تھی۔

''اُفف..........''اس کے ہونٹوں سے تیز سسکی کے ساتھ واہیات گالی برآمد ہوئی اور اس نے کان پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں چونکہ اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے گالی برداشت کرنا پڑی۔ وہ دیواشش کا محافظ تھا۔ معلوم نہیں اس کی کاروائیوں میں شریک تھا یا نہیں۔ صرف شبے کی بنا پر اسے ٹھکانے لگانا مناسب نہیں تھا۔

''یہ گولی تمھاری کھوپڑی میں بھی چھید کر سکتی تھی۔ تب اجیت نام پر اترانے والی زبان کی حرکت نے رک جانا تھا۔ ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ اور یقین کرو مجھے بار بار موقع دینے کی عادت نہیں ہے۔''

اس نے بازو اوپر اٹھا دیئے تھے۔ آنکھوں میں غیظ وغضب لیے وہ کینہ توز نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ کان کی لو سے خون کے قطرے ٹپک کر اس کی سفید قمیص کو رنگین کر رہے تھے۔

میں نے حکم دیا۔''ہاتھ گردن کے پیچھے باندھو اور صوفے سے اتر کر الٹا گھومتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔''

اس نے لحہ بھر کے توقف کے بعد میری ہدایت پر من وعن عمل کیا۔

قریب جا کر میں نے ایک دم پستول کو نال سے پکڑ کر اس کی کھوپڑی کی سختی کا اندازہ کیا۔

''اوغ'' کی آواز کے ساتھ وہ اوندھے منہ صوفے پر گرا تھا۔ اس کی بے ہوشی کو یقینی بنانے کو میں نے دوسرا وار بھی کیا اور پھر جیب سے باریک ریشمی رسی نکال کر اس کی مشکیں کسنے لگا۔

اسے سختی سے جکڑ کر میں نے گھسیٹ کر قریبی کمرے میں پھینکا۔ اور خود دیواشش کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ دھکیلنے پر کھلا ملا۔ اندر کا منظر میری توقع کے مطابق تھا۔ دیواشش اوندھے منہ بیڈ پر لیٹا تھا اور لورا اس کی مشکیں کس رہی تھی۔

وہ تیز لہجے میں بولی۔''میرا خیال ہے تمھارا باہر رہنا زیادہ بہتر رہے گا۔''

میں نے کہا۔''شاید تم جلدی نہ اگلوا سکو۔''

وہ اعتماد سے بولی۔''ایسے سؤروں کو سدھانے کو لورا براؤن سے اچھا استاد تمھیں نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں باقی لوگوں کو سنبھالتا ہوں۔'' میں خواب گاہ سے نکل آیا۔ ملازمہ مجھے باورچی خانے میں ملی تھی۔ اس کے دوپٹے سے اس کی مشکیں کس کر میں نے باورچی خانے میں بند کر دیا۔ باقی ملازم وہاں موجود نہیں تھے۔ فیملی کوارٹر کوٹھی کے عقب میں بنے تھے۔ اور وہاں جانا وقت کا ضیاع تھا۔ میں ڈرائینگ روم کے دروازے کو اندر سے قفل کر کے دوبارہ دیواشش کی خواب گاہ میں پلٹ آیا۔ دیواشش کی حالت کافی خستہ نظر آرہی تھی۔ ایک کان اور ناک کٹا کر وہ مزید بھیانک لگنے لگا تھا۔ اپنی شلوار وہ گیلی کر چکا تھا۔ منہ بندھا تھا، بس ناک سے ''اوں اوں'' کی قابل رحم آواز نکل رہی تھی۔ یقیناً کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔ تبھی تو اس کی ہلکی سی آواز بھی میرے کانوں میں نہیں پڑی تھی۔

''باہر والے ساروں کو قتل کر دیا ہے۔'' اندر داخل ہوتے ہی میں نے دیواشش کی امیدوں کا ناس کیا تاکہ اس کا رہا سہا دم خم بھی ٹوٹ جائے۔

''پھر تو اس کے ہونٹ آزاد کر دینے چاہئیں۔'' لورا نے کپڑا کھول دیا۔

وہ گھگیاتے ہوئے بولا۔''پپ......پلیز......تم جو چاہتی ہو لے لو، مگر مجھ میں مزید سہنے کا حوصلہ نہیں ہے۔''

''لڑکیوں کو بلیک میل کرنے کا مواد کہاں رکھا ہے۔''

وہ ہکلایا۔''کک......کون سا......مواد؟''